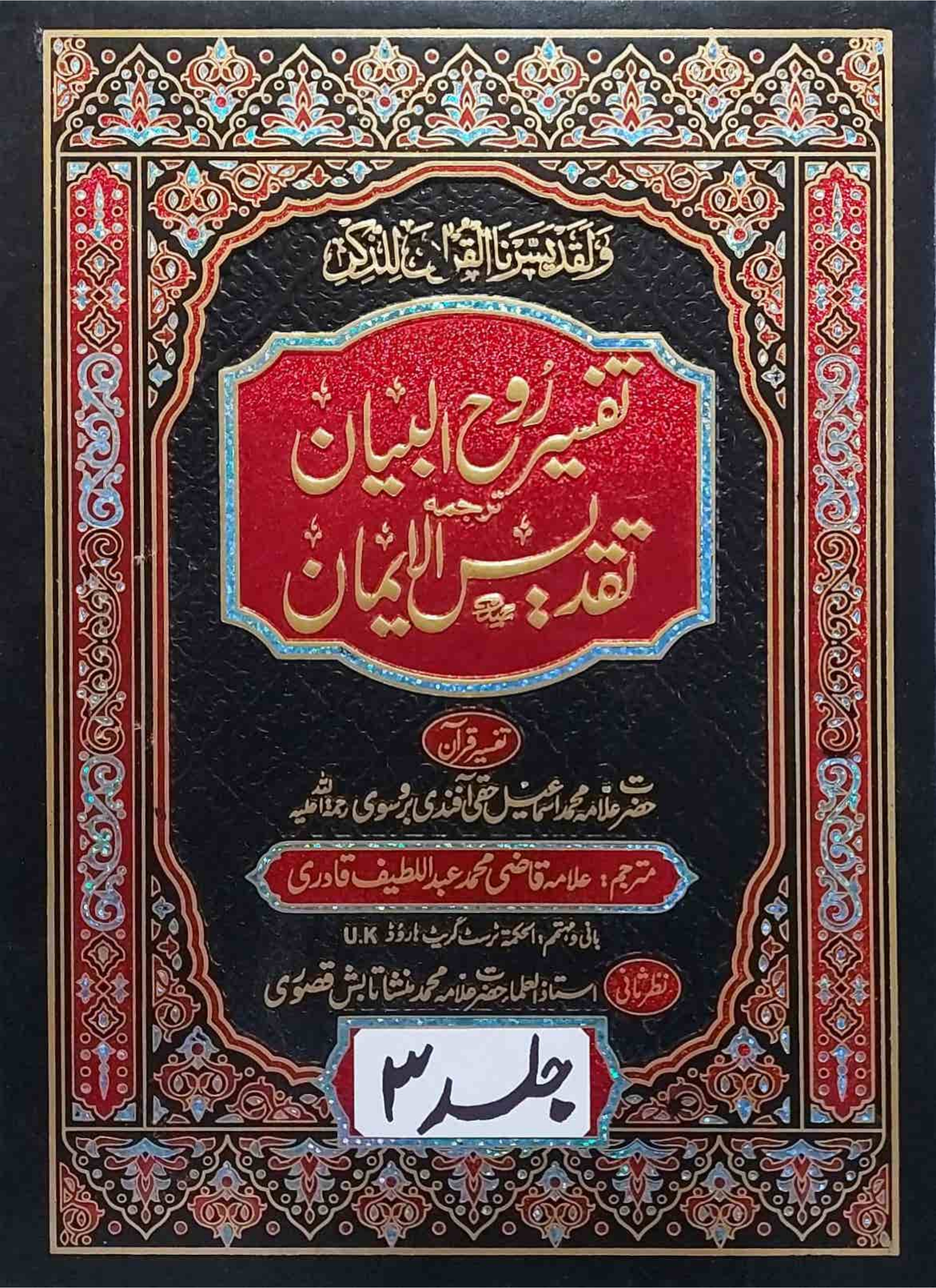

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
تفسیر روح البیان
ترجمہ
تقدیس الایمان
تفسیر قرآن
حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم: علامہ قاضی محمد عبد اللطیف قادری
بانی و مہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہارووڈ U.K
نظر ثانی
استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
جلد ۳

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن کو آسان بنادیا ہے۔ (سورۃ القمر)

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

تفسیر قرآن : حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

بانی و مہتمم: الحکمہ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی : استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پارہ 7 تا 9

عبداللہ اکیڈمی

میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

فون: 042-37241382

نام کتاب ......☆...... تفسیر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان

تفسیر قرآن ......☆...... حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وتخریج ......☆...... علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

......☆...... بانی ومہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی ......☆...... استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پروف ریڈنگ ......☆...... علامہ قاضی محمد سعید الرحمٰن قادری۔ 0300-9506527

......☆...... علامہ قاضی طاہر محمود قادری، علامہ قاضی مظہر حسین قادری

......☆...... مولانا مقصود الٰہی، مولانا حافظ غالب چشتی

پروف ریڈنگ قرآن ......☆...... قاری محمد اسلام خوشابی 0306-6628331

......☆...... (رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب)

کمپوزنگ ......☆...... حافظ شاہد خاقان 0321/0311-5841622

اشاعت اول ......☆...... 2021

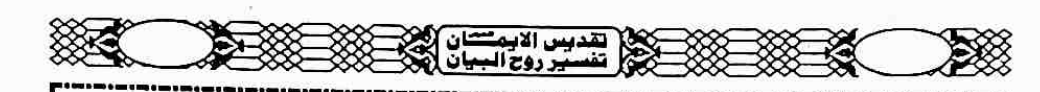
مجلدات ......☆...... 10

ہدیہ

گورنمنٹ آف پاکستان کے احکامات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کا نام مبارک جہاں بھی آئے گا وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ کا لفظ لازمی آئے گا۔ حکومت کے اسی حکم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں جہاں جہاں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ لکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کہیں لکھنے سے رہ گیا ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ خاتم النبیین ﷺ ہی لکھا اور پڑھا جائے۔ شکریہ ادارہ

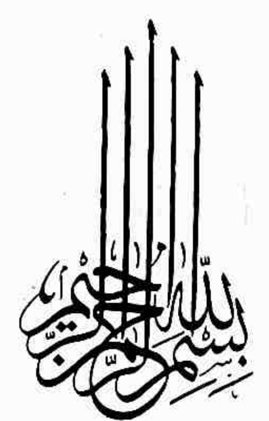
ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ (ادارہ)



فہرست مضامین تفسیر روح البیان (جلد سوم پارہ 9-7)

اختتام جلد سوم

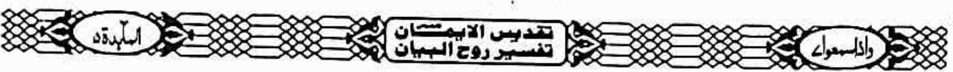


پارہ 7 تا 9

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان



وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا

اور جب سنی وہ چیز جواتری طرف رسول کے تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھوں سے بہہ رہے آنسو اس لئے کہ جو پہچان لیا انہوں نے

مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ

حق کو کہنے لگے اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو تو لکھ ہمیں ساتھ گواہوں کے۔ اور کیا ہوا ہمیں کہ نہ ایمان لائیں

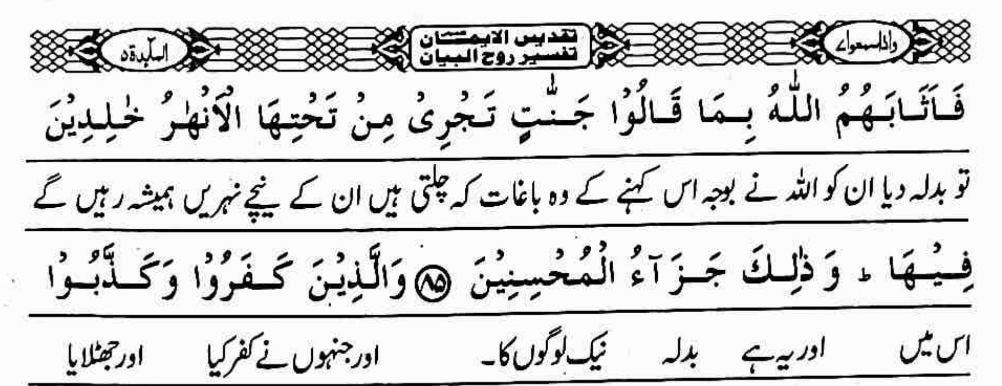
بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

اللہ پر اور اس پر جو آ گیا ہمارے پاس حق اور ہمیں لالچ ہے کہ داخل فرمائے گا ہمارا رب ساتھ قوم نیکوں کے

(آیت نمبر ۸۳) اور جب سنا انہوں نے اس کو جو اتاری گئی رسول ﷺ کی طرف یعنی کلام الٰہی سن کر لوگوں کے دلوں میں جو رقت اور خوف خدا آ جاتا ہے۔ اس کو یہاں بیان فرمایا۔ کہ تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ یعنی قرآن کی آیات سن کر ان کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے شروع ہو جاتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ یعنی جب انہیں عرفان حق حاصل ہو گیا۔ روتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب ہم اس قرآن پر ایمان لائے۔ ہمیں گواہوں کے ساتھ لکھ دے۔ یعنی جنہوں نے قرآن کو حق تسلیم کیا۔ ہمیں بھی ایمان والوں میں شامل فرمادے۔

شان نزول: بعض مفسرین نے اس کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہن کے گھر میں جب پہلی مرتبہ قرآن پاک کی چند آیات سنیں تو زاروقطار رونے لگے۔ بعض نے اس سے مراد نجاشی بادشاہ حبش لیا ہے کہ جب جناب جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اس کے دربار میں قرآن پاک سے سورۂ مریم پڑھی تو وہ زاروقطار رونے لگا اور وہ ایمان لے آیا اور مسلمانوں کو بھی امن وامان دیا اور جب فوت ہوا تو اس کا جنازہ نبی کریم ﷺ نے پڑھایا۔ میت تو حبش میں تھی جنازہ مدینہ شریف میں پڑھا۔ یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا غالباً حضور ﷺ مدینہ منورہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ بعض لوگ اس سے غائبانہ نماز جنازہ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو میت دکھا دی۔

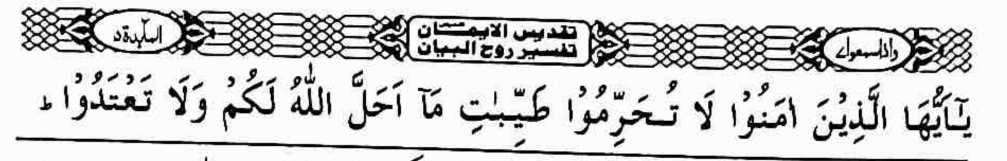
(آیت نمبر ۸۴) اور ہمیں کیا ہے۔ کہ نہ ایمان لائیں اللہ تعالیٰ پر جب کہ آ گیا ہمارے پاس حق (یعنی اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کے ذریعے ہمیں حق مل گیا) اب ہمیں اس بات کی طمع ہے کہ ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہمیں نیک لوگوں میں شامل فرمائے گا۔



(آیت نمبر ۸۵) پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت اچھا بدلہ اور ثواب عطا کیا۔ اس سبب سے کہ انہوں نے بہت اچھی بات کہی۔ جو بھی سچے عقیدے سے ایسی بات کہے۔ اسے اللہ تعالیٰ ایسے ہی اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ محلات اور باغات دیئے جن درختوں اور محلوں اور بالا خانوں کے نیچے نہریں جاری ہونگی: (۱) خالص پانی۔ (۲) شہد۔ (۳) شرابا طہور (۴) اور دودھ کی نہریں ہوں گی۔ ہمیشہ کیلئے ان نعمتوں میں ہونگے۔ اور یہ اچھا بدلہ ہے۔ محسنین کا۔ یعنی وہ لوگ جن کا عقیدہ سچا اور عمل احسن تھا۔ یا وہ ہر کام میں احسان کی عادت رکھتے تھے۔ یعنی اچھے سے اچھا عمل کرنا۔ اس لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے بدلہ بھی اچھے سے اچھا دیا۔

(آیت نمبر ۸۶) لیکن جن لوگوں نے کفر کیا۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ اور اسی حالت پر وہ مر گئے۔ توبہ نہ کر سکے۔ تو وہی لوگ جہنمی ہیں۔ جہنم کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ اصحب جحیم سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں حیوانوں اور درندوں کے اوصاف پائے جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا اور بہرا کر دیا۔ کہ نہ حق دیکھ سکیں۔ نہ سنیں اور نہ قبول کریں۔ **فائدہ** :جب ان میں شیطانی قسم کی صفات آ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا اور بہرہ کر دیا۔ حق بات کو نہ دیکھتے نہ حق بات سنتے تھے۔ **فائدہ** :اصل بات یہ ہے کہ ایمان لانے کیلئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: (۱) ادب۔ (۲) توفیق ایزدی۔ یہ دونوں مل جائیں تو ایمان مل ہی جاتا ہے۔

حکایت : ایک بادشاہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر حاضر ہوا تو ان کے اصحاب سے بایزید کے متعلق سوال تو انہوں نے کہا کہ جس نے بایزید کو دیکھا وہ جہنم میں نہیں جائیگا۔ بادشاہ نے کہا۔ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا پھر بھی جہنم رسید ہوا۔ بایزید کو دیکھنے والا کیسے جہنم میں نہیں جائے گا تو انہوں نے کہا۔ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ اس نے یتیم عبداللہ کو دیکھا اگر وہ رسول اللہ کو دیکھتا تو پھر جہنم سے بچ جاتا۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ

اے ایمان والو نہ حرام ٹھہراؤ پاکیزہ چیزوں کو جو حلال کیں اللہ نے تمہارے لئے اور نہ حد سے بڑھو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾

بے شک اللہ نہیں پسند کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔

(آیت نمبر ۸۷) اے ایمان والو نہ حرام ٹھہرالو پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر حلال کیں۔ یعنی اپنی طرف سے ہی حلال کو حرام مت کہو۔ اور فرمایا کہ حد سے تجاوز بھی نہ کرو۔ یعنی حلال چیزوں کو چھوڑ کر حرام کی طرف نہ جاؤ۔ یا یہ معنی ہے کہ پاک چیزوں میں بھی فضول خرچی نہ کرو۔ اس لئے کہ اسراف بھی حد سے تجاوز ہے آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یعنی جو تکلیف مالا یطاق کر کے اپنے آپ پر زیادتی کرتے ہیں۔ وہ بھی حدود اللہ میں تجاوز کرتے ہیں۔

شان نزول: تفسیروں میں آتا ہے۔ حضور ﷺ نے وعظ فرمایا۔ جس میں قیامت کی ہولناکی اور جہنم کے عذاب کا ذکر فرمایا۔ جسے سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت روئے۔ کچھ صحابہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں اکٹھے ہوئے۔ تو آپس میں طے پایا۔ کہ دنیا کو چھوڑتے ہیں۔ ٹاٹ کا لباس پہنتے ہیں۔ ہمیشہ روزہ رکھیں گے۔ رات پوری عبادت میں گذاریں گے۔ اور نیندیں ختم کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ گفتگو جب حضور ﷺ تک پہنچی کہ صحابہ نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے پایا ہے۔ تو آپ حضرت عثمان کے گھر میں تشریف لائے۔ اس وقت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ گھر نہ تھے گھر میں ان کی اہلیہ تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا۔ کہ مجھے سچ سچ بتاؤ۔ کہ آج ان لوگوں نے آپس میں کیا مشورہ کیا۔ بی بی صاحبہ نے کہا۔ کہ حضور جو کچھ آپ کو خبر ملی ہے وہ بالکل درست ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ واپس چلے گئے۔ جب حضرت عثمان گھر میں آئے تو ان کی اہلیہ حضرت خولہ نے انہیں بتایا کہ حضور ﷺ تشریف لائے۔ تو آپ نے استفسار فرمایا تو میں نے سارا ماجرا انہیں سنا دیا۔ حضرت عثمان فوراً حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچے۔ حضور ﷺ نے ان سے بھی پوچھا۔ کہ میں نے سنا ہے۔ کہ تم لوگوں نے ایسا ایسا پروگرام بنایا ہے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ کہ واقعی ہم نے یہ پروگرام بنایا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے تمہیں نہ وعظ میں ایسی بات کہی۔ نہ اب تمہیں ایسا کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ بلکہ میں تمہیں یہ کہوں گا کہ تم پر تمہارے نفسوں کا بھی حق ہے۔ کبھی روزے رکھو اور کبھی نہ بھی رکھو میں بھی کبھی روزے رکھتا ہوں۔ کبھی نہیں رکھتا ہمیشہ روزے رکھنا بہتر نہیں۔ اسی طرح رات کو عبادت بھی کرو اور کچھ حصہ رات کو تم نیند بھی کرو۔ میں بھی رات کو عبادت بھی کرتا ہوں۔ اور نیند بھی کرتا ہوں میں کھانا بھی کھاتا ہوں۔

وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ

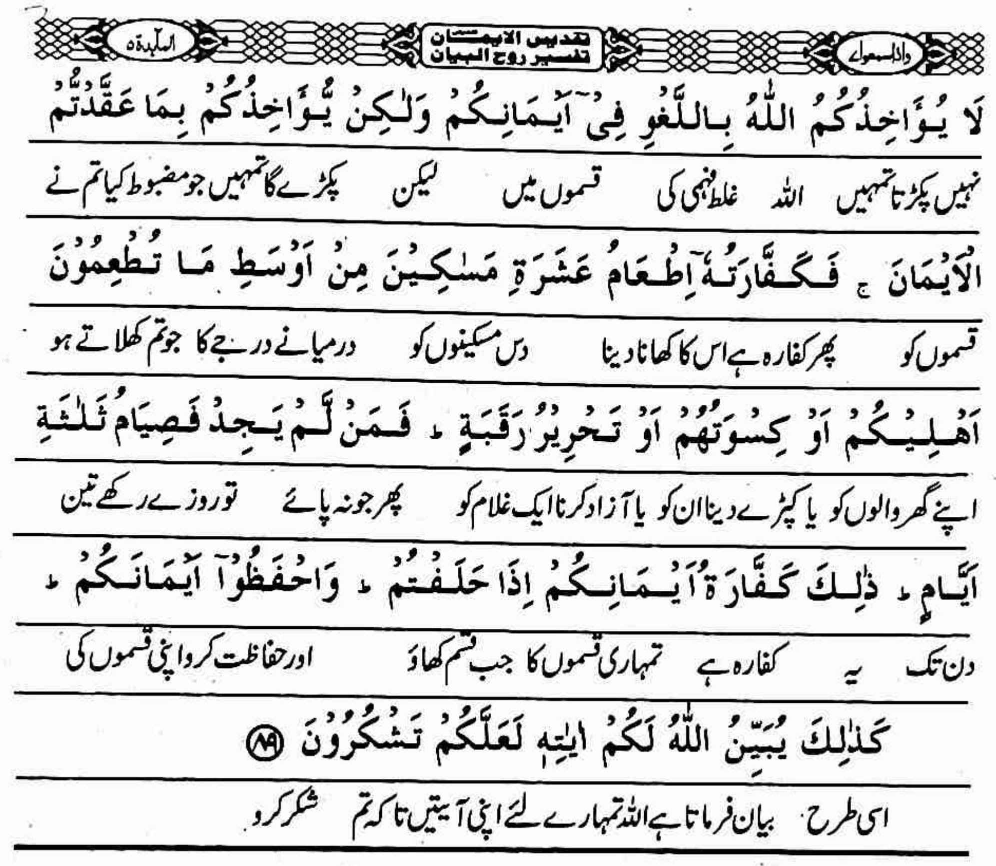
اور کھاؤ جو روزی دی تمہیں اللہ نے حلال پاکیزہ اور ڈرو اللہ سے جس پر تم

بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ایمان لائے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۷) بیویاں بھی رکھتا ہوں یہ بات یاد رکھو۔ جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ ہم سے نہیں ہے۔ پھر آپ نے دوبارہ سب کو جمع کر کے ارشاد فرمایا۔ کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ کہ جو عورتوں اور حلال طیب کھانوں اور خوشبو اور نیند کو اپنے اوپر حرام کرتے ہیں۔ حالانکہ میں نے انہیں ان باتوں کا کوئی حکم نہیں دیا۔ (مشکوٰۃ)

(آیت نمبر ۸۸) آگے فرمایا۔ اور کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں حلال پاکیزہ رزق دیا۔ **فائدہ:** حلال اسے کہا جاتا ہے۔ جو جائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہو۔ اور طیب وہ کھانا ہے۔ جس کی طرف دل میلان کرتا ہو۔ کہ اسے کھایا جائے یعنی کھانا وہ ہی کھاؤ جو حلال بھی ہو طیب بھی ہو۔ **مسئلہ:** جو چیزیں عموماً کھانے میں نہیں آتیں۔ مثلاً مٹی۔ پتھر وغیرہ ان کا کھانا بھی مکروہ ہے۔ البتہ دوائی کیلئے استعمال کر سکتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ وہ ذات کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ **سبق:** جب رب تبارک وتعالیٰ نے سب کے رزق کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے۔ تو پھر انسان کو چاہئے۔ کہ وہ اس کے پیچھے مارا مارا نہ پھرے۔ وہ اسی ذات پر بھروسہ کرے وہ کریم ذات ہے اپنے وعدے کو وہ پورا کرتا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تمہارے رزق میں کمی نہیں ہوگی۔ (ابن ماجہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ مرغی کا گوشت کھاتے۔ حلوہ تناول فرماتے اور آپ کو میٹھی چیزوں میں شہد بہت پسند تھا۔ اور فرمایا کہ مومن کے پیٹ میں ایک ایسی جگہ ہے جسے میٹھی چیز ہی پر کر سکتی ہے۔ **فائدہ:** حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میرا دل کرتا ہے میں خصی ہو جاؤں تو فرمایا۔ چھوڑ اے عثمان میری امت میں روزے رکھنا اچھا ہے۔ پھر عرض کیا۔ میں چاہتا ہوں کسی پہاڑ پر جا کر راہب بن جاؤں۔ فرمایا۔ چھوڑ اے عثمان میری امت میں رہبانیت مسجد میں بیٹھ کر اگلی نماز کا انتظار ہے۔ پھر عرض کی میرا دل چاہتا ہے۔ مال پلال سب چھوڑ کر کہیں نکل جاؤں تو فرمایا۔ اے عثمان تیرا روزانہ صدقہ کرنا یتیموں مسکینوں کو کھانا کھلانا اس سے بہتر ہے۔ پھر عرض کی میرا دل چاہتا ہے میں بیوی بچوں کو چھوڑ دوں۔ فرمایا۔ چھوڑ اے عثمان۔ اگر چھوڑنا ہے تو گناہوں کو چھوڑ الخ۔



(آیت نمبر ۸۹) نہیں پکڑے گا اللہ تعالیٰ تمہیں لغو قسموں میں۔یعنی وہ قسمیں جو عادۃً زبان سے نکلتی ہیں۔

فائدہ: لغو قسم پر شرعی کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا۔نہ ہی اس پر دنیوی یا اخروی حکم لگتا ہے۔

آگے فرمایا۔اور لیکن وہ پکڑے گا تمہیں ان قسموں پر کہ جن کا تم نے پکا ارادہ کیا۔یعنی نیت اور پورے ارادے سے قسم کو مضبوط کیا۔اس لئے کہ گویا تم نے ایک قسم کا معاہدہ کر کے توڑا۔اس لئے اس کی سزا بھی مقرر کی گئی۔**حدیث شریف:** حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔کہ جس نے جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھائی تو اسے اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل فرمائے گا۔(طبرانی)۔

مسئلہ: ایک قسم وہ ہے جسے یمین غموس کہتے ہیں۔وہ یہ ہے کہ ماضی یا حال کے ساتھ قسم کھائے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔حالانکہ اس نے نہیں کیا۔یہ قسم غموس ہے۔اور ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

تیسری قسم: یمین منعقدہ ہے۔ کہ اپنی قسم کو مستقبل (آنے والے زمانے) سے متعلق کرے۔ اور وہ اس کے خلاف ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا کفارہ ہے۔ یعنی اس غلطی اور قصور پر کفارہ دے کر اس کا ازالہ کرے۔ یعنی قسم پوری نہ ہونے پر کفارہ ادا کرے۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ کھانا درمیانے درجے کا جو عموماً اہل و عیال کو کھلاتا ہے۔ معیار اور مقدار کے لحاظ سے یا غرباء کو نصف صاع یعنی سوا دو سیر گندم کے دانے یا آٹا دیا جائے۔

مسئلہ: اگر کسی ایک غریب کو دس دن کھانا کھلایا۔ تو بھی کفارہ ادا ہو گیا۔ اور اگر دس دن کا کھانا بصورت غلہ اکٹھا دے دیا تو بھی کفارہ ادا ہو گیا۔ یا دس غریبوں کو کپڑے دے دے۔ یعنی جس سے بدن ڈھانپا جائے۔ قمیص اور سلوار زیادہ بہتر ہے۔ ان میں سے ایک کافی نہیں۔

آگے فرمایا یا غلام آزاد کرنا۔ خواہ مسلمان ہو یا کافر۔ مرد ہو یا عورت۔ چھوٹا ہو یا بڑا سب برابر ہے۔ البتہ نابینا۔ بہرا یا بے کار غلام دینا جائز نہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ جو ان مذکورہ تینوں کام نہیں کر سکتا تو تین دن روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔ جب تم نے قسم کھا کر توڑ دی یا ٹوٹ گئی اور آئندہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ کہ ایسے ویسے ہی قسمیں نہ کھاؤ۔ جتنا ہو سکے ان سے بچو۔ البتہ اگر نقصان ہو رہا ہو۔ تو قسم کھالے۔ لیکن قسم کھانے کے بعد محسوس ہو۔ کہ قسم نہ کھانے میں بھلائی تھی۔ تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے۔ جیسے کہے کہ میں فلاں مسلمان سے نہیں بولوں گا۔ ایسی قسم کو توڑنا لازم ہے۔ اور اسی پر کفارہ ہے۔

جیسا کہ **حدیث شریف** میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قسم کھائی پھر دیکھا کہ اس میں بہتری نہیں تو قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دے۔ مثلاً کسی نے نماز نہ پڑھنے یا حرام کھانے کی قسم کھائی تو اس کے لئے لازم ہے۔ کہ وہ قسم توڑے۔ اور کفارہ ادا کرے۔ یہی پیارے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ (المغنی و کشاف القناع)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین امور ایسے ہیں۔ جن میں جان بوجھ کر یا مزاحاً بھی کرے۔ تو جان بوجھ کر کرنے میں آجاتا ہے:

(۱) نکاح (۲) طلاق (۳) قسم

آگے فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے۔ یعنی اپنی شریعت کے مسائل اور احکام واضح طور پر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ یعنی اس شریعت جیسی اعلیٰ نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کتنے آسان احکام دیئے۔ جن کے ادا کرنے میں کوئی تکلیف نہیں۔ اور ان پر اجر اتنا بڑا رکھا۔ کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ رب تعالیٰ کی اس امت پر بہت بڑی کرم نوازی ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ

اے ایمان والو سوائے اس کے نہیں شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ پلیدی ہے

مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٩٠

شیطانی عمل کی پس بچ کر رہو اس سے تا کہ تم کامیاب ہو

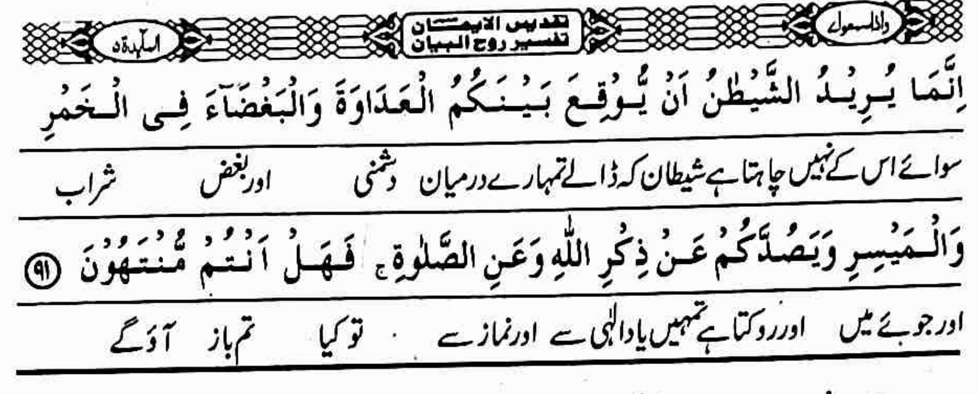
(آیت نمبر ۹۰) اے اہل ایمان سوائے اس کے نہیں شراب اور جوا گندگی کی طرح حرام ہے۔

مسئلہ : ہر نشہ دینے والی چیز شراب کے حکم میں ہے۔ **حدیث شریف**: جس نے دنیا میں شراب پی اسے آخرت میں سانپوں اور بچھوؤں کا زہر پلایا جائے گا۔ جس سے اس کا چمڑا مردار کی طرح ادھڑ جائیگا۔ اور اس سے ایسی بدبو اٹھے گی۔ کہ پورے محشر کے لوگ اس سے تکلیف محسوس کریں گے۔ اور جہنم میں اسے جہنمیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔ **حدیث شریف**: اللہ تعالیٰ شراب پینے والے پلانے والے بیچنے والے خریدنے والے بنانے والے اور کسی کی خدمت میں اس کو اٹھا کر لے جانے والے قیمت وصول کرنے والوں سب پر لعنت کرتا ہے (بخاری کتاب الحدود)۔ **مسئلہ** : فقہاء نے فرمایا: شرابی کو رشتہ نہ دیا جائے۔ اس کی بات نہ مانی جائے۔ اس کی سفارش نہ قبول کی جائے۔ نہ اسے امانت دار سمجھا جائے۔

اور جوا بھی حرام ہے: اس میں نرد شطرنج اربعہ عشر کعب، بیضہ، تاش سب جوا کی اقسام ہیں۔ اور فرمایا۔ کہ بتوں کے مقام یا عبادۃ کی جگہ پر جانا یا وہاں جانور ذبح کرنا اور تیر جو خیر وشر معلوم کرنے کیلئے قسمت آزمائی کے طور پر چھوڑتے ہیں۔ یہ سب کام حرام ہیں۔

شان نزول : جاہلیت کی رسم تھی کہ جب کوئی سفر یا جنگ یا تجارت وغیرہ کا ارادہ کرتے تو تین تیر چلاتے۔ صحیح جگہ لگتا تو سمجھتے یہ کام کرنا چاہئے۔ غلط جگہ لگتا تو رک جاتے۔ درمیان میں لگتا تو دوبارہ قسمت آزماتے۔ یہ تیر کعبہ میں پڑے رہتے۔ تو فرمایا کہ مذکورہ یہ چاروں کام شیطن کی پلیدی اور گندگی ہے۔ جنہیں شیطان بڑا سنوار کر دکھاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اس گندگی سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا کہ شراب پینے والا بتوں کو پوجنے والے کی طرح ہے (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس)۔ یعنی جتنا بت پرست کو بت پوجنے کا گناہ ملے گا۔ اتنا ہی گناہ شراب پینے والے کو ملے گا اور ایک **حدیث** میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ شراب تمام پلیدیوں کی جڑ ہے کہ اس سے آگے بے شمار گناہ جنم لیتے ہیں۔



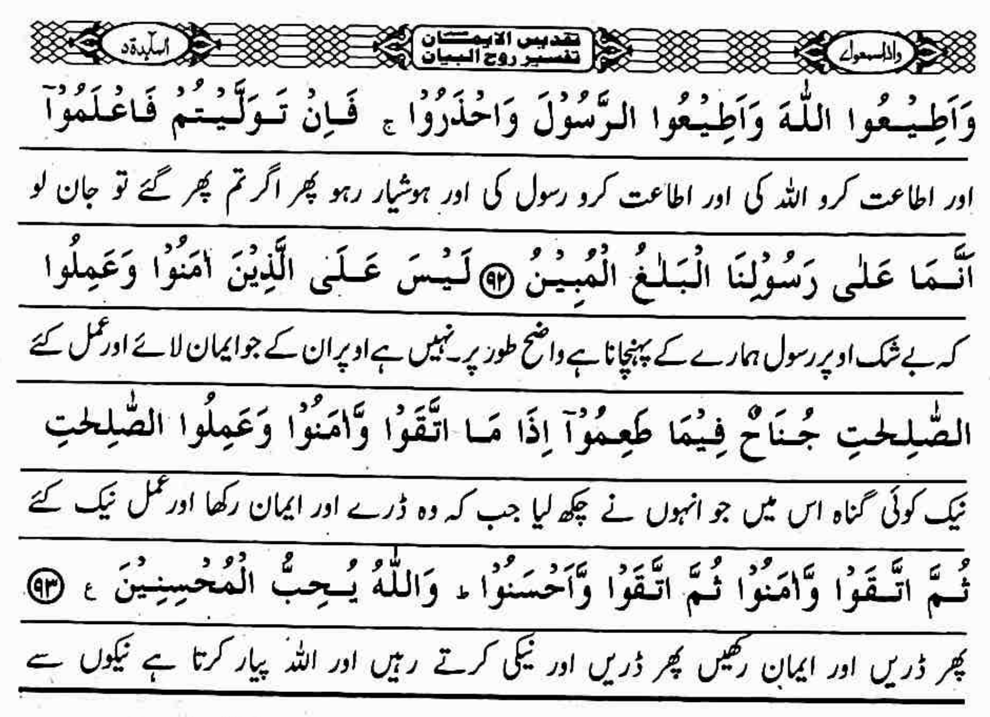
(آیت نمبر۹۱) سوائے اس کے نہیں شیطان تو تمہارے اندر شراب اور جوئے کے ذریعے بغض وعداوت ڈالتا ہے۔ تاکہ تم آپس ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار رہو۔

فائدہ: یعنی ان دونوں کی وجہ سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ شرابی نشے میں جھگڑتے ہیں۔ جیسے ایک انصاری صحابی نے جب شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ تو شراب پی کر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سر پر اونٹ کی ہڈی دے ماری۔ اسی طرح جوئے کا نقص بھی یہ ہے۔ کہ آدمی جب سب کچھ لٹتا ہوا دیکھتا ہے تو لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ شراب جو کئی قسم کے فسادات کی جڑ ہے۔ اسی طرح انصاب اور ازلام بھی شراب جوئے کی طرح حرام ہیں۔

آگے فرمایا کہ ان مذکورہ چیزوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے۔ کہ یہ کام نماز اور اللہ کے ذکر سے روکتے ہیں۔ یعنی شراب اور جوا دینی کاموں میں مخل ہوتے ہیں۔ مثلاً شرابی شراب کے نشے میں مخمور ہوگا۔ لذت جسمانیہ اور شہوت حیوانیہ میں مست ہوگا۔ تو پھر خدا رسول اسے کہاں یاد آئیگا۔ اسی طرح جوا کھیلنے والے بازی جیتنے کے حرص میں ایسا منہمک ہوگا۔ تو پھر عبادت وذکر کا فکر کہاں کرے گا۔ پھر تو وہ چاہتا ہے کہ عبادت ونماز جاتی ہے تو جائے۔ میں کسی طرح حریف پر غلبہ پالوں۔ بس اس فکر میں بہن بھائی اور کھانا پینا سب بھولا ہوتا ہے۔ نماز کلمہ کہاں یاد رہتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ایسے کبیرہ گناہوں والے کو اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کی توفیق ہی نہیں دیتا۔

آگے فرمایا۔ کہ کیا تم باز آؤ گے۔ **فائدہ**: جب یہ آیت پڑھی گئی۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ کہ اے اللہ ہم ان تمام امور سے بالکلیہ رک گئے۔ یعنی ہم آئندہ ان کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔

نکتہ: شراب اور جوئے کا ذکر بتوں کے ساتھ ملا کر اس لئے کیا۔ کہ شراب خور اور جوئے باز بھی گویا بت پرست سے کم نہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ شرابی بت پرست کی ہی طرح ہے۔ دونوں ایک ہی کیٹی گری کے ہیں۔



وَاَطِيْـعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْـعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ج فَـاِنْ تَـوَلَّـيْـتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر گئے تو جان لو

اَنَّـمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْـنُ ﴿۹۲﴾ لَيْـسَ عَـلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کہ بے شک اوپر رسول ہمارے کے پہنچانا ہے واضح طور پر۔ نہیں ہے اوپر ان کے جو ایمان لائے اور عمل کئے

الصّٰلِحٰتِ جُـنَاحٌ فِـيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَـا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

نیک کوئی گناہ اس میں جو انہوں نے چکھ لیا جب کہ وہ ڈرے اور ایمان رکھا اور عمل نیک کئے

ثُـمَّ اتَّـقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُـمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ط وَاللّٰهُ يُـحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ع ﴿۹۳﴾

پھر ڈریں اور ایمان رکھیں پھر ڈریں اور نیکی کرتے رہیں اور اللہ پیار کرتا ہے نیکوں سے

(آیت نمبر۹۲) اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو۔ جن جن باتوں کے متعلق تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کو کرو۔ ان کو کرنا اطاعت ہے بس اگر تم نے اطاعت سے منہ موڑا۔ تو پھر خوب جان لو سوائے اس کے نہیں ہمارے رسول کا کام تم تک بات پہنچانا ہے۔ جوانہوں نے اپنی ڈیوٹی ادا کردی۔ اورتم پر اپنی حجۃ قائم کردی۔ اب تمہارا کوئی عذر نہیں چلے گا۔ لہٰذا تمہیں جتنے کاموں کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ بجالاؤ اور جتنے کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچ کر رہو۔

(آیت نمبر۹۳) نہیں ہے گناہ اوپر ان کے جو ایمان لائے۔ اور نیک عمل کئے۔ اس بارے میں جوانہوں نے اس سے پہلے حرام کھایا، یا پیا۔ پھر وہ ڈر گئے اور ایمان کی تجدید کی پھر نیک اعمال کئے۔

مسئلہ: شراب اور جوئے سے جو مال حاصل ہوا۔ وہ اسی کے حکم میں ہے۔ (کہ جو پہلے ہو چکا پھر ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ سابقہ گناہ معاف ہوگئے) بشرطیکہ اب اس کے بعد بچتے رہے۔ اور ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہی رہے۔ اور مذکور برے عمل سے بچتے رہے۔ اور حرام اشیاء کی حرمت پر ان کا ایمان تھا۔ پھر وہ زندگی بھر بچتے رہے وہی اشیاء دکھائیں جو چیزیں ان کے لئے مباح تھیں۔ اور حرام کے قریب بھی نہیں گئے۔

فائدہ: یہاں جو بار بار ''اتقوا'' کہا ہے۔ وہ اس لئے۔ کہ ان کیلئے ان اشیاء کی حرمت سلسلہ وار ہوئی۔ ایک دم نہیں ہوئی۔ اس آیت کا مفہوم یہ بھی ہے۔ کہ جتنی اشیاء اس حکم کے آنے سے پہلے تمہارے استعمال میں تھیں۔ اب وہ ممنوع ہوئیں۔ اب تم ان سے بچو پھر فرمایا۔ کہ تم ان سے بچو۔ اور نیکی کرو۔ تو جو پہلے ہو چکا وہ معاف ہوگیا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ

اے ایمان والو البتہ ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ ایسے شکار سے کہ پہنچ سکتے ہیں اس تک تمہارے ہاتھ

وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ

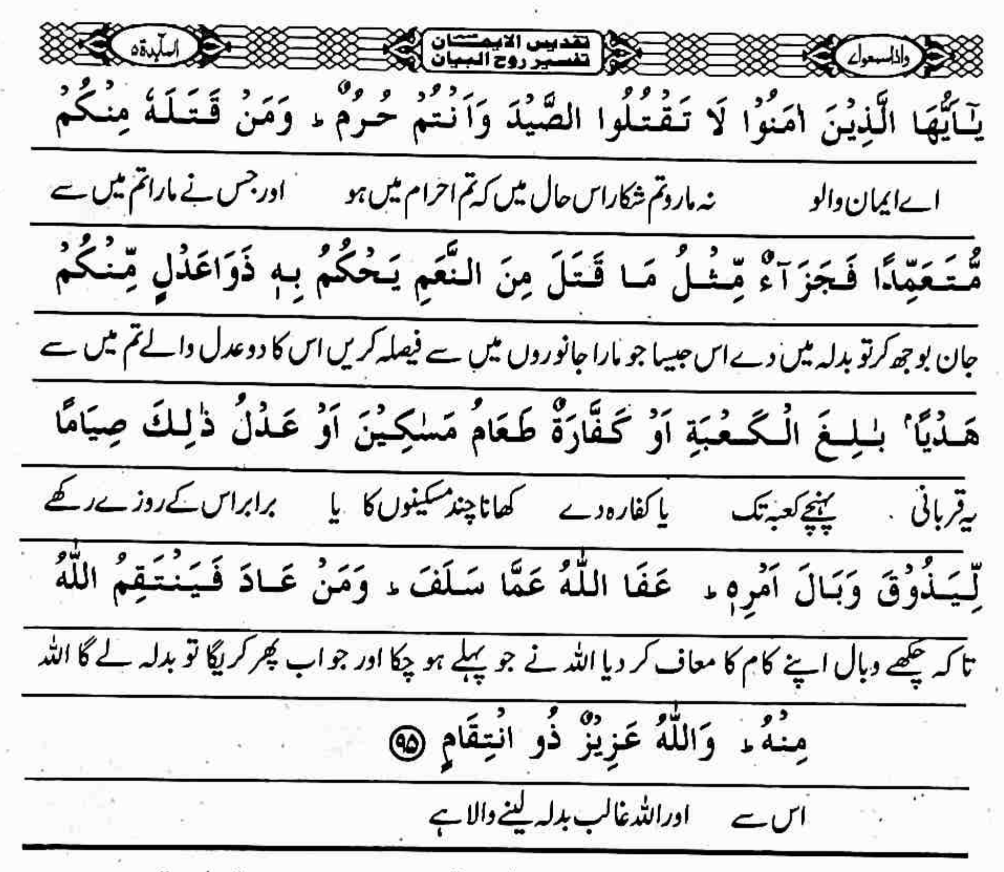
اور تمہارے نیزے تا کہ بتائے اللہ کہ کون ڈرتا اس سے بغیر دیکھے پھر جس نے حد سے تجاوز کیا بعد

ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اس کے تو اس کیلئے عذاب ہے دردناک

(بقیہ آیت نمبر۹۳) یعنی وہ نیک اعمال جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ یعنی ان کو پکڑ نہیں ہوگی۔ **مسئلہ**: معلوم ہوا۔ نیک آدمی محسن ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ **تنبیہ**: ہر احسان کرنے والے کو محسن کہا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی کے ساتھ یہ لفظ مخصوص نہیں کر سکتے۔ اس مرتبے پر پہنچنے والا محسن اور لائق تحسین ہوتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ محسناں مردند واحسانہا بماند۔ محسن خود تو فوت ہو گئے مگر احسان چھوڑ گئے۔ اس لحاظ سے گویا محسن مرتا نہیں بلکہ وہ زندہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اور احسان کوئی معمولی شیء نہیں ہے۔ بہت بڑا مقام ہے۔

(آیت نمبر۹۴) اے ایمان والو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور آزمائے گا۔ معمولی سی چیز کے شکار سے۔ اس سے جنگل کا شکار مراد ہے۔ خواہ کھایا جاتا ہو یا نہ۔ یہ واقعہ ہے حدیبیہ والے سال کا کہ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد چودہ سو سے کچھ اوپر تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ احرام میں تھے اور شکار بہت زیادہ ہر طرف نظر آ رہا تھا۔ حتی کہ ہاتھوں سے پکڑا جا سکتا تھا۔ کچھ لوگوں نے پکڑنے کا پروگرام بھی بنا لیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ کہ شکار کرنے میں تمہارا امتحان ہے۔ اگرچہ شکار تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے تیر پہنچ سکتے تھے۔ یعنی تم شکار کو ہاتھ سے پکڑ سکتے تھے۔ اور تیر مار کر بھی اسے مار سکتے تھے۔ لیکن یہاں امتحان لیا جا رہا تھا کہ معلوم ہو جائے۔ یا امتیاز ہو سکے کہ کون اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ بغیر دیکھے یعنی قوت ایمانی کا امتحان ہے۔ کہ شکار آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے۔ لیکن خوف خدا اتنا غالب ہے۔ کہ وہ اس کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہ ہو جائے۔ اگر شکار پکڑے تو اس کا مطلب ہے۔ کہ اس میں خوف خدا نہیں ہے۔ جیسے ایلے والوں سے خوف خدا اٹھ گیا۔ اور وہ مچھلی کا شکار کرنے لگے اور پھر عذاب میں گرفتار ہوئے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ

اے ایمان والو — نہ مارو تم شکار اس حال میں کہ تم احرام میں ہو — اور جس نے مارا تم میں سے

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

جان بوجھ کر تو بدلہ میں دے اس جیسا جو مارا جانوروں میں سے فیصلہ کریں اس کا دو عدل والے تم میں سے

هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

یہ قربانی — پہنچے کعبہ تک — یا کفارہ دے — کھانا چند مسکینوں کا — یا — برابر اس کے روزے رکھے

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ

تا کہ چکھے وبال اپنے کام کا معاف کر دیا اللہ نے جو پہلے ہو چکا اور جو اب پھر کریگا تو بدلہ لے گا اللہ

مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾

اس سے — اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۹۴) **تنبیہ**: یاد رہے یہاں علم بمعنی تمیز اس لئے کیا گیا ہے۔ کہ اگر علم کا حقیقی معنی کریں۔ (تو یہ معنی ہوگا تا کہ اللہ جان لے کہ کون اس سے ڈرتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا۔ گویا پہلے اسے علم نہیں) یہ معنی صفات خداوندی کیلئے ممتنع ہے۔ اس لئے مجازاً علم بمعنی تمیز کیا گیا ہے۔ قاضی بیضاوی نے یہاں علم بمعنی ظہور کیا ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ جس نے علم ہونے کے بعد بھی شکار کر لیا۔ تو اس نے حد سے تجاوز کیا۔ پس اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس لئے کہ اس نے حکم خداوندی سے بغاوت کی۔ اور اطاعت الٰہی سے نکل گیا۔ تو یا اس میں خوف خدا نہیں رہا۔

(آیت نمبر ۹۵) اے ایمان والو شکار نہ مارو اس حال میں کہ تم احرام میں ہو۔ خواہ وہ شکار حل میں ہو یا حرم میں۔ **فائدہ**: حرم میں تو بہر حال ہی شکار منع ہے۔ خواہ احرام ہو یا نہ ہو۔ یہ بات حل میں شکار کرنے کی ہے۔

مسئلہ: احرام نہ باندھے ہوئے کو حلالی کہتے ہیں۔ اس کے لئے حرم سے باہر حلالی کیلئے شکار جائز ہے۔

مسئلہ: مُحرم کا مارا ہوا شکار کسی کے لئے کھانا جائز نہیں۔ لہذا آیت کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ تم احرام کی حالت میں شکار کرو بھی نہیں اور شکار شدہ کھاؤ بھی نہیں۔

آگے فرمایا۔ کہ جس نے تم میں شکار مارا جان بوجھ کر۔ یعنی اسے پتہ ہے۔ کہ میں احرام میں ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ احرام کی حالت میں شکار کرنا منع ہے۔ تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ اس کی جزاء یعنی بدلہ اور فدیہ دے۔ یعنی اس جانور کے برابر جو مارا اس نے جانور مارا۔ جسم کے لحاظ سے اور وزن اور قیمت کے لحاظ سے اس کے برابر ہو۔

مسئلہ: امام اعظم اور امام یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مثل باعتبار قیمت کے ہے۔ نہ باعتبار جانور اور جسم کے یعنی جو شکار مارا۔ اس علاقہ میں اس کی جو قیمت بنتی ہے وہ ادا کرے۔ یا اتنے قد جثہ کا جانور جتنی قیمت کا ہو اتنی قیمت صدقہ کر دے۔ آگے فرمایا۔ کہ اس مارے ہوئے شکار کا فیصلہ تم میں سے دو صاحب انصاف آدمی کریں۔

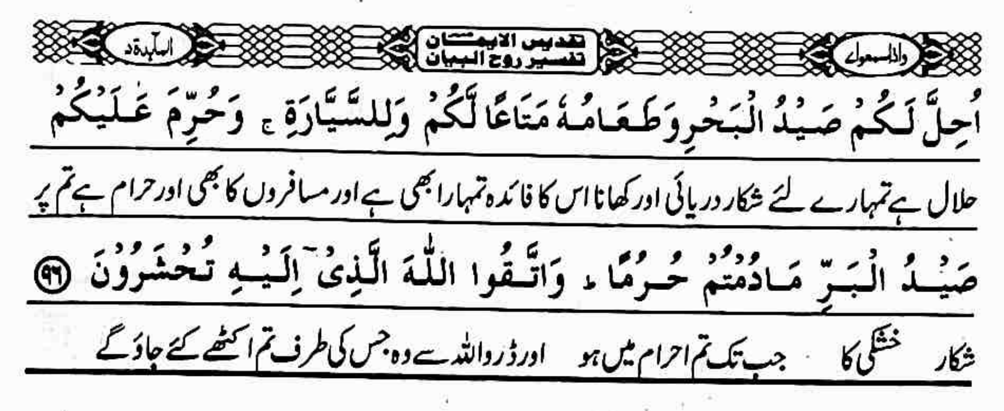
مسئلہ: شکار کردہ جانور کی قیمت اگر قربانی کی قیمت کے برابر ہو جائے۔ تو پھر شکاری کی مرضی ہو تو جانور خرید کر حرم میں ذبح کر لے۔ مرضی ہے تو اس قیمت سے گندم یا جو خرید کر غریبوں میں تقسیم کر دے۔

اس لئے فرمایا۔ کہ وہ کعبہ یعنی حرم میں قربانی ذبحہ کی جائے۔ باہر ذبح کرے گا تو صحیح نہیں یا کفارہ مسکینوں کو دے یا اس کے برابر روزے رکھ لے۔ یعنی ان تین کاموں میں سے جو مرضی ہو اس پر عمل کر لے۔

آگے فرمایا کہ یہ اس لئے تا کہ وہ اپنے عمل کا وبال چکھے یعنی حرم کی ہتک کرنے کی سزا بھگتے۔

آگے فرمایا کہ کہ جو اس سے پہلے عمل ہو گیا۔ وہ معاف ہو گیا اور جو اس ممانعت کے بعد پھر لوٹ کر یہ کرے گا۔ پھر اللہ ہی اس سے بدلہ لے گا۔ یعنی آخرت کی سزا بھگتے گا۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ جو گناہوں سے باز نہیں آتا۔ اس سے بدلہ لینے پر وہ قادر ہے۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے۔ کہ حتی الامکان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے۔ گناہوں پر جو بھی اصرار کرتا ہے یا حد سے تجاوز کرتا ہے۔ وہ پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے خلیل مجھ سے اس طرح ڈرتے رہو۔ جس طرح لوگ درندوں سے ڈرتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آجاتا ہے تو پھر اپنے پرائے کا کوئی فرق نہیں رہتا۔ جیسے درندہ چیرتے پھاڑتے وقت کوئی فرق نہیں کرتا۔ انتہائی تعجب ہے اس کمزور انسان پر جو انتہائی طاقتور ذات کی نافرمانی کرتا ہے۔



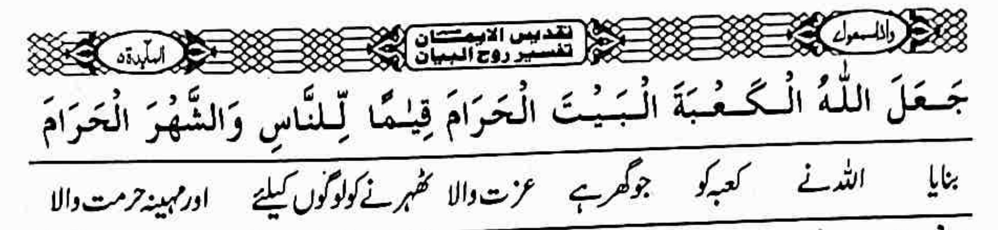
(آیت نمبر۹۶) دریائی شکار تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ بحر عام ہے سمندر۔ دریا یا نہر یا چشمہ یا ڈیم جو بھی چیز پانی میں رہتی ہے۔ حلال ہو یا حرام اس کا شکار کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: اس سے مراد وہ حیوان ہیں جو صرف پانی میں رہنے والے ہیں۔ اگر باہر بھی رہتے ہوں تو وہ مراد نہیں۔ جیسے بطخ، مینڈک، سرطان، کچھوا وغیرہ یہ اصل میں جنگلی اشیاء ہیں۔

فائدہ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ مچھلی کی تمام اقسام حلال ہیں۔ مینڈک کی تمام اقسام حرام ہیں۔ باقی چیزوں میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہمارے لئے دو مردار حلال ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی (البیہقی)۔ **فائدہ**: ان کی موت کا سبب معلوم ہو یا نہ ہو۔ جو مچھلی سانپ کی شکل پر ہو وہ بھی حلال ہے۔ اس کا کھانا مباح ہے۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ اس لئے فرمایا کہ دریائی چیزوں کا کھانا۔ تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ **فائدہ**: ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس کھانے سے مراد وہ کھانا ہے۔ جو کھانے کے لائق ہو۔

آگے فرمایا۔ کہ اس کے کھانے میں تمہارے لئے نفع ہے۔ اور مسافرین کیلئے بھی اس میں فائدہ ہے۔ خواہ خشک کر کے کھائیں یا تازہ۔ آگے فرمایا۔ کہ تم پر جو حرام کیا گیا ہے۔ وہ خشکی کا شکار ہے۔ اس سے مراد وہ پرندے ہیں۔ جو انڈے دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ پانی میں بھی رہتے ہیں۔ جیسے دریائی پرندے۔ آگے فرمایا کہ ان کی حرمت اس وقت تک ہے جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ احرام ختم تو حرمت بھی ختم۔

مسئلہ: آیت کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ غیر محرم کا شکار کردہ بھی محرم کو نہیں کھانا چاہئے۔ اگرچہ اس شکار میں اس کا کسی قسم کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کو کھانا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں محرم کا کوئی عمل دخل نہ ہوا ہو۔ نہ اشارہ سے نہ کنایہ سے کوئی حکم دیا۔ نہ اس کی کوئی راہبری کی ہو۔ آگے فرمایا کہ اللہ کے تمام منع کردہ جرائم و گناہوں سے بچو اس لئے کہ تم اسی کی بارگاہ کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور وہ اعمال کا بدلہ دے گا۔



جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ

بنایا اللہ نے کعبہ کو جو گھر ہے عزت والا ٹھہرنے کو لوگوں کیلئے اور مہینہ حرمت والا

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور قربانی حرم والی اور قلادے والے جانور یہ اس لئے کہ تم جان جاؤ کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾

اور جو زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے

(آیت نمبر ۹۷) اللہ تعالیٰ نے ہی کعبہ شریف، کو حرمت والا گھر بنایا۔ اہل عرب چار کونے والے گھر کو کعبہ ہی کہا کرتے تھے۔ بیت الحرام علی طریق مدح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت و حرمت بنائی اور اسے حرم معلیٰ بھی کہتے ہیں۔ **حدیث** میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے بنانے سے پہلے ہی کعبہ کو حرم معلیٰ بنایا (بخاری: ۱۷۳۷، مسلم: ۱۳۵۳)۔ اور ایک **حدیث** میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ کعبہ شریف کو ابراہیم علیہ السلام نے حرم بنایا۔ اور میں مدینہ شریف کو حرم بناتا ہوں (مشکوٰۃ)۔

آگے فرمایا کہ یہ کعبہ لوگوں کے ٹھہرنے کا مقام ہے۔ یعنی بندوں کے دینی امور اور دنیوی مقاصد بھی پورے ہونے کی جگہ ہے۔ اسی لئے لوگ حج و عمرہ ادا کرنے وہاں ہی پہنچتے ہیں۔ وہاں مناسک کے ساتھ دیگر عبادات بجالاتے ہیں۔ جس سے گناہ معاف اور مرتبے بلند ہوتے ہیں۔ اور دنیوی مقاصد یہ کہ وہاں پوری دنیا سے پھل فروٹ آ جاتے ہیں جس سے تاجر لوگ تجارت کر کے فائدے اٹھاتے ہیں۔ وہاں کسی قسم کی لوٹ مار کا کوئی خطرہ نہیں۔ نہ کوئی کسی کے درپے آزار ہوتا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ حج والا مہینہ بھی حرمت والا ہے جس میں لوگ وہاں آ کر قیام کرتے ہیں۔ اس ماہ میں جاہلیت میں بھی جنگ و جدال نہیں کرتے تھے نہ حج و عمرہ کے سفر کے دوران کوئی خطرہ محسوس کرتے تھے۔ تاجر لوگ بھی اس ماہ میں اطمینان و سکون سے سفر کرتے تھے۔ **مسئلہ**: ذوالحج کے پہلے عشرے میں روزے رکھنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ البتہ ۹ ذوالحج کو حاجی روزہ نہ رکھیں۔ آگے فرمایا۔ اور ھدی یعنی قربانی جو بیت اللہ کو قربان کرنے کیلئے بھیجی جاتی ہے۔ اور قلادے والے جانور کو بھی حرم تک پہنچنے کیلئے مقرر فرمایا۔ یعنی منی میں لے جا کر قربان کریں۔ اس سے مراد وہ جانور جس کے گلے میں کوئی نشانی ڈالی جائے۔ یہ قربانی کا جانور ہے کہ یہ سب اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو۔ کہ بے شک اللہ جانتا ہے۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ جانور کس مقصد کیلئے خریدا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾

جان لو کہ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

نہیں ہے اوپر رسول کے مگر پہنچانا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

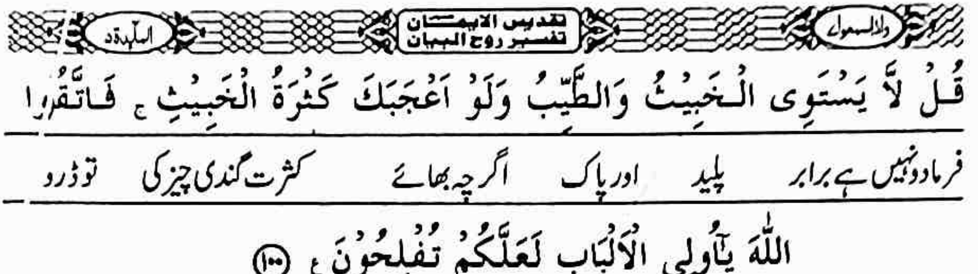
(آیت نمبر ۹۸) اور یہ بھی جان لو۔ کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ اس کو جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرے اور اس کی حرام کردہ اشیاء کو حلال جانے اور یہ بھی جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم یعنی بخشنے والا مہربان بھی ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بچے۔ یا ان محارم کی ہتک کے بعد توبہ کر لے اس کو بخشنے والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں عظیم صفات کا مالک ہے۔

(آیت نمبر ۹۹) نہیں ہے رسول ﷺ پر مگر اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا۔ یعنی امت پر واضح کرنا کہ کن اعمال کے کرنے سے ثواب ملے گا۔ اور کون سے کاموں سے عذاب ہوگا۔

مسئلہ: یہ بھی تاکید کی گئی کہ رسول کے لائے ہوئے پیغام کو فوری قبول کیا جائے۔ اس پر عمل کرنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ ان پر جو ضروری پہنچانا تھا۔ وہ تم تک پہنچا کر فارغ ہو گئے۔ اب امت پر حجت قائم ہو گئی۔ جو ذرا بھر نافرمانی کر کے حکم رسول سے ادھر ادھر کرے گا وہ سزا کا مستوجب ہوگا۔ اس کا کوئی عذر نہیں سنا جائیگا۔

آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو سب اس کے علم میں ہے۔ لہذا اچھا عمل ہوا تو ثواب ورنہ گناہ ہوگا۔ اسی پر فیصلہ فرمائے گا۔ اس سے تمہاری کوئی بات یا کوئی عمل مخفی نہیں ہے۔

فائدہ: ظاہر اعمال خواہ زبان سے ہوں۔ جیسے تلاوت، ذکر الٰہی اور اس کا شکر کرنا یا ارکان سے ہو۔ جیسے نماز، روزہ اور حج جہاد اور ہجرت وغیرہ جیسے اعمال ادا کرنا۔ ان تمام افعال واقوال کو وہ جانتا ہے۔ اور جو لوگ تکذیب کرتے ہیں۔ ظاہری طور پر یا پوشیدہ اس کو بھی وہ جانتا ہے۔ بلکہ جو باتیں دل میں ہوں۔ یا آئندہ ہونے والی ہیں۔ ان سب کو بھی وہ جانتا ہے۔ **نوٹ**: دل کے خیالات اگر اچھے ہوں گے۔ تو ان پر وہ اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر برے خیالات دل میں آئے تو ان پر معافی ہے۔ لیکن اگر دل میں برے خیالات آئیں۔ تو فوراً انہیں ختم کر کے تعوذ پڑھ لینا چاہئے۔ تاکہ دوبارہ گندے خیالات نہ آئیں۔



(آیت نمبر ۱۰۰) اے محبوب آپ بتادیں۔ کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہیں۔

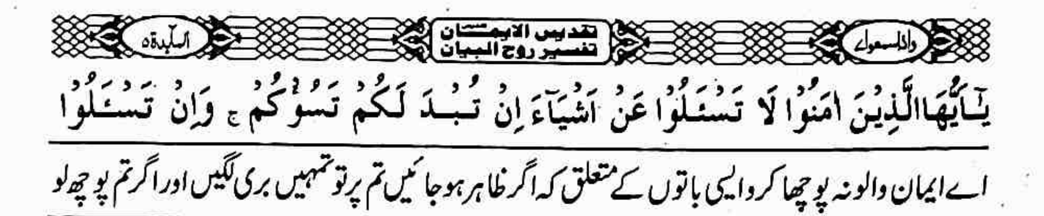
فائدہ: نزول آیت اگرچہ خاص ہے۔ لیکن اس کا حکم عام ہے۔ یعنی نئی پرانی یا اچھی اور بری اشیاء اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی برابر نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے۔ اچھی چیز لے لو۔ اور خراب کو چھوڑ دو۔

طیب اور خبیث کی اقسام: ان میں بہت ساری چیزیں آ جاتی ہیں۔ حلال وحرام کہ حرام خبیث ہے اور حلال طیب ہے۔ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اور ان دونوں کے مرتکب بھی برابر نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کیلئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کیلئے۔ یعنی مومن طیب ہے۔ اور کافر خبیث ہے۔ یا حرام مال خبیث ہے۔ اس کے نزدیک بھی نہیں جانا چاہئے۔ خبیث حرام ہے خواہ کتنا اچھا ہو اور زیادہ ہو خوبصورت ہو اور دل کو بہت پسند بھی ہو (خواہ مال ہے یا بندہ ہے یا کوئی اور چیز) زیادہ ہے۔ یا تھوڑا۔ اس کے قریب مت جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اے عقل مندو حلال چیز استعال کرو۔ پلید چیزوں سے دور رہو۔ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

فائدہ: سارے اعمال میں اعلیٰ عمل تقوی ہے۔ جو نجات دلانے والا ہے۔ آخرت میں یہی چیزیں کام دینے والی ہیں۔ ایمان، نیک عمل اور تقوی۔ حسب ونسب نہیں چلے گا۔ (بہت لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے۔ کہ وہ حسب ونسب کے نخرے میں اعمال چھوڑ بیٹھے ہیں)۔ خصوصاً سید کہلانے والے حضرات تو اپنے آپ کو نماز روزے سے دست بردار سمجھتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ حالانکہ نماز روزے کی سخت پابندی سادات ہی زیادہ کرتے تھے۔

تقویٰ کیلئے ضروری اعمال: (۱) کم کھانا۔ (۲) کم سونا۔ (۳) گناہوں اور نافرمانی سے پرہیز۔ (۴) خواہشات سے دوری۔ (۵) لوگوں کی بے وفائی برداشت کرنا۔ (۶) بے وقوفوں کی مجلس سے کنارہ کشی۔ (۷) نیکوں کی صحبت۔

فائدہ: آخرت میں نفع دینے والی چیز تقویٰ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ یعنی اسی تقوے میں تمہیں موت آئے۔ یہ اصل تقوی ہے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا

اے ایمان والونہ پوچھا کروایسی باتوں کے متعلق کہ اگر ظاہر ہوجائیں تم پرتو تمہیں بری لگیں اور اگر تم پوچھ لو

عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

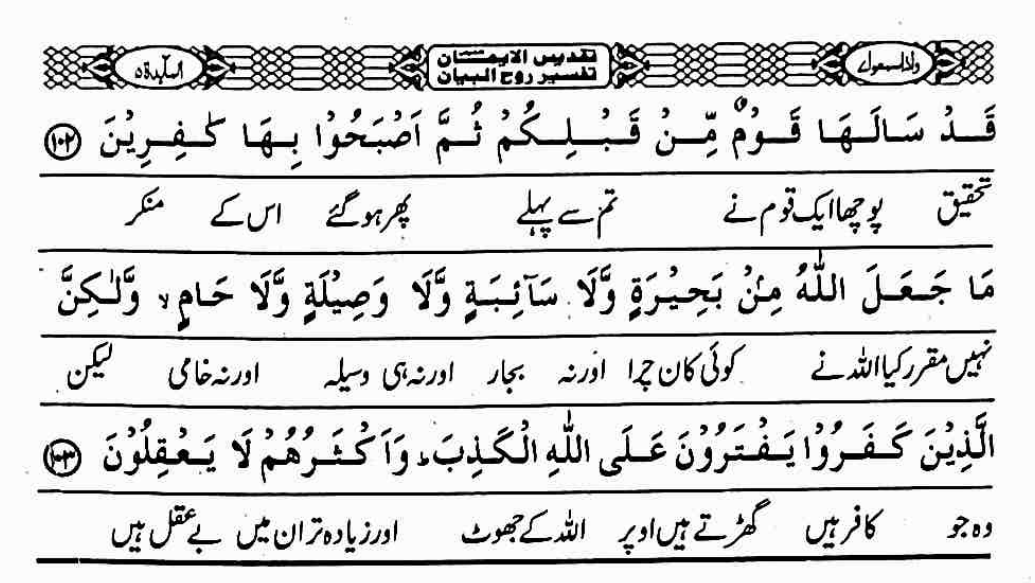
ان کے متعلق اس وقت کہ نزول قرآن ہورہا ہوتم پر ظاہر کردی جائیں معاف کر چکا اللہ اس کو اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے

(آیت نمبر۱۰۱) اے ایمان والواشیاء کے بارے میں سوال نہ کیا کرو۔ اگر تم پر ظاہر ہوگئیں۔ تو تمہیں بری لگیں گی۔ خصوصاً نزول قرآن کے وقت پوچھو گے۔ تو تم پر تمہاری مرضی کے خلاف باتیں ظاہر ہوگئیں تو تمہیں برا لگے گا۔

شان نزول : مروی ہے۔ کہ جب حج کی فرضیت والی آیت نازل ہوئی۔ تو حضور ﷺ اپنے خطاب میں حج کی فرضیت کے بارے میں بتا رہے تھے۔ تو سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ کہ کیا ہر سال حج فرض ہے۔ تو اس وقت حضور ﷺ نے سکوت فرمایا۔ سائل نے کئی دفعہ یہ بات دہرائی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جب تک میں خود کسی بات کو واضح نہ کروں۔ تم اس کے پیچھے ہی نہ پڑ جایا کرو۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا۔ تو حج ہر سال ادا کرنا تم پر فرض ہوجاتا (ترمذی/۸۱۳)۔ اور تم ادا نہ کرسکتے۔ اور بار بار تم سوال بھی نہ کیا کرو۔ تم سے پہلے لوگ بھی انبیاء کرام علیہم السلام پر بہت زیادہ سوال کرنے کی ہی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ جب میں کوئی بات بتاؤں۔ تو تم اس پر فوراً عمل شروع کردیا کرو جتنی تمہاری ہمت ہے۔ اور جب روکوں تو رک جایا کرو۔ اس کے شان نزول میں اور بھی کئی روایات ہیں۔

آگے فرمایا کہ ان چیزوں کے متعلق بھی نہ پوچھا کرو جو ابھی ہم نے ظاہر نہیں کیں۔ اور اگر دوران نزول وحی کوئی سوال کرو تو ہوسکتا ہے۔ کہ وہ مسائل نکل آئیں جن کو سن کر تمہیں غم یا پریشانی ہوجائے۔

سبق : عقل مندو ہی ہے۔ جو ایسا کام نہیں کرتا کہ جس کے بعد اسے پریشانی ہوجائے۔ جیسے ایک آدمی نے اپنے باپ کے بارے پوچھ لیا۔ اگر حضور اس کے اصلی باپ کے علاوہ بتادیتے۔ تو اس کیلئے کتنی ذلت کی بات ہوتی۔ یا جس نے حج کے بارے میں پوچھا۔ کہ کیا ہر سال حج فرض ہے۔ تو اگر حضور ﷺ فرمادیتے کہ ہاں ہر سال ہی فرض ہے تو کس قدر سب کے لئے پریشانی بن جاتی۔ آگے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے اس بات کو معاف فرمادیا۔ یعنی ایسی باتیں قابل گرفت ہیں۔ جن سے ابھی روکا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔ اب آخرت میں اس پر پکڑ نہیں ہوگی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بخشنہار اور بردبار ہے۔ یعنی تمہارے گناہوں سے چشم پوشی فرمالیتا ہے۔ فوری پکڑ یا سزا نہیں دیتا۔



قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

تحقیق　پوچھا ایک قوم نے　تم سے پہلے　پھر ہوگئے　اس کے　منکر

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ

نہیں مقرر کیا اللہ نے　کوئی کان چرا　اور نہ　بجار　اور نہ ہی وسیلہ　اور نہ حامی　لیکن

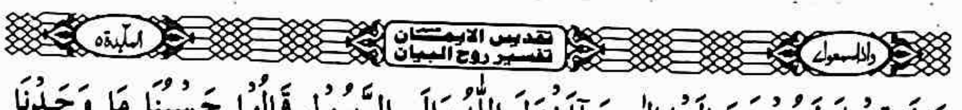
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾

وہ جو　کافر ہیں　گھڑتے ہیں اوپر　اللہ کے جھوٹ　اور زیادہ تر ان میں　بے عقل ہیں

(آیت نمبر۱۰۲) تحقیق تم سے پہلے بھی ایک قوم نے سوال کیا۔ یعنی بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام یا دیگر انبیاء سے سوال کئے پھر وہ پورا نہ کر سکے اور پھر اس کے منکر ہو کر تباہ و برباد ہوگئے۔ جیسے صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے اونٹنی کا مطالبہ کیا۔ یا بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آسمانی کھانے کا سوال کیا۔ بعد میں منکر ہو کر ہلاک ہوگئے۔

فائدہ: ابو ثعلبہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو جو فرض مقرر فرما دیئے۔ انہیں پورا ادا کرو۔ اور جن کاموں سے منع کیا۔ اس کے خلاف مت کرو۔ اور جو حدود متعین کر دیں۔ ان سے تجاوز نہ کرو۔ جیسے پہلی قوموں نے کیا۔

(آیت نمبر۱۰۳) (نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ) دور جاہلیت میں جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی تو پھر اس کے کان چیر کر آزاد کر دیتے۔ پھر نہ اس پر سوار ہوتے نہ اس کا دودھ نکالتے۔ نہ اسے کسی چراگاہ سے روکتے تھے۔ اسے بحیرہ کہتے۔ آگے فرمایا۔ کہ نہ سائبہ اللہ تعالیٰ نے بنائی۔ دور جاہلیت میں ایک آدمی یہ کہتا۔ کہ میں سفر سے یہ سلامت آ گیا۔ یا بیماری سے صحت یاب ہوا۔ تو میری اونٹنی سائبہ ہوگی۔ یعنی بحیرہ کی طرح آزاد ہوگی۔ پھر اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا حرام سمجھتے تھے۔ آگے فرمایا کہ اور نہ اللہ نے وصیلہ بنائی۔ یہ بھی جاہلیت میں بکری سے مادہ پیدا ہو۔ تو پھر اپنے لئے اور بکروٹا یعنی نر جنتی تو وہ بتوں کے نام کر دیتے۔ اگر نر مادہ کا جوڑا جنتی۔ تو کہتے کہ یہ اپنے بھائی سے مل گئی۔ پھر بھی اسے بتوں کی نذر کر دیتے۔ آگے فرمایا۔ کہ نہ اللہ نے حام بنایا۔ جاہلیت کے دور میں حام اس اونٹ کو کہتے۔ کہ جس سے دس دفعہ اونٹنیاں گابھن ہو جائیں۔ تو کہتے اب اس کی پیٹھ آئندہ کیلئے محفوظ ہوگئی۔ پھر اس سے نہ کام لیتے۔ نہ اسے کسی جگہ چرنے سے روکتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مذکورہ نام اللہ نے تو نہیں بنائے۔ لیکن کافر لوگ ایسے کام کر کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہیں۔ یعنی کام خود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور فرمایا۔ کہ ان میں زیادہ تر بے عقل ہیں کہ باطل کام خود کر کے اللہ کے ذمے لگا دیتے ہیں۔ (جیسے آج کل گناہ کر کے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی لکھا ہوگا)۔



وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا

اور جب کہا گیا ان کو آ ؤ طرف اس کے جو اتارا اللہ نے طرف رسول کے تو کہنے لگے کافی ہے ہمیں وہ جو پایا ہم نے

عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾

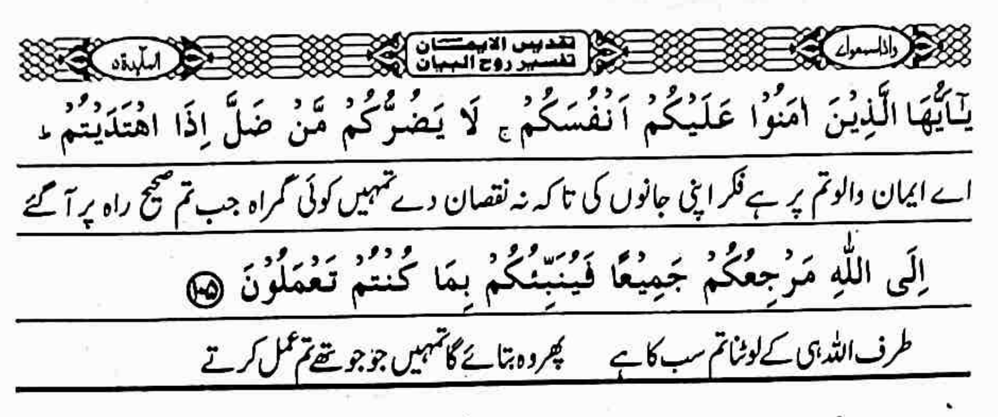
اس پر اپنے باپ دادا کو اگرچہ ہوں باپ دادا ان کے نہ جانتے ہوں کچھ اور نہ ہی ہدایت پر ہوں

(آیت نمبر ۱۰۴) اور جب انہیں سمجھانے کیلئے کہا جائے۔ کہ آ ؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام اپنی کتاب میں بیان فرمایا۔ اور اس رسول کی طرف آ ؤ جو یہ احکام لے کر آئے۔ تا کہ تمہیں حلال وحرام میں تمیز ہو۔ تو کہتے۔ کہ ہمیں وہ کافی ہے۔ کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا۔ اس آیت میں ان کی گمراہی کی انتہا بتائی گئی۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کہاں تک پہنچے ہوئے تھے۔ آگے فرمایا۔ کہ خواہ ان کے باپ دادا جاہل ہوں کچھ نہ جانتے ہوں۔ اور نہ انہیں سیدھی راہ معلوم ہو۔ **فائدہ** : یہاں جاہل بے ہدایت سے مراد کفار ہیں۔ مسلمان کی اقتداء جائز ہے۔

فائدہ: اقتداء کیلئے ضروری ہے۔ کہ کسی ہدایت یافتہ عالم کی ہونی چاہئے۔ تا کہ انجام صحیح ہو۔

تنبیہ : حضرت شیخ اسئلۃ الحکم میں فرماتے ہیں۔ کہ احادیث میں جن دجالوں سے بچنے کا کہا گیا۔ اس سے مراد وہ پیشوایان قوم ہیں۔ جو خود جاہل اور گمراہ ہیں۔ خصوصاً وہ مکار صوفی جو مشائخ بنے ہوئے ہیں۔ ہم نے خود انہیں دیکھا۔ کہ وہ مخلوق خدا کو دام فریب میں پھنسانے کے بڑے ماہر ہیں۔ اللہ انہیں ذلیل کرے (یہ تو سینکڑوں سال پہلے کا لکھا ہے۔ آج کل تو الامان والحفیظ ننانوے پرسنٹ کا یہی حال ہے پرلے درجے کے جاہل بے وقوف ہیں اور بنے ہوئے پیر ہیں)۔ (نہ علم ہے نہ عمل اچھا اور وہ لوگوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں۔)

آگے فرمایا کہ یہ لوگ دعویٰ تو اہل حق ہونے کا کرتے ہیں لیکن شیطان ان سے کھیل رہا ہے۔ ان کی ساری ہمت خواہشات پوری کرنے میں لگی ہوتی ہے۔ وہ حرام کاموں کو بھی اپنے لئے مباح سمجھتے ہیں اور حرام کو حلال جانتے ہیں اور اس پر مغرور ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ مقام وحدۃ پر فائز ہو گئے ہیں۔ انہیں اب کوئی نقصان نہیں۔ اگر وہ کوئی کام شریعت کے خلاف بھی کر دیں تو انہیں کچھ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اب وہ حقیقت کی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ یہ سب شیطانی وسوسے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں نے اپنی طرف سے کئی طریقے گھڑ لئے ہیں۔ نہ وہ شریعت کو جانتے ہیں نہ طریقت کو تو وہ طریقت تک کیسے پہنچ گئے۔ یہ اہل طبیعت اور اہل حدیعت (دھوکے باز) ہیں۔ جہان میں فتنہ ان سے ہی پھیلا ہے۔ نہ انہیں کوئی روکنے والا۔ نہ انہیں سیدھا کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ ہی محفوظ فرمائے۔ اور وہ اپنے آپ کو ولی اللہ مشہور کرتے ہیں اور اپنے چیلوں کو وہ کہتے ہیں۔ مولویوں (علماء) کے قریب نہ جانا۔ (العیاذ باللہ)



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

اے ایمان والوتم پر ہے فکر اپنی جانوں کی تا کہ نہ نقصان دے تمہیں کوئی گمراہ جب تم صحیح راہ پر آ گئے

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

طرف اللہ ہی کے لوٹنا تم سب کا ہے   پھر وہ بتائے گا تمہیں جو جو تھے تم عمل کرتے

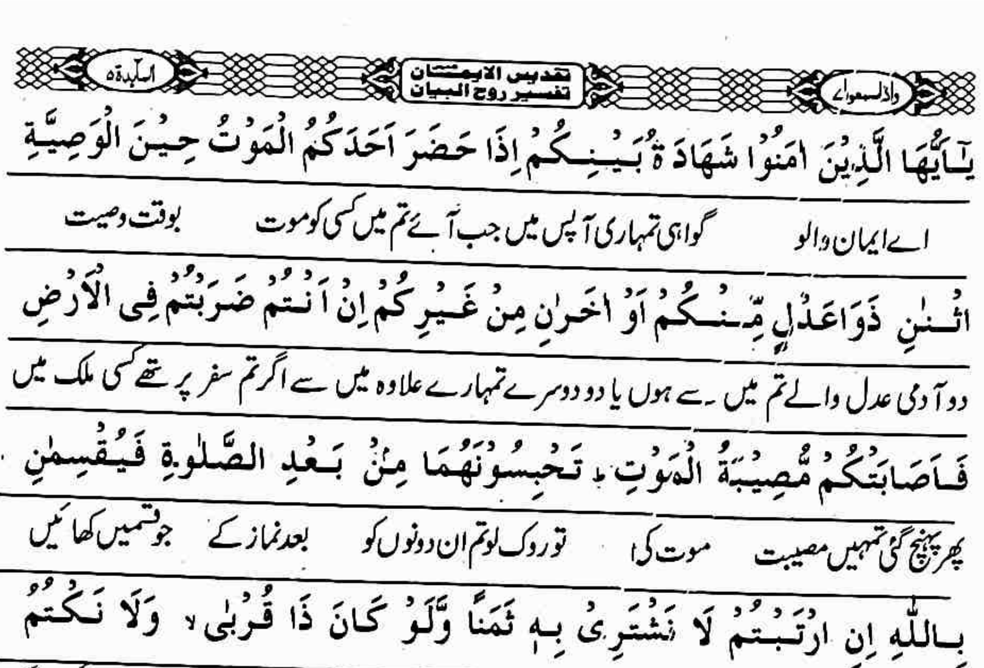
(آیت نمبر ۱۰۵) اے ایمان والوتم پر لازم ہے۔ کہ اپنی فکر کرو۔ یعنی اپنی اصلاح کرو اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور اپنے آپ کو غضب الٰہی اور عذاب آخرت سے بچاؤ۔ تو پھر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ شخص جو گمراہ ہو گیا۔ یعنی اس کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں دے سکتی جب خود تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

شانِ نزول: بعض مسلمان کفار کے اسلام قبول نہ کرنے پر کڑتے اور آرزو کرتے۔ کاش یہ بھی مسلمان ہو جائیں۔ تو ان کی تسلی کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ بالآخر تم سب کا لوٹ کر میرے پاس ہی آنا ہے۔ خواہ کوئی گمراہ ہے۔ یا ہدایت والا۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی انہیں بتائے گا۔ جو جو وہ عمل کرتے رہے۔ یعنی دنیا میں جو اچھے یا برے عمل کرتے رہے۔ اس کی وہ سزا یا جزاء دے گا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ تم اگر کسی برائی کو دیکھو تو اسے ہاتھ (ڈنڈے) سے روکو۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو۔ تو زبان سے (یعنی تبلیغ کر کے) ورنہ دل سے اسے برا جانو۔ (مشکوٰۃ شریف)

فرمان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: اے لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہو۔ لیکن اس کا صحیح مقصد پورا نہیں کرتے اور نہ تم سمجھتے ہو کہ یہ کیا ہے۔ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ اگر تم کوئی برائی دیکھو تو فوراً روکو۔ ورنہ سب عذاب میں گرفتار ہو گے۔

مسئلہ: اگر کسی کو کہا جائے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں نہیں کرتے۔ آگے وہ کہہ دے۔ اس سے مجھے کیا فائدہ یا کہے میں تو اب سب سے الگ ہو گیا۔ یا کہے میں ایسے فضول کام نہیں کرتا۔ تو اس کے کافر ہونے کا ڈر ہے۔

آج کی پیری مریدی: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیری مریدی بہت عالی شان کام تھا۔ لیکن آج کے دور میں اسے بچوں کا کھیل بنا دیا گیا ہے اور اسے موروثی چیز بنا دیا گیا ہے۔ باپ مرے تو بیٹا ہر حال میں لوگوں کا پیر بن گیا ہے۔ (خواہ اس کے اعمال یزید والے ہوں) لوگ اسے سجادہ نشین بنا لیتے ہیں اور بزرگوں کا جبہ و دستار اسے پہنا دیتے ہیں اور بزرگوں کے مسند پر بٹھا دیتے ہیں۔ یہ مصیبت اب عام ہو گئی ہے شاید کہ طریقت اب ختم ہو گئی ہے۔ (یہ حال چار سو سال پہلے کا بتایا ہے تو طریقت کا اب کیا حال ہو گا۔) الامان والحفیظ



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ

اے ایمان والو گواہی تمہاری آپس میں جب آئے تم میں کسی کو موت بوقت وصیت

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ

دو آدمی عدل والے تم میں سے ہوں یا دو دوسرے تمہارے علاوہ میں سے اگر تم سفر پر تھے کسی ملک میں

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ

پھر پہنچ گئی تمہیں مصیبت موت کی تو روک لو تم ان دونوں کو بعد نماز کے جو قسمیں کھائیں

بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ

اللہ کی اگر تمہیں شک ہوا کہ نہیں خریدیں گے اس کے بدلے کوئی قیمت اگرچہ ہو قریبی رشتہ اور نہ چھپائیں گے

شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾

گواہی اللہ کی ورنہ بے شک ہم اسی وقت گنہگاروں میں سے ہوں

(آیت نمبر ۱۰۶) اے ایمان والو آپس کے جھگڑوں میں ایک دوسرے کی گواہی دو۔ خصوصاً جب تم میں سے کسی کو موت آجائے۔ تو اس وقت تمہیں گواہی دینی پڑے۔ تو ضرور گواہی دو۔

شان نزول: حضرت بدیل رضی اللہ عنہ دو نصرانیوں کے ساتھ ملک شام کی طرف تجارت کی غرض سے گئے۔ شام پہنچتے ہی بدیل بیمار ہو گئے۔ سامان کی فہرست تیار کر کے انہوں نے سامان میں رکھ دی۔ اس فہرست کا ذکر ساتھیوں سے نہ کیا۔ جب مرض بڑھ گئی۔ تو ساتھیوں کو وصیت کی۔ کہ میں مر جاؤں۔ تو میرا سامان میرے گھر والوں تک پہنچا دینا۔ جب وہ وفات پا گئے۔ تو ان کے ساتھیوں نے سامان میں ایک چاندی کا قیمتی پیالا دیکھا۔ جس پر سونے کا کام کیا ہوا تھا۔ بدیل وہ پیالا بادشاہ کو تحفہ دینے کی غرض سے لائے تھے۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ تو ان کے ساتھیوں نے قیمتی پیالا سامان سے چرا لیا۔ باقی سامان گھر والوں کے حوالے کر دیا۔ گھر والوں نے سامان کھولا۔ تو اس میں حضرت بدیل کے کپڑوں سے ایک کاغذ ملا۔ جس میں سارے سامان کی تفصیل موجود تھی چونکہ ساتھیوں کو اس کاغذ کا علم نہیں تھا اور نہ وہ

فہرست نکال لیتے۔ اوران کی چوری چھپی رہتی۔ بدیل کے گھر والوں کو سامان جب مل گیا۔ بدیل رضی اللہ عنہ نے پورے سامان کی فہرست ایک کاغذ پرلکھ کر کپڑوں میں رکھ دی۔ جس میں تمام اشیاء موجود تھیں۔ مگر وہ قیمتی جام نہیں تھا۔ تو ان کے گھر والے ان دوساتھیوں تمیم اورعدی کے پاس گئے۔ اوران سے پوچھا کہ بدیل نے کوئی علاج معالجہ کرایا۔ انہوں نے بتایا کہ نہیں پھر پوچھا کہ کیا انہوں نے کوئی کاروبار کیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اس کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔ تو پھر انہوں نے اس قیمتی پیالے کے بارے میں دریافت کیا۔ تو وہ دونوں صاف انکار کر گئے۔ کہ ہمیں اس کے بارے کوئی علم نہیں۔ ہمیں جو اس کی اشیاء ملی تھیں۔ وہ سامان آپ کے حوالے کر دیا ہے۔ یہ مقدمہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ تو وہ پھر بھی ڈٹے رہے۔ کہ ہمیں پیالے کا کوئی علم نہیں۔ حضور ﷺ نے ان سے منبر کے پاس کھڑا کر کے قسم لی۔ کہ نہ ہم نے خیانت کی نہ پیالا چھپایا ہے۔ پھر قسم بھی کھا گئے۔ تو حضور ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ کچھ عرصہ بعد وہی جام مکہ شریف میں ایک آدمی کے پاس پایا گیا۔ اس سے جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ یہ جام میں نے تمیم اورعدی سے خریدا ہے۔ اس بات کی قسم بدیل کے وارثوں سے دوشخصوں نے کھائی۔ کہ یہ وہی جام ہے۔ جو بدیل کے پاس تھا۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اصل وہی گواہیاں ہیں جو تمہارے درمیان میں ہیں یعنی کفار کی گواہیوں کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے حکم فرمادیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے۔ تو مسلمان کو وصیت کر دینی چاہئے۔ وصیت بھی دوگواہ کے برابر ہے۔ اور گواہ دونوں صاحب عدل ہوں۔ تمہارے خاندان میں سے ہوں۔ صاحب امانت اور ذی شعور ہوں۔ یا تمہارے علاوہ یعنی تمہارے رشتہ دار نہ ہو۔ یعنی اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو۔ تو تمہیں موت کی مصیبت آجائے۔ اور تمہارے ساتھ ذاتی رشتہ دار یا دینی رشتہ دار کوئی نہ ہوں اور گواہ نہ ملیں ذی عدل یا ان کی گواہی میں شک ہو۔ تو نماز کے بعد ان کو کھڑا کر کے ان سے قسمیں لے لو۔ اس نماز سے نماز عصر مراد ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی مقدس مقام پر قسم لی جائے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی مقام پر ہی قسم لی جاسکتی ہے۔ اور وہ اللہ کی قسم یوں کھائیں۔ اور کہیں کہ اگر تمہیں شک ہے۔ تو ہم قسم کھا کر کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اس اس کے بدلے کوئی چیز نہیں خریدی۔ اگر چہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی رشتہ خواہ بہت قریبی ہو۔ تب بھی گواہی ضرور دیں اور وہ کہیں ہم جھوٹ کی قسم نہیں اٹھائیں گے۔ اور نہ ہی اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے۔ اگر گواہی چھپائیں۔ پھر تو ہم گناہ گاروں سے ہوئے۔

فائدہ : یادرہے یہ احکام ابتداء اسلام کے تھے۔ بعد یہ احکام منسوخ ہو گئے۔ اب کسی مسلمان پر ذمی کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔ البتہ ذمی ذمی کی گواہی دے سکتا ہے۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا

پھر اگر معلوم ہوگیا کہ بے شک وہ دونوں سزاوار ہیں گناہ کے تو دوسرے دو کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ پر

مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ

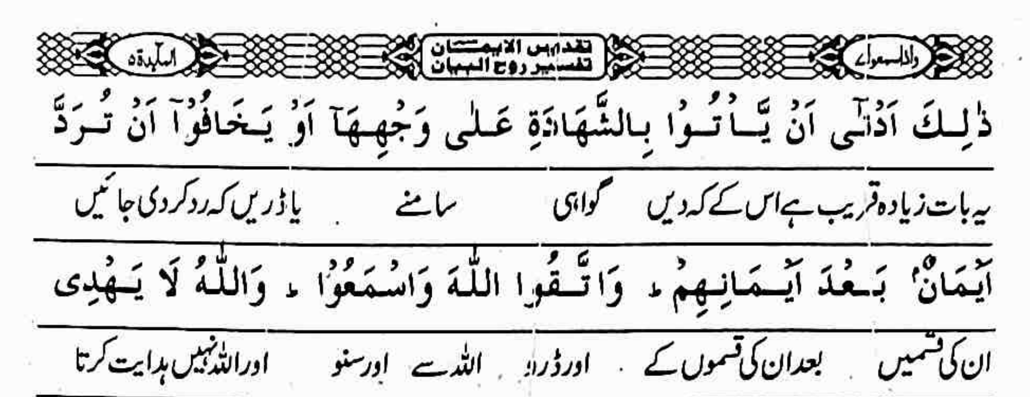
ان لوگوں سے جن کا حق چھین لیا جو زیادہ قریب ہیں میت کے پھر وہ قسمیں کھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی زیادہ درست ہے

مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

ان کی گواہی سے اور نہیں ہم حد سے بڑھے بے شک ہم پھر اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے

(آیت نمبر ۱۰۷) پھر اگر ان کی قسموں کے بعد معلوم ہوا۔ کہ وہ دونوں گناہ کے مستحق ہو گئے۔ یعنی چوری شدہ مال ان کے ہاں سے برآمد ہوگیا اور ان کی گواہی جھوٹی ثابت ہوگئی۔ تو پھر ان دونوں کے بدلے دوسرے دو گواہ کھڑے کئے جائیں۔ یعنی پہلے دونوں کی خیانت معلوم ہونے پر ان کے بجائے دوسرے دو گواہ کھڑے کئے جائیں۔ جو حاکم کے سامنے گواہی دیں۔ قسم کے ساتھ لوگوں کے سامنے حق کو واضح کریں کہ پہلے دونوں گواہوں نے فی الاصل جھوٹ بولا ہے اور ہماری قسم شک شبہ سے پاک ہے اور ہم گواہی دینے میں کسی قسم کی زیادتی نہیں کریں گے۔

فائدہ: اس سے میت کے متعلقین مراد ہیں۔ یعنی اب یہی گواہی دینے کے زیادہ حق دار ہیں۔ وہ یہ گواہی دیں۔ کہ پہلے گواہوں نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ لہٰذا اب وہ میت کے رشتہ دار اللہ کے قسم کھا کر دونوں کہیں کہ پہلے جن دونوں نے گواہی دی تھی وہ دونوں جھوٹے ہیں۔ اور ہم جو قسم کھا کر کہہ رہے ہیں۔ ہماری گواہی ان پہلے گواہوں سے زیادہ قبولیت کی حق دار ہے۔ اور ہم نے بالکل کوئی زیادتی نہیں کی نہ ہم نے ان کا کوئی حق مارا اگر ہم ایسی زیادتی کریں پھر تو ہم ظالمون میں ہوئے۔ جو اللہ تعالیٰ کی حرمت کی ہتک کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غضب میں اپنے آپ کو ڈالتے ہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ جب تمہیں بات واضح معلوم ہو۔ جیسے سورج واضح ہوتا ہے تو پھر گواہی دو۔ ورنہ گواہی نہ دو (اخرجہ البیہقی فی سننہ والمستدرک)۔ **فائدہ**: اور گواہی دینے والے کو بتادیا جائے کہ اگر تم نے جھوٹی گواہی دی تو اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کے مستحق ہو گے۔ **فائدہ**: گواہی دینے میں لوگوں کے حقوق کو ثابت کرنا یا ضائع کرنا ہوتا اور مال کو حقیقی مالکوں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے گواہوں کی عزت کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے حقوق حق داروں تک پہنچاتا ہے۔ (مجمع بحار الانوار)



ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ

یہ بات زیادہ قریب ہے اس کے کہ دیں گواہی سامنے یا ڈریں کہ رد کردی جائیں

اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

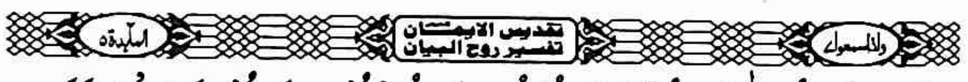
ان کی قسمیں بعد ان کی قسموں کے اور ڈرو اللہ سے اور سنو اور اللہ نہیں ہدایت کرتا

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ؏ ﴿۱۰۸﴾

ایسی قوم کو جو فاسق ہے

(آیت نمبر ۱۰۸) یہ بات زیادہ نزدیک ہے۔ اس بات کے کہ گواہ ایسے طریقے سے گواہی دیں۔ جیسے انہیں وہ معلوم ہے۔ اس میں بالکل کوئی کمی بیشی بھی نہ کریں۔ اور پھر وہ اس بات سے بھی ڈریں کہ ہوسکتا ہے ہماری قسمیں دوسروں کی قسموں سے رد کردی جائیں۔ **فائدہ:** اس میں یہ حکمت ہے۔ کہ پہلے گواہوں کی طرح ان کو یہ بھی ڈر رہے کہ ان کی گواہی بھی مسترد نہ ہو جائے۔ یا آخرت کے عذاب سے ڈریں۔ کہ جھوٹی گواہی سے پوری دنیا کے سامنے رسوائی ہوگی۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ سے ڈرو۔ کہ نہ گواہی بدلو۔ اور نہ جھوٹی قسم کھاؤ۔ اور نہ امانت میں خیانت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف بھی نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی تمام نصیحتیں سنو۔ اور انہیں قبول کرو اور ان پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ فاسق قوم یعنی جو اطاعت سے نکل گئی ہے۔ انہیں ہدایت نہیں دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ جھوٹ بولنے والے میں خوف خدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر تم نے جھوٹ بولا۔ اور اس کے حکموں کی مخالفت کی تو فاسق بن جاؤ گے۔ اور فاسقوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

مسئلہ: گواہ کا موقع پر موجود ہونا ضروری ہے۔ اگر موقع پر موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں تو بھی گواہی معتبر نہ ہوگی۔ اور گواہی کے وقت پورا واقعہ بیان کیا جائے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جیسے سورج کو دیکھ کر یقین کرتے ہو۔ اس طرح کا جب تک یقین نہ ہو۔ اس وقت تک گواہی نہ دو۔ (مستدرک کتاب الاحکام)۔ **مسئلہ:** گواہ کو جب بلایا جائے۔ تو وہ ضرور حاضر ہو گواہی دینے سے انکار کرنا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ گواہی نہ دینے سے حقوق العباد ضائع ہوتے ہیں۔ اس کا وبال گواہی نہ دینے والے پر ہوگا۔ اس لئے گواہ کو چاہئے کہ وہ گواہی بھی ضرور دے اور گواہی بھی سچی دے تاکہ کسی کا حق ضائع بھی نہ ہو اور قیامت کے عذاب سے بھی بچ جائے۔ گواہ کے اس معمولی سے اقدام کا بہت بڑا اثر پڑے گا۔



يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَاعِلْمَ لَنَا ؕ

جس دن اکٹھا کرے گا اللہ رسولوں کو پھر فرمائے گا کیا جواب دیئے گئے تم تو کہیں گے نہیں علم ہمیں

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾

بے شک تو ہی بہت زیادہ جاننے والا غیبوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۸) **گواہی کے فوائد:** ۱۔ لوگوں کے حقوق کی حفاظت۔

۲۔ صاحب مال کے مال کا تحفظ۔

۳۔ خرید و فروخت کرنے والوں کے عقد میں انکار کا انسداد۔

مسئلہ : گواہ اگر کسی مسلمان کی پردہ پوشی کر دیتا ہے۔ تو بھی اسے ثواب ملے گا۔ بلکہ پردہ پوشی افضل ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائے گا۔ **سبق:** سالک پر لازم ہے۔ کہ ہر حال میں وہ لوگوں کی عیب جوئی سے بچے۔ اور قول و فعل میں سچائی اختیار کرے۔

(آیت نمبر ۱۰۹) جس دن اللہ تعالیٰ اکٹھا فرمائے گا تمام رسولوں کو۔ یعنی بروز قیامت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اور ان کی امتوں کو قبروں سے نکال کر محشر کے میدان میں ایک جگہ جمع فرمائے گا۔ پھر رسولوں سے پوچھے گا۔ کہ تم کیا جواب دیئے گئے۔ یعنی جب تم نے امتوں کو توحید کی دعوت دی تھی۔ تو انہوں نے اس دعوت کی تصدیق کی یا تکذیب و انکار کیا۔ تو انبیاء کرام علیہم السلام اس کے جواب میں کہیں گے۔ ہمیں تو اس کا علم نہیں بے شک تو ہی بہت زیادہ غیبوں کو جاننے والا ہے۔ یعنی یا اللہ حقیقی طور پر تو سارا علم تیرے پاس ہے۔ جو انہوں نے ظاہر کیا یا چھپایا تیرے علم کے سامنے ہمارا علم کیا ہے؟

فائدہ : گویا انبیاء کرام علیہم السلام نے اتنی بلند ذات کے سامنے اپنی لاعلمی کے ضمن میں امتوں کو ادب بھی سکھا دیا۔ اور دبے لفظوں میں ان کی شکایت بھی کر دی۔ کہ یا اللہ تو تو بکل شیء علیم ہے۔ اب ہم تجھے کیا بتائیں کہ انہوں نے ہمیں کتنی تکالیف دیں۔ کتنی اذیتیں پہنچائیں۔ **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ یہ سوال اس وقت ہوگا جب جہنم سامنے بھڑک رہی ہوگی۔ لوگ خوف سے گھٹنوں کے بل ہوں گے۔ انبیاء و رسل تک نفسی نفسی یا رب نفسی پکار رہے ہوں گے۔ یعنی ہر ایک اس خوف ناک منظر میں گھبرایا ہوگا۔ لیکن جب کچھ افاقہ ہوگا۔ تو پھر ہر نبی اپنی امت کی گواہی دے گا۔ معلوم ہوا۔ کوئی بات پوچھنا اس کی لاعلمی کی دلیل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب کا تقاضا یہی ہے۔ کہ بندہ عاجز بن جائے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ

جب فرمائے گا اللہ اے عیسیٰ بیٹے مریم یاد کر میری نعمت جو تجھ پر کی

وَعَلٰى وَالِدَتِكَ م وقف لازم اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قف تُكَلِّمُ النَّاسَ

اور اوپر تیری ماں کے جب میں نے مدد کی تیری ساتھ روح پاک کے کہ تم باتیں کرتے لوگوں سے

فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ج وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ج

پنگھوڑ میں اور بڑھاپے میں اور جب میں نے سکھائی تجھے کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ

اور جب تم بناتے مٹی سے مثل مورت پرندے کی میرے حکم پر پھونک مارتے اس میں تو ہو جاتا

طَيْرًا م بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ج وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

اڑنے والا میرے حکم سے اور تو ٹھیک کرتا ہے مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو میرے حکم سے اور جب نکالتا مردے

بِاِذْنِيْ ج وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

زندہ کرکے میرے حکم سے اور جب میں نے روکا بنی اسرائیل کو تجھ سے جب لایا تو ان کے پاس معجزے

فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾

تو کہا کافروں نے ان سے نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا

(آیت نمبر ۱۱۰) جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ اے میرے عیسیٰ میرے انعام کو یاد کر جو میں نے تجھ پر بھی کیا۔ اور تیری ماں محترمہ پر بھی کیا۔ یہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے دونوں پارٹیوں کو سنانے کیلئے فرمایا۔ ایک وہ جو ان کے معجزات دیکھ کر انہیں جادوگر کہا کرتے تھے۔ دوسری پارٹی جو کمالات دیکھ کر انہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا۔ کہ تم دونوں کا نظریہ غلط تھا۔ اس سے وہ دونوں حسرت وندامت اٹھائیں گے۔ تو فرمایا جائیگا کہ میرے عیسیٰ وہ

وقت یاد کرو۔ جب میں نے تمہاری تائید کی یعنی مدد کی جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے۔ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی حجت کو اپنی تصدیق سے ثابت فرماتے اور دوسرا انعام یہ کیا کہ تو کلام کرتا تھا لوگوں سے بچپن میں اور بڑھاپے میں بھی کلام کرے گا۔ یعنی پیدا ہوتے ہی جب لوگوں نے ان کی والدہ ماجدہ پر الزام لگایا تو والدہ کی پاکدامنی میں فصیح کلام فرمائی (اور پوری قوم کا منہ بند کر کے رکھ دیا۔ جو پہلے چیخ چیخ کر بکواس کر رہے تھے اور بڑھاپے میں آدمی دماغی کمزوری کی وجہ سے آگے پیچھے مارتا ہے لیکن نبی آخری سانس تک دماغی سلامتی میں ہوتا ہے) خصوصاً عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ آپ اس عمر میں بھی صحیح کلام فرمائیں گے۔

مرزائیت کا رد: مرزائیت کا رد بھی فرما دیا۔ کہ مرزائی کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے۔ وہ بڑھاپے میں لوگوں سے کلام کریں گے۔ اور بڑھاپا آنے سے پہلے ہی وہ آسمانوں پر اٹھا لئے گئے۔ اس کا معنی یہ ہے۔ کہ وہ ابھی فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ قیامت کے قریب آسمانوں سے اتریں گے چالیس سال مزید زمین پر رہیں گے۔ نکاح کریں پھر بڑھاپا آئے گا اور وہ لوگوں سے باتیں کریں گے۔ (مرزائی اس قسم کی باتوں سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں)۔

- تیسرا انعام یاد کرایا وہ وقت یاد کرو کہ جب میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائی۔ **حکمت:** سے مراد علم و فہم یا کتاب کے اسرار و رموز ہیں۔ بعض نے علوم باطنی مراد لئے ہیں۔
- اور چوتھا انعام یہ کہ اے میرے عیسیٰ وہ وقت بھی یاد کرو جب تم بناتے تھے مٹی سے پرندے کی شکل میرے ہی حکم سے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ اڑنے لگ جاتا میرے ہی حکم سے۔

فائدہ: یہ بھی اصل میں بنی اسرائیل نے ہی مطالبہ کیا تھا۔ کہ آپ نبی ہیں۔ تو چمگادڑ بنا کر اڑا دیں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی گیلی لیکر اس کی شکل بنائی اور اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگ گئی۔

- پانچواں انعام یاد دلایا۔ کہ جب آپ مادر زاد اندھے اور برص والے کو تندرست فرماتے میرے حکم سے چونکہ آج تک دونوں لاعلاج مرض تھے جن کا کوئی علاج نہ تھا۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ ہی لگاتے تو یہ مرض ختم ہو جاتا تھا۔ اس لئے ان کا ذکر کیا۔ ورنہ ہر قسم کے بیماروں کا آپ علاج فرماتے تھے۔ اور لوگ شفایاب ہوتے۔
- اور چھٹا انعام یہ کہ اے میرے عیسیٰ جب آپ مردے زندہ فرماتے بلکہ کئی مردے قبر سے زندہ فرما کر باہر نکالے اور ان سے کلام بھی کیا۔ ان تمام کمالات میں عمل آپ کا ہوتا اور حکم میرا ہوتا تھا۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے کے پاس یا حی یا قیوم پڑھ کر قم باذن اللہ کہتے۔ تو وہ زندہ ہو جاتا تھا۔ کیونکہ یہ اسم اعظم ہے محققین کے نزدیک ان کلمات کی بہت بڑی تاثیرات ہیں۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

اور جب میں نے دل میں ڈالا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہا ہم ایمان لے آئے

وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اب گواہ ہو کہ بے شک ہم مسلمان ہیں

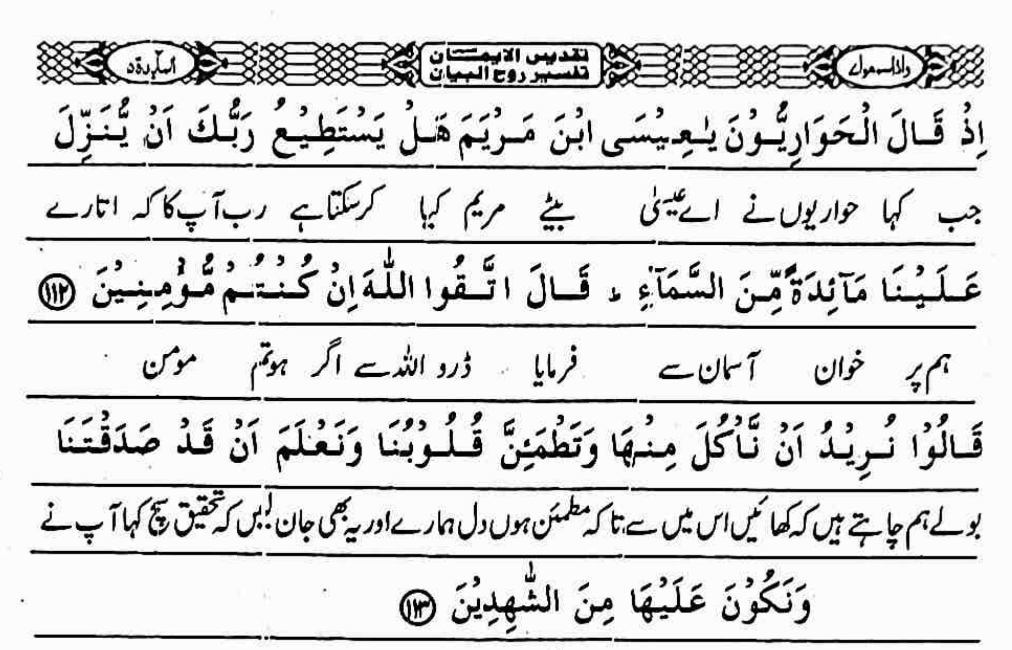
(بقیہ آیت نمبر ۱۱۰)

ساتواں انعام یہ ہے کہ اے میرے عیسیٰ وہ وقت یاد کرو جب بنی اسرائیل تجھے قتل کرنا چاہتے تھے تو میں نے تمہیں ان کے شر سے بچایا کہ جب آپ ان کے پاس دلائل و معجزات لے کر گئے اور انہیں کئی معجزات دکھائے۔ جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہے تو ان میں سے کافروں نے کہا۔ کہ نہیں یہ مگر جادو کھلا یعنی انہوں نے ہر بیماری کا علاج کروالیا۔ مگر کفر کی بیماری کا علاج نہیں کروایا۔ اسی مرض کفر میں پڑے رہے۔ لیکن یہ قسمت کی بات ہے۔ ان کی قسمت میں ایمان نہیں تھا۔

حکایت: حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے۔ تو بادشاہ وقت نے اس قت ٹاپ کلاس ڈاکٹر بھیجا۔ کہ وہ آپ کا علاج کرے۔ اس نے سارے جتن کیے۔ مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ڈاکٹر بڑا پریشان ہوا کہنے لگا۔ کہ اگر میرے جسم کا ٹکڑا بھی لگانا پڑے تو دیر نہ کروں۔ تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اپنے کفر کا زنار اگر توڑ دے تو مجھے صحت ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر نے فوراً زنار توڑا کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام قبول کرلیا۔ بادشاہ قت سن کر پہلے تو رویا پھر کہنے لگا کہ ہم نے تو طبیب کو مریض کے پاس بھیجا تھا۔ ہمیں کیا پتہ تھا کہ مریض طبیب کے پاس بھیج رہا ہوں۔

(آیت نمبر ۱۱۱) اور اے میرے عیسیٰ وہ وقت بھی یاد کرو۔ کہ جب میں نے حواریوں کو وحی کی۔

فائدہ: حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت قریبی ساتھیوں کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خالص نیت اور پاکیزہ ارادے والے لوگ تھے۔ ان میں ہر قوم کے لوگ تھے اور وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی ہر طرح سے مدد کی یا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جا رہا ہے۔ کہ اے محبوب یاد کیجئے۔ جب میں نے تمام انبیاء و مرسلین کی زبانی ان کو کہا۔ کہ مجھ پر بھی ایمان لاؤ۔ یعنی میری توحید و ربوبیت پر ایمان لاؤ۔ اور میرے رسول کو بھی مانو اور ایسا مانو کہ نہ انہیں ان کے مرتبہ سے گھٹاؤ نہ حد سے بڑھاؤ تو انہوں نے جواب میں کہا۔ کہ ہم نے خالص اور مخلص ہو کر ایمان لایا۔ اور آپ اس پر گواہ ہو جائیں۔ کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ یعنی ہمارا ایمان ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے۔



اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ

جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کیا کرسکتا ہے رب آپ کا کہ اتارے

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

ہم پر خوان آسمان سے فرمایا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم مومن

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

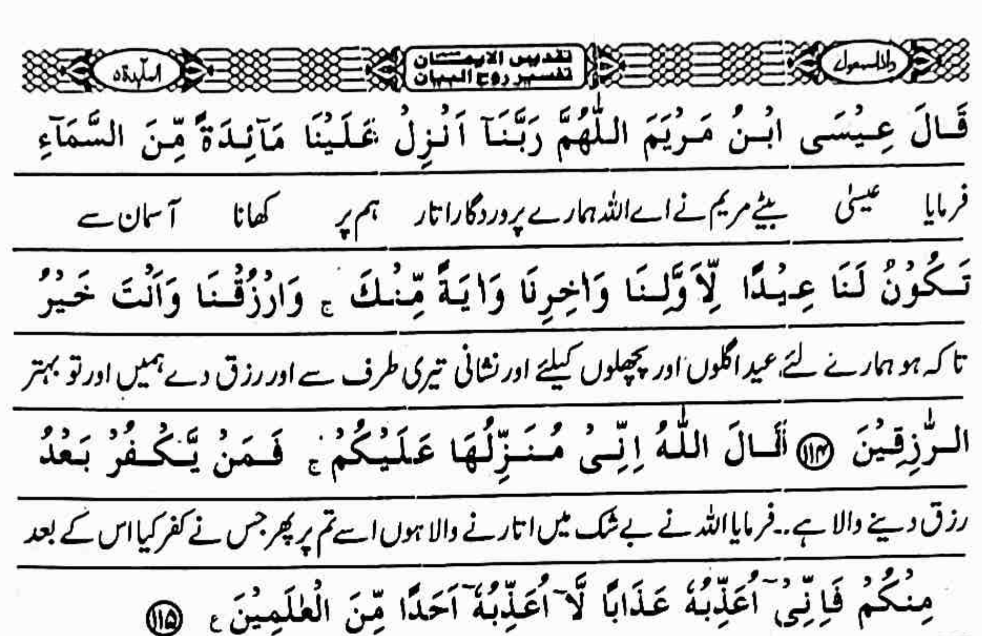
بولے ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس میں سے تا کہ مطمئن ہوں دل ہمارے اور یہ بھی جان لیں کہ تحقیق سچ کہا آپ نے

وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور ہوں ہم اس پر گواہوں سے

(آیت نمبر ۱۱۲) اے میرے عیسیٰ وہ بات بھی یاد کرو۔ کہ جب حواریوں نے کہا۔ اے عیسیٰ بیٹے مریم۔ کیا آپ کا رب آسمان سے کھانا پکا پکایا اتار سکتا ہے۔ حواری مسلمان تو ہو گئے تھے مگر ابھی وہ معرفت میں پکے نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے یارسول اللہ کے بجائے یا عیسیٰ کہا۔ ادب ملحوظ نہ رکھا۔ اگر ادب کرتے تو یا روح اللہ کہتے اور دوسرا یہ کہ۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بھی شک تھا۔ ورنہ انہیں اللہ تعالیٰ کا امتحان نہیں لینا چاہئے تھا۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اتنی بڑی ذات سے کتنی چھوٹی چیز یعنی روٹی مانگ لی۔ یہ ان کی خسیس طبع کی دلیل ہے۔ **مائدہ:** اصل میں دستر خوان اسے کہتے ہیں۔ جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔ یہاں دستر خوان کہہ کر کھانا مراد لیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ یعنی اگر اللہ کی قدرت اور میری نبوۃ پر ایمان ہے۔ تو پھر تمہیں ایسا سوال نہیں کرنا چاہئے۔

(آیت نمبر ۱۱۳) تو انہوں نے کہا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس مائدہ سے کھائیں تا کہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اگر چہ ہمیں قدرت خداوندی پر تو ایمان ہے۔ لیکن ہم تو برکت حاصل کرنے اور بیماری سے شفا پانے کیلئے سوال کر رہے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ قحط اور تنگدستی کے ہاتھوں پریشان تھے۔ اس لئے انہوں نے ایسا ہلکا سا سوال کیا۔ پھر انہوں نے عذر یہی رکھا۔ کہ کھانا کھا کر دلی اطمینان ہوگا۔ قدرت کاملہ کا مشاہدہ ہوگا اور علم الیقین ہو جائے گا۔ کہ آپ نے ہم سے سچ کہا۔ اور ہم دوسرے لوگوں کو بتائیں گے۔ اور ہماری گواہی سے اوروں کو بھی ایمان نصیب ہوگا اور کفار بھی ایمان لے آئیں گے۔



قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ

فرمایا عیسیٰ بیٹے مریم نے اے اللہ ہمارے پروردگار اتار ہم پر کھانا آسمان سے

تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ج وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

تا کہ ہو ہمارے لئے عید اگلوں اور پچھلوں کیلئے اور نشانی تیری طرف سے اور رزق دے ہمیں اور تو بہتر

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ

رزق دینے والا ہے۔فرمایا اللہ نے بے شک میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر پھر جس نے کفر کیا اس کے بعد

مِنْكُمْ فَاِنِّىْ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ع ﴿۱۱۵﴾

تم میں سے تو بے شک میں عذاب دونگا ایسا عذاب کہ نہیں عذاب دیا ہو کسی کو جہان میں

(آیت نمبر۱۱۴) جناب عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا۔ کہ ان کی غرض اور مقصد اعتراض نہیں بلکہ ان کا مقصد کھانا ہے۔ اور دل کو مطمئن کرنا ہے تو آپ نے انتہائی تضرع اور زاری سے کہا۔ کہ اے اللہ۔ **فائدہ** :اللّٰھم میں میم حرف ندا کے قائم مقام ہے جو یہ عظیم کلمہ زبان سے نکالتا ہے۔ اس نے گویا تمام اسماء حسنیٰ کہہ دیئے ہیں کیونکہ یہ اسماء حسنیٰ کا جامع کلمہ ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما۔ تا کہ وہ دن ہمارے لئے عید بنے۔ **فائدہ**: عید کو عید اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ اس کی خوشی بار بار لوٹ کر آتی ہے۔ تو عرض کی۔ مائدہ اترنے کا دن اگلوں پچھلوں سب کیلئے عید کا دن ہوگا۔ **فائدہ**: چونکہ وہ دن اتوار کا تھا۔ اس لئے عیسائی اتوار کے دن کی تعظیم کرتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ کھانا یا اللہ تیری قدرت اور میری نبوۃ کی نشانی ہوگی۔ لہذا ہمیں وہ مائدہ عطا فرما۔ اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

(آیت نمبر۱۱۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ میں تمہارے مانگنے کے مطابق کھانا تو اتاردوں گا۔ لیکن اس کے بعد پھر تم میں سے جس نے کفر کیا۔ تو پھر ایسا عذاب دونگا۔ کہ اس جیسا میں نے آج تک کسی کو عذاب نہیں دیا ہوگا۔

مائدہ اترنے کا واقعہ: یہ تو گذر چکا۔ کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے غسل فرما کر ٹاٹ کا لباس پہنا اور نماز ادا کی اور روتے ہوئے نہایت عجز و انکساری سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی الٰہی ہم نے جو مائدہ کا سوال کیا ہے۔ اسے دنیا والوں کے لئے رحمت بنا۔ کافی دیر تک دعا کی۔ اتنے میں آپ نے دیکھا کہ سامنے دسترخوان اتر آیا ہے۔ آپ نے بسم اللہ شریف پڑھ کر رومال ہٹایا۔ تو دیکھا کہ نیچے بھنی ہوئی مچھلی ہے۔ جس میں نہ کانٹے تھے نہ ہڈی اس سے گھی نکل

رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ گوناگوں اشیاء اور روٹیاں پڑی تھیں کسی روٹی پر گھی کسی پر شہد کسی پر زیتون کسی پر پنیر اور کسی پر گوشت رکھا تھا۔ تو جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ یہی وہ مائدہ ہے۔ جو تم نے مانگا تھا۔ اسے کھاؤ۔ انہوں نے کہا۔ کوئی اور بھی کمال دکھائیں۔ آپ نے مچھلی سے فرمایا۔ زندہ ہو وہ زندہ ہوگئی۔ پھر فرمایا۔ اپنی بھنی ہوئی حالت میں ہو جا۔ وہ پھر اسی طرح ہوگئی۔ پورا ایک دن خوان پڑا رہا۔ بعض روایات میں ہے۔ چالیس دن تک اترتا رہا۔ امیر غریب چھوٹے بڑے سب کھاتے رہے۔ اور اس خوان سے جس نے جس نیت سے کھایا۔ مراد اس کی پوری ہوئی۔ یعنی اس کھانے کو جس فقیر نے کھایا وہ غنی ہوا۔ جس بیمار نے کھایا وہ صحت مند ہوا وغیرہ۔ کچھ لوگوں نے کھا پی کر لوگوں کو شک میں ڈال دیا کہ یہ تو عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا جادو دکھایا ہے یہ کہنا ہی تھا کہ ان کی شکلیں بدل گئیں۔ خنزیر کی شکل بن کر گلی کوچوں میں گھومنے لگے۔ اور گندگی کھانے لگے۔ پھر وہ عیسیٰ علیہ السلام کے گرد عاجزانہ طواف کرنے لگے۔ بول نہ سکتے تھے۔ تین دن کے اندر اندر وہ مر گئے۔

اس واقعہ سے فوائد: شیخ الشہیر قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھا کر غلطیوں پر غلطیاں کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی نعمتیں بند نہیں ہوتیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ یہ صدقہ ہے ہمارے حضور کا انہیں جب معلوم تھا۔ کہ اس پر جلالیت کا ظہور ہوگا۔ تو انہیں منہ بند رکھنا چاہئے۔ خود انہوں نے شک کیا۔ لوگوں کو بھی شک میں ڈالا۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرمایا تھا۔ کھانا کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد بھی فرمائے اور آئندہ بھی دیتا رہے لیکن بدنصیبوں نے کفر کر کے مار کھائی۔ اور انہیں ذلت کی موت آئی۔

ہر قوم کیلئے عید کا دن ہے: قوم ابراہیم کی عید جس دن انہوں نے مشرکین کے بت توڑے تھے جس کی وجہ سے آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ قوم موسیٰ علیہ السلام کی عید جس دن فرعون نے جادوگروں کو اکٹھا کیا۔ اسے یوم الزینۃ کہا گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی عید کا دن یہی جس دن خوان اترا۔ امت محمدیہ کی عیدین عید الفطر و عید قربان۔ اور جمعے کے دن کو بھی حضور ﷺ نے عید کا دن قرار دیا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے مدینہ شریف میں دیکھا۔ کہ سال کے دو دنوں میں اہل مدینہ بہت ہی خوش مناتے تھے ان سے پوچھا کہ کیوں خوشی کا دن مناتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ اس دن موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے اور دریا میں غرق ہونے سے نجات ملنے ملی۔ اس وجہ سے خوشی مناتے ہیں۔ اسی لئے ہم نے اسے عید کا دن بنالیا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے مسلمانو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی دو دن عطا فرمائے۔ جس کا مقابلہ کوئی دن نہیں کر سکتا۔ (۱) یوم فطر۔ (۲) اور یوم ضحیٰ۔ آج تک مسلمان یہ دو عیدیں بڑی خوشی سے مناتے ہیں۔ اس کے علاوہ جمعہ کے دن کو بھی فرمایا۔ جمعہ بھی مومنوں کیلئے عید کا دن ہے جو عید ہر ہفتے میں منائی جاتی ہے۔ جس میں مخلوق کی تکمیل ہوئی۔ آدم علیہ السلام اسی دن پیدا ہوئے جنت میں بھی اسی دن داخل ہوئے۔ قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ

اور جب فرمائے گا اللہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے بنالو مجھے اور میری ماں کو

اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ

دو خدا سوا اللہ تعالیٰ کے کہیں گے پاک ہے تو نہیں تھا میرے لئے (جائز) کہ میں کہوں وہ جو بات نہیں

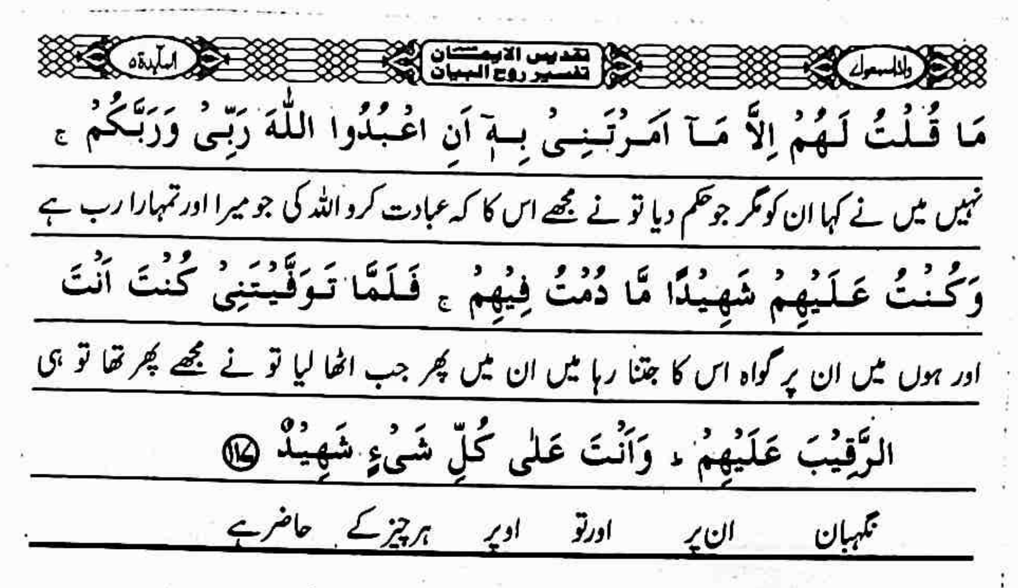
لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ وقف النبی ﷺ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ

میرا کوئی حق اگر کہی ہو میں نے تو تحقیق تو جانتا ہے اس کو تو جانتا ہے جو

نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

میرے دل میں ہے اور نہیں میں جانتا جو تیرے جو میں ہے بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے غیبوں کا

(آیت نمبر۱۱۶) بروز قیامت جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ اے عیسیٰ ابن مریم۔ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کے پجاریوں کے سامنے ان کو زجر و توبیخ کے طور پر یہ جملہ کہا جائیگا۔ کہ اے میرے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنالینا اللہ کے سوا یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور معبودیت کو چھوڑ دینا۔ میری اور والدہ کی پوجا شروع کر دینا۔ **فائدہ**: اس کلام سے اصل میں مقصد یہ ہے۔ کہ آپ کو جو دنیا میں خدا یا خدا کا بیٹا کہا گیا۔ اور آپ کی ماں کو بھی خدا کہا گیا۔ تو یہ انہوں نے عقیدہ خود گھڑ لیا تھا۔ یا آپ نے انہیں حکم دیا تھا یا انہوں نے خود ہی اپنی جہالت سے تیری تعظیم میں مبالغہ کیا اور تیری مدح میں تجھے حد سے بڑھا دیا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ مجھے اس طرح نہ بڑھانا۔ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم کو بہت بڑھا دیا (بخاری شریف)۔ جیسے دوسرے مقام پر قرآن میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بتوں سے بھی مخاطب ہو کر فرمائے گا۔ کہ اے بتو۔ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا۔ یا یہ خود ہی سیدھی راہ سے گمراہ ہو گئے۔ **فائدہ**: ابوروا ق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس سوال سے حضرت عیسیٰ تھر تھر کانپنے لگ جائیں گے۔ اور جسم کے ہر بال سے خون نکل آئے گا۔ **فائدہ**: اگر چہ بظاہر یہ خطاب عیسیٰ علیہ السلام سے ہوگا۔ لیکن اصل میں یہ سوال ان کی امت کو ہوگا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کافروں سے کلام ہی نہیں فرمائے گا۔ نہ انہیں دیکھے گا۔ سامنے عیسیٰ علیہ السلام ہونگے اور سوال امت سے ہوگا۔


مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ج

نہیں میں نے کہا ان کو مگر جو حکم دیا تو نے مجھے اس کا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ج فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ

اور ہوں میں ان پر گواہ اس کا جتنا رہا میں ان میں پھر جب اٹھا لیا تو نے مجھے پھر تھا تو ہی

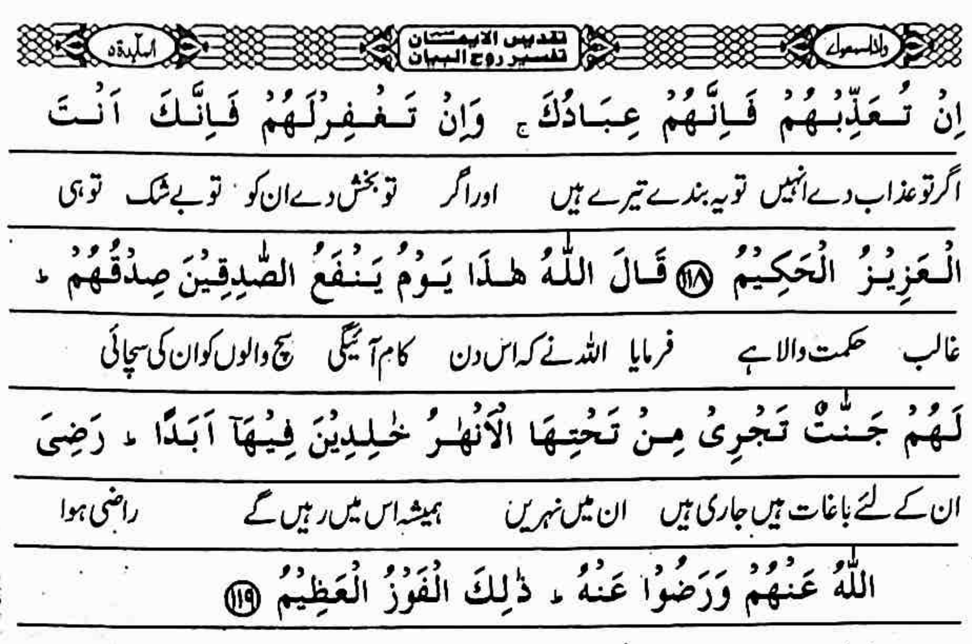
الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ط وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١١٧﴾

نگہبان ان پر اورتو اوپر ہرچیز کے حاضر ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۱۶) جب بروز قیامت عیسیٰ علیہ السلام سے مذکورہ سوال ہوگا تو وہ کہیں گے یا اللہ تو پاک ہے۔اس بات سے کہ میں ایسا کلمہ اپنی زبان سے نکالوں۔جو میرے لئے مناسب ہی نہیں۔کہ وہ بات کہہ دوں۔جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق ہی نہیں۔اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہو۔تو تو جانتا ہی ہے۔مجھ میں اتنی ہمت کہاں۔کہ میں ایسی بات کہوں یا اللہ آپ تو میرے اندر کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔جیسے میرے ظاہر کو جانتا ہے۔ایسے ہی میرے باطن کو بھی جانتا ہے۔لیکن میں تو نہیں جانتا۔کہ آپ کے دل میں کیا ہے۔نفس کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف مجازاً کہا گیا ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک تو ہی سب غیبوں کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔یعنی ما کان وما یکون کا سب علم تیرے پاس ہے۔

(آیت نمبر۱۱۷) نہیں کہی میں نے انہیں کوئی بات مگر صرف وہ جس کا آپ نے مجھے حکم دیا۔اور وہ یہ کہ عبادۃ کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا بھی رب ہے۔اور تمہارا بھی رب ہے۔اور اے میرے رب جب تک میں ان میں موجود رہا۔اس وقت کے حالات تو دیکھتا رہا۔اور تیرے ہی احکام کے مطابق انہیں چلاتا رہا۔اور تیری خلاف ورزی سے میں انہیں منع کرتا رہا۔پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا۔پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا۔اور ان کے اعمال کا حساب مجھ پر نہیں ہے۔جنہوں نے بداعمالیاں کیں۔ان کی اپنی بدقسمتی جنہوں نے بری باتیں کیں یا برے اعمال کئے اس کا وبال ان پر۔اگر اللہ چاہتا۔تو انہیں برائی سے روک سکتا تھا۔اور اے اللہ تو تو ہر چیز پر حاضر وموجود ہے۔تجھ سے تو کوئی بات چھپی نہیں ہے۔



اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ

اگر تو عذاب دے انہیں تو یہ بندے تیرے ہیں اور اگر تو بخش دے ان کو تو بے شک تو ہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ

غالب حکمت والا ہے فرمایا اللہ نے کہ اس دن کام آئیگی سچ والوں کو ان کی سچائی

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ

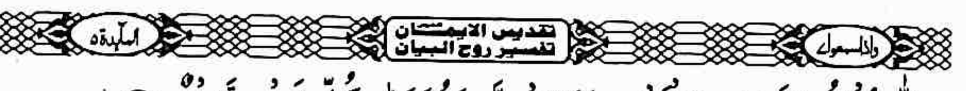
ان کے لئے باغات ہیں جاری ہیں ان میں نہریں ہمیشہ اس میں رہیں گے راضی ہوا

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾

اللہ ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یہ ہے کامیابی بہت بڑی

(آیت نمبر ۱۱۸) اب اگر تو انہیں عذاب دے۔ تو یہ تیرے بندے ہیں۔ تو ان سب کا مالک ہے۔ کسی کو کیا اعتراض ہے۔ مالک اپنی ملکیت میں جیسے چاہے تصرف کرے۔ ان کی بدبختی کہ انہوں نے غیر اللہ کی پوجا پاٹ کر کے اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنالیا۔ لیکن یہ بھی عرض کردی اے اللہ تو اگر ان کو بخش دے۔ کیونکہ تو ثواب بھی دے سکتا ہے۔ اسے سزا بھی دے سکتا ہے۔ اور بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔ یعنی کسی کو ثواب دے تو اس میں بھی حکمت ہوگی۔ اور سزا دے تو اس میں بھی حکمت ہوگی۔ البتہ مجرم کو معاف کرنا بھی تیرا ہی کام ہے۔ اگر عذاب دیتا ہے تو وہ عدل ہوگا۔ اور معاف کردے تو یہ تیرا فضل ہوگا۔ **تنبیہ**: شرک کی بخشش اگرچہ ناممکن ہے۔ لیکن عقلاً محال بھی نہیں۔ اس لئے فرمایا۔ کہ اگر تو بخش دے۔ تو تو بخشنہار بھی ہے۔ **حدیث شریف**: مروی ہے۔ کہ حضور ﷺ کے رات کے نوافل میں ایک مرتبہ تلاوت کے دوران یہ آیت آ گئی۔ تو آپ پوری رات اسی آیت کو پڑھتے رہے۔ اور روتے رہے۔ اور فرماتے تھے۔ رب امتی یا اللہ میری امت کی خیر ہو (بخاری شریف)۔ جب آپ بہت روئے۔ تو جبریل امین نے آ کر آپ کو اللہ تعالیٰ کا سلام بھی پہنچایا۔ اور یہ پیغام سنایا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو امت کے بارے میں پریشان نہیں ہونے دے گا۔ بلکہ خوش کردے گا۔ (مسلم شریف)

(آیت نمبر ۱۱۹) بروز قیامت جناب عیسیٰ علیہ السلام کی اس عرض داشت کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ دن یعنی قیامت کا دن سچائی کا دن ہے۔ یہاں جھوٹ ہرگز نہیں چلے گا۔ یہاں سچ بولنے والوں کو آج سچائی ہی فائدہ پہنچائے گی۔ یا یہ مراد ہے۔ کہ جنہوں نے دنیا میں سچ بولا۔ ان کا سچ آج انہیں نفع پہنچائے گا۔



لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٢٠﴾

اللہ ہی کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں اور جو ان میں ہے اور وہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

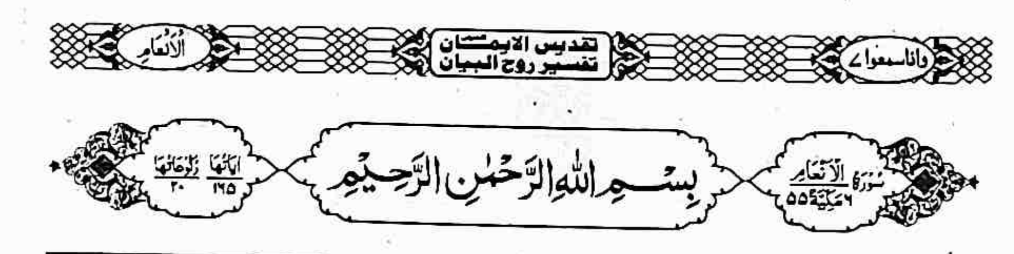
(بقیہ آیت نمبر ۱۱۹) **فائدہ**: اس سچائی سے مراد یہ ہے۔ کہ جو لوگ دنیا میں سچ بولا کرتے تھے۔ اور کاروبار اور لین دین میں سچائی کا معاملہ کرتے تھے۔ ان کو آخرت میں دنیا والی سچائی فائدہ پہنچائے گی۔ قیامت کے دن سچ بولنے سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور دنیا کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔ یہ آیت خاص کر دینی امور میں احکام توحید یا مکمل شریعت یعنی دین واسلام سے متعلق ہے۔

فائدہ: صادقین میں سب سے بلند مرتبہ انبیاء ومرسلین ہیں۔ جن کا زندگی بھر کا معمول سچائی رہا پھر ان کی اتباع کرنے والے صحیح عقیدہ کے ساتھ اور عمل صالح کرتے رہے۔ آگے فرمایا کہ ایسے لوگوں کیلئے باغات ہوں گے۔ جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ جن باغات میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے صادقین کا نفع جو انہیں نصیب ہوگا۔ جس میں انہیں ہمیشہ ہمیشہ یہ نفع ملتا ہی رہے گا کبھی بند نہیں ہوگا یہ ہے کامیابی بڑی۔ ابداً کے لفظ سے واضح ہوا۔ کہ اس نفع کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وعطا پر راضی ہوگئے۔ لہذا اس سے بڑا فضل وکرم کسی پر نہ ہوگا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حقیقی کامیابی وہ ہوتی ہے کہ جس سے انسان کو اپنا مقصود حاصل ہوجائے۔

(آیت نمبر ۱۲۰) اللہ تعالیٰ کی ہی ملکیت میں ہے۔ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ اور جو کچھ ان کے اندر ہے۔ یعنی حقیقی طور پر خالق ومالک وہ ہی ہے۔ عیسائیوں کا یہاں رد کیا گیا ہے۔ کہ جو عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو خدائی میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کے بندے ہیں اللہ ہی مالک ہے۔ وہ جسے چاہے مارے یا جسے چاہے زندہ رکھے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ **فائدہ**: ان آیات سے واضح ہوگیا۔ کہ قیامت کے دن کام آئے گی تو سچائی کام دے گی۔ جھوٹ یا ریاء سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

سچائی کا واقعہ: حضرت حامد فرماتے ہیں۔ کہ ابراہیم خواص قدس سرہ کی عادت تھی۔ کہ کسی کو بتائے

بغیر ایک لوٹا ہاتھ میں لیا۔ اور سفر پر چل پڑتے تھے۔ ایسے ہی ایک دفعہ چلے تو میں بھی پیچھے ہو گیا۔ قادسیہ میں پہنچ کر مجھے دیکھ کر فرمایا۔ کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا آپ کے ساتھ جانے کا ارادہ ہے۔ جہاں آپ جائیں گے۔ میں بھی وہیں جاؤں گا۔ فرمایا۔ میں تو مکہ شریف جا رہا ہوں میں نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ چند دن کے بعد ایک نوجوان بھی ہمارے ساتھ ہو گیا۔ ایک دن میں نے ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی۔ کہ یہ نوجوان نماز نہیں پڑھتا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھتا۔ اس نے کہا نماز مجھ پر فرض نہیں۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے کہا میں نصرانی ہوں۔ مجھے توکل پر گھمنڈ تھا۔ تو میں نفس کو آزمانے نکل پڑا۔ جنگلوں میں گھومتا ہوں۔ کہ واقعی توکل میں پختہ ہوں یا نہیں۔ حامد کہتے ہیں۔ جب ہم مرو میں پہنچے۔ تو حضرت خواص نے اس نصرانی کو فرمایا۔ کہ یہ مکہ مکرمہ کی دھلیز ہے۔ تم اس سے آگے نہیں جا سکتے۔ ورنہ نقصان ہوگا ہم آگے چلے گئے۔ ہم عرفات میں تھے۔ کہ وہی نصرانی احرام باندھے ہمارے پاس آ گیا۔ حضرت ابراہیم خواص کے قدموں میں گر پڑا۔ آپ نے پوچھا۔ کیا ماجرا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ جب آپ وہاں سے چلے آئے تو میں نے دیکھا۔ کہ حرم کی طرف قافلے آ رہے ہیں۔ تو میں نے بھی احرام باندھا۔ اور اندر چلا آیا۔ جب کعبہ شریف پر نظر پڑی تو دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ اس وقت اسلام کے سوا سب دین میرے دل سے محو ہو گئے۔ میں نے پھر غسل کیا۔ کلمہ پڑا۔ اور پکا سچا مسلمان ہو گیا۔ پھر تمہیں تلاش کرتا ہوا۔ یہاں پہنچ گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ یہ سچائی کا نتیجہ ہے۔ جو تو نے ہمیں پہلے بتا دیا کہ میں نصرانی ہوں۔ پھر وہ اولیاء اللہ میں شامل ہو گیا۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬

ہر تعریف اللہ کیلئے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور بنائے اندھیرے اور روشنی

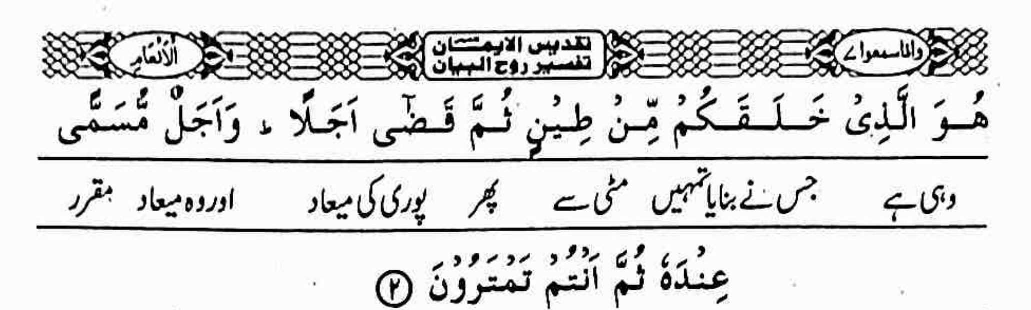
ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

پھر بھی جو منکر ہیں اپنے رب کے وہ اوروں کو رب کے برابر جانتے ہیں

(آیت نمبر ۱) ہر تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی حمد بیان کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنے بندوں کو حمد کی تعلیم دیتا ہے کہ تم بھی اس طرح میری حمد بیان کرو۔ وہ ذات کہ جس نے ساتوں آسمان بنائے اور ان میں جو کچھ ہے۔ سورج، چاند، ستارے وغیرہ بھی سب اسی نے پیدا فرمائے۔ اور جو کچھ ساتوں زمینوں میں ہے۔ جنگل۔ دریا۔ پہاڑ۔ درخت وغیرہ سب چیزوں کو اس نے بنایا۔ لہذا حمد کے لائق بھی وہی ہے۔

نکتہ: حمد کے ساتھ خلق کا ذکر اس لئے کیا۔ کہ پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔ پوری کائنات اسی نے بنائی۔ لہذا حمد کا مستحق بھی پھر وہی ہے یعنی اسی رب کی پوجا کی جائے۔ جس نے یہ کل کائنات بنائی۔

فائدہ: اگرچہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز اسی ایک ذات نے بنائی۔ لیکن نام صرف آسمانوں اور زمین کا اس لئے لیا۔ کہ جب لوگ اتنی بڑی مخلوق کا خالق ہونا مان لیں تو چھوٹی چیزوں کا خالق و مالک ہونا خود ہی تسلیم کر لیں گے۔ **نکتہ**: آسمانوں کیلئے جمع اور زمین کا صیغہ واحد اس لئے لایا گیا۔ کہ آسمانوں کے طبقات بالذات مختلف ہیں۔ مثلاً پہلا آسمان موج مکفوف ہے۔ دوسرا سنگ مرمر کا۔ تیسرا لوہے کا۔ چوتھا تانبے کا۔ پانچواں چاندی کا۔ چھٹا سونے کا۔ ساتواں سرخ یاقوت کا۔ اور دوسری بات یہ کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی راہ کا فاصلہ ہے۔ اور پھر ان کے آثار۔ اور ان کی حرکات بھی الگ الگ ہیں۔ برخلاف زمین کے کہ اس کے تمام طبقات مٹی ہی کے ہیں۔ اور ہر دو زمینوں کے درمیان کوئی فرق بھی نہیں ہے۔



هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی

وہی ہے جس نے بنایا تمہیں مٹی سے پھر پوری کی میعاد اور وہ میعاد مقرر

عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲

اسی کے پاس ہے پھر بھی تم شک کرتے ہو

(بقیہ آیت نمبرا) **زمین وآسمان میں افضل:** اکثر علماء کا قول ہے۔ کہ زمین آسمان سے افضل ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کرام اسی زمین سے پیدا ہوئے۔ اسی میں دفن بھی ہوئے۔ اسی زمین پر وہ عبادت بھی کرتے رہے۔

زمین میں سب سے افضل جگہ: مدینہ شریف میں روضہ رسول کے اندر وہ جگہ جو حضور ﷺ کے جسد اطہر سے لگی ہوئی ہے۔ آسمانوں سے، خانہ کعبہ اور بیت المعمور بلکہ عرش سے بھی افضل ہے (فضائل حج مولانا زکریا)۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اندھیرے اور روشنی بنائی۔ امام حدادی فرماتے ہیں۔ کہ ظلمات کو جمع اور نور کو واحد لایا گیا۔ اس لئے۔ کہ گمراہی کی سینکڑوں اقسام ہیں۔ اور نور ہدایت ایک ہی ہے۔

شان نزول: مجوسی کہتے تھے۔ کہ نور کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اندھیرے کا خالق شیطان ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ خیر اور شر دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر بھی کافر اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر سمجھتے ہیں۔ یعنی یہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو عبادت کا مستحق سمجھتے ہیں اور اس کا شریک جانتے ہیں۔

(آیت نمبر۲) اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔ جس نے تمہیں مٹی سے بنایا۔ یعنی ابتدائی مادہ جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ جو تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ جن سے انسانیت شروع ہوئی۔

آدم کی مٹی کیسے تیار ہوئی؟ سدی بیان فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جناب جبریل اور میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کو یکے بعد دیگرے زمین پر بھیجا کہ جاؤ اور زمین سے مٹی لاؤ۔ تا کہ آدم کو بنایا جائے۔ تینوں باری باری تشریف لائے۔ لیکن زمین کی گریہ وزاری دیکھ کر تینوں خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ تم مٹی لاؤ۔ جب وہ مٹی اٹھانے لگے۔ تو زمین حسب سابق روئی تو عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں حکم خدا دیکھوں یا تیرا رونا دیکھوں۔ میں تو اللہ کے حکم پر عمل کروں گا۔ زبردستی مٹی اٹھا کر لے آئے۔ اسی لئے روح قبض کرنے کیلئے بھی ان کو ہی مقرر کیا گیا۔ (کہ وہ روح نکالتے وقت نہ کسی پر ترس کھائیں گے۔ نہ کسی کا رونا دھونا سنیں گے)۔

آدم علیہ السلام کا پتلہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ مٹی پانی میں کئی روز پڑی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ تیار ہوا۔ پھر اس کے بعد ان میں روح پھونکی گئی۔ **حدیث شریف**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جب آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ (ترمذی شریف)

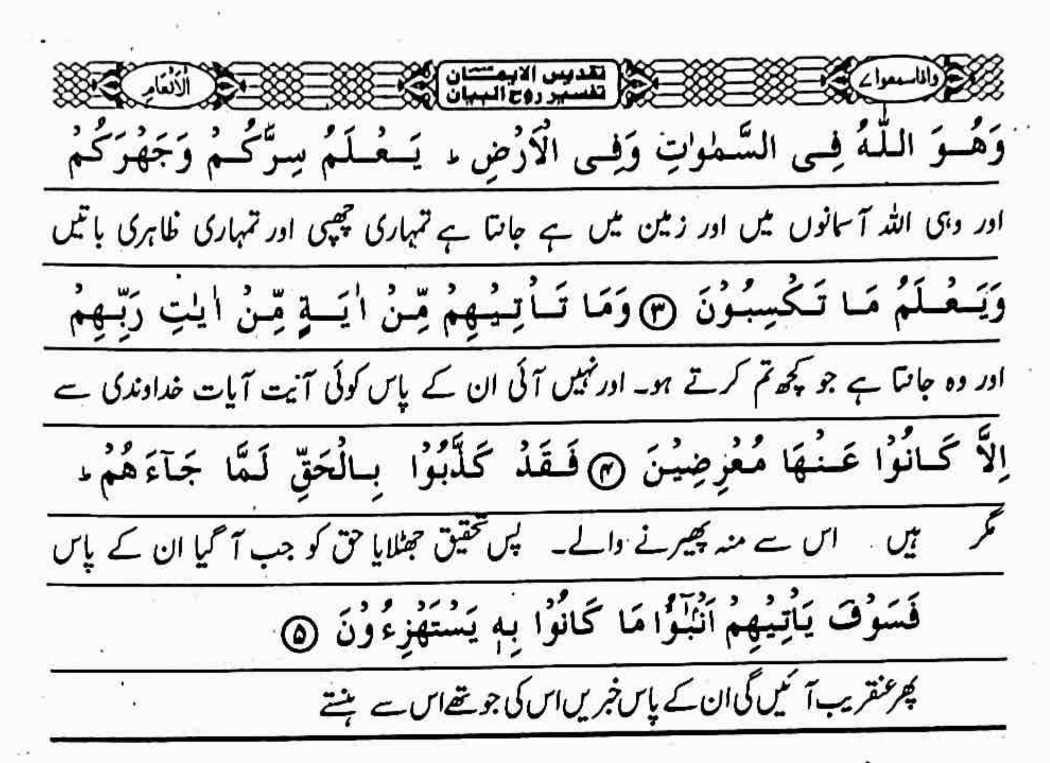
صدیق وفاروق کی افضلیت: امام مالک فرماتے ہیں۔ کہ شیخین کی افضلیت پر بڑی دلیل یہی ہے۔ کہ وہ جہاں لیٹے ہیں۔ وہ جگہ ساری زمین سے اعلیٰ وافضل ہے۔ اور جس کے پاس لیٹے ہیں وہ رسول سارے رسولوں سے افضل واعلیٰ ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ پھر انسان کی موت کا وقت مقرر فرمایا۔ اسی طرح۔ دنیا کی جو مدت تھی وہ مدت بھی معین ہے۔

فائدہ: بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ اجل وہ گھڑی ہے۔ جو ہر ذی روح کیلئے مقرر ہے۔ جس سے ایک ساعت بھی نہ آگے ہوسکتی ہے نہ لیٹ۔

آگے فرمایا۔ کہ اتنے دلائل کے ساتھ سمجھانے کے بعد بھی تم شک کرتے ہو۔

لطیفہ: انسان بھی عجیب ہے۔ جب نطفہ تھا۔ تو اس وقت انسان بننے کا انکار کرتا تھا۔ ہم نے اسے بنا کر دکھایا۔ پھر اسے یقین آیا۔ اب اسے کہا کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے۔ وہ پھر نہیں مانتا شک کرتا ہے اور کہتا ہے۔ یہ امر محال ہے۔



وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ

اور وہی اللہ آسمانوں میں اور زمین میں ہے جانتا ہے تمہاری چھپی اور تمہاری ظاہری باتیں

وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۞۳ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ

اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اورنہیں آئی ان کے پاس کوئی آیت آیات خداوندی سے

اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۞۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ

مگر ہیں اس سے منہ پھیرنے والے۔ پس تحقیق جھٹلایا حق کو جب آ گیا ان کے پاس

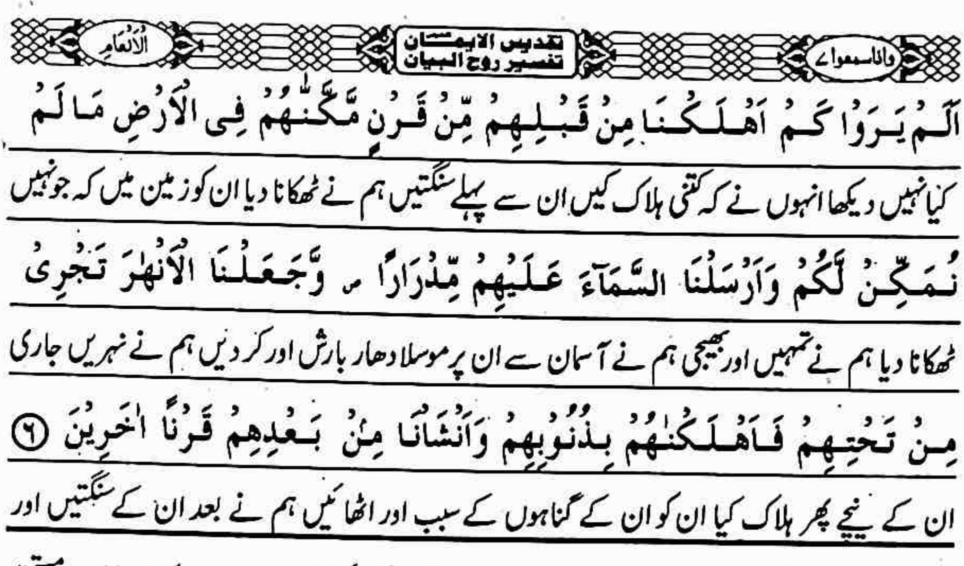
فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۞۵

پھرعنقریب آئیں گی ان کے پاس خبریں اس کی جو تھےاس سے ہنستے

(آیت نمبر۳) وہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جوآسمانوں اورزمین میں ہے۔یعنی وہ ہرجگہ موجود ہے۔اوروہ ذات منزہ ہےیعنی زمان ومکان کی قید سے بھی پاک ہے۔اور ہرجگہ بھی موجود ہے۔اوروہ تمہارے ظاہر باطن کے اقوال وافعال سب کو جانتا ہے۔اوروہ اس کوبھی جانتا ہے۔جوتم فائدہ حاصل کرتے ہو یانقصان کودفع کرنے کیلئے عمل کرتے ہو۔(بقیہ آیت نمبر۱۱کے بعد) **سبق:** عقل مندسالک کوچاہئے۔کہ وہ یہ جانے کہ وہ کس طرح اپنی اصلاح اورتزکیہ اعمال کرسکتا ہے۔تاکہ حیوانی خواہشات سے بچ کرروحانی نعمتوں کوحاصل کرنے کی استعداد پیدا کرے۔

(آیت نمبر۴) اورنہیں آتی تھی۔ان اہل مکہ کے پاس کوئی آیت قرآنی آیات میں سےان کےرب کی طرف سےمگروہ اس سے منہ پھیرلیتے تھے۔یعنی آیات قرآنی کی وہ تکذیب کرتے۔اوران سے ٹھٹھہ مزاخ کرتے۔یااس سے مرادآیات تکوینہ ہیں۔جن میں معجزات بھی آتے ہیں۔مراد یہ ہے۔کہ یہ اہل مکہ آیات الٰہیہ اورمعجزات نبویہ دیکھتے۔اوراس سے منہ پھیرلیتے۔اس لئے کہ انکار میں وہ بڑے جلدباز تھے۔

(آیت نمبر۵) پس تحقیق انہوں نے جھٹلادیاحق کوجب ان کے پاس آیا۔یعنی انہوں نے قرآن کی ہرہرآیت کاانکارکیا۔ان کی بدبختی کا یہ عالم ہے۔کہ جسے قرآن حق کہہ رہاہے۔جواللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔وہ اس کا انکارکررہے تھے۔اورایسی چیز کی تکذیب کی جس کی تکذیب ممکن ہی نہیں۔چاہئے تھا کہ اس میں غوروفکرکرتے الٹا انہوں نے تکذیب کردی۔



اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ

کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کتنی ہلاک کیں ان سے پہلے سنگتیں ہم نے ٹھکانا دیا ان کو زمین میں کہ جو نہیں

نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ

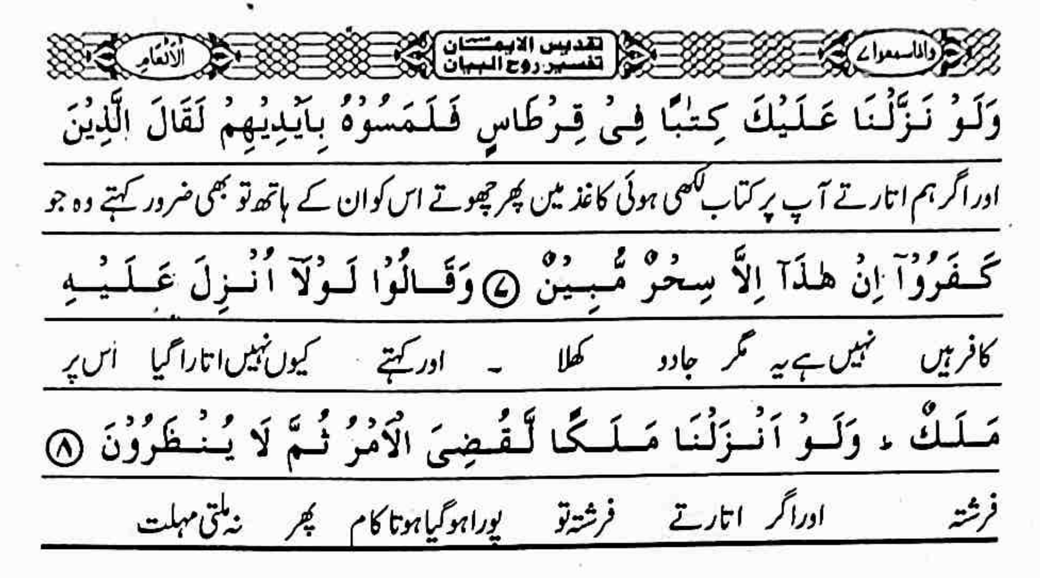
ٹھکانا دیا ہم نے تمہیں اور بھیجی ہم نے آسمان سے ان پر موسلا دھار بارش اور کر دیں ہم نے نہریں جاری

مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾

ان کے نیچے پھر ہلاک کیا ان کو ان کے گناہوں کے سبب اور اٹھائیں ہم نے بعد ان کے سنگتیں اور

(بقیہ آیت نمبر۵) تو آگے فرمایا۔ کہ عنقریب ان تک پہنچ جائیں گی خبریں ان سزاؤں کی جن کے وہ مستحق ہیں۔ یعنی ان سزاؤں سے وہ جان لیں گے۔ کہ جو وہ آیات سے استہزاء ٹھٹھہ مزاخ اور تکذیب کرتے رہے۔ اور آئندہ بھی جو سزائیں انہیں ملیں گی وہ بھی جان لیں گے۔ جیسے غزوۂ بدر میں انہوں نے مزا چکھا ہے۔

(آیت نمبر۶) اللہ تعالیٰ نے انہیں سابقہ قوموں کے حالات سنا کر فرمایا۔ کہ کیا انہوں نے دیکھا نہیں۔ یعنی ان اہل مکہ نے آثار قدیمہ دیکھ کر یا ان کے حالات معلوم کر کے نہیں جانا۔ کہ کتنے ہی لوگ ہم نے ان سے پہلے تباہ و برباد کئے۔ اسی طرح اہل مکہ سے پہلے جو قومیں گذری ہیں۔ قرن اصل میں زمانے کو کہتے ہیں۔ مراد وہ لوگ جو اس زمانے میں ہوئے۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا۔ خیر القرون قرنی۔ بہترین زمانہ میرا ہے پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد۔ اس قرن اولیٰ سے مراد صحابہ کا زمانہ ہے۔ پھر تابعین کا پھر تبع تابعین کا۔ اور ایک قرن زیادہ سے زیادہ سو سال کا زمانہ ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں زمین پر ٹھکانہ دیا تھا۔ یعنی انہیں ایسے ایسے تصرفات بخشے کہ اے اہل مکہ تمہیں اتنے انعامات نہیں بخشے۔ یا یہ معنی ہے کہ جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا وہ تمہیں نہیں دیا کہ ان پر آسمان سے بارشیں نازل کیں۔ جو موسلا دھار تھیں۔ اور ان کے لئے نہریں جاری کیں۔ جو ان کے درختوں اور محلوں کے نیچے چلتی تھیں۔ یعنی ہم نے ان کو جسم توانا دیئے۔ صحتوں اور عمروں میں برکت دی۔ اور مالوں میں فراخی عطا کی۔ کہ دنیوی معاملات میں انہیں کسی قسم کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ اور ہر طرح کی انہیں سہولیات دیں۔ اے اہل مکہ تمہیں تو ان کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا۔ لیکن انہوں نے اس قدر نعمتوں کی کثرت کے باوجود کفران نعمت کیا اور نافرمانی وطغیان میں انتہاء تک پہنچ گئے۔ تو پھر ہم نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ پھر نہ مال و دولت کی کثرت نے انہیں بچایا نہ لاؤ لشکر نے۔ لہذا تم بھی ایسے ہوئے تو تم پر بھی عذاب آئے گا۔ آگے فرمایا۔ کہ ہم نے ان کی تباہی کے بعد دوسرے لوگ پیدا کئے۔



وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ

اور اگر ہم اتارتے آپ پر کتاب لکھی ہوئی کاغذ میں پھر چھوتے اس کو ان کے ہاتھ تو بھی ضرور کہتے وہ جو

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ

کافر ہیں نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ۔ اور کہتے کیوں نہیں اتارا گیا اس پر

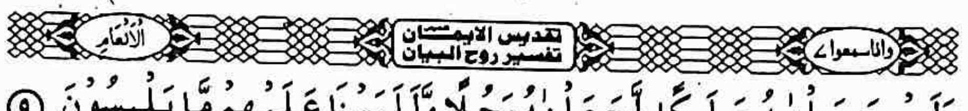
مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸

فرشتہ اور اگر اتارتے فرشتہ تو پورا ہو گیا ہوتا کام پھر نہ ملتی مہلت

(بقیہ آیت نمبر۶) **تنبیہ**: یہ تباہی اور بربادی کئی بار ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ملک و آبادی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ یہ عادت اللہ جاری ہے۔

(آیت نمبر۷) اور اگر ہم کتاب کاغذوں پر لکھی ہوئی بھی آپ پر نازل فرما دیں۔ **شان نزول**: مروی ہے۔ کہ بعض مشرکین نے حضور ﷺ سے عرض کی۔ کہ ہم آپ کو تب مانیں گے۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے کتاب لائیں۔ اور چار فرشتے ساتھ آئیں اور وہ گواہی دیں۔ کہ یہ کتاب فی الواقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور یہ رسول بھی برحق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب ہم کتاب نازل کر بھی دیں۔ اور یہ اپنے ہاتھوں سے ٹٹول کر یقین بھی کر لیں۔ کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پھر بھی یہ کافر اپنی سرکشی اور عناد سے یہی کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے کھلا کھلا۔ اصل بات یہ ہے کہ جو شخص ازلی محروم ہو وہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کے باوجود انکار کرنے سے باز نہیں آتا۔

(آیت نمبر۸) کافروں نے کہا کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ۔ پہلے تو اشارہ تھا اب صراحۃً کفار کہنے لگے۔ کہ اس نبی ﷺ کی تائید میں کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترتا۔ جسے ہم خود دیکھیں۔ اور وہ براہ راست ہمیں آ کر کہے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ اگر ہم فرشتے کو اس کی اصلی شکل میں اتاریں۔ تو اسے برداشت کون کرے گا۔ کیونکہ فرشتے کو اس کی اصل شکل میں دیکھنا عام آدمی کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کا منظر بڑا ہولناک ہے۔ فرشتوں کو دیکھتے ہی کفار تباہ و برباد ہو جائیں۔ پھر تو ان کفار کو آنکھ جھپکنے کی دیر تک بھی مہلت نہ ملے۔ اور اچانک کا عذاب زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ **فائدہ**: اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کفار کی حجتیں ہیں۔ ماننا تو تھا نہیں۔ جن لوگوں نے ماننا ہوتا ہے۔ وہ اتنی حجتیں نہیں کرتے۔



وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾

اور اگر ہم بناتے اس نبی کو فرشتہ پھر ہم بناتے اسے آدمی تو پھر شبہ رکھتے ان پر جس میں ابھی پڑے ہیں

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ

اور البتہ تحقیق ٹھٹھہ کیا گیا ان رسولوں سے جو آپ سے پہلے تھے تو لے ڈوبی ان کو جو تمسخر اڑاتے ان

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ع ﴿١٠﴾

میں سے جو تھے ان پر ہنسی کرتے۔

(آیت نمبر۹) اور اگر بالفرض نبوت کے ساتھ فرشتہ گواہ بنا کر بھیجیں۔ تو ضرور اسے بہ شکل مرد ہی بنا کر بھیجیں گے۔ اس لئے کہ فرشتے کی اصل صورت کو دیکھنا کسی انسان کے بس میں ہی نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا یہی وجہ ہے کہ جبریل علیہ السلام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے۔ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس بھی انسانی شکل میں فرشتے آتے تھے۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس اگر وہ اصلی شکل میں بھی آ جائیں۔ تو انہیں کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ ان کے قوائے مقدسہ میں نورانی طاقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ (اسی لئے تو موسیٰ علیہ السلام نے تھپڑا مار کر عزرائیل کی آنکھ نکال دی) تو فرمایا کہ اگر ہم مرد کا ہم شکل بنا کر بھیجتے تو پھر یہ التباس میں پڑ جاتے۔ یعنی وہ کہتے۔ کہ یہ تو ہماری ہی طرح بشر ہے۔ (جیسے اب بھی کئی جماعتیں یہی رٹ لگا رہی ہیں) تو اللہ تعالیٰ کفار کو فرما رہا ہے۔ کہ اگر ہم فرشتہ اصل شکل میں بھیجتے تو یہ دیکھ کر برداشت نہ کر سکتے اور اگر بشری شکل میں کر کے بھیجتے۔ تو پھر یہ وہی اعتراض کرتے اور لوگوں کو اشتباہ میں رکھتے۔ لہٰذا ہم نے ایسا نہیں کیا۔

(آیت نمبر۱۰) اے محبوب تحقیق آپ سے پہلے بھی بڑے بڑے اولوالعزم رسولوں سے مزاح کی گئی۔ یعنی جب اہل مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو از حد پریشان کیا تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لہٰذا اے محبوب ان کے استہزاء سے گھبرائیں نہیں اس وجہ سے کہ پہلے زمانہ کے کفار بھی اپنے انبیاء و مرسلین سے استہزاء اور ٹھٹھہ مزاح کیا کرتے تھے۔ پھر وہ وقت آیا کہ گھیر لیا اللہ تعالیٰ نے انہیں یعنی عذاب الٰہی نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور اہل مکہ سے بھی بدر کے دن وہ وعدہ پورا ہوا۔ (کہ ان کی ساری شان و شوکت خاک و خون میں مل گئی) کہ تمام چوٹی چوٹی کے کفار ابوجہل وغیرہ ملیامیٹ ہو گئے

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾

فرمادو پھرو زمین میں پھر دیکھ لو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

(آیت نمبر۱۱) اے میرے محبوب ان کو فرمادو۔ کہ زمین میں سیر کرو۔ چل پھر کر سابقہ قوموں اور امتوں کے حالات معلوم کرو۔ پھر دیکھو۔ کہ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا۔ پھر غور وفکر کر کے دیکھو کہ وہ کیسے اور کیوں تباہ وبرباد ہوئے۔ **فائدہ:** سرکش لوگوں کا ہمیشہ سے انبیاء واولیاء کے ساتھ مزاحمیں کرنے کا وطیرہ رہا ہے۔ (اب بھی علماء وصوفیاء وبزرگان دین کو یہ ماڈرن طبقہ پریشان کرتا ہے۔) **حدیث شریف:** حرم کعبہ کے پاس چند غریب صحابہ کرام جیسے حضرت بلال وصہیب اور عمار وغیرہم رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ کہ ابوجہل اینڈ کمپنی گذری تو وہ استہزاء کرتے ہوئے کہنے لگا کہ محمد کا خیال ہے کہ یہ لوگ جنت کے مالک ہیں۔ اس پر وہ بڑا ہنسا پھر اس کا مزہ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر میں چکھایا کہ وہ ذلت سے قتل ہوا اور اسے گھسیٹ کر گڑھے میں ڈالا گیا اور وہ سیدھا جہنم میں پہنچا۔

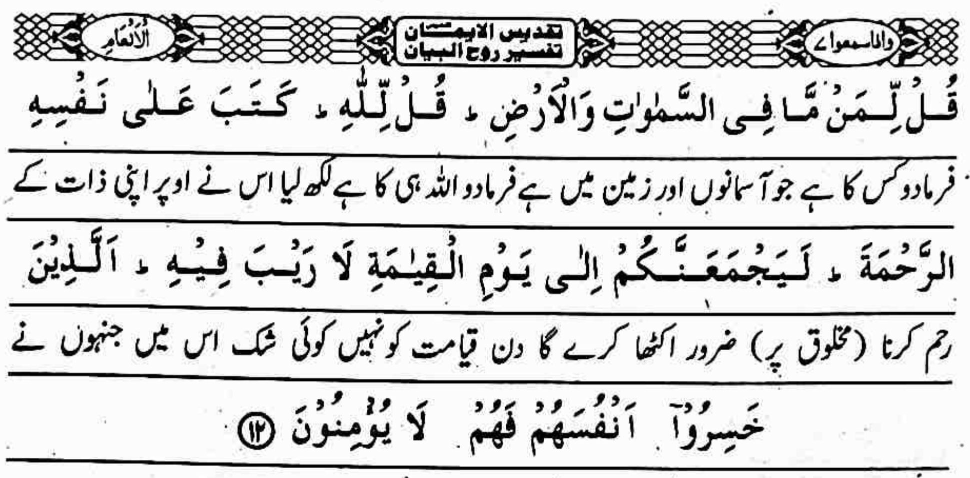
حکایت : ایک شیعہ جس کا نام ابن ہیلان تھا مدینے شریف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہتا تھا۔ جب وہ مرا تو اسے لوگوں نے جنت البقیع میں دفنا دیا۔ دوسرے ہی دن لوگوں نے دیکھا قبر خالی ہے۔ اس لئے کہ جنت البقیع سے وہ مردے جو وہاں دفن ہونے کے اہل نہیں ہوتے۔ فرشتے انہیں وہاں سے نکال کر باہر لے جاتے ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا۔ کہ باڈیاں دفن ہونے کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاتی ہیں۔

لطیفہ: جیسے اللہ تعالیٰ برے لوگوں کو مقامات مقدسہ سے نکال کر منحوس مقام پر لے جاتا ہے۔ اسی طرح باہر کے نیک لوگوں کو ان مقامات سے منتقل کر کے مقامات مقدسہ میں دفن کروا دیتا ہے۔ یعنی نیک لوگوں کو جنت البقیع یا حجون یعنی جنت المعلی میں فرشتے لے آتے ہیں۔ یہ عادت اللہ ہے۔ کہ وہ اہلیت کے مطابق ہی مقام بھی عطا فرماتا ہے اور تا قیامت ہوگا۔ **سبق:** اس سے معلوم ہوا۔ کہ انبیاء صحابہ اولیاء کرام پر طعن کرنے والوں کا انجام بہت برا ہوگا۔

....

بقیہ آیت نمبر۳: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بعض اکابر کے مہمان بنے تو اہل مجلس سے کسی نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے زمان ومکان سے منزہ ہونے پر کیا دلیل ہے حالانکہ اس کا فرمان کہ وہ عرش پر ٹھہرتا ہے تو فرمایا کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کہتے ہیں تو پاک ہے میں ظالموں سے ہوں اور حضور ﷺ نے معراج کی رات عرش پر کہا۔ میں نے تیری ایسے تعریف نہیں کی جیسے تو نے اپنی تعریف کی تو ایک نے مچھلی کے پیٹ میں تو کہا دوسرے نے عرش پر تو کہا تو اب بتائیں کہ رب عرش میں ہے یا مچھلی کے پیٹ میں ہے۔ معلوم ہوا وہ ہر جگہ ہے۔ (اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا جو کچھ میں نے عرش پر دیکھا وہ یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں دیکھ لیا) تمام حاضرین امام الحرمین کے جواب سے حیران رہ گئے۔



قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ

فرمادو کس کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے فرمادو اللہ ہی کا ہے لکھ لیا اس نے اوپر اپنی ذات کے

الرَّحْمَةَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اَلَّذِیْنَ

رحم کرنا (مخلوق پر) ضرور اکٹھا کرے گا دن قیامت کو نہیں کوئی شک اس میں جنہوں نے

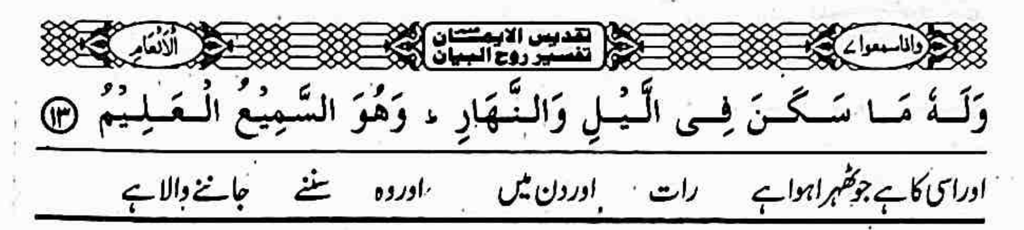
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

نقصان میں رکھا اپنے آپ کو پس وہی ہیں جو نہیں ایمان لاتے۔

(آیت نمبر۱۲) اے محبوب فرمادیں۔ کس کا ہے جو کچھ زمین وآسمان میں ہے۔ آپ خود ہی انہیں بتایئے۔ کہ یہ سب اللہ ہی کا ہے۔ یہ اصل میں اہل مکہ کو منوایا جارہا ہے۔ کہ تم مانو اس بات کو کہ خواہ کوئی عقل والی چیز ہے یا عقل والی نہیں ہے۔ سب کا خالق ومالک اور متصرف وہی ہے گویا یہ کافروں سے پوچھا جارہا ہے۔ کہ ان دلائل کی روشنی میں بتاؤ کون مالک ہے۔ تمہیں اس بات کا اقرار ہے یا انکار۔ اور ظاہر ہے کہ اس بات سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے۔ خواہ بڑا ہے یا ذرا ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔

آگے فرمایا۔ اس کریم ذات نے مہربانی کرنا تو اپنے اوپر گویا فرض کرلی ہے۔ کوئی اسے مانے یا نہ مانے وہ اپنی مہربانی جاری رکھے ہوئے ہے۔ غلطی ہو جائے تو سزا میں جلدی نہیں کرتا۔ کوئی توبہ کرے تو قبول کرنے میں دیر ہی نہیں لگاتا۔ جو اس کی طرف رجوع کرے اسے جلد اپنے دامن رحمت میں لے لیتا ہے۔ اپنے آپ پر مہربانی فرض کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس نے بندوں پر فضل وکرم کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ اگرچہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ لیکن یہ اس کا کمال کرم ہے۔ اتنی ماں اپنی اولاد پر مہربان نہیں۔ جتنا رب تعالیٰ اپنی مخلوق پر مہربان ہے۔

فائدہ :اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ اس کی ذات پاک کیلئے نفس کا اطلاق جائز ہے آگے فرمایا۔ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا۔ یعنی قبروں سے نکلنے کے بعد اس نے اس لئے جمع کرنا ہے تا کہ مشرکوں کو سزا دے۔ دنیا میں اس نے اپنی رحمت کی وجہ سے مہلت دی ہوئی ہے۔ اور اس روز قیامت کے ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ نہ تمہیں اکٹھا کرنے میں شک ہے۔ لیکن جنہوں نے اپنا خسارہ قبول کرلیا۔ اپنی فطرت اصلی اور عقل سلیم کو ضائع کر بیٹھے پس وہی ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ اس میں اشارہ ہے۔ کہ ان کے خسارے کا سبب ان کا ایمان نہ لانا ہے۔ یعنی وہ دولت ایمان سے محروم ہو کر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے خارج ہو گئے۔



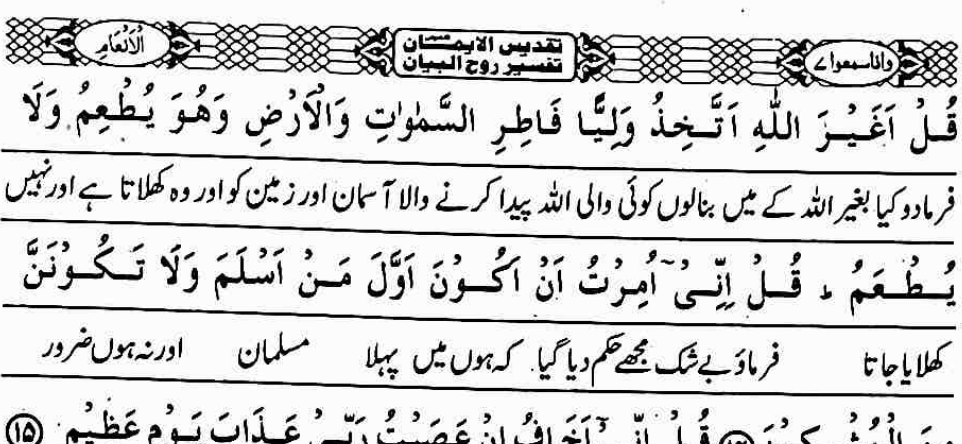
(آیت نمبر۱۳) اوراسی خدا کا ہے۔ جودن اوررات میں ساکن ہے۔

شان نزول : کفار مکہ نے حضور ﷺ سے کہا۔ کہ آپ جو نئے دین کی طرف بلار ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ غربت اور بھوک نے اس بات پر تمہیں مجبور کیا۔ اگر یہی بات ہے تو ہم آپ کیلئے دور دراز سے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں۔ کہ آپ دنیا کے امیر ترین شخص بن جائیں گے۔ لہذا اب براہ کرم اس دعوت کو بند کر دیں۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا۔ کہ تمہارے پاس ہے کیا۔ جہاں تک دن رات جا کر ختم ہوتے ہیں۔ وہاں تک تو سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ دینا چاہے تو دنیا کا سارا مال اپنے نبی کو دے سکتا ہے۔ اور تمام مخلوق سے بے پرواہ کر سکتا ہے۔ (چونکہ کفار انتہائی گھٹیا سوچ کے مالک تھے۔ گھٹیا اور کمینہ بندہ جب بھی بات کرے گا۔ انتہائی گھٹیا بات کرنا۔ یہ نبی پاک ﷺ کی وہ مہربان ذات تھی۔ جو ان کی ہر بات کو برداشت کر جاتے تھے۔)

فائدہ: یہاں دن اور رات کو بمنزلہ مکان کے ٹھہرایا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے یہ دو جوہر پیدا فرمائے ہیں: (۱) نورانی۔ یعنی ہر نور والی چیز کو اس جوہر سے لیا گیا ہے۔ جیسے یہ دن ہے۔ جو اسی جوہر کا حصہ ہے۔ اسی طرح نمبر۲: ظلمانی وہ اشیاء جو اس جوہر کے خلاصہ سے وجود میں آئیں۔ اندھیرے والی سیاہ چیزیں اسی جوہر سے بنائی گئیں۔ ان ہی میں سے رات ہے۔ محبین اور محبوبین لوگ رات کو ہی پسند کرتے ہیں۔ معراج بھی ایک بہت بڑا معجزہ تھا۔ جو رات کو دکھایا گیا۔ رات خدمت مولیٰ کیلئے اور دن خدمت خلق کیلئے ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو معراجیں رات کو ہوئیں۔ لیلۃ القدر رات کو ہے۔ جو ہزار ماہ سے شان میں زیادہ ہے۔ دنوں میں ایسا کوئی دن نہیں ہے۔ جسے یہ شان حاصل ہوئی ہو۔ اس تمام تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ رات کو دن پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں جہاں بھی دونوں کا ذکر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے رات کا نام پہلے لے لیا۔

نکتہ : جو رات کے اسرار و رموز سے بے خبر ہے۔ وہ مناجات کے مزے اور خلوت کے ذوق سے بے بہرہ ہے۔



قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا

فرمادو کیا بغیر اللہ کے میں بنالوں کوئی والی اللہ پیدا کرنے والا آسمان اور زمین کو اور وہ کھلاتا ہے اور نہیں

يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ

کھلایا جاتا — فرماؤ بے شک مجھے حکم دیا گیا کہ ہوں میں پہلا مسلمان اور نہ ہوں ضرور

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

مشرکوں سے۔فرمادو بے شک میں ڈرتا ہوں اگر میں نے نافرمانی کی اپنے رب کی تو عذاب ہے دن بڑے میں

(آیت نمبر۱۴) آگے فرمایا۔محبوب فرمادوان کفار مکہ سے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنالوں۔ حالانکہ اس نے مجھے ازل سے اپنا حبیب بنایا ہے۔لہذا میں اسے کیسے چھوڑ دوں۔اور وہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔اور وہ سب کو کھلاتا ہے اسے کھانا نہیں دیا جاتا۔یعنی وہ اس چیز کا محتاج ہی نہیں۔انسان کی ضروریات اگر چہ اور بھی بہت ہیں۔لیکن صرف کھانے کا ذکر اس لئے کیا کہ انسان کو اس کی بہت زیادہ حاجت ہے۔اس لئے صرف اسی کا نام لیا۔یہ ذکر خاص بہ ارادہ عام کے قبیل سے ہے۔اور اے محبوب ان کو بتادیں۔کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔کہ میں سب سے پہلا ماننے والا ہو جاؤں۔اول اس لئے کہ آپ پوری امت کے امام ہیں آپ مانیں گے تو اور بھی لوگ مان لیں گے۔اور آگے فرمایا۔کہ مجھے یہ بھی حکم دیا گیا۔کہ نہ ہو جاؤ شرک کرنے والوں سے۔یعنی مجھے شرک سے روک دیا گیا ہے۔حقیقی اسلام یہی ہے۔کہ آدمی دنیا کی تمام قیود سے نکل کر خالص اللہ تعالیٰ کا ہو جائے خصوصاً شرک سے اور یہ چیز صرف نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے۔اسی وجہ سے اور لوگ نفسی نفسی کہیں گے۔اور آپ امتی امتی کہیں گے۔

(آیت نمبر۱۵) اے محبوب آپ فرمادیں۔کہ میں تو ڈرتا ہوں کہ میں امر و نہی میں اپنے رب کی نافرمانی کروں۔خواہ بہت معمولی ہو لہذا میں تو بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔اس سے قیامت کے دن والا عذاب مراد ہے۔یعنی کفار کو یہ بتایا جارہا ہے۔کہ نبی کریم ﷺ سے یہ امید نہ رکھنا۔کہ وہ تمہارا دین اپنائیں گے۔بلکہ قیامت کے بڑے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے کی تم خود فکر کرو۔انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے کہ شرک سے نفرت کی جائے اور خالص توحید کو اپنایا جائے۔اس لئے کہ سب سے بدترین عذاب مشرکین کو ہوگا اور ان کی ہرگز بخشش نہیں ہوگی۔اس کے علاوہ جس کو چاہے گا۔وہ بخش دے گا۔

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾

جو پھیر دیا گیا اس عذاب سے اس دن پس تحقیق اس پر رحم ہوگیا اور یہ کامیابی ہے کھلی

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ

اور اگر پہنچائے تجھے اللہ کوئی تکلیف تو نہیں کوئی دور کرنے والا مگر وہی اور اگر پہنچائے تجھے

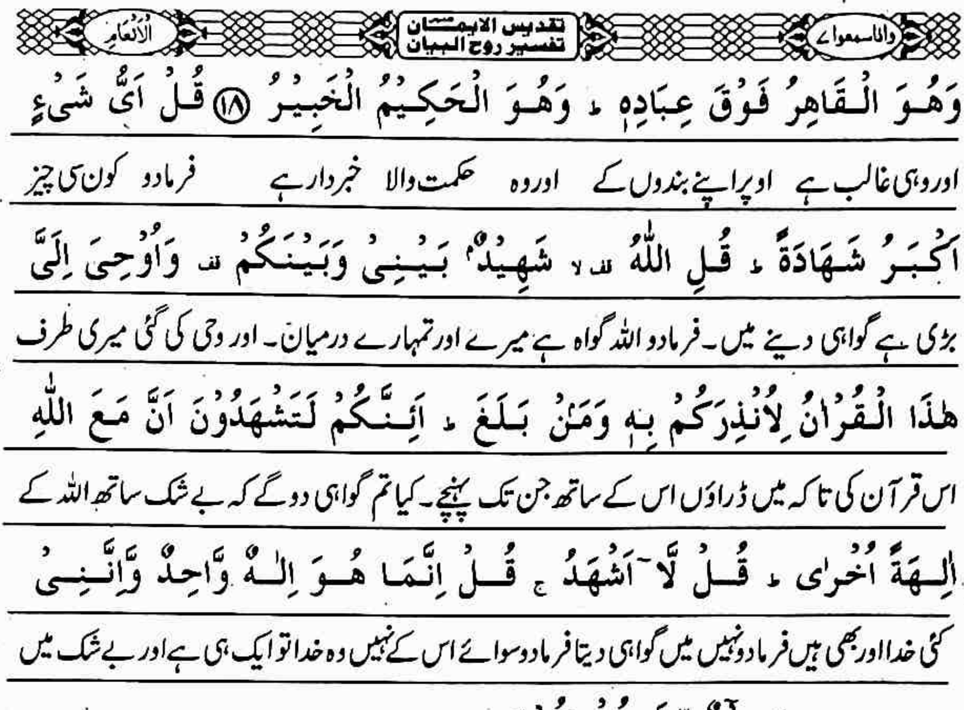
بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾

کوئی بھلائی تو وہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

(آیت نمبر١٦) جس سے اس بڑے دن کا عذاب ہٹا دیا گیا۔ پس تحقیق اس پر رحم ہوگیا۔ یعنی اسے یقین ہو جائے گا کہ اسے عذاب سے بچا کر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بہت بڑی نعمتوں سے نواز دیا ہے۔ اور عذاب کا اس سے دور کیا جانا۔ یہی بندے کیلئے کمال درجے کی کامیابی ہے کہ اسے جہنم سے نجات حاصل ہوگئی۔

(آیت نمبر١٧) اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تکلیف آ جائے۔ تو کسی میں یہ ہمت نہیں کہ اس تکلیف کو ہٹا سکے۔ اب یہ دوسری دلیل سے سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ بیماری اور دکھ یا تکلیف میں سمجھدار آدمی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حقیقی طور پر مشکل کشا نہیں سمجھتا۔ وہ جانتا ہے کہ بیماری اور تکلیف کو صرف وہی ذات دور کرسکتی ہے۔ جو وحدہ لاشریک ہے۔ آگے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تجھے بھلائی یعنی تندرستی اور مال ونعمت وغیرہ عطا فرمادے تو کوئی چھین نہیں سکتا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی کسی میں یہ ہمت نہیں ہے۔ کہ اس ذات قدیر کی عطا کو رد کرسکے یا مصیبت کو ٹال سکے۔

حکایت: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں کسریٰ کے بادشاہ نے ایک خچر بطور ہدیہ بھیجا۔ حضور ﷺ اس پر سوار ہوئے اور مجھے بھی ساتھ پیچھے بٹھالیا۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے عزیز احکام خداوندی کی پابندی کروگے۔ تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ تمہارا محافظ ہوگا۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے حقوق کا خیال رکھوگے تو اپنے دکھ تکلیف میں اسے رحیم وکریم پاؤگے۔ اگر کوئی چیز چاہیئے یا مدد چاہیئے۔ تو اللہ تعالیٰ سے ہی مانگو۔ جو ہونا ہے وہ لکھ دیا گیا ہے۔ اگر ساری دنیا تجھے کچھ دینا چاہے رب نہ چاہے تو تجھے خس برابر بھی نہیں دے سکتے۔ اگر ساری دنیا والے تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو وہ ذرہ برابر نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک رب کریم نہ چاہے اگر ہو سکے تو یقین کو محکم کرکے صبر پر ہمیشگی کے ساتھ قائم رہو۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی وہ بہت کچھ عطا کرنے پر بھی قادر ہے۔ دیا ہوا واپس لینے پر بھی قادر ہے۔



وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ

اور وہی غالب ہے اوپر اپنے بندوں کے اور وہ حکمت والا خبردار ہے فرمادو کون سی چیز

اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ

بڑی ہے گواہی دینے میں۔ فرمادو اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان۔ اور وحی کی گئی میری طرف

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ

اس قرآن کی تاکہ میں ڈراؤں اس کے ساتھ جن تک پہنچے۔ کیا تم گواہی دو گے کہ بے شک ساتھ اللہ کے

اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ

کئی خدا اور بھی ہیں فرمادو نہیں میں گواہی دیتا فرمادو سوائے اس کے نہیں وہ خدا تو ایک ہی ہے اور بے شک میں

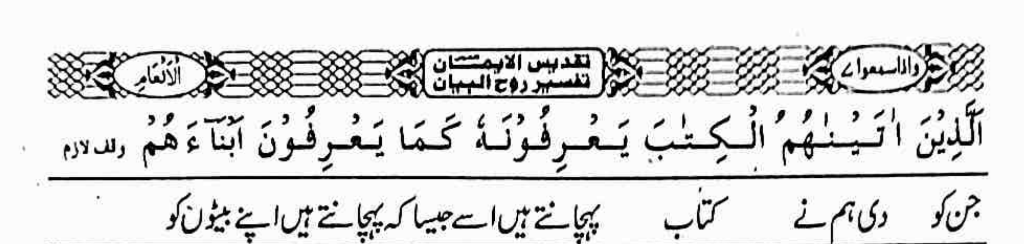
بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ وقف لازم (با اختلاف) ﴿۱۹﴾

بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

(آیت نمبر ۱۸) اور وہی ذات غالب ہے اپنے بندوں پر۔ کہ اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ اور وہ ایسا حکیم ہے کہ اس کے ہر حکم میں حکمت ہے اور اپنے بندوں کے حالات سے ایسا خبردار ہے۔ کہ ان کے تمام ظاہر اور پوشیدہ حالات کو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۹) فرمادو اے حبیب (ﷺ) کہ سب سے بڑی گواہی کون سی ہے۔

شان نزول: کفار مکہ نے کہا کہ اے محمد ﷺ ہم نے یہود و نصاریٰ سے تمہارے بارے میں معلوم کیا کہ کیا تمہارا ذکر پہلی کتابوں میں ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اس رسول کا ذکر ہماری کتابوں میں نہیں ہے۔ نہ ہی آپ کو وہ جانتے ہیں۔ اب آپ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے۔ کہ آپ اپنی رسالت پر ایسی گواہی پیش کریں۔ کہ ہمیں یقین ہو جائے۔ کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کو بتا دیں۔ کہ میری رسالت پر سب سے بڑی گواہی تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جس کے مقابلے میں مخلوق کی گواہی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور مخلوق کی گواہی اور مخلوق کے علوم اتنے وسیع نہیں ہیں۔ جتنے اللہ تعالیٰ کے علوم وسیع ہیں۔ مخلوق کے علوم انتہائی تھوڑے ہیں۔ وہ ایسے علوم نہیں ہیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے علوم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بندوں کے علوم اتنے نہیں ہیں۔



اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ

جن کو دی ہم نے کتاب پہچانتے ہیں اسے جیسا کہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو

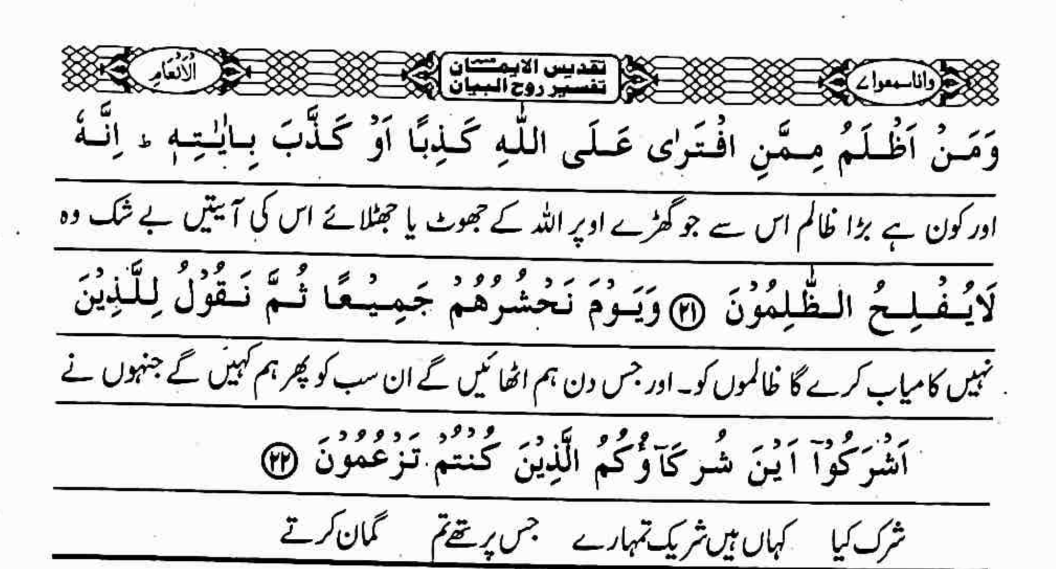
اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ع ﴿۲۰﴾

جنہوں نے خسارے میں رکھا اپنے آپ کو پس وہ نہیں ایمان لاتے

(بقیہ آیت نمبر۱۹) کہ حقائق اشیاء کا احاطہ کر سکیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم تمام اشیاء کے حقائق کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس لئے میرے اور تمہارے درمیان اگر کوئی گواہ ہے تو وہی ذات ہے۔ اور اس کے بعد یہ قرآن سب سے بڑا میری صحت رسالت پر گواہ ہے جو میری طرف وحی کیا گیا۔ تا کہ میں اس کے ذریعے ڈراؤں تمہیں بھی اے کافرو اور قیامت تک آنے والے لوگوں کو جن تک یہ قرآن پہنچے۔ یعنی اس قرآن میں جس طرح بشارتیں ہیں۔ اسی طرح وعیدیں ہیں۔ اب اے کافرو کیا تم بھی اس کی گواہی دیتے ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی بھی خدا نہیں۔ اصل میں ان سے اقرار کرانا مقصود ہے۔ کہ واقعی وہ پکے ہی مشرک ہیں۔ آگے فرمایا۔ اے محبوب آپ کہہ دیں میں تو یہ گواہی نہیں دیتا خواہ تم گواہی دے دو پھر حکم فرمایا میرے محبوب انہیں فرمایئے سوائے اس کے نہیں الٰہ تو صرف ایک ہی ہے۔ تم شرک پر جتنی بار مرضی ہے گواہی دو۔ لیکن میں تمہارے ساتھ کوئی گواہی نہیں دیتا۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور بے شک میں بری ذمہ ہوں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

(آیت نمبر۲۰) وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی۔ یہ اصل میں سابقہ سوال کا جواب ہے۔ کہ جب کافروں نے کہا کہ یہود ونصاریٰ کہتے ہیں۔ کہ ہمیں اس نبی کے بارے کوئی علم نہیں نہ ہماری کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ جن جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ **حدیث** میں ہے۔ حضرت عمر نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما جو مسلمان ہونے سے پہلے یہود کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان سے پوچھا کہ کیا تم اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہو جیسے بیٹے کو۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ بیٹے سے بھی زیادہ بہتر طور پر جانتا ہوں (مشکوٰۃ)۔ بیٹے کا تو پھر بھی شک ہو سکتا ہے۔ کہ بیوی کا کوئی پتہ نہیں میری عدم موجودگی میں کیا کیا ہو۔ لیکن نبی پاک ﷺ کے بارے پختہ یقین ہے۔ کہ یہ نبی برحق ہیں۔ آگے فرمایا کہ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا کہ آیات بینات سے منہ پھیر لیا پس وہ ہی ہیں جو مومن نہیں ہیں کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا۔ کہ ان کی فطرت سلیمہ کے ضائع ہونے پر ان کی عقل سلیم بھی ان سے جاتی رہی اس لئے انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا۔



وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ

اور کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑے اوپر اللہ کے جھوٹ یا جھٹلائے اس کی آیتیں بے شک وہ

لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

نہیں کامیاب کرے گا ظالموں کو۔ اور جس دن ہم اٹھائیں گے ان سب کو پھر ہم کہیں گے جنہوں نے

اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾

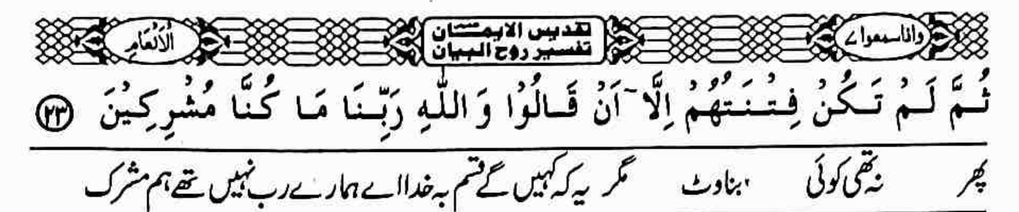
شرک کیا کہاں ہیں شریک تمہارے جس پر تھے تم گمان کرتے

(آیت نمبر ۲۱) اوراس سے بڑا ظالم کون ہوگا۔ جواللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ بولتا ہے۔ یعنی جنہوں نے توراۃ انجیل پڑھی اور دونوں کتابوں میں میرے نبی کے اوصاف پڑھ لئے۔ پھر بھی اس کے خلاف لوگوں کو بتاتے ہیں اور انبیاء کو اللہ تعالیٰ کی اولاد اور فرشتوں کولڑکیاں بتاتے ہیں۔ اور آیات الٰہیہ کو جھٹلاتے ہیں۔ اسی طرح کفار مکہ نے قرآن کا انکار کیا اور معجزات کو جادو کہا۔ اور یہودیوں نے توراۃ میں تحریف کی۔ اور حضور ﷺ کے جو اوصاف توراۃ میں تھے۔ ان کو غلط طریقے سے لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ اس لئے ان کو ظالم فرمایا گیا۔ کہ بے شک یہ ظالم ہیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جھوٹ کی نسبت کرتے ہیں اور یہ قیامت کی تکالیف سے نجات اور مقاصد میں کبھی کامیاب نہیں ہونگے۔

(آیت نمبر ۲۲) اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے۔ یعنی قیامت کے ہولناک دن میں اور اس کھلے میدان میں جہاں اول تا آخر سب جمع ہونگے۔ اس عام مجمع میں مشرکوں سے زجر وتوبیخ سے پوچھیں گے کہ اے مشرکو وہ تمہارے شریک (معبود) کہاں ہیں۔ کہ جن پر تمہیں بڑا گمان تھا۔ کہ وہ تمہیں چھڑالیں گے۔

تنبیہ: میدان قیامت انتہائی وسیع وعریض ہوگا۔ اسے طے کرنے کیلئے کئی مقامات پر رکنا پڑے گا۔ پچاس موقف ہوں گے ہر موقف پر ہزار سال ٹھہرنا ہوگا۔

حشر کے دن کفار کا مکر: مروی ہے کہ مشرکین بروز قیامت جب دیکھیں گے کہ مسلمان اہل توحید پر جو بخشش ہوگی اور انہیں معافی ملے گی تو کفار ومشرکین بھی آپس میں کہیں گے۔ ہم بھی شرک کو چھپاتے ہیں اور مسلمانوں کی طرح کامیابی حاصل کرتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی شرک نہیں کیا۔ اسی طرح ظلم وستم کرنے والے عذاب سے بچنے کیلئے بڑے بڑے جھوٹ بولیں گے۔ لیکن اس طرح بہانے بنانے سے کوئی ظالم کامیاب نہیں ہوگا۔ نہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دھوکہ دے سکے گا۔



ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾

پھر نہ تھی کوئی بناوٹ مگر یہ کہ کہیں گے قسم بہ خدا اے ہمارے رب نہیں تھے ہم مشرک

انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾

دیکھ تو کیسا جھوٹ بولا اوپر اپنی جان کے اور گم ہوئیں ان سے جو تھے باتیں بناتے

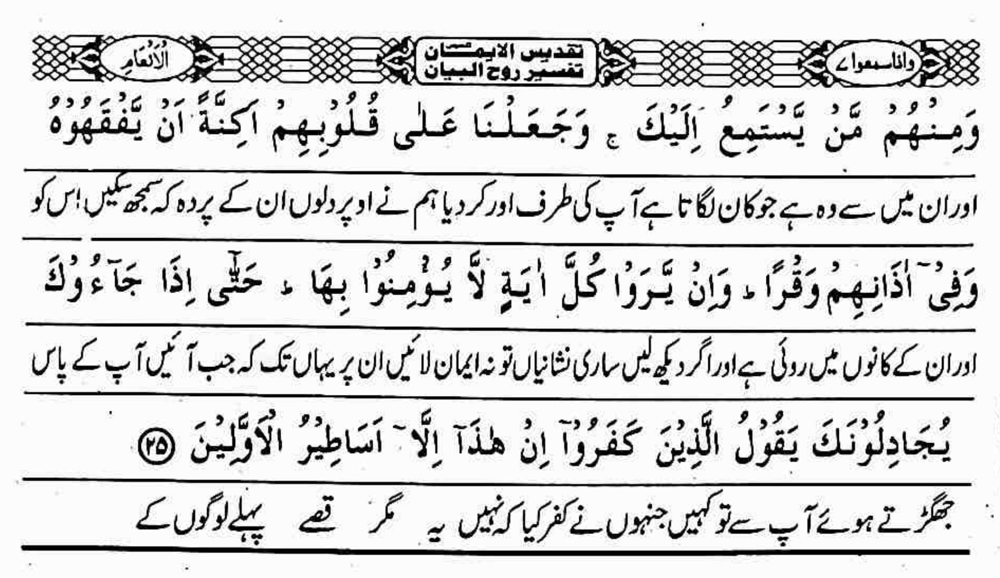
(آیت نمبر ۲۳) پھران کا فتنہ یہی ہوگا۔ (یعنی جب ان کے سب بہانے ختم ہو جائیں گے) پھران کا ایک فتنہ کفررہ جائے گا۔ جس پر وہ پوری زندگی رہے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اب وہ اس کے بھی منکر ہو جائیں گے۔ اور کہیں گے کہ ہم تو مشرک نہیں تھے۔ یہ ان کا محض جھوٹ ہی ہوگا۔ اسی لئے اس کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا۔ اور انہیں بھی معلوم ہے جو آپس میں مشورہ کر کے وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ دنیا میں وہ مکر و فریب چلا لیتے تھے۔ وہاں نہیں چلے گا۔

(آیت نمبر ۲۴) اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ محبوب اب دیکھ کیسے اپنے شرک کو چھپا کر اس کا انکار کر رہے ہیں۔ یعنی ایسی سچائی والی جگہ پر بھی وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ بت جن کی وجہ سے گمراہ رہے۔ وہ اب ان سے گم ہو گئے۔ جن کے متعلق دنیا میں عجیب عجیب باتیں گھڑتے رہے۔

مسئلہ: توحید کا اقرار اس وقت مفید ہے۔ جب شرک سے بھی برات ہو۔ یہ شرط اس کیلئے ہے۔ جو دارالاسلام میں ہے۔ جنگ کے دوران کسی نے کلمہ پڑھ لیا۔ یا حضور کے دین پر ہونے کا اقرار کر لیا تو یہی اس کیلئے کافی ہے اور وہ قبول ہوگا۔ **وضاحت**: مشرکین بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ہماری سفارش کریں گے۔ لیکن اب بروز قیامت ان کو غائب دیکھ کر بدل جائیں گے۔ (یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے۔ کہ کسی کو سفارشی بنانا غلط نہیں ہے۔ ان کی غلطی یہ ہے۔ کہ انہوں نے ان کو سفارشی بنالیا۔ جو اس بات کے اہل ہی نہیں تھے۔ سفارشی تو اللہ تعالیٰ کے محبوبوں اور مقبولوں کو بنایا جاتا ہے۔ جیسے انبیاء اولیاء وغیرہ بت اور بت پرست وغیرہ تو "مغضوب علیھم" تھے)

فائدہ: بروز قیامت مشرکین دیکھیں گے۔ کہ اہل توحید کے گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ اور انہیں نجات مل گئی ہے۔ تو وہ بھی آپس میں مشورہ کر کے دربار خداوندی میں آ کر عرض کریں گے۔ کہ جناب ہم تو شرک کرتے ہی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دیگا۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے کفر و شرک کی گواہی دے دیں گے۔

فائدہ: یوں ہی ریاکار لوگ بھی ریاکاری کو چھپا کر توحید والوں کے ساتھ ملنے کی کوشش کریں گے۔ تو ان کے اعضاء بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ اور وہ بھی جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔



وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ

اوران میں سے وہ ہے جوکان لگاتا ہے آپ کی طرف اور کر دیا ہم نے او پر دلوں ان کے پردہ کہ سمجھ سکیں اس کو

وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ

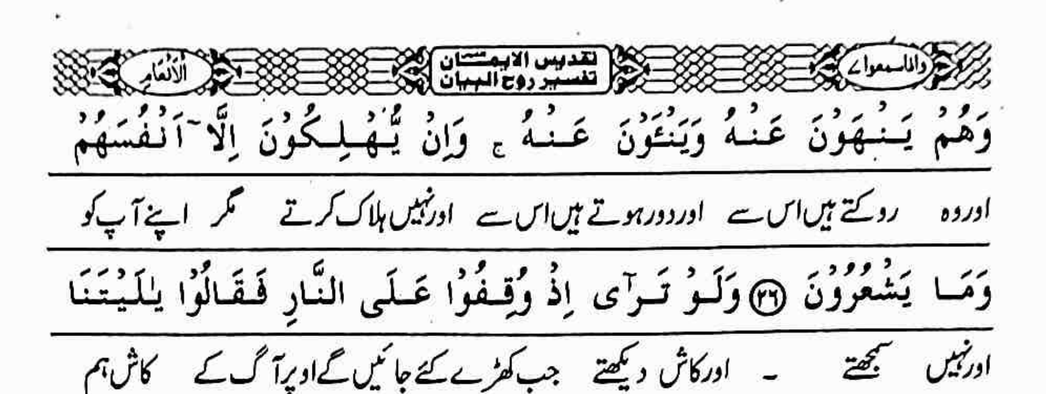
اوران کے کانوں میں روئی ہے اوراگر دیکھ لیں ساری نشانیاں تو نہ ایمان لائیں ان پر یہاں تک کہ جب آئیں آپ کے پاس

يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾

جھگڑتے ہوئے آپ سے تو کہیں جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں یہ مگر قصے پہلے لوگوں کے

(بقیہ آیت نمبر۲۴) **مسئلہ**: قیامت کے دن صرف ایمان توحید، صدق، اخلاص ہی فائدہ دینے والی چیزیں ہیں۔ کفر وشرک اور تکبر وغیرہ تو انسان کو وہاں ذلیل وخوار کر کے رکھ دے گا۔ **فائدہ**: جہنم تو اس لئے بنائی گئی۔ کہ لوگ اس سے ڈریں اور کفر چھوڑ کر ایمان پر آ جائیں۔ لیکن لوگوں نے کفر کر کے ہمیشہ کیلئے جہنم میں جانا گوارہ کر لیا۔ (العیاذ باللہ منہ)۔ مگر ایمان لا کر جنت میں جانا پسند نہیں کیا۔

(آیت نمبر۲۵) اوران میں سے کچھ وہ بھی ہیں۔ کہ جب آپ تلاوت قرآن کرتے ہیں۔ تو وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں۔ لیکن نہ اسے مانتے ہیں۔ نہ ان آیات پر عمل کرتے ہیں۔ آگے اس کی وجہ بھی بیان کر دی کہ وہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ **شان نزول**: مروی ہے۔ مشرکین کے بڑے سردار مثل ولید، نضر، عتبہ، شیبہ اور ابوجہل وغیرہ ایک جگہ اکٹھے تھے۔ کہ نبی کریم ﷺ اس وقت قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اور یہ سب سنتے رہے۔ نضر بن حارث سے باقی حضرات نے پوچھا۔ کہ بتاؤ یہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کے قصے اور من گھڑت داستانیں ہیں جو مشہور ہیں۔ جیسے کبھی کبھی میں بھی تمہیں پرانے لوگوں کے واقعات وحالات سناتا رہتا ہوں۔ ابوسفیان نے کہا کہ مجھے تو ان کی کچھ باتیں صحیح معلوم ہوتی ہیں۔ اور ابوجہل نے کہا کہ ان کی کوئی بات صحیح نہیں ہے۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کے دلوں پر غلاف (پردے) ڈال دیئے تاکہ اسے نہ سمجھیں۔ اگرچہ وہ نظر تو نہیں آتے لیکن وہ ایسے ہیں جیسے روئی کانوں میں ڈال دی جائے تو کچھ سنائی نہیں دیتا۔ پردے سے مراد کراہت ہے یعنی ہم ان پلیدوں کو اپنا مقدس پاک کلام سنانا ہی نہیں چاہتے ہم یہ مقدس کلام صرف اہل ایمان کو سنانا چاہتے ہیں۔



وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ج وَإِنْ يُّهْلِكُوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ

اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور ہوتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا

اور نہیں سمجھتے ۔ اور کاش دیکھتے جب کھڑے کئے جائیں گے اوپر آگ کے کاش ہم

نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾

لوٹائے جائیں پھر نہ جھٹلائیں آیات خداوندی کو اور ہو جائیں مسلمان

(بقیہ آیت نمبر۲۵) اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے کہ جو کچھ سنا بھی ہے۔ وہ قبولیت والا نہیں۔ یہ مثال کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ وہ اتنے بڑے جاہل ہیں کہ نہ حضور ﷺ کی شان کو سمجھ سکتے ہیں نہ فہم قرآن کی دولت سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ گویا ان کے کان قرآن جانتا ہی نہیں۔

عقیدہ :معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں لوگوں کے دل ہیں۔ کسی کے دل میں ہدایت ڈال دیتا ہے۔ اور اس کو انشراح صدر ہو جاتا ہے۔ اور کسی کو "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" والی دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر وہ ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں یا سن کر مشاہدہ کر لیں۔ تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کوئی اسے جادو کہہ ٹھکرا دیں گے۔ کوئی عناد کی وجہ سے ماں باپ کی اندھی کافرانہ تقلید سے اس قرآن کو منگھڑت کہہ دیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ سے جھگڑا کریں گے اور یہ کافر کہیں گے کہ یہ تو قرآن میں پرانے لوگوں کے قصے ہی ہیں۔

(آیت نمبر۲۶) اور وہ لوگوں کو روکتے ہیں قرآن پر ایمان لانے سے۔ اور خود بھی وہ اس سے دور رہتے ہیں۔ کہ کہیں قرآن دل تک نہ پہنچ جائے۔ گویا قرآن سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ ہلاکت میں ڈال رہے ہیں تو صرف اپنے آپ کو۔ یعنی اس نفرت کا وبال ان ہی پر پڑے گا۔ اور وہ اس بات کا شعور بھی نہیں رکھتے۔ کہ وہ ایسی کاروائیوں سے نہ قرآن کا نقصان کر رہے۔ نہ رسول پاک کا نہ اہل ایمان کا۔ بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔

(آیت نمبر۲۷) اے کاش تو دیکھے وہ وقت کہ جب وہ جہنم کی آگ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ یعنی جب ان کے ساتھ سخت تکلیف دہ معاملہ ہوگا اس وقت تم دیکھتے کہ جب وہ کہیں گے۔ کہ کاش ہم دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں۔ تو ہم پھر کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہ جھٹلائیں۔ اور ہم پکے مسلمان ہو جائیں۔ اور ان آیات کے مطابق عمل کرنے والے ہو جائیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اتاریں۔ لیکن ایسا ہونا ہی ناممکن ہے۔ کہ کوئی واپس دنیا کی طرف جائے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا

بلکہ کھل گیا ان پر جو تھے چھپاتے اس سے پہلے اور اگر لوٹائے جائیں تو ضرور پھر وہی کریں

لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا

جس سے منع کئے گئے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔اور کہتے تھے نہیں ہے یہ مگر (صرف) زندگانی دنیا کی

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۲۹﴾

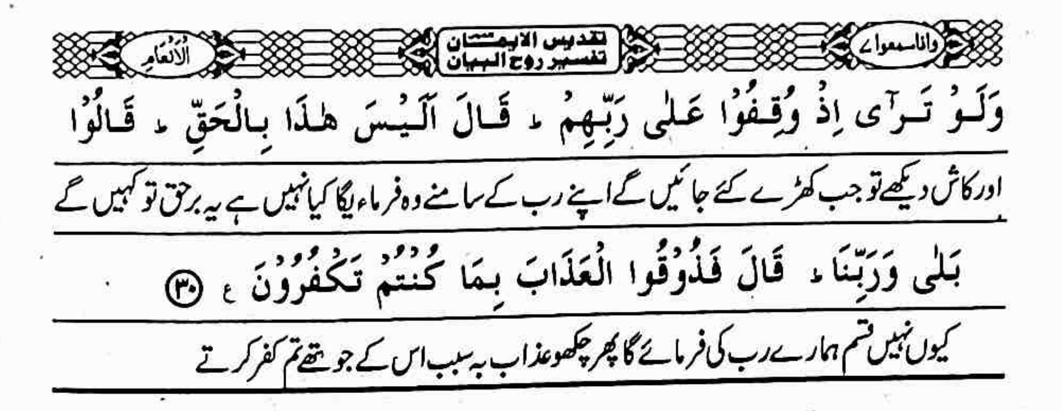
اور نہیں ہم اٹھائے جائیں گے

(آیت نمبر۲۸) بلکہ اب تو سب معاملہ کھل کر سامنے آ گیا۔ جو کچھ اس سے پہلے دنیا میں وہ چھپاتے تھے۔ یعنی دنیا میں جو آخرت اور عذاب وغیرہ کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ یعنی آخرت کا انکار کر کے کفر کرتے اور اپنے کفر کو چھپاتے تھے وہ سب ان کا کیا کرتا ان کی آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ ہمیں لوٹا دیا جائے۔ تو ہم ایمان لے آئیں گے یہ بھی دراصل وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ اگر بالفرض انہیں دنیا میں بھیج بھی دیا جائے تو پھر بھی لوٹ کر وہی کریں گے جس سے وہ روکے گئے۔ یعنی شرک ہی کریں گے۔ اور جو کچھ عذاب وغیرہ دیکھ کر گئے وہ بھول جائیں گے۔ جیسے شیطان نے سب کچھ دیکھا ہوا ہے۔ لیکن عناد اور سرکشی میں لگا ہوا ہے۔ لہذا فرمایا۔ کہ بے شک یہ دنیا میں بھی جھوٹے تھے۔ اب بھی وہ جھوٹ بول رہے۔ جس برائی کی دنیا میں عادت پڑی ہوئی تھی۔ وہی اب بھی بول رہے ہیں۔ ان کا طریقہ ہی یہ ہے۔ کہ جو انہیں کہا جائے۔ یہ اس کا الٹ ہی کریں گے۔

فقہاء کا فتویٰ : اس آیت سے فقہاء نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ کہ باغی اور فسادی کا سر قلم کرنا ضروری ہے۔ اس لئے۔ کہ اب بغاوت اور فساد اس کی عادت میں پڑ گیا۔ اور عادت کا بدلنا مشکل ہے۔

(آیت نمبر۲۹) آگے فرمایا۔ کہ یہ دنیا میں کہا کرتے تھے۔ کہ بس یہی دنیا کی ہی زندگی ہے۔ مرنے کے بعد بالکل نہیں اٹھائے جائیں گے۔ گویا مرنے کے بعد والے تمام احوال بعثت وحساب وغیرہ کا بالکل ہی انکار کر دیا۔ دنیا کی نحوست ہی ایسی ہے کہ جو اس میں پڑ جاتا ہے۔ وہ آخرت سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کا پکا ہی منکر ہو جاتا ہے۔

فائدہ : دنیا اور آخرت آپس میں ضد ہیں بندہ درمیان میں ہے۔ وہ جتنا دنیا کے قریب ہوتا ہے۔ اتنا آخرت سے دور ہو جاتا ہے اور جتنا آخرت کی طرف جاتا ہے۔ اتنا دنیا سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اسی لئے بزرگان دین فرماتے ہیں۔ کہ جو بندہ یہ کہے کہ میں دنیا و آخرت دونوں کو اکٹھا کر لوں گا وہ بڑا بے وقوف ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں اکٹھی ہو ہی نہیں سکتیں۔



وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا

اور کاش دیکھے تو جب کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے وہ فرمائیگا کیا نہیں ہے یہ برحق تو کہیں گے

بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ع ﴿۳۰﴾

کیوں نہیں قسم ہمارے رب کی فرمائے گا پھر چکھو عذاب بہ سبب اس کے جو تھے تم کفر کرتے

(آیت نمبر۳۰) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے آخرت کے حال کو بیان فرمارہا ہے۔ کہ کاش اگر تو وہ وقت بھی دیکھے کہ جب وہ اپنے رب کریم کے سامنے سوال و جواب کیلئے کھڑے کئے جائیں گے۔ بالکل ایسا جیسے ایک مجرم کو حاکم کے سامنے کھڑا کیا جاتا ہے سزا کیلئے۔ تو اس کا جواب محذوف یہ ہے۔ کہ تو اس وقت ان کا برا حال ہی دیکھے گا جب اللہ تعالیٰ اسے جھڑک کر فرمائے گا کہ تو تو دنیا میں کہا کرتا تھا۔ کہ بس صرف یہی دنیا ہے۔ آگے کچھ نہیں ہے۔ اب بتا کیا یہ سب کچھ حشر ونشر اور حساب و کتاب جو تو دیکھ رہا ہے۔ کیا یہ برحق نہیں ہے۔ تو کہیں گے کہ ہاں اے ہمارے پروردگار بے شک یہ حق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ پھر اب اپنے کرتوتوں کا بدلہ چکھو جو سامنے جہنم کا عذاب دیکھ رہے ہو۔ یہ سب اس کے جو تم دنیا میں کفر کیا کرتے تھے۔

نکتہ: عذاب کی تکلیف کو ذوق اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ جس طرح چکھے جانے والی شیء کے ذائقہ کو ہر وقت زبان و حلق محسوس کرتے ہیں۔ یوں ہی کفار عذاب الٰہی کو ہر وقت محسوس کریں گے۔ بلکہ عذاب دن بدن سخت سے سخت محسوس ہوتا رہے گا۔ اور سر سے پاؤں تک کا ہر عضو الگ الگ عذاب محسوس کرے گا۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ جب کوئی بڑا قصور کرے تو سزا دیتے وقت اسے کہا جاتا ہے کہ اب اس گناہ کا مزہ چکھ۔ یعنی جو تو نے گناہ لذت حاصل کرنے کیلئے کیا تھا۔ اب اس کی سزا کا بھی مزہ چکھ۔ آخرت میں بھی یہی کہا جائے گا کہ جو جو گناہ کیے۔ ان پر ملنے والی سزا کا مزہ چکھ۔ یہ سزا یافتہ کو جلانے کیلئے بھی کہا جاتا ہے تا کہ اس کا دل جلے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ

تحقیق گھاٹے میں رہے جنہوں نے جھٹلایا ملاقات خداوندی کو یہاں تک کہ جب آ گئی ان پر قیامت

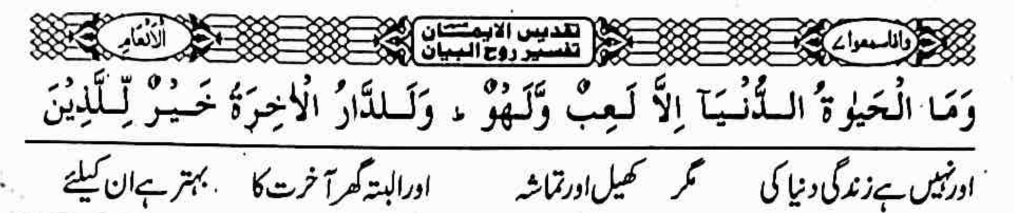
بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ

اچانک کہنے لگے ہائے افسوس ہے ہمیں اس پر جو ہم نے تقصیر کی اس کے ماننے میں اور وہ لادے ہوں گے بوجھ اپنے

عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

اوپر اپنی پیٹھوں کے خبردار کتنا برا ہے جو بوجھ اٹھائیں گے

(آیت نمبر ۳۱) تحقیق خسارے میں رہیں گے وہ کافر جو اللہ کی ملاقات کے منکر ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان پر قیامت آ گئی اچانک جس کا پہلے کوئی انہیں خیال نہ تھا۔ اگر پہلے معمولی سا بھی خیال ہوتا۔ تو اسے بغتۃ نہ کہا جاتا۔ جب قیامت اچانک ہی قائم ہوگی۔ جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کا (تفصیلی) علم اور کسی کے پاس نہیں (انبیاء و اولیاء کے پاس بھی جو قیامت کا علم ہے وہ اجمالی ہے) آگے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن افسوس سے کہیں گے ہائے افسوس ہائے پشیمانی یعنی دکھ اور درد کی انتہائی سخت گھڑی میں وہ حسرت و افسوس سے پکار رہے ہوں گے۔ اس کوتاہی پر کہ جو انہوں نے دنیا میں رہ کر حقوق ادا نہیں کئے۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر آخرت کیلئے کوئی تیاری نہ کی۔ لہٰذا وہ اپنے بداعمالیوں اور گناہوں اور لوٹ گھسوٹ کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ نیک اعمال نہ کرنے پر حسرت و افسوس کرتے ہونگے۔ حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنتیوں کو اور کوئی افسوس نہیں ہوگا سوا اس وقت کے جو انہوں نے یاد الٰہی کے بغیر گذارا ہوگا (طبرانی و البیہقی)۔ فرمایا۔ کہ وہ کتنا ہی برا بوجھ ہوگا۔ جو وہ بروز قیامت اٹھائے ہوئے لا رہے ہوں گے۔ یہ اصل خسارہ ہے۔ جس کو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا۔ **فائدہ:** حضرت سعدی مفتی فرماتے ہیں۔ کہ جب بندۂ مومن قبر سے نکلے گا۔ تو اس کا استقبال ایک حسین و جمیل شخص کرے گا۔ جس کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جائے گا۔ تو صاحب قبر سے کہے گا۔ کہ میں ہی تیرا نیک عمل ہوں۔ دنیا میں تو نے مجھے اٹھا رکھا تھا۔ اب تو مجھ پر سوار ہو جا میں تجھے اللہ کے دربار میں لے جاؤں۔ اور کافر کو قبر سے نکلتے ہی انتہائی بدشکل بدبودار شخص ملے گا۔ اور صاحب قبر سے کہے گا۔ میں ہی تیرا برا عمل ہوں۔ دنیا میں تو مجھ پر سوار رہا۔ اب میں تجھ پر سوار ہوتا ہوں۔ وہ اس پر سوار ہو جائیگا اور کہے گا۔ اب چل اللہ کے دربار میں اس لئے فرمایا۔ کہ وہ اپنا بوجھ پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اور وہ کتنا ہی برا بوجھ ہوگا۔ جو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔



وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

اورنہیں ہے زندگی دنیا کی　مگر　کھیل اور تماشہ　اور البتہ گھر آخرت کا　بہتر ہے ان کیلئے

يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

جو ڈرتے ہیں کیا پس نہیں وہ سمجھتے

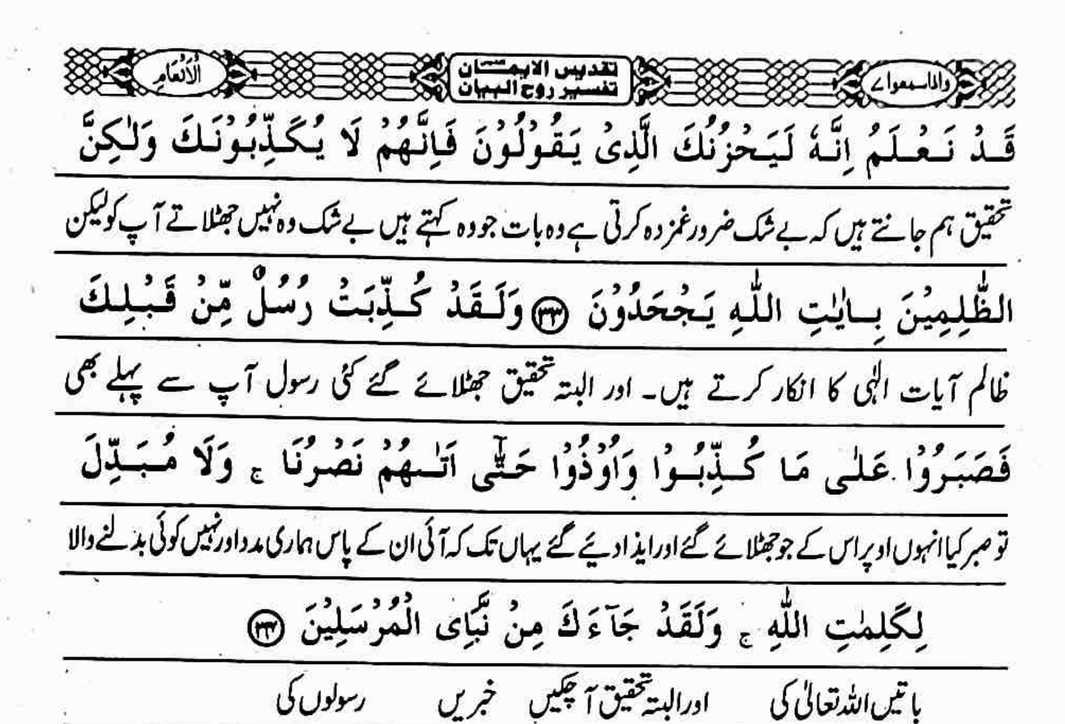
(آیت نمبر۳۲) اور نہیں ہے زندگی دنیا کی (یہاں اعمال محذوف ہے)۔ یعنی نہیں ہیں دنیا کے اعمال مگر کھیل اور تماشہ جو لوگوں کو یاد الٰہی سے دور رکھتے ہیں۔ یعنی دنیا کے کام کاج کھیل تماشے کی طرح ہیں۔ جیسے کھیل اور تماشہ دنیا کے ہر شغل کو بھلاتے ہیں۔ اسی طرح یاد الٰہی سے بھی غافل کرتے ہیں۔

روحانی نسخہ : ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں۔ کہ ذکر الٰہی دل کو تر و تازہ اور نرم رکھتا ہے۔ ورنہ دل خشک اور سخت ہو جاتا ہے۔ (لہذا دل کو ذکر الٰہی کی طرف لگائے رکھنا چاہئے ورنہ غافل ہو کر) دنیا کے منافع اور کھیل کود کی طرف مائل ہو جائے گا۔ البتہ نیک اعمال آدمی کو ہمیشہ کی لذتوں سے فیضیاب کرتے ہیں اور فرمایا۔ کہ آخرت کا گھر (جنت) متقیوں کیلئے بہت بہتر ہے۔ متقی وہ جو ہمیشہ گناہوں سے بچتے رہے۔ اور آخرت کے منافع ایسے ہیں کہ ان میں کوئی ضرر نہیں۔ اور ایسے مزے ہیں کہ جن میں کوئی درد والم نہیں اور نہ ان میں صدمہ وغیرہ ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ کیلئے ایسا مزہ جو کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ کہ دنیا و آخرت میں سے کون سی چیز تمہارے لئے بہتر ہے۔ **فائدہ**: دنیا کے کمتر ہونے کی وجہ سے اسے دنیا کہا جاتا ہے کیونکہ دنیا کا معنی گھٹیا ہے کہ یہ آخرت کے مقابلے میں گھٹیا ہے۔ اور قیامت کے دن کو دنیا کے بعد آنے کی وجہ سے آخرت کہا جاتا ہے۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زیب و زینت ظاہر کر دی۔ اور آخرت کے معاملے کو بالکل مخفی کر دیا۔ تاکہ امتحان کا مقصد حاصل ہو۔ دنیا میں نہ جنت کی نعمتیں نظر آتی ہیں۔ نہ جہنم کا عذاب۔ یہی امتحان ہے کہ بغیر دیکھے اس پر ایمان ہے۔

دنیا کا احاطہ: ساتوں زمین و آسمان اور ان کے اندر جو بھی ہے۔ وہ دنیا کے دائرے کے اندر ہے۔ لیکن صوفیاء کے نزدیک اللہ سے دور کرنے والی چیز کا نام دنیا ہے۔ اور دنیا سے باہر جو کچھ ہے۔ وہ آخرت ہے۔

دنیا مومن کی غلام ہے: جب اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی تو اسے حکم دیا۔ کہ اے دنیا۔ جو میری اطاعت کرے۔ تو اس کی خدمت کر۔ اور جو تیری خدمت کرے۔ اس کو خوب لتاڑنا۔ اور اس سے خدمت لینا تاکہ جو میری خدمت نہیں وہ تیری خدمت تو خوب کرے۔



قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ

تحقیق ہم جانتے ہیں کہ بے شک ضرور غمزدہ کرتی ہے وہ بات جو وہ کہتے ہیں بے شک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو لیکن

الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

ظالم آیات الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ اور البتہ تحقیق جھٹلائے گئے کئی رسول آپ سے پہلے بھی

فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ

تو صبر کیا انہوں اوپر اس کے جو جھٹلائے گئے اور ایذا دیئے گئے یہاں تک کہ آئی ان کے پاس ہماری مدد اور نہیں کوئی بدلنے والا

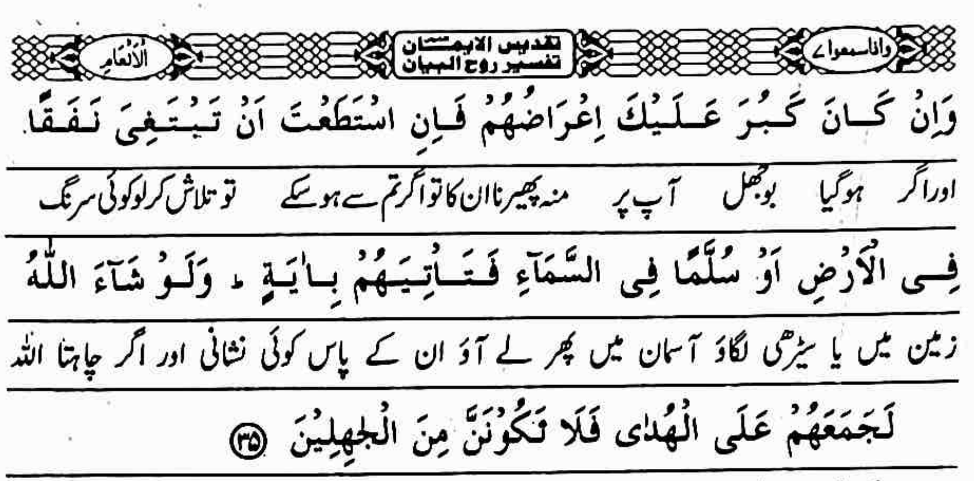
لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

باتیں اللہ تعالیٰ کی — اور البتہ تحقیق آ چکیں — خبریں — رسولوں کی

(بقیہ آیت نمبر ۳۲) **ایک مثال ہے:** دنیا وآخرت کی مثال یوں ہے کہ جیسے کسی شخص کی دو بیویاں ہوں۔ایک کو راضی کرے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔ایک وقت میں دونوں کو راضی رکھنا مشکل ہو۔تو ایک کو طلاق دے دے۔تو معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔اسی طرح دنیا آخرت دونوں اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ایک کو چھوڑنا پڑے گا۔تو ظاہر ہے کہ دنیا فانی ہے۔چند روزہ ہے۔اسے طلاق دے دے اور آخرت کو لے لے اس لئے کہ وہ دائمی ہے۔اور دنیا سے ہزار گنا بہتر ہے۔

(آیت نمبر ۳۳) اے محبوب تحقیق ہم جانتے ہیں۔کہ آپ کو ان کفار مکہ کی باتیں غمزدہ کرتی ہیں۔کہ جب آپ قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں۔تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔وغیرہ وغیرہ لہذا آپ ان کی باتوں پر توجہ نہ دیں۔اس لئے کہ میرے محبوب وہ تجھے نہیں جھٹلا رہے۔بلکہ وہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیات کا صریح انکار کر رہے ہیں۔بہ ظاہر وہ جو کچھ آپ کو کہہ رہے ہوتے ہیں۔حقیقتاً وہ مجھے کہہ رہے ہوتے ہیں۔اسی لئے بروز قیامت میں ان سے سخت بدلہ لوں گا۔**فائدہ:** جحد: جان بوجھ کر انکار کرنے کو کہتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۴) اے محبوب تحقیق آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولان گرامی قدر جھٹلائے گئے۔جو بڑے اولوالعزم اور شان والے تھے۔**فائدہ:** یہ گویا حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے۔کہ کفار کی تکذیب کی مصیبت ہر نبی کو پہنچی۔جیسے آپ کو یہ معاملہ پیش آیا۔پہلے رسول جب جھٹلائے گئے۔اور انہیں تکالیف پہنچائی گئیں۔تو انہوں نے اس پر صبر کیا۔یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آ پہنچی۔لہذا میرے محبوب آپ بھی ان رسولوں کی اقتداء کریں۔



وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا

اوراگر ہوگیا بوجھل آپ پر منہ پھیرناان کاتواگرتم سے ہوسکے تو تلاش کرلوکوئی سرنگ

فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

زمین میں یا سیڑھی لگاؤ آسمان میں پھر لے آؤ ان کے پاس کوئی نشانی اور اگر چاہتا اللہ

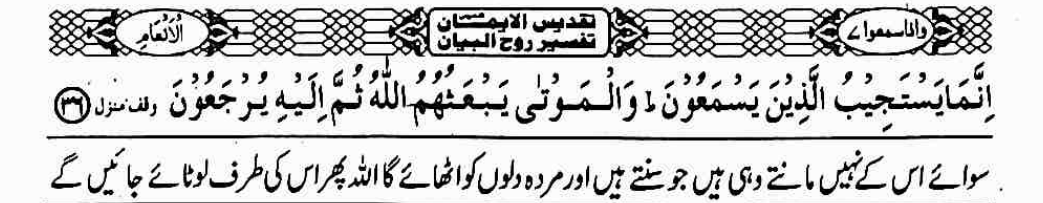
لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

تواکٹھا کرلیتاان کواوپر ہدایت کے پھر نہ ہوضرورتو (اے سننے والے) نادانوں سے

(بقیہ آیت نمبر ۳۴) اور کفار کی طرف سے ملنے والی ایذاؤں پر صبر کریں۔ اور فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں کوئی بدلنے والا نہیں۔ یعنی غلبہ ومدد کا جو وعدہ ہے۔ اس کو پورا ہو کر رہنا ہے۔ خواہ دشمن پر قہر وغلبہ سے یا دشمنوں کی تباہی وبربادی سے یا دلائل وبراہین سے اور اے میرے محبوب آپ تک پہلے رسولان عظام علیہم السلام کی خبریں آ چکی ہیں۔ کہ جیسے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف فتح ونصرت ملی، اسی طرح آپ کو بھی فتح حاصل ہوگی اس سے آپ کو تسلی وتشفی ہوگئی ہوگی۔

(آیت نمبر ۳۵) اور اگر ان کافروں کا منہ پھیرنا آپ کے دل پر شاق ہے۔ یعنی ان کے ایمان نہ لانے اور قرآن سے دور بھاگنے کی وجہ سے آپ کے دل پر بوجھ ہو۔ کہ وہ آپ کی ہر ہر بات کی تکذیب کیوں کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن آیات خداوندی سے نہیں ہے۔ اور آپ سمجھتے ہیں کہ ان کا مطالبہ پورا ہونا چاہئے۔ اور آپ کو اس بات کی لالچ ہے کہ وہ سب مسلمان ہو جائیں۔ اور ان کے نہ ماننے کی وجہ سے آپ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ تو اگر آپ خود ہی کوشش کر کے زمین میں کوئی سرنگ نکال لیں یا آسمان پر چڑھنے کیلئے سیڑھی لگالیں پھر آسمان سے ان کیلئے جیسا ان کا مطالبہ ہے۔ ایسی ہی نشانی لے آئیں۔

فائدہ: ابن الشیخ فرماتے ہیں۔ کہ نفق وہ سرنگ ہوتی ہے۔ جو زمین کی ایک طرف سے دوسری طرف نکالی جاتی ہے۔ تا کہ وہاں آرام اور سکون مل سکے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اے محبوب اگر ان کا مطالبہ پورا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تا کہ وہ اسلام لے آئیں۔ تو آپ کو زمین یا آسمان سے بہ تکلف بھی کوئی چیز نکال کر لانی پڑے۔ تو آپ ضرور نکال لائیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ آپ ہر مشکل سے مشکل کام بھی کر گذرتے۔ تا کہ وہ ایمان لے آئیں لیکن ہم نے اس لئے آپ کو نہیں بھیجا بلکہ آپ کی ڈیوٹی تبلیغ کی حد تک محدود تھی۔ (ویسے تو یہ خطاب عمومی ہے۔ لیکن صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص کر کے ان کا عدم اختیار ثابت کرنا بہت بڑی احمقی ہے۔ اور بہت بڑی گمراہی ہے۔)



اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ (۳۶) وقف منزل

سوائے اس کے نہیں مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو اٹھائے گا اللہ پھر اس کی طرف لوٹائے جائیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۳۵) آگے فرمایا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ ان کو ہدایت دے۔ تو ان کو ہدایت پر اکٹھا کر لیتا۔ لیکن وہ انہیں ہدایت دینا ہی نہیں چاہتا کہ وہ اس ہدایت سے خود ہی منہ پھیر کر چلے گئے ہیں۔ (ہدایت تو انہیں ملتی ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں) اور یہ اپنے اختیار سے منہ پھیر گئے اس لئے ہدایت سے محروم رہے۔ حالانکہ ان میں ہدایت پانے کی صلاحیت بھی تھی۔ بے شمار دلائل و براہین (معجزات) اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ لیکن ایمان قبول کرنے کا انہوں نے سوچا ہی نہیں۔

آگے فرمایا۔ پس اے مخاطب نہ ہو جا تو جاہلوں میں سے۔ یعنی جہاں حرص مناسب نہیں وہاں حرص کرنا جیسے صبر والی جگہ پر جزع فزع کرنا جاہلوں کا کام ہے۔

فائدہ :اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک کی خود تربیت فرماتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میری بہترین تربیت فرمائی۔ تاکہ محبوب رؤف ورحیم بھی ہوں۔ لیکن کسی نااہل پر بہت زیادہ شفقت نہ کریں۔ جو اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ **فائدہ** :یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مرضی ہے۔ کسی کو دولت ایمان سے نوازے یا انہیں اسی طرح کوراہی رکھے۔

(آیت نمبر ۳۶) سوائے اس کے نہیں اے محبوب آپ کے ایمان کی دعوت والی بات وہی لوگ مانیں گے جو سنتے ہیں یعنی جن کو سماع کے ساتھ فہم وتدبر بھی نصیب ہوا ہو۔ نہ کہ مردے جو سنتے ہی نہیں۔ یعنی جو سننا ہی نہیں چاہتے۔ جیسے کفار مکہ ہیں۔ جو مردے ہیں وہ آپ کی بات کیا سنیں گے۔ **فائدہ** : کفار کیلئے یہ ایسا ہی ہے جیسے مردوں سے بات کرنا۔ آگے فرمایا کہ وہ دن یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں قبروں سے اٹھائے گا۔ پھر وہ اسی ذات کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ جہاں سے انہیں جزاء وسزا ملنی ہے۔ پھر اس جگہ جا کر مانیں گے۔ مگر وہاں کا ماننا تو بے سود ہوگا۔

فائدہ : قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کفار کو مردے اور مومن کو زندہ کہا گیا۔ اس لئے کہ کافر کا دل مردہ ہوتا ہے اور مومن کا دل زندہ ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ

اور کہنے لگے کیوں نہ اتری اس پر نشانی اس کے رب کی طرف سے فرمادو بے شک اللہ قادر ہے اوپر اس کے کہ

يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اتارے کوئی نشانی لیکن ان میں زیادہ تر جاہل ہیں

(آیت نمبر ۳۷) قریش مکہ کا وہی (پرانا سوال) کہ کیوں نہ اتاری گئی اس پر آیت یا نشانی اس کے رب کی طرف سے جیسے صالح علیہ السلام کیلئے اونٹنی اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے عصا یا عیسیٰ علیہ السلام کیلئے مائدہ اتارا گیا۔ تا کہ ہم ان نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے میرے محبوب آپ فرمادیں۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز پر قادر ہے۔ کہ نشانی ان کی خواہش کے مطابق اتار سکتا ہے لیکن زیادہ تر لوگ ایسے بے عقل بے علم اور جاہل ہیں۔ کہ وہ اس بات کو نہیں بھی سمجھتے کہ آیات کا اترنا آزمائش اور امتحان کیلئے ہوتا ہے۔ سابقہ قوموں نے نشانیاں مانگیں لیکن جب انہیں ان کی مرضی کے مطابق نشانی دکھائی گئی تو پھر بھی نہ مانے اور پھر عذاب الٰہی ان پر آیا۔ جیسے قوم ثمود نے اونٹنی مانگی جب مل گئی تو منکر ہو گئے اور ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اسی طرح یہ لوگ بے علم ہیں کہ یہ بھی نشانی مانگ کر اصل میں عذاب کو دعوت دے رہے ہیں۔

بدبختی اور نیک بختی: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں دیکھا۔ کہ فلاں نے نافرمانی کرنی ہے۔ یہ اپنی استعداد کے باوجود سعادت سے منہ پھیر کر شقاوت کو اختیار کرے گا۔ تو اسے اعیان ثابتہ میں شقی بنادیا۔ گویا بندے نے اپنے شقی ہونے کی استعداد خود ہی مانگی۔ اور جس بندے کے متعلق ازلی علم ہوا۔ کہ وہ اطاعت کرے گا۔ تو اسے سعادتمند بنادیا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ازل میں الست بربکم کہا۔ تو سعادتمند نے فوراً بلٰی کہہ دیا۔ یہی اس کی سعادت ازلی کی دلیل ہے۔ نیز سعادتمند کو اچھے اقوال نیک افعال اور اخلاق حمیدہ حاصل ہوتے ہیں۔ اور بدبخت کو انقباض والے امور نصیب ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ ان کفار کی ایذاؤں پر صبر و تحمل کریں۔ یہ دنیا کا امتحان بخشش کا سبب ہے اور اس میں درجات کی تکمیل ہے۔ جنت میں وہی جائیں گے جنہوں نے دین و ایمان کیلئے دنیا میں تکالیف برداشت کیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ

اور نہیں کوئی چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری طرح

مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

نہیں کمی چھوڑی ہم نے کتاب میں کچھ پھر طرف اپنے رب کے اکٹھے کئے جائیں گے

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ

اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بہرے اور گنگے اندھیروں میں پڑے ہیں جسے چاہے اللہ

یُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۹﴾

گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے کرتا ہے اس کو اوپر راستے سیدھے کے

(آیت نمبر ۳۸) کوئی چوپایہ زمین پر نہیں ہے۔ اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہے۔ مگر وہ بھی تمہاری طرح کی امتیں ہیں۔ یعنی ان کی اپنی ٹولیاں اور ان کے اپنے اپنے احوال ہیں جو ہمارے ہی علم میں ہیں۔ ان کے رزق اور موت کے احوال کو ہم جانتے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔ یعنی ہر چھوٹی بڑی چیز کو اس میں بیان کر دیا۔ **مسئلہ**: معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں تمام مخلوق کی تمام مصالح کو بیان فرما دیا۔ **حکایت**: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ مسجد حرام میں اعلان فرمایا۔ کہ مجھ سے جو سوال کرو گے میں قرآن سے اس کا جواب دونگا۔ اور پھر لوگوں کے سوالات کے جواب دیئے۔ آگے فرمایا۔ پھر تم اپنے رب کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے۔ یعنی بروز قیامت جمع ہو گے۔ تو پھر وہ تم میں فیصلہ فرمائے گا۔

(آیت نمبر ۳۹) اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ یعنی قرآن مجید کو۔ تو وہ اصل میں بہرے ہیں۔ کہ قرآن کو وہ غور وفکر سے نہیں سنتے۔ بلکہ وہ قصے کہانی سمجھ کر سنتے ہیں۔ اسی لئے وہ انہیں آیات خداوندی میں شمار نہیں کرتے اور فرمایا کہ گویا وہ گنگے اور بہرے ہیں کہ حق بات سنتے بھی نہیں اور بیان بھی نہیں کرتے اور اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ اور جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہی۔ اسے سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔ پھر اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ نہ اسے کوئی ثابت قدمی سے گرا سکتا ہے۔ **ابو جہل کا بت**: جو جواہر اور موتیوں سے لدا ہوا تھا۔ ایک دن وہ اچانک بول پڑا۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ

فرمادو بھلا بتاؤ تو اگر آجائے تم پر عذاب الٰہی یا آجائے تم پر قیامت کیا پھر بھی سوائے اللہ کے کسی کو

تَدْعُوْنَ ج اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ

پکاروگے اگر ہوتم سچے۔ بلکہ پھر تو اسی کو ہی تم پکارو گے پھر کھول دے گا

مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ع ﴿۴۱﴾

اسے جوتم پکارتے ہواس کی طرف اگر چاہے اور بھول جاؤ جوتم شرک کرتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر۳۹) اور حضور ﷺ کی شان میں بکواس کرنے لگا۔ حضور ﷺ از حد غمزدہ ہوئے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ اور ابوجہل بہت خوش تھا۔ کہ اس کے بت نے کلام بھی کی اور حضور ﷺ کے خلاف بکواس بھی کیے۔ دوسرے دن پھر ابوجہل وغیرہ جمع ہوئے۔ کہ آج پھر ہمارا بت بولے گا۔ تو جب سب اکٹھے ہوئے اور حضور ﷺ بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہاں پہنچے تو آج بت سے کلمہ لا الـٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز آرہی تھی۔ اور کہہ رہا تھا۔ کہ بت کوئی نفع نقصان نہیں دے سکتے۔ جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتا ہے اس کیلئے خرابی ہے۔ ابوجہل نے بت کو اٹھا کر زمین پر دے مارا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا کہ محمد نے تجھ پر بھی جادو کر دیا۔ نبی کریم واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں ایک جن ملا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی اس نے کہا حضور کل جو ایک جن ابوجہل کے بت میں بولا تھا۔ ہمارا بھائی کافر جن تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس نے آپ کے متعلق بکواس کیا تو آج میں نے اسے قتل کیا۔ اور اس کی جگہ بت میں میں بول رہا تھا۔

(آیت نمبر۴۰) اے محبوب آپ ان اہل مکہ کو فرمادو۔ بھلا تم مجھے بتاؤ تو۔ کہ اگر تم پر عذاب الٰہی آجائے۔ یا تم پر قیامت قائم ہو جائے۔ یعنی اخروی عذاب تم پر آجائے۔ کیا پھر بھی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کو پوجو گے۔ یا بلاؤ گے۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو مجھے بتاؤ۔

(آیت نمبر۴۱) بلکہ اس وقت تو تم صرف اور صرف اسی ایک ذات کو پکارو گے۔ یعنی عذاب کو دیکھتے ہی غیروں کو پکارنے کا تم نام بھی نہیں لو گے۔ جب صرف اسی کو پکارو گے پھر وہ اس معاملے کو کھول دے گا کہ تم کس طرف بلاتے رہے۔ اگر چاہے گا تو تمہارے پکارنے کی حقیقت کو کھول دے گا یا اس سے مراد قبول کرنا ہے۔ یعنی اگر وہ چاہے گا تو قبول کرلے گا۔ یہ سب اس کی مشیت پر ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول طرف امتوں کے آپ سے پہلے پھر پکڑا ہم نے ان کو سختیوں اور تکلیفوں میں

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ

شاید کہ وہ گڑگڑا جائیں پھر کیوں نہ ہوا جب آیا ان پر ہمارا عذاب تو گڑگڑاتے لیکن

قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

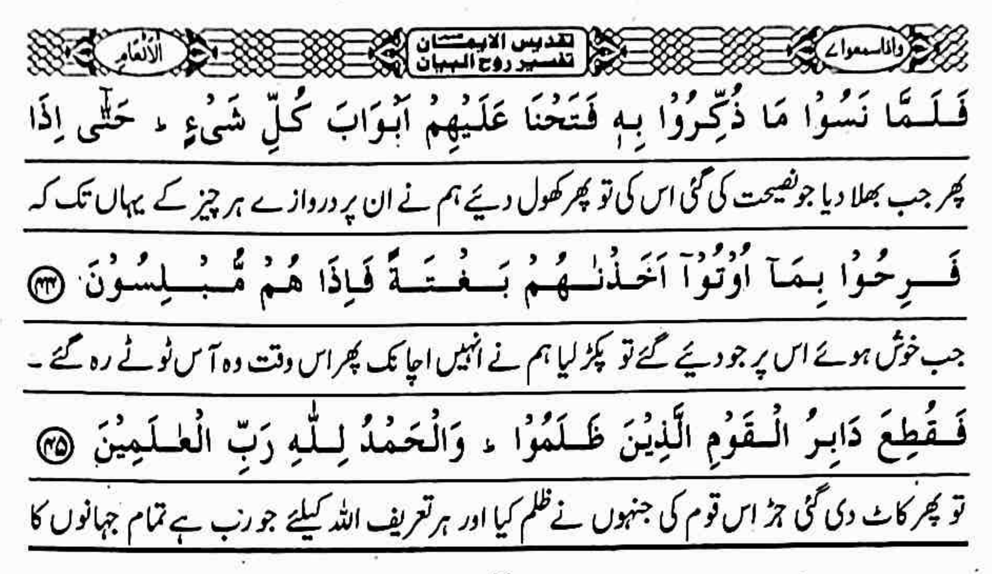
سخت ہو گئے دل ان کے اور خوبصورت بنایا ان کے لئے شیطان نے اس کو جو تھے وہ کرتے

(بقیہ آیت نمبر ۴۱) دنیا میں اگر اللہ تعالیٰ ماننے لگے تو کافر کی دعا کو بھی قبول فرمالیتا ہے۔ جیسے شیطان نے مردود ہوتے ہی کہا مجھے قیامت تک مہلت دے۔ اللہ تعالیٰ نے مہلت دیدی۔ البتہ آخرت میں عذاب کے دفع کرنے کی دعا جو کافر کریں گے۔ وہ ہرگز ہی قبول نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ مشرک کی بخشش ہی ناممکن ہے۔

(آیت نمبر ۴۲) اور البتہ تحقیق ہم نے کئی رسول پہلی امتوں کی طرف آپ سے پہلے بھیجے۔ تو ان امتوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ اور انہیں تکالیف دیں۔ تو پھر ہم نے انہیں پکڑا سختیوں میں یعنی فقر وفاقہ کے ساتھ۔ اور آفات وبلیات میں شاید کہ وہ بارگاہ الٰہی میں عجز وانکساری سے گڑگڑا کر اپنی تکلیف کو دور کرنے کیلئے معافی مانگ لیں اور توبہ کرلیں۔ لیکن مشرکین ایسے ڈھیٹ نکلے کہ معافی مانگنے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ متکبر ہو گئے۔

فائدہ: اصل میں مصائب وآلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈنڈا ہے۔ جو بندوں کو اس لئے مارا جاتا ہے۔ کہ وہ دنیا کے ہی ہو کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ ربانی سزا کھا کر اپنے مالک ومولا کی طرف رجوع کریں۔ جیسے گھوڑا مار کھا کر اپنے اصطبل کی طرف بھاگتا ہے۔ اسی طرح بندے کو سزا دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے مالک ومولیٰ کی طرف بھاگ کر پہنچے۔

(آیت نمبر ۴۳) تو ایسا کیوں نہ ہوا۔ کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا۔ تو اس وقت تو گڑگڑا جاتے۔ عجز وانکساری سے توبہ استغفار کرتے۔ لیکن بجائے تضرع اور زاری کے اور زیادہ ان کے دل سخت ہو گئے۔ (مثل پتھر) کے۔ ورنہ اگر ان کے دلوں میں کچھ نرمی ہوتی یا تری ہوتی۔ تو اپنی عاجزی ظاہر کر کے توبہ کر لیتے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔ شیطان ان کے کفر وگناہوں کو بڑا خوبصورت بنا کر انہیں دکھاتا اور ان کے برے کاموں پر انہیں شاباس دیتا اور ان کو لذات اور شہوات میں ہی منہمک رکھتا تھا۔ تاکہ خوب گناہ ونافرمانی کریں۔ اور جہنم میں جائیں۔ جنت کی طرف نہ جاسکیں۔



فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا

پھر جب بھلا دیا جونصیحت کی گئی اس کی تو پھر کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ

فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

جب خوش ہوئے اس پر جو دیئے گئے تو پکڑ لیا ہم نے انہیں اچانک پھر اس وقت وہ آس ٹوٹے رہ گئے۔

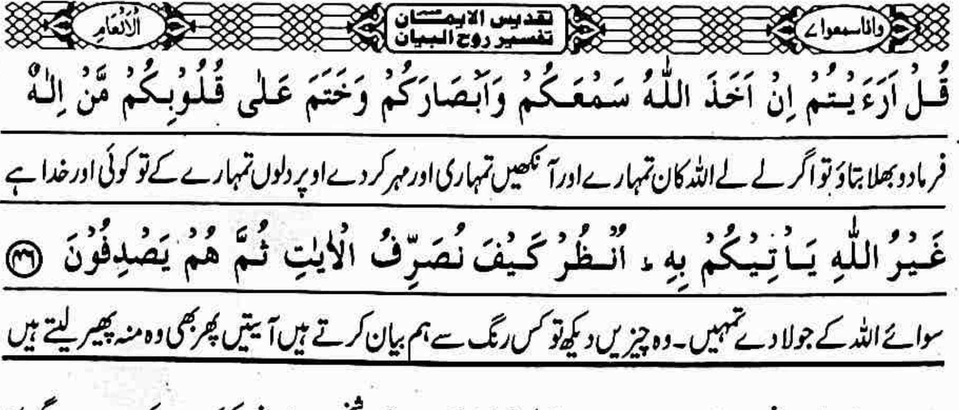
فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

تو پھر کاٹ دی گئی جڑ اس قوم کی جنہوں نے ظلم کیا اور ہر تعریف اللہ کیلئے جو رب ہے تمام جہانوں کا

(بقیہ آیت نمبر ۴۲) ان کے کرتوتوں کا نام ان کا کلچر رکھ دیا۔ کہ حالات کے تقاضے ہیں تم ٹھیک کر رہے ہو۔ آج کل بھی یہ کہہ کر گناہوں پر آمادہ کرتا ہے)۔ جب آدمی اس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ تو پھر وہ آدمی کو دین وایمان کی طرف سوچنے بھی نہیں دیتا۔ ابتداء جو تھوڑی بہت سوچ ہوتی ہے کہ گناہوں سے بچنا چاہتا ہے۔ لیکن شیطان انہیں گمراہی کی اس حد تک لے جاتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام تک کو بھول جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۴۴) جب وہ نصیحتیں جو ہم نے انہیں کیں وہ بھول گئے۔ یعنی ایسے دنیا میں محو ہو گئے۔ کہ انہیں خدا رسول بھی یاد نہ رہا۔ تو پھر تنگی وتکلیف بھیج کر انہیں خبردار کیا گیا۔ اسے بھی بھول چکے تو ہم نے ان پر ہر طرح مال ودولت کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی مہلت بھی دی اور نعمتوں کے بھی انبار لگا دیئے۔ یہاں تک کہ اس دنیوی ترقی کو دیکھ کر تکبر میں آ گئے۔ جیسے قارون کو دنیا کی دولت ملی تو وہ غرور میں آ گیا۔ آگے فرمایا کہ جب خوب رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ تو پھر ہم نے انہیں عذاب میں اچانک پکڑا۔ چونکہ اچانک کا عذاب زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ جب عذاب آیا تو آس ٹوٹی رہ گئے۔ یعنی ان کی سب امیدیں خاک میں مل گئیں۔ یا ایسی ہلاکت ہوئی کہ نجات کی کوئی امید نہ رہی۔ اس میں ان کی حسرت اور حزن کا اظہار ہے۔

(آیت نمبر ۴۵) کہ عذاب آنے کے بعد تو ظالموں کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی گئی۔ ان میں سے نہ کوئی چھوٹا بچا نہ کوئی بڑا۔ سب کے سب ختم کر دیئے گئے۔ یاد رہے انہیں یہ سزا اس وجہ سے دی گئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کے بجائے ناشکری کی اور طاعت کے بجائے گناہ کئے۔ آگے فرمایا۔ سب تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں۔ کہ اس نے کفار ومشرکین کو تباہ وبرباد کر دیا۔ چونکہ کفار اور بدکردار لوگوں کی تباہی سے دنیا والوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔ جو ان کے گندے اعمال کی وجہ سے پریشان ہوتے تھے۔ اس لئے ان کا خاتمہ بھی نعمت الٰہی سے کم نہیں۔ اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔ خاص کر وہ نعمت جس سے دین کی سربلندی ہو۔ اس لئے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جاتی ہے۔



قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ

فرمادو بھلا بتاؤ تو اگر لے لے اللہ کان تمہارے اور آنکھیں تمہاری اور مہر کر دے اوپر دلوں تمہارے کے تو کوئی اور خدا ہے

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

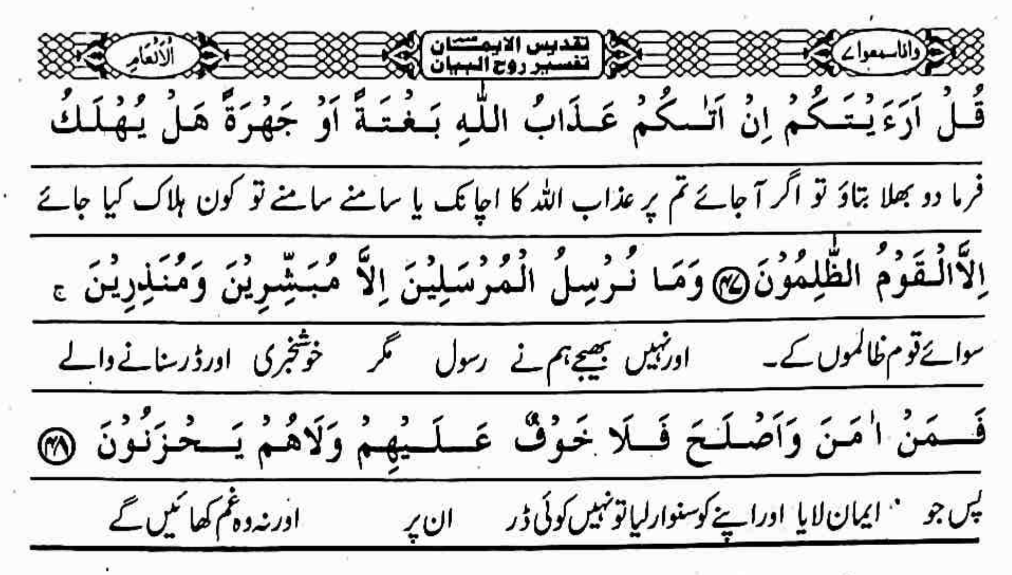
سوائے اللہ کے جو لا دے تمہیں۔ وہ چیزیں دیکھ تو کس رنگ سے ہم بیان کرتے ہیں آیتیں پھر بھی وہ منہ پھیر لیتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۴۵) **حکایت**: حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص نے عرض کی کہ رات کو چور میرے گھر کا سامان لے گئے۔ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر کر کہ کہیں شیطان تیرے دل سے ایمان اور توحید کا سامان چرا کر نہیں لے گیا۔ کیونکہ سامان جانے سے دنیا کا نقصان ہوا۔ ایمان جانے سے آخرت کا نقصان ہوتا۔

(آیت نمبر ۴۶) اے میرے محبوب ان اہل مکہ سے پوچھو۔ کہ اے مشر کو بھلا یہ تو بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان لے لے یعنی تمہیں بہرہ بنا دے اور تم کچھ بھی سن ہی نہ سکو اور تمہاری بینائی لے لے۔ یعنی اندھے ہو جاؤ۔ اور دیکھ ہی نہ سکو اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں پر مہر لگا دے۔ کہ کوئی بات تمہاری سمجھ میں ہی نہ آئے۔ تو پھر کوئی معبود ہے۔ اللہ کے سوا جو تمہیں یہ چیزیں واپس لا دے۔

ظاہر ہے۔ کہ یہ قدرت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں بھی نہیں۔ جب یہ بات محقق ہوگئی۔ کہ ایسی عظیم قدرت والی ذات ایک ہی ہے۔ تو عبادت کے مستحق پھر وہ ہی ہے اور عظمت والی ذات بھی وہی ہے۔ اے محبوب دیکھ تو کیسے ہم پھیر پھیر کر آیات کو بیان کرتے ہیں۔ یعنی بار بار انہیں اپنی آیات دکھاتے ہیں کبھی ترغیب سے کبھی ڈر سنا کر کبھی سابقہ لوگوں کے واقعات سنا کر متنبہ کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ ان آیات سے منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ اور ایمان قبول نہیں کرتے۔

فائدہ: امام حدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں تصریف آیات ان اسباب کو کہا جاتا ہے۔ جنہیں بروئے کار لا کر مطلب کو ایسا واضح کیا جائے کہ اس میں کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہے۔



قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰـكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ

فرما دو بھلا بتاؤ تو اگر آ جائے تم پر عذاب اللہ کا اچانک یا سامنے سامنے تو کون ہلاک کیا جائے

اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ج

سوائے قوم ظالموں کے۔ اورنہیں بھیجے ہم نے رسول مگر خوشخبری اورڈرسنانے والے

فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

پس جو ایمان لایا اوراپنے کوسنوار لیاتونہیں کوئی ڈر ان پر اورنہ وہ غم کھائیں گے

(آیت نمبر۴۷) اے محبوب ان مشرکوں سے فرمادیں۔کہ بھلا کیا تم بتا سکتے ہو۔کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک آجائے یا ظاہر دیکھتے دیکھتے آجائے (مراد ہے) کہ دن کو یارات کو اچانک ہی عذاب آجائے۔

فائدہ: چونکہ اچانک عذاب اکثر رات کو ہی آتا ہے۔اور ظاہر باہر عذاب دن کو آتا ہے۔سورۂ اعراف میں ان دونوں قسم کے عذابوں کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔چونکہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے۔لہذا یہاں اجمالی ذکر ہے اور وہاں تفصیل ہے۔آگے فرمایا نہیں ہلاک ہوتی مگر ظالم قوم یعنی مذکورہ اس قسم کا عذاب اگر آجائے۔تو پھر ظالم قوم کو تباہ وبرباد کر کے جاتا ہے۔تو یہ مشرکین سے پوچھا جارہا ہے کہ تم یہ بتاؤ کہ تم پر اگر یہ عذاب دن یارات کو آجائے۔تو تمہارا کیا حال ہوگا۔کیا پھر بھی تم بتوں کو پکارو گے۔

(آیت نمبر۴۸) اور نہیں بھیجتے ہم اپنے رسولوں کو مگر اس لئے کہ وہ اپنی قوموں کو خوش خبریں سنائیں۔اور انہیں عذاب کا ڈر سنائیں۔یعنی یہاں رسولوں کے تشریف لانے کی علت اور غرض وغایت کو بیان کیا گیا ہے۔کہ وہ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی آیات سنائیں۔ان کی غفلت کو دور کریں۔اور اس لئے بھی بھیجا ہے۔کہ جو ان کی طرح طاعت بجالائے۔اسے جنت کی خوشخبری سنائیں۔اور نافرمانوں کو عذاب کا ڈر سنائیں اس لئے فرمایا کہ پھر جو ایمان لائے اور اپنی اصلاح کر کے نیک کام کرے۔انہیں عذاب کا کوئی خوف نہیں۔یعنی نہ انہیں دنیا میں عذاب ہوگا۔اور نہ آخرت میں کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔یعنی ایسی خوشخبری سنائی جائے گی۔کہ پھر انہیں کوئی چیز غمزدہ نہیں کر سکے گی۔

فائدہ: ان مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو واضح فرمایا ہیکہ جو اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کو خوشخبری اور ڈر دے کر قوموں کے پاس بھیجا وہ یہی تھا کہ جاؤ اور اپنی اپنی قوم کو میرے احکامات بتاؤ۔اور انہیں نیک اعمال سکھاؤ۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور وہ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو پہنچے گا ان کو عذاب بہ سبب اس کے جو تھے وہ گناہ کرتے

(آیت نمبر ۴۹) اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ انہیں عذاب پہنچے گا۔ بہ سبب اس کے جو وہ گناہ کیا کرتے تھے۔ یعنی عذاب الٰہی کبھی بلا وجہ نہیں آیا جب بھی عذاب آیا تو وہ گناہوں اور آیات خداوندی کے انکار سے آیا لہذا عذاب سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔

فائدہ: کلمات قدسیہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرمایا۔ پلصراط سے گذرنے تک میرے عذاب سے ڈرتے ہی رہنا۔ (اس لئے کہ معمولی سی غلطی کی وجہ سے کئی سو سال رونا پڑا۔ پھر وہ معاف ہوئی)۔

حکایت: ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ اے میرے خلیل کیا وجہ ہے میں جب بھی دیکھتا ہوں۔ تم غمزدہ سے رہتے ہو۔ عرض کی اے میرے مالک میں کیوں نہ ڈروں تیری بے نیازی کا کیا پتہ کہ آدم علیہ السلام کے ساتھ تیرا اتنا قرب کہ تو نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ پھر اس میں روح پھونکی پھر فرشتوں سے سجدہ بھی کروایا۔ پھر ایک خطا کی وجہ کتنا زمانہ زمین میں رلایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں اے میرے خلیل محبوبوں کی چھوٹی سی خطا بھی بہت بڑی معلوم ہوتی ہے۔

حکایت: مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کے جنگل میں گیا تو وہاں سعدون مجنون کو دیکھا تو میں نے انہیں کہا۔ آپ کا کیا حال ہے تو انہوں نے فرمایا۔ اے مالک اس شخص کا کیا حال ہو سکتا ہے جو صبح و شام ایک لمبے سفر پہ جانا چاہتا ہے۔ لیکن حال یہ ہے کہ نہ اس کے پاس سامان ہے۔ نہ راستے کا توشہ ہے۔ یعنی حاکم اعلیٰ اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے والا ہے۔ پھر بہت زیادہ روئے تو میں نے کہا آپ کیوں اتنا روتے ہیں تو فرمایا خدا کی قسم میں دنیا کی لالچ میں نہیں رو رہا۔ نہ موت کے ڈر سے رو رہا ہوں بلکہ میں تو زندگی کے ان ایام پہ رو رہا ہوں۔ جن میں کوئی نیک کام نہیں کر سکا۔ (اللہ والے جتنی بھی عبادت کرتے۔ وہ اسے کم سے کم ہی سمجھتے تھے)۔

سبق: عقلمند انسان وہی ہے۔ کہ جب اس سے خطا ہو جائے۔ تو وہ جلد از جلد توبہ استغفار کرے۔ تا کہ خداوند جبار و قہار کے عذاب سے بچ جائے۔ اسی لئے مذکورہ آیت میں فرمایا کہ جس نے ایمان لایا۔ اور اپنی اصلاح کر لی۔ اسے ڈر اور غم نہیں۔ **فائدہ**: تین چیزیں نجات کا ذریعہ ہیں:

۱۔ ایمان۔ ۲۔ نیک عمل۔

۳۔ غلطیوں پر پشیمانی دنیا و آخرت میں نجات کا ذریعہ ہیں۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ

فرمادو نہیں میں کہتا تمہیں کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں کہوں تمہیں

اِنِّيْ مَلَكٌ ج اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ط قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى

کہ میں فرشتہ ہوں نہیں ہوں تابع مگر اس کا جو وحی کی جاتی ہے میری طرف فرما دو کیا برابر ہیں اندھے

وَالْبَصِيْرُ ط اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ع ﴿۵۰﴾

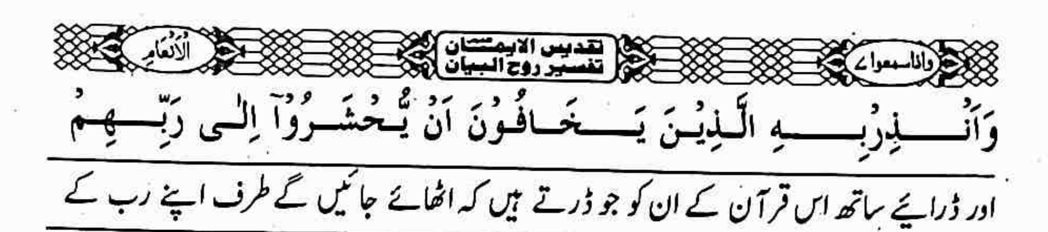
یا انکھیارے کیا پس نہیں تم غور وفکر کرتے

(آیت نمبر۵۰) اے میرے محبوب۔ آپ فرمادیں میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔

فائدہ: یعنی میں نے یہ دعویٰ تو کبھی نہیں کیا۔ کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔ میں جیسے چاہوں خرچ کروں۔ اور تمہارے مطالبات کا سلسلہ بھی لمبا ہے۔ تمہارا ایک مطالبہ پورا ہوتا ہے۔ تو تم دوسرا مطالبہ کر دیتے ہو۔

شان نزول: کفار کبھی کہتے آیات اتار لا کبھی کہتے عذاب لے آ۔ کبھی کہتے یہ پہاڑ سونے کے کر دے۔ کبھی کہتے مکے کے اردگرد نہریں اور باغات لگا دے۔ حالانکہ یہ سوالات نبی کی ذات پر کئے جاسکتے ہی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کو فرمایا کہ آپ انہیں فرمادیں کہ میں نے تو اس قسم کا کوئی کبھی دعویٰ کیا ہی نہیں۔ میں نے کب کہا ہے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔ کہ میں لوگوں کے رزق میں کمی یا زیادتی کروں۔ اور میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا۔ کہ میں غیب جانتا ہوں۔ (کہ تم مجھ سے منڈیوں کے بھاؤ پوچھتے ہو) کبھی پوچھتے ہو۔ کہ قیامت کب آئے گی۔ کبھی پوچھتے ہو۔ کہ عذاب کب آئے گا۔ (یہ سوال تب کرو جب میں نے غیب دانی کا دعویٰ کیا ہو۔) آگے فرمایا۔ کہ میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا۔ کہ میں کوئی فرشتہ ہوں کہ تم مجھ سے خرق عادۃ سوال کرتے ہو۔ کبھی کہتے ہو۔ آسمان پر چڑھ اور کوئی کتاب لا کہ ہم پڑھیں۔ اے کفار مکہ تمہارے ان مطالبات کو کوئی بھی انسان پورا نہیں کرسکتا اور اور نہ ہی تمہارے مطالبات ختم ہوتے ہیں۔ بھلا کس میں ہمت ہے آسمانوں پر چڑھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضور ﷺ نے کفار سے صاف کہہ دیا۔ کہ میں نے مذکورہ تینوں باتوں کا کبھی کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ تم مجھ سے کسی امر کا مطالبہ کرو۔ میں نے اپنی نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں۔ جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور اس میں بھی میری ذات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور وحی میں دو چیزیں اہم ہیں۔ (۱) توحید۔ (۲) اپنے رب کی عبادت



وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ

اور ڈرایئے ساتھ اس قرآن کے ان کو جو ڈرتے ہیں کہ اٹھائے جائیں گے طرف اپنے رب کے

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

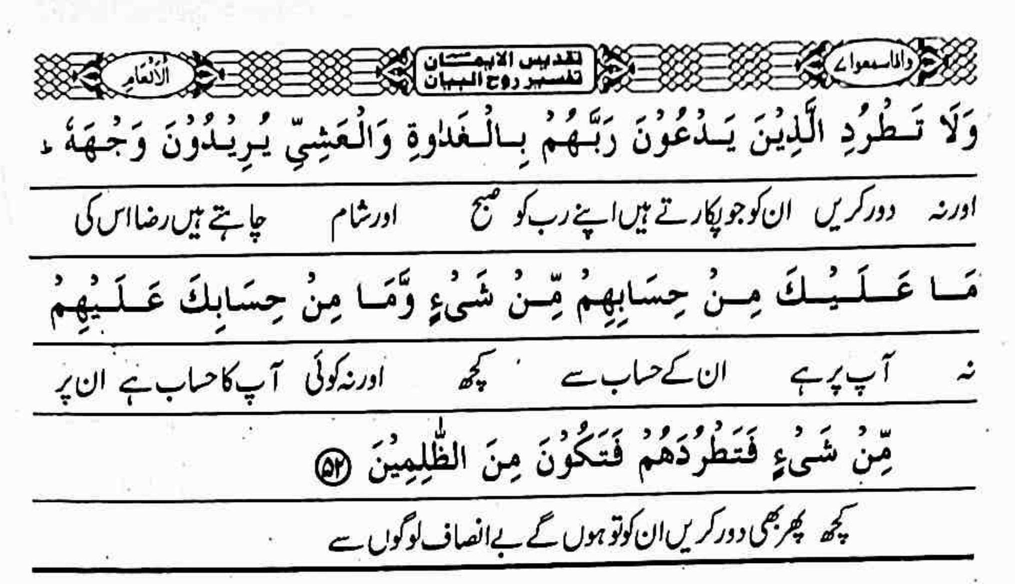
کہ جب نہیں ہوگا ان کا کوئی سوا اللہ کے حمایتی اور نہ کوئی سفارشی شاید کہ وہ متقی ہو جائیں

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) اصل معاملہ یہ ہے۔ چونکہ نبی کریم ﷺ کی یہ گفتگو کفار سے ہے جن کے سوالات ختم ہوتے ہی نہ تھے ورنہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئیں۔ سینکڑوں علوم غیبیہ کی باتیں آپ نے بتائیں اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات مجھ پر کرم کیا تو میں تمام علوم کو جان گیا اور نبی کے معاملے میں فرشتے کی کیا مجال۔ جبریل علیہ السلام نے کہا۔ میں سدرہ سے آگے ذرہ برابر جاؤں تو میرے پر جل جائیں۔ یہ سب راز ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ جانے اور اس کا رسول جانے۔ آگے فرمایا۔ اے محبوب فرمادیں کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں۔ یعنی گمراہ اور ہدایت والا برابر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دہندہ بنا کر بھیجا۔ اور وحی کا اتباع کرنے والا اور وحی کے مخالف کو گمراہ قرار دیا۔ اور جو عمل بھی وحی کے بغیر ہو وہ نابینا کے مشابہ ہے۔ اور جو وحی کے مطابق ہو وہ بینا کے مطابق و موافق ہے۔ اس لئے فرمایا کہ کیا وہ اس میں غور و فکر نہیں کرتے۔ یعنی وہ کلام حق سن کر اس میں فکر کیوں نہیں کرتے۔ تاکہ وہ ہدایت پائیں۔ اور وحی پر عمل پیرا ہو جائیں۔

(آیت نمبر ۵۱) اور ڈرایئے اس وحی کے ذریعے سے ان لوگوں کو جو عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے رب کے پاس اکٹھے کئے جائیں گے۔ کہ جہاں اعمال کا بدلہ دیا جائیگا۔ کہ جہاں کوئی اور رشتہ دار تعلق دار نہ سفارش کر سکے گا۔ نہ فائدہ پہنچا سکے گا۔ ہر انسان کو نفع اس کے ایمان اور عمل سے ملے گا۔

تنبیہ: یہاں شفاعت کی نفی بتوں سے ہے۔ ورنہ باذن اللہ انبیاء و اولیاء بلکہ حفاظ چھوٹے معصوم بچے سب شفاعت کریں گے۔ (شفاعت کا انکار تو قرآن و حدیث کا انکار ہے)۔

فائدہ: ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الذین سے مراد وہ کافر ہیں۔ جو حشر و نشر کے تو قائل ہیں۔ مگر ان کو گھمنڈ ہے۔ کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔ یا بت پرستوں کا خیال تھا۔ کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ اس دن ان کا حمایتی یا سفارشی کوئی نہیں ہوگا۔ جنہیں یہ سفارشی سمجھ رہے ہیں وہ ہرگز سفارشی نہیں ہیں۔ لہٰذا انہیں ڈرایئے شاید کہ وہ بچ جائیں کفر اور شرک سے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔



وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ

اور نہ دور کریں ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں رضا اس کی

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ

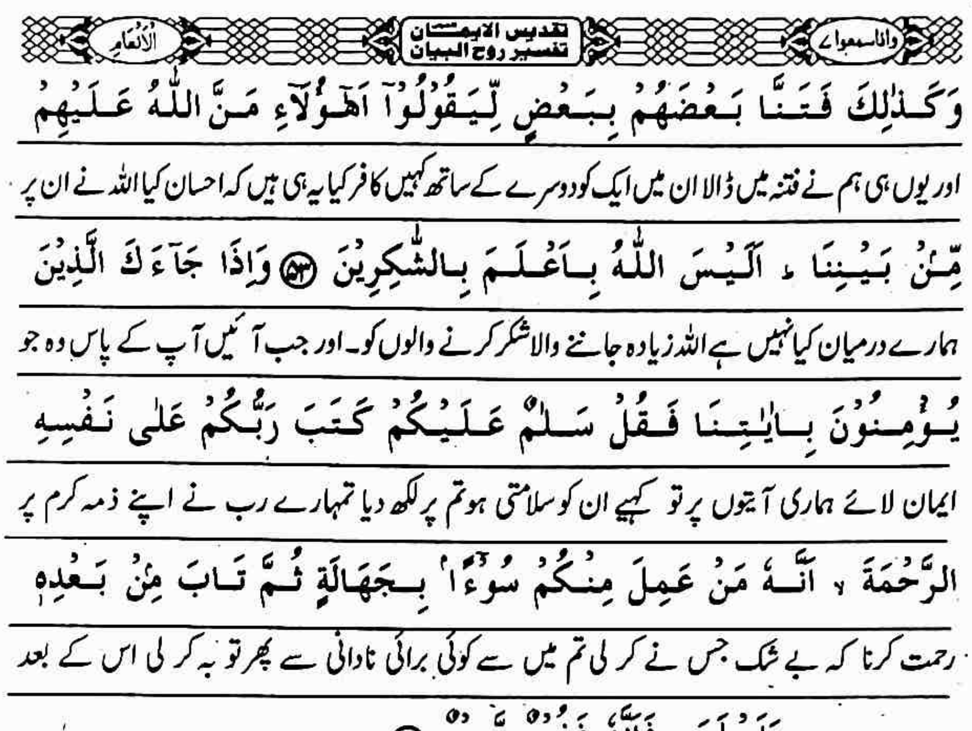
نہ آپ پر ہے ان کے حساب سے کچھ اور نہ کوئی آپ کا حساب ہے ان پر

مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

کچھ پھر بھی دور کریں ان کو تو ہوں گے بے انصاف لوگوں سے

(آیت نمبر۵۲) اور ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کیجئے۔ جو صبح و شام رب کا ذکر کرتے ہیں۔ (یعنی ایمان والوں کو)

شان نزول: حضور ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھنے والوں کی اکثریت تعداد غرباء کی تھی جن کے جسموں پر کپڑے بھی پھٹے پرانے تھے اور وہ غلام بھی تھے۔ ان میں حضرت بلال، صہیب، عمار، خباب رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ قریش کے سرداروں نے حضور ﷺ سے عرض کی۔ کہ جب ہم آئیں تو آپ اگر ان بلال حبشی جیسے غریب لوگوں کو اٹھادیں۔ تا کہ ہم بھی آپ کی مجلس میں آکر وعظ سنیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں تو انہیں کبھی جدا نہیں کرسکتا۔ تو کہنے لگے صرف اتنی دیر کیلئے کہ جتنی دیر ہم وہاں بیٹھیں یا ہم آپ سے گفتگو کریں۔ کیونکہ ہماری شان وشوکت پر اثر پڑتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ جو صبح و شام مجھے یاد کر رہے ہیں۔ انہیں مجلس سے نہ نکالیں۔ اس لئے کہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ آگے فرمایا۔ آپ کا ان پر کوئی حساب نہیں نہ ان کا آپ پر کوئی حساب ہے کچھ بھی۔ چونکہ ان مشرکین نے ان غریبوں سے نفرت کا اظہار بھی کیا۔ اور کہا کہ ان کو صبح و شام کھانا مفت میں مل جاتا ہے۔ انہیں دین وایمان سے کیا واسطہ۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی جواب دیا۔ کہ اگر تم نے انہیں دربار سے ہٹادیا۔ تو تم حد سے تجاوز کرنے والوں سے ہوگے۔ **فائدہ**: ان بے ایمانوں کافروں نے مسلمانون کو صرف غربت کا طعنہ نہیں دیا بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ غریب بھوکے تھے۔ انہیں تمہارے پاس کھانا دانہ مل گیا اور انہیں ننگے بدن ڈھانپنے کیلئے کپڑا مل گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بکواس کا جواب دیا کہ ان کے خوراک ولباس کا حساب میرے ذمہ ہے۔ آپ پر نہیں ہے۔ یہ میرے ہیں۔ انہیں اپنے سے جدا نہ کرنا۔ انہیں ایمان کی توفیق میں نے دی۔ یہ دنیادار ان کے مرتبے کے نہیں۔ لہذا ان کفار کو دور رکھیں اور اپنے غلاموں کو اپنے ساتھ رکھیں۔



وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور یوں ہی ہم نے فتنہ میں ڈالا ان میں ایک کو دوسرے کے ساتھ کہیں کافر کیا یہ ہی ہیں کہ احسان کیا اللہ نے ان پر

مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ

ہمارے درمیان کیا نہیں ہے اللہ زیادہ جاننے والا شکر کرنے والوں کو۔ اور جب آئیں آپ کے پاس وہ جو

يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ

ایمان لائے ہماری آیتوں پر تو کہیے ان کو سلامتی ہو تم پر لکھ دیا تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر

الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

رحمت کرنا کہ بے شک جس نے کر لی تم میں سے کوئی برائی نادانی سے پھر توبہ کر لی اس کے بعد

وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(آیت نمبر ۵۳) اور اسی طرح ہم نے فتنہ میں ڈالا یعنی مال و دولت والے کفار لیڈروں پر مسلمان فقراء کو فضیلت دے کر آزمایا۔ کہ کسی کو مال دیا ایمان نہیں دیا اور کسی کو ایمان ملا اور مال نہیں۔ تاکہ یہ دنیاداران غریب و نادار لوگوں کو دیکھ کر یہ کہیں کیا یہی ہیں۔ کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت دے کر احسان کیا۔ حالانکہ ہم عرب کے سردار اور یہ بالکل نادار ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ اچھی طرح جاننے والا شکر کرنے والوں کو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو تو پتہ ہی ہے کہ کون اس کی نعمتوں کا حق ادا کر رہا ہے۔ اور کون نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کر کے کفر کے گڑھے میں جا رہا ہے۔ یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

(آیت نمبر ۵۴) اے میرے محبوب جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں۔ جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو آپ ان کو کہہ دیں۔ سلامتی ہو تم پر۔ **شانِ نزول:** مروی ہے۔ کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں مسلمانوں سے ایک جماعت حاضر ہوئی۔ اور عرض کی۔ کہ ایسے کلمات بتائیں۔ جو پڑھنے سے ہمارے گناہ معاف ہو جائیں۔ حضور ﷺ ان کی بات سن کر خاموش ہو گئے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ع ﴿۵۵﴾

اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں تا کہ واضح ہو جائے راستہ مجرموں کا

(بقیہ آیت نمبر ۵۴) جب انہیں کوئی جواب نہ ملا۔ تو وہ مایوس سے ہو کر واپس ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب ان غلاموں کو فرمایئے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مصیبت پر سلامتی اور عافیت ہو۔

فائدہ: یہاں سلام بمعنی سلامتی وعافیت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دین وایمان اور جانوں کو سلامت رکھے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس سلامتی میں ہر مومن داخل ہے۔

فائدہ: اصل میں یہ سلامتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اور قیامت کے دن فرشتوں کے ذریعے سے مسلمانوں کو دی جائیگی۔ اور کہا جائے گا۔ "سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین" اور اللہ تعالیٰ بھی سلام عطا فرمائے گا۔ "سلام قولا من رب الرحیم"۔

آگے فرمایا: تمہارے رب کریم نے اپنی ذات پر رحمت کرنا لکھ لیا ہے۔ یعنی سب پر فضل واحسان کرنا اپنی ذات اقدس پر واجب کر لیا ہے۔ حضرت الشیخ فرماتے ہیں۔ کہ کلمہ علیٰ ایجاب کا فائدہ دیتا ہے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ پر تو کوئی امر واجب نہیں۔ یہاں معنی یہ ہوگا۔ کہ وہ اتنا رحیم وکریم ہے۔ کہ اپنا فضل واحسان کرنے میں کسی پر بھی کمی نہیں چھوڑتا۔ آگے فرمایا۔ بے شک تم میں سے جو برے عمل نادانی سے کرے گا۔ کافر تو جاہل ہے ہی۔ مسلمان سے بھی نادانی ہو جاتی ہے۔ تو فرمایا۔ جس سے بھی برائی ہوئی ناسمجھی سے پھر اس کے بعد توبہ کر کے برے عمل سے رجوع کر لیا۔ اور پھر اپنی اصلاح کر کے نیک عمل شروع کر دیا۔ تو پھر بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۵۵) اسی طرح ہم اپنی آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ تا کہ معلوم ہو جائے۔ کہ کون اطاعت والے ہیں۔ اور کون گناہوں پر ڈٹنے والے مجرم ہیں۔ لہذا حق واضح ہو جائے۔ اور مجرموں کا راستہ بھی واضح ہو جائے۔ تا کہ اس سے اجتناب کیا جا سکے۔ **سبق:** عقل والے پر لازم ہے۔ کہ وہ اس راستہ پر چلے جس پر اسے کامیابی اور نجات ملے۔ اگر اللہ والوں کے نقش قدم پر چلے گا۔ تو کامیابی سے اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے گا اور وہاں پہنچے گا جہاں اہل صلاح پہنچے۔ طریقت کی ابتداء توبہ اور استغفار ہے۔ نیز علماء فرماتے ہیں کہ سالک پہلے گناہوں کی برائی کو جانے پھر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا کو اور پھر اپنے آپ کو سمجھائے کہ جب تو چیونٹی کے ڈنگ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور معمولی سی گرمی نہیں برداشت کر سکتا تو جہنم میں آگ کی گرمی اور سانپوں کے ڈسنے کو کیسے برداشت کرے گا۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ

فرمادو بے شک مجھے تو منع کیا گیا کہ میں پوجوں جن کو تم پوجتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے فرمادو نہیں چلوں گا

اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ

تمہاری خواہشات پر تحقیق میں گمراہ ہوا پھر تو اور نہیں رہا میں ہدایت والوں میں۔ فرما دو بے شک میں

عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ

اوپر واضح دلیل کے ہوں اپنے رب کی طرف سے اور تم جھٹلاتے ہو اس کو نہیں ہے میرے پاس جس کو تم جلدی چاہتے ہو

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾

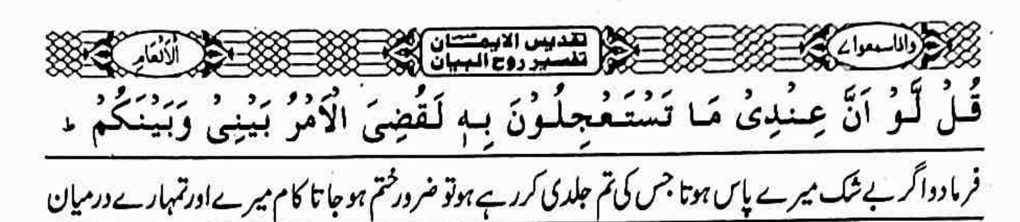
نہیں ہے فیصلہ مگر صرف اللہ کا وہ بیان کرتا ہے حق کو اور وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے

(آیت نمبر ۵۶) اے محبوب فرمادیں۔ کہ مجھے منع کیا گیا ہے۔ کہ میں ان کی پوجا کروں۔ جن کو تم خدا بنا کر پوجتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا۔

شان نزول: کفار مکہ حضور ﷺ کو دعوت دیتے۔ کہ تم ہمارے خداؤں کی پوجا کرو۔ یہ ہمارے آباء واجداد کا دین ہے۔ تم ان خداؤں کو کیوں نہیں پوجتے تو فرمایا۔ کہ یہ جو تم نے معبود بنائے ہیں۔ یہ تو تمہاری اپنی خواہشات کی پیداوار ہیں۔ لہذا میں تمہاری خواہشات کی اتباع نہیں کرسکتا۔ جبکہ میں ہدایت پر ہوں۔ اس کے باوجود اگر میں تمہاری اتباع کرتا ہوں۔ پھر تو میں گمراہ ہوں۔ اور ہدایت یافتہ لوگوں میں نہیں ہوں گا۔

(آیت نمبر ۵۷) اے محبوب آپ فرمادیں۔ میں تو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں۔ "بینة" اس حجت کو کہتے ہیں۔ جو حق و باطل میں تمیز کرے اور بولنے والے کی سچائی پر برہان ہو۔ یہاں اس سے مراد وحی ربانی ہے۔ تو فرمایا کہ تم تو اس حجۃ کو بھی جھٹلا چکے ہو۔ اور اس کے اندر جتنے بھی احکام ہیں۔ تم نے ان سب کو پس پشت کر دیا۔ آگے فرمایا۔ کہ جو تم مجھ سی مانگ رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔

شان نزول: کفار مکہ جلدی عذاب مانگتے تھے۔ اور کہتے کہ جس عذاب کا وعدہ کرتے ہو وہ کب آئے گا۔ یہ وہ مزاح کے طور پر یا الزام کیلئے کہتے تھے۔ بلکہ نضر بن حارث تو کعبہ کی دیوار کے پاس کہنے لگا۔ اگر یہ حق ہے۔ تو ہم پر پتھروں کا عذاب یا کوئی اور عذاب نازل فرمادے۔ اس لئے فرمایا کہ جس عذاب کی تمہیں جلدی ہے۔



قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ

فرمادو اگر بے شک میرے پاس ہوتا جس کی تم جلدی کررہے ہوتو ضرور ختم ہو جاتا کام میرے اور تمہارے درمیان

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو

(آیت نمبر ۵۷) وہ میرے پاس نہیں ہے۔ آگے فرمایا۔ نہیں ہے کسی کا حکم مگر صرف اللہ کا۔ وہ ہی حق بیان کرتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔ یعنی عذاب کی تاخیر بھی حق ہے۔ اور اس کا فیصلہ بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔

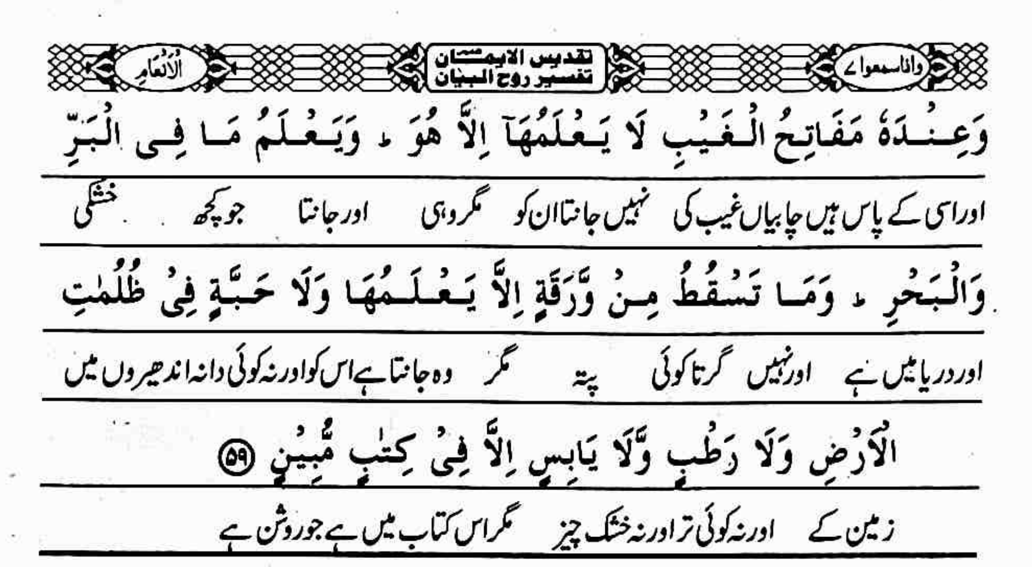
(آیت نمبر ۵۸) فرمادو اگر بے شک میرے پاس یا میری قدرت میں وہ چیز ہوتی۔ جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ تو پھر میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ یعنی تمہارے مانگنے کی دیر ہوتی۔ فوراً تم پر عذاب نازل ہو جاتا۔ پھر تم کو یہ نہ کہنا پڑتا کہ وہ عذاب کب آئیگا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی ان کے تمام حالات اس کے علم میں ہیں۔ انہیں مہلت دینا بھی اس لئے ہے۔ تا کہ خوب گناہ کرلیں پھر انہیں آخرت کے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

تنبیه: بت پرستوں کو دنیا میں مہلت ہو یا نہ ہو۔ آخرت کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔ اسی طرح دنیا اور نفس پرست یا شیطان کے پیچھے چلنے والے بھی عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

سبق: لہٰذا عقل مند پر لازم ہے۔ کہ وہ اپنی خواہشات پر نہ چلے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ کہ اے محبوب "قل لا اتبع اھوائکم"۔ اے محبوب آپ ان کو بتادیں۔ کہ میں تمہاری خواہشات پر نہیں چل سکتا۔

ایک ولی کی کرامت: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں مختلف شہروں کی سیر وسیاحت کررہا تھا۔ کہ ایک مقام پر ایک شیخ کو دیکھا۔ کہ وہ ہوا میں اڑرہا تھا۔ میں نے انہیں دیکھ کر السلام علیکم کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ کہ آپ نے کون سے عمل کی وجہ سے یہ مرتبہ پایا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے ہمیشہ اپنی خواہشات کے خلاف کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو میرے تابع فرمادیا۔ اب میں جہاں چاہتا ہوں اڑ کے چلا جاتا ہوں۔

حکایت: یمن کے ایک فقیہ شیخ ابوالغیث رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کا امتحان لینے کیلئے گئے۔ انہوں نے فقیہ صاحب کو دیکھ کر فرمایا۔ آؤ میرے غلام کے بندے۔ فقیہ صاحب کو بہت سخت غصہ آ گیا۔ اور انہوں نے شیخ سے کہا۔ کہ یہ کلمہ کفریہ ہے۔ جو تم نے مجھے کہا۔



وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

اور اسی کے پاس ہیں چابیاں غیب کی نہیں جانتا ان کو مگر وہی اور جانتا جو کچھ خشکی اور دریا میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہ کوئی دانہ اندھیروں میں زمین کے اور نہ کوئی تر اور نہ خشک چیز مگر اس کتاب میں ہے جو روشن ہے

(بقیہ آیت نمبر ۵۸) یہ کفریہ کلمہ اس لئے ہے۔ کہ انہوں نے اللہ کے بندے کو غلام کا بندہ کہا۔ انہوں نے وہاں سے محمد الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر شکایت کی۔ کہ شیخ ابوالغیث نے مجھے یہ کلمہ کہا ہے۔ وہ یہ مقولہ سن کر ہنس پڑے۔ اور فرمایا۔ کہ شیخ نے سچ فرمایا ہے۔ کہ تم خواہشات نفسانی کے غلام ہو۔ اور خواہشات نفسانی کو شیخ نے اپنا غلام بنایا ہوا ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا۔ کہ تم میرے غلام کے بندے ہو۔

(آیت نمبر ۵۹) اور اسی ذات خداوندی کے پاس ہیں غیب کے خزانوں کی چابیاں۔

فائدہ: غیب کے خزانے کو گویا ایسے سامان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو ایسے مکان میں ہو۔ جس کے دروازوں پر تالے لگا کر خوب مضبوط کیا گیا ہو۔ تا کہ ضائع ہونے سے اسے بچایا جائے۔ پھر اس کے لئے مفاتح کا لفظ استعمال کیا گیا۔ یہ صرف سمجھانے کے لئے ہے (ورنہ اللہ تعالیٰ کو نہ تالوں کی ضرورت نہ چابی کی) مطلب یہ ہے۔ کہ یہ سب غیب کی چیزیں خاص اسی کے پاس ہیں۔ کسی کی بھی وہاں تک کوئی رسائی نہیں ہے۔ تفسیر جلالین کے مطابق وہ مغیبات خمس ہیں۔ (جن کا ذکر سورۂ لقمان کی آخری آیت میں ہے)۔

حدیث شریف: بخاری شریف میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ غیب کے خزانے پانچ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا: (۱) ماں کے رحم میں کیا ہے۔ (۲) کل کوئی کیا کرے گا۔ (۳) بارش کب ہوگی۔ (۴) کون کب کہاں مرے گا۔ (۵) قیامت کب قائم ہوگی۔ ان باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ (بخاری شریف)۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ جانتا ہے۔ جو کچھ خشکی میں ہے۔ اور جو کچھ تری میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے سامنے ہر شیء واضح اور روشن ہے۔ جس طرح اس کا علم ظاہر پر ہے۔ اسی طرح مغیبات پر بھی حاوی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ

اور وہی ذات ہے جو تمہاری روح نکالتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو دن کے وقت پھر

یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ

اٹھاتا ہے تمہیں دن میں تاکہ ہو پوری میعاد مقرر پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے تمہارا پھر

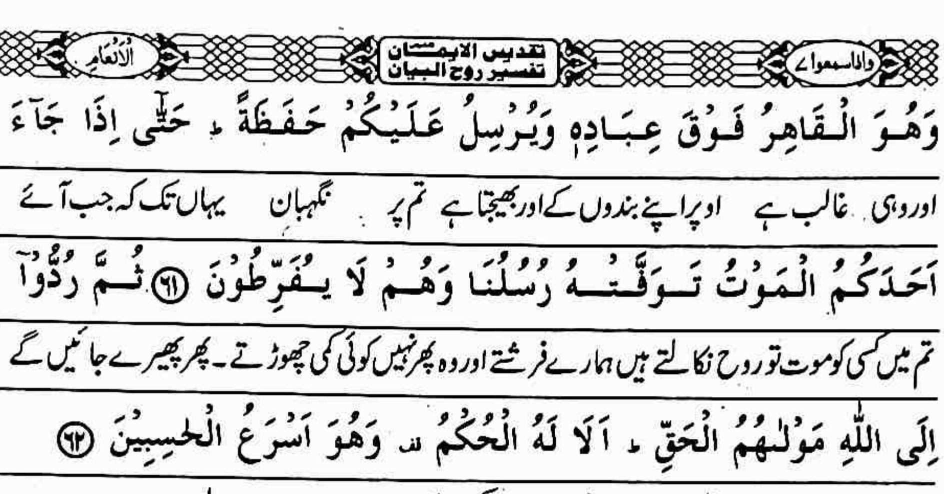
یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ع ﴿۶۰﴾

تمہیں بتائے گا جو جو تم کرتے رہے

(بقیہ آیت نمبر ۵۹) آگے فرمایا۔ کہ کسی درخت سے کوئی پتہ نہیں گرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ یعنی گرنے اور درخت پر رہنے والے سب پتوں کو جانتا ہے۔ اسی طرح کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں جاتا۔ مگر وہ اسے جانتا ہے۔ امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ بیج مراد ہے۔ جو زمین میں گرایا جاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ نہ کوئی تر چیز ہے۔ نہ خشک مگر ان میں سے ہر چیز کو وہ جانتا ہے۔ **فائدہ:** امام حدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ خشک وتر سے مراد وہ تمام اشیاء ہیں۔ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔ ان تمام اشیاء کو کتاب مبین (لوح محفوظ) میں درج کر دیا گیا ہے۔
فائدہ: لوح محفوظ کا علم اللہ تعالیٰ کی یادداشت رکھنے کیلئے نہیں ہے۔ (معاذ اللہ) بلکہ یہ فرشتوں کیلئے ہے۔ کہ جن کا علم محدود ہے۔ تاکہ وہ اسے پڑھ کر اپنے علم ویقین میں اضافہ کر سکیں۔ یا حوادث میں وہ اسے لوح محفوظ کے مطابق پائیں۔

(آیت نمبر ۶۰) اور وہ ذات ہے۔ جو رات کو تمہاری روح نکالتا ہے۔ **فائدہ:** یعنی رات کے وقت نیند جو مردہ کی طرح بے حس کر دیتی ہے وہ مراد ہے۔ خواہ مسلمان ہو یا کافر سب پر یہ طاری ہوتی ہے۔

تشریح: حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ نیند میں روح تو نکل جاتی ہے۔ لیکن اس کی روشنی کا تعلق جسم کے ساتھ پورا پورا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ نیند میں خوابیں دیکھتا ہے۔ جب وہ جاگتا ہے۔ تو فوراً روح جسم میں آجاتی ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے۔ جو کچھ تم دن میں کرتے ہو۔ یا عموماً عادت کا بیان ہے۔ رات کو سونے کی عادت اور دن کے وقت کام کاج کرنے کی عادت ہے۔ آگے فرمایا پھر وہ تمہیں اسی میں اٹھاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احسانات جتائے جا رہے ہیں۔ کہ انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس پر کس قدر احسانات ہیں کہ نیند جیسی نعمت عطا کر کے بدن کو آرام دیا۔ اور دن کے وقت بیدار فرما کر کام کی ہمت عطا فرمائی۔ پھر یہ رات اور دن چلانے کا مقصد یہ ہے۔ کہ موت کی میعاد زندگی کو پورا کر سکے۔



وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ

اور وہی غالب ہے اوپر اپنے بندوں کے اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آئے

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا

تم میں کسی کو موت تو روح نکالتے ہیں ہمارے فرشتے اور وہ پھر نہیں کوئی کمی چھوڑتے۔ پھر پھیرے جائیں گے

اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

طرف اللہ کے جو ان کا مولیٰ ہے سچا خبردار اسی کا حکم چلے گا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۶۰) اجل سے مراد زندگی کا آخری وقت ہے۔ آگے فرمایا کہ پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ جو جو تم زندگی کے دن رات میں کام کرتے رہے ہو۔ تا کہ تمہیں اس پر جزاء وسزاء دی جائے۔ اچھے عمل پر اچھی جزاء یعنی جنت اور برے عمل پر بری سزا یعنی دوزخ میں ڈالا جائے۔

(آیت نمبر۶۱) اور وہ ذات زبردست ہے اپنے بندوں پر۔ یعنی اسے ہر طرح کا تصرف حاصل ہے۔ اور وہ تم پر نگران بھیجتا ہے۔ یعنی وہ فرشتے جو بندوں کے اعمال لکھتے اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ **نکتہ**: کراماً کاتبین مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے۔ تا کہ بندے ہوشیار رہیں کہ میرے اعمال تو لکھے جا رہے ہیں۔ لہٰذا وہ گناہوں سے باز رہے اور اچھے اچھے عمل کرے۔

کراماً کاتبین: میں ایک آدمی کے دائیں کندھے پر نیکیاں لکھنے اور دوسرا بائیں کندھے پر برائیاں لکھنے کیلئے مقرر کئے گئے ہیں۔ دو فرشتے دن کے وقت اور دو رات کے وقت ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ ان دو کے علاوہ بھی انسان کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں جو بندے کی حفاظت بلاؤں وغیرہ سے کرتے ہیں۔ آگے فرمایا یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی پر موت آجائے۔ یعنی تمہاری زندگی کی آخری گھڑیاں آجاتی ہیں۔ تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جان نکالتے ہیں۔ جن کے ذمے بندوں کی موت ہوتی ہے۔ وہ ان فرشتوں کے علاوہ ہیں۔ یعنی ملک الموت اور ان کے معاونین فرشتے جب موت والے فرشتے آتے ہیں۔ تو کراماً کاتبین کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر روح قبض کرنے والے فرشتے کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ ڈیوٹی جو ان کے سپرد کی جاتی ہے اسے کما حقہ ادا کرتے ہیں۔ پھر وہ پھرائے جائیں گے طرف اللہ تعالیٰ کے جو ان کا مالک ہے سچا۔ یعنی قبروں سے نکلنے کے بعد فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جائیں گے۔ جہاں ان کا فیصلہ کیا جائیگا۔ جہاں تمام انسانوں کے ٹھیک ٹھیک فیصلے کئے جائیں گے اور حساب میں کوئی دیر نہیں لگے گی کہ سب مخلوق کا حساب ہو جائیگا۔ کیونکہ حساب لینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے کسی کام میں دیر نہیں۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ

فرمادو کون نجات دیتا ہے تمہیں اندھیروں سے خشکی اور دریا میں پھر تم اسی کو پکارتے ہو گڑگڑا کر اور بہت آہستہ

لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ

البتہ اگر اس نے نجات دی ہمیں اس سے تو ضرور ہم ہونگے شکر کرنے والوں سے۔ فرمادو اللہ ہی نجات دیتا ہے

مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

تمہیں اس سے اور ہر قسم کی بے چینی سے پھر بھی تم شرک کرتے ہو

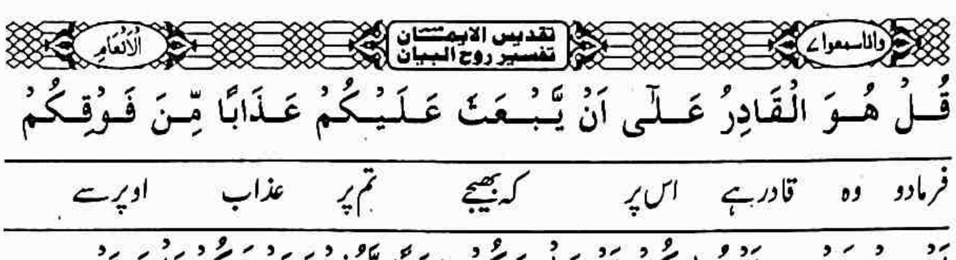
(آیت نمبر ۶۲) **فائدہ** : اس لئے کہ کفار و مشرکین کا تو حساب ہوگا ہی نہیں وہ تو جاتے ہی سیدھے جہنم میں ڈالے دیئے جائیں گے جیسے مسلمانوں میں بھی بہت بڑی تعداد بغیر حساب کے جنت میں داخل کردی جائیگی۔

سبق : عقل والے پر لازم ہے کہ وہ اس سخت حساب سے پہلے اپنا محاسبہ کرلے۔

شان بی بی فاطمہ علیہا السلام: مروی ہے کہ ان کی روح اللہ تعالیٰ نے خود نکالی ہے۔ ان کے علاوہ سب کی روح عزرائیل علیہ السلام نکالتے ہیں اور ملک الموت کے سامنے پوری زمین ایک تھال کی مانند ہے۔ جس کی روح نکالنا چاہتے کسی تکلیف کے بغیر ہی وہ ہاتھ ڈال کر اٹھا لیتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ پھر وہ پھیرے جائیں گے طرف حق تعالیٰ کے۔ جو حساب و کتاب کی جگہ ہے۔ وہی سب کا مالک و مولیٰ برحق ہے۔

(آیت نمبر ۶۳) اے محبوب ان اہل مکہ سے پوچھو۔ کہ خشکی اور دریاؤں کے اندھیروں میں کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے۔ یہاں ظلمات سے مراد مشقتوں سے نکالنا ہے۔ یعنی جب تم سخت مشکلات میں پھنس جاتے ہو تو اس وقت تو تم صرف اسی کو پکارتے ہو۔ گڑگڑا کر۔ اور چپکے بھی۔ یعنی دھاڑیں مار کر اور عجز انکساری سے بھی۔ کہ اب کی بار ہم اس مصیبت سے نجات پاگئے تو ضرور ہم شکر کرنے والوں سے ہو جائیں گے۔ یعنی اللہ کے حقوق پورے کریں گے۔ اور اس کے تمام احکام بھی پورے کریں گے۔ کوئی شرک وغیرہ نہیں کریں گے۔

(آیت نمبر ۶۴) اے محبوب ان کو بتا دیجئے وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں بحر و بر کے اندھیروں سے کیا بلکہ وہ ہر غم سے نجات دیتا ہے۔ کرب اصل میں انتہائی سخت غم کو کہا جاتا ہے۔ جس سے دل سخت رنجیدہ ہو۔ تو فرمایا اس کے نجات دینے کے باوجود تم پھر بھی شرک سے باز نہیں آتے۔ پھر بھی تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر نہ کرنا بھی شرک میں داخل ہے۔ یا مشکلات اللہ تعالیٰ نے دور کیں اور تم لوگوں کا شکریہ ادا کرو۔



قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ

فرمادو وہ قادر ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے

اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ

یا نیچے سے تمہارے پاؤں کے یا تمہیں شبہات میں کئی گروہ بنادے تاکہ چکھائیں بعض اپنی سختی بعض کو

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

دیکھ کیسے ہم پھیر پھیر کر آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں

(آیت نمبر ۶۵) اے محبوب فرمادیں۔ وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہی قادر ہے۔ کہ وہ تمہارے شرک کی وجہ سے تم پر عذاب نازل کرنے پر بھی قادر ہے خواہ تمہارے اوپر سے جیسے طوفان نوح آیا۔ یا ہاتھی والوں پر پتھر برسے یا قوم لوط پر پتھر برسے اور وہ نیست و نابود ہو گئے اور خواہ پاؤں کے نیچے سے جیسے فرعونی غرق ہوئے۔ یا قارون زمین میں دھنس گیا۔ یا اوپری مراد ان کے برے بادشاہ اور حاکم نیچے والوں سے مراد ان کے ماتحت لوگ جو برے اعمال کرتے تھے۔ ان پر عذاب بھیجے یا تمہیں مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ تاکہ تم آپس میں ہی لڑلڑ کر مرکھپ جاؤ۔ یا تم خود ہی ایک دوسرے سے جنگیں کرکے نبرد آزما رہو۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پروردگار سے تین سوال کئے۔ دو منظور ہوئے۔ اور ایک منظور نہیں ہوا (مسلم شریف: ۶:۲۷۵)

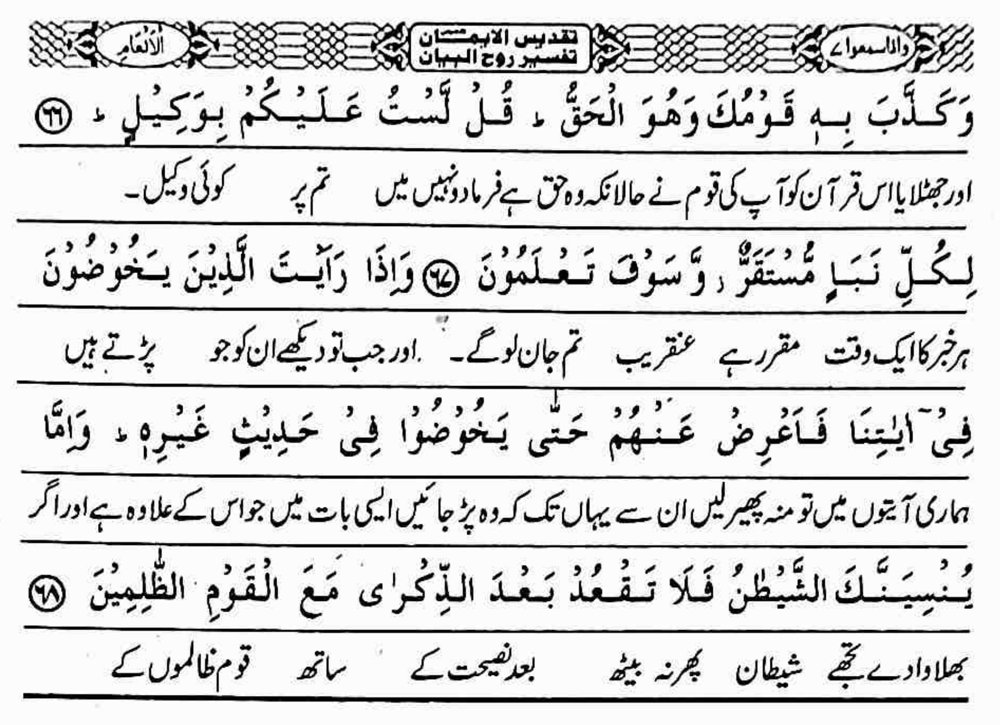
۱۔ میری امت قحط سالی سے ختم نہ ہو۔

۲۔ ایک دم ہی کسی عذاب میں غرق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں باتیں منظور فرمالیں۔

۳۔ تیسری بات یہ عرض کی کہ ان کی آپس میں خانہ جنگی نہ ہو۔ یہ بات منظور نہ ہوئی۔

البتہ ایک اور حدیث میں فرمایا۔ کہ میری امت طاعون میں بہت زیادہ مرے گی۔ اسی حدیث کے آخر میں ہے۔ کہ جب میری امت کی آپس میں تلوار اٹھے گی پھر واپس نہیں ہوگی۔

آگے فرمایا۔ اے محبوب دیکھ تو سہی کیسے ہم پھیر پھیر کے آیات کو بیان کررہے ہیں۔ کبھی وعدے کبھی وعیدوں کا ذکر کرتے ہیں اور ان کو مختلف وجوہ سے بیان کیا تاکہ یہ لوگ سمجھ سکیں۔ یعنی وہ اپنا تکبر و عناد چھوڑ کر دین و ایمان کی طرف آجائیں۔



وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۭ ﴿٦٦﴾

اور جھٹلایا اس قرآن کو آپ کی قوم نے حالانکہ وہ حق ہے فرمادو نہیں میں تم پر کوئی وکیل۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ

ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے عنقریب تم جان لوگے۔ اور جب تو دیکھے ان کو جو پڑتے ہیں

فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا

ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لیں ان سے یہاں تک کہ وہ پڑ جائیں ایسی بات میں جو اس کے علاوہ ہے اور اگر

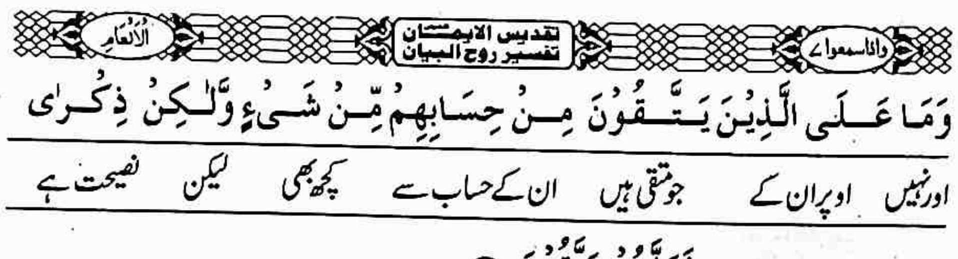
يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾

بھلا وادے تجھے شیطان پھر نہ بیٹھ بعد نصیحت کے ساتھ قوم ظالموں کے

(آیت نمبر ٦٦) اور اس قرآن کو آپ کی قوم نے جھٹلا دیا حالانکہ وہ برحق ہے۔ اے محبوب آپ فرما دیں۔ کہ میں تم پر کوئی محافظ بن کر تو نہیں آیا۔ کہ میں تمہیں زبردستی تکذیب سے روکوں اور ماننے پر تمہیں مجبور کروں۔ میرا کام تمہیں عذاب الٰہی سے ڈرانا تھا۔ وہ میں نے کر دیا۔ اور میں نے تمہیں تمام خبروں سے آگاہ کر دیا۔

(آیت نمبر ٦٧) اور ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے۔ عنقریب تم خود ہی جان جاؤ گے۔ دنیا میں یا آخرت میں۔ یعنی جو جو اطلاعات تم تک پہنچیں۔ ان تمام کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئیگا۔ پھر ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ٦٨) اور جب تم دیکھو کہ وہ لوگ ہماری آیتوں میں طعن و تشنیع کرنے میں لگ گئے ہیں۔ جیسا کہ قریش کا طریقہ تھا۔ کہ آیات قرآنی میں تمسخر کرتے اور تکذیب کرتے تھے۔ تو اے محبوب ان سے منہ پھیر لیجئے۔ یعنی جب وہ طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ تو آپ اس وقت ان سے دور ہو جائیے۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ اور اگر شیطان بھلا دے۔ یعنی ان کی مجلس میں شیطان کے بھلاوے کی وجہ سے بیٹھے ہی رہے۔ اٹھ کے جانا یاد نہ رہا۔ تو جب بھی یاد آ جائے۔ تو اس نصیحت کے مل جانے کے بعد ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھیں۔ جن ظالموں نے تصدیق کے بجائے تکذیب کی۔ **ازالہ وھم:** اس سے یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ معاذ اللہ شیطان حضور پر نسیان ڈال دیتا تھا۔ یہاں احتمال کے طور پر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ جیسا عام لوگوں سے وقوع ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے انبیاء کیلئے بھی نسیان کا جواز مانا ہے۔ اور پھر حضور ﷺ کے ساتھ جو شیطان قرین بنایا گیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ وہ حضور ﷺ کو خیر کی باتیں ہی القاء کرتا تھا۔



وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى

اورنہیں اوپران کے جومتقی ہیں ان کے حساب سے کچھ بھی لیکن نصیحت ہے

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾

شاید وہ بچ جائیں

(بقیہ آیت نمبر ۶۸) بخلاف امت کے۔ کہ ان کے شیطان لوگوں کو برائی پر ہی آمادہ کرتے ہیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ مجھے آدم علیہ السلام پر دووجہ سے افضلیت حاصل ہے۔ (۱) میرے ساتھی شیطان کافر کو اللہ تعالیٰ نے مسلمان کردیا۔ وہ (۲) اور میری تمام بیویاں نیکی کے کاموں میں میرے معاون ہیں۔ جبکہ آدم علیہ السلام کو شیطان نے ورغلایا اور بیوی نے بھی دانہ کھانے پر اکسایا۔ اور میرے ساتھ دونوں نے تعاون کیا۔ (بیہقی فی دلائل النبوۃ)

ازالہ وہم: مذکورہ آیت سے یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ شاید حضور ﷺ کفار مکہ کے ساتھ کوئی محفل جماتے تھے۔ یہ بات نہیں تھی بلکہ اصل بات یہ تھی کہ جب مسلمان مسجد حرام میں جاتے۔ تو کفار بھی وہاں ہی ہوتے۔ تو ان خبیثوں کا مشغلہ ہی یہ ہوتا تھا۔ کہ وہ آیات قرآنی پر ٹھٹھہ مزاح اور اس پر طعن وتشنیع کررہے ہوتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ جب کفار اس بے ہودگی میں لگے ہوں۔ تو تم خاموشی کے ساتھ ان کے پاس سے گذر جاؤ۔ اور اگر ایسی باتیں نہ کررہے ہوں تو انہیں وعظ ونصیحت کرنے کیلئے ان کے پاس بیٹھ جایا کرو۔

(آیت نمبر ۶۹) متقی لوگوں پر ان کا کوئی حساب نہیں ہے۔ یعنی جو خالص مومن ہیں۔ جو برے افعال واقوال سے بچتے رہتے ہیں۔ ان پر ان کافروں کے جرائم ومعاصی جو آیات قرآنی کے متعلق وہ تکذیب وطعن وغیرہ کرتے ہیں۔ اس کا انہیں کوئی گناہ نہیں ہے۔ یعنی ان مسلمانوں کے ذمہ لازم ہے۔ کہ وہ ان کافروں کو نصیحت کرتے رہیں۔ اور اپنی ہمت کے مطابق انہیں سمجھائیں۔ تاکہ وہ ان قرآنی آیات پر طعن وتشنیع نہ کریں۔ بلکہ ان کافروں کے سامنے ان کی برائیوں پر کراہت کا اظہار کریں اور نفرت کریں۔ تاکہ وہ کفار قرآنی آیات کی تکذیب اور استہزاء وغیرہ سے بچ جائیں یا تم سے حیاء کرکے یا اس لئے کہ مسلمان اسے برا منائیں گے۔ اسی وجہ سے وہ ایسی بے ہودگی سے باز آجائیں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ

اور چھوڑیئے ان کو جنہوں نے بنایا اپنے دین کو کھیل اور تماشا اور دھوکے میں رکھا ان کو زندگی دنیا نے اور نصیحت کریں کہ

تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ

کہیں ہلاکت میں نہ پڑے کوئی جان بوجہ اس کے جو کیا پھر نہیں ہے اس کا سوائے اللہ کے کوئی حمایتی اور نہ سفارشی

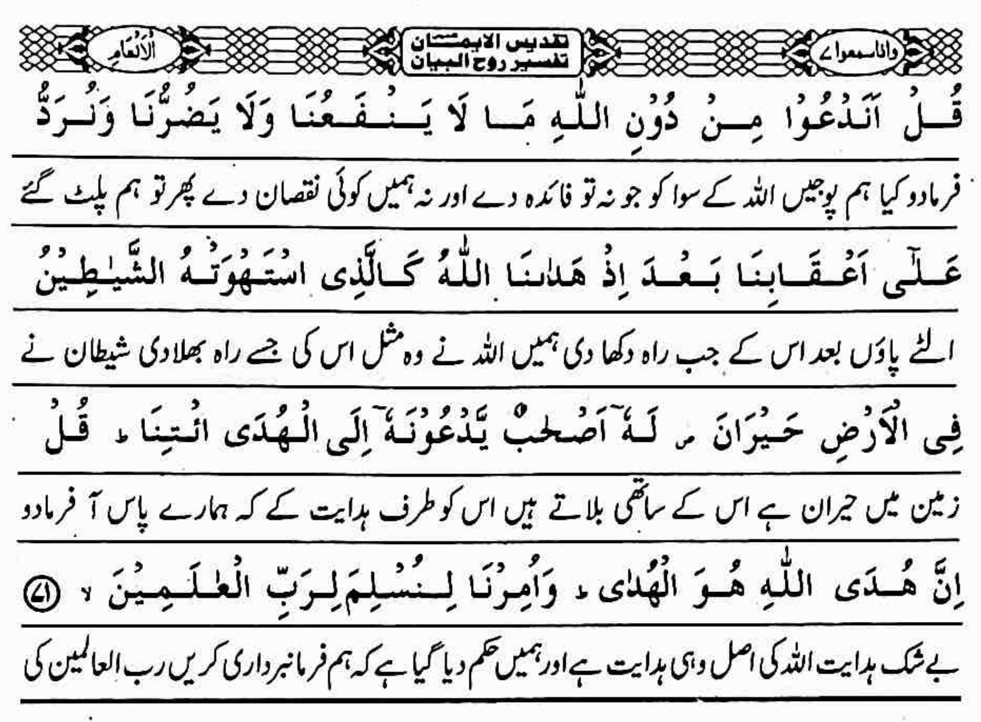
وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا

اور اگر (جان کے عوض) سب کچھ بدلے دیگا بھی تو نہیں لیا جائیگا اس سے۔ وہی ہیں جو اوندھے ڈالے جائیں گے بوجہ اس جو

كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

کیا انہوں نے ان کا پینا کھولتا پانی ہے اور عذاب دردناک بوجہ اس کے جو تھے کفر کرتے۔

(آیت نمبر ۷۰) اور ان لوگوں کو جو قرآنی آیات سے ٹھٹھہ مزاخ کرتے ہیں۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ یعنی جنہوں نے دین اسلام کو کھیل تماشہ بنایا۔ اس لئے کہ انہیں دنیا کی اس زندگی نے دھوکے میں رکھا ہے۔ وہ اس کے نقش ونگار پر ہی خوش ہیں۔ وہ تو یہی سمجھے ہوئے ہیں۔ کہ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہے۔ لہذا اے محبوب آپ ان کے معاشرت اور میل جول کرنے سے بالکل الگ ہو جائیں۔ البتہ آپ جس کو نصیحت قبول کرنے کا اہل سمجھتے ہیں۔ صرف اسی کو نصیحت کیجئے اس سے پہلے۔ کہ وہ ہلاکت یا رسوائی کے گڑھے میں جائے۔ بسل اور ابسال اصل میں روکنے کو کہتے ہیں۔ اس وجہ سے اسے ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنے کیلئے استعمال کرنے کو جائز سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ کسی کو ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنا منع ہے۔ لہذا جب کوئی ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلا گیا۔ اس نے اسے ہلاکت و بربادی سے دھکیلے ہوئے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مراد یہ ہے کہ ہر کافر کا نفس برائیوں کی وجہ سے ہلاکت کی طرف جب دھکیلا جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا۔ نہ سفارشی۔ یہ نفس کا حال بیان کیا گیا۔ اس لئے اس سے مراد کافر ہے۔ کہ جس کا اللہ کے سوا کوئی حمایتی یا مددگار نہ ہوگا لیکن مسلمان کے حمایتی ہونگے۔ آگے فرمایا کہ اگر چہ وہ نفس عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے پوری دنیا کی دولت بھی فدیہ کے طور پر دے تب بھی اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ عدل سے مراد وہ مال و دولت ہے۔ جو فدیہ کے طور پر دیا جائے اور (یاخذ) بھی (یقبل) کے معنی میں ہوگا مراد یہ ہے کہ کافر کے بچ نکلنے کا کوئی دروازہ نہیں اور اس کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔



قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ

فرمادو کیا ہم پوجیں اللہ کے سوا کو جو نہ تو فائدہ دے اور نہ ہمیں کوئی نقصان دے پھر تو ہم پلٹ گئے

عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ

الٹے پاؤں بعد اس کے جب راہ دکھا دی ہمیں اللہ نے وہ مثل اس کی جسے راہ بھلادی شیطان نے

فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ

زمین میں حیران ہے اس کے ساتھی بلاتے ہیں اس کو طرف ہدایت کے کہ ہمارے پاس آ فرمادو

اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ﴿۷۱﴾

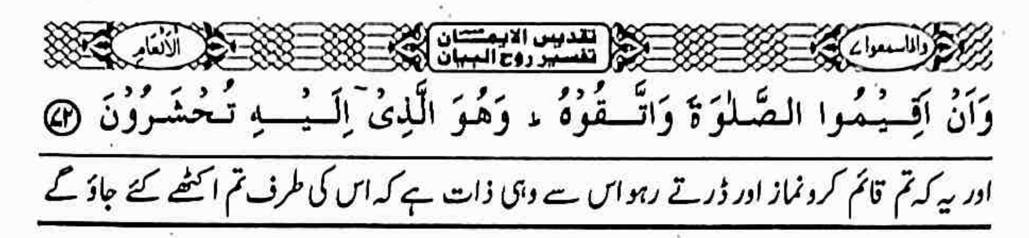
بے شک ہدایت اللہ کی اصل وہی ہدایت ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم فرمانبرداری کریں رب العالمین کی

(بقیہ آیت نمبر ۷۰) **درس عبرت:** کافر ایسا بے عقل ہے۔ کہ گناہ سے اسے کوئی ڈر نہیں ہوتا آخرت کی اسے کوئی فکر نہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو دین کو ٹھٹھہ مزاخ بناتے ہیں۔ اور دنیا میں ہی منہمک ہیں۔ انہوں نے خود اپنے آپ کو عذاب میں دھکیلا یعنی بوجہ غلط عقائد اور برے اعمال کے جو بھی انہوں نے کئے۔ لہذا ان کے برے اعمال کی بناء پر انہیں پینے کیلئے جہنم سے کھولتا ہوا سخت گرم پانی دیا جائے گا۔ کہ جس کو پیتے ہی پیٹ کی آنتیں کٹ کر باہر آ جائیں گی۔ اور ان کو کہا جائے گا۔ یہ اس کفر کا سبب ہے۔ کہ دنیا میں تم جس کفر پر ہمیشہ ڈٹے رہے۔

فائدہ: آیات قرآنی سے ٹھٹھہ مخول کفر ہے۔ اور اس کی سزا دردناک عذاب ہے۔

مسئلہ: گناہوں پر ڈٹے رہنا بھی کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ معاف کرے۔

(آیت نمبر ۷۱) اے محبوب فرمادو۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی پوجا کریں۔ جو نہ ہمیں نفع دیں نہ نقصان۔ یعنی اگر ان کی عبادت کی جائے تو نفع نہیں دے سکتے اور نہ کی جائے۔ تو نقصان نہیں دے سکتے۔ (تو پھر ہم اس کی عبادت کیوں نہ کریں) جو بہت بڑی قدرتوں والا اللہ ہے اور نفع نقصان کا مالک ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اے محبوب ان کو بتاؤ اگر ہم ان بتوں کی عبادت کریں۔ پھر تو گویا ہم اپنی ایڑیوں پر الٹ چلے گئے یعنی ہدایت کی بجائے گمراہی کی طرف چلے گئے۔ اور ہم بہت بڑے خسارے میں چلے گئے۔



وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوْہُ ط وَھُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور یہ کہ تم قائم کرو نماز اور ڈرتے رہو اس سے وہی ذات ہے کہ اس کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے

(بقیہ آیت نمبر۷۱) پھر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت بخشی اور شرک سے بچایا۔ یہ تو بالکل اس شخص کی طرح ہے جسے سرکش شیطان (جن) پڑے ہوں۔ اور اسے مخبوط الحواس بنادیں۔ اور وہ سرگرداں پھرتا ہو۔ اور اس کے ساتھی اس راہ سے بھٹکے ہوئے کو سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہوں۔ یعنی ہدایت کیلئے اور کہہ رہے ہوں۔ کہ ہمارے پاس آ جا۔ (لیکن وہ ادھر نہیں آتا)۔

فائدہ: یہاں اللہ تعالیٰ نے مشرک بت پرست کے تین اوصاف بیان فرمائے:

۱۔ سرکش جنوں کے پھندے میں پھنسا ہوا۔ اور ویرانوں میں سرگردان۔

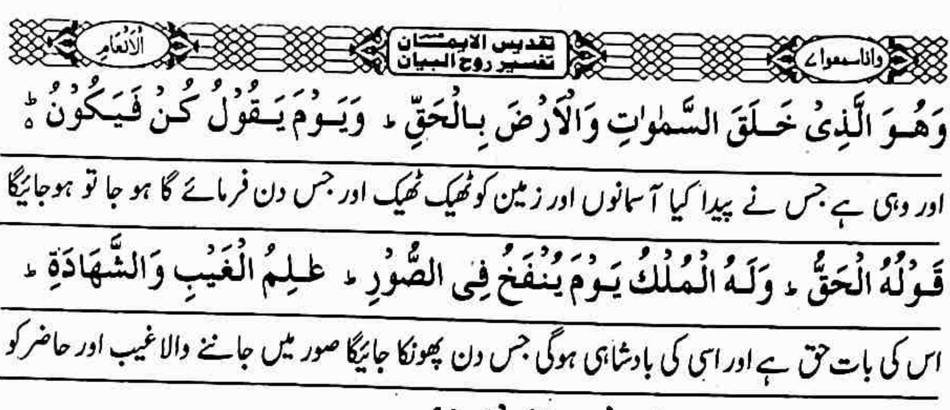
۲۔ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا۔ ادھر ادھر بھٹکنے والا جسے کوئی پتہ نہ ہو کہ کیا کر رہا ہے۔

۳۔ جو ساتھیوں کے بلانے پر بھی ان کی طرف توجہ نہیں دیتا اور نہ شیطان کے چنگل سے نکلتا ہے۔

اے محبوب آپ ان کو صاف بتادیں۔ ہدایت حقیقی وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ اس کے علاوہ تو محض گمراہی ہی گمراہی ہے۔ اور ان کو یہ بھی واضح فرمادیں۔ کہ ہمیں تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ ہم صرف رب العالمین کی بات کو تسلیم کریں۔

(آیت نمبر۷۲) اور یہ کہ نماز قائم کرو۔ اور اس ذات سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ سب عبادتوں میں سردار عبادت نماز ہی ہے۔ خصوصاً جسم سے تعلق رکھنے والی عبادات میں بھی افضل واعلیٰ ہے۔ اور پھر اس عبادت نماز کا بھی سردار عمل تقویٰ ہے۔ جس میں تمام گناہوں کو چھوڑنے اور تمام برے کاموں سے بچنے کا حکم ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ تم اسی ذات کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور کہیں بھی نہیں یعنی بروز قیامت حساب وجزاء کیلئے سب پیش کئے جائیں گے۔ جہاں ہر ایک کو اس کے عمل کے حساب کا بدلہ دیا جائیگا۔ اس جگہ تقوے والے اعلیٰ درجے کے کامیاب لوگ بھی ہوں گے۔ اور عام اہل ایمان بھی ہوں گے۔ تقوے والے عمل سے اور عام مسلمان رب کے فضل سے نجات پائیں گے۔



وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ ؕ۬

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک اور جس دن فرمائے گا ہو جا تو ہوجائیگا

قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ

اس کی بات حق ہے اور اسی کی بادشاہی ہوگی جس دن پھونکا جائیگا صور میں جاننے والا غیب اور حاضر کو

وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۷۳﴾

اور وہ حکمت والا خبردار ہے

(آیت نمبر ۷۳) اور وہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا۔ یعنی اوپر نیچے جو ان کے اندر ہے۔ وہ سب اسی نے حق کے ساتھ بنائے۔ جس دن وہ فرمائے گا۔ ہوجا تو سب ہوجائیگا۔ اس کی بات سچی ہے۔ یعنی اس کا ان تمام اشیاء پر حکم نافذ ہے۔ سب کچھ اس کے ارادے سے متعلق ہے۔ اور اس کی ہی بادشاہی ظاہر ہوجائے گی۔ جس دن صور میں پھونکا جائیگا۔ تو پھر سب کچھ اسی ذات کی ملکیت میں ہوگا۔

صور اسرافیل: حدیث میں ہے۔ زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد صور کو بنا کر اسرافیل علیہ السلام کے ذمہ کر دیا اور وہ اسے منہ میں رکھ کر عرش معلّٰی کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہے ہیں۔ کہ جوں ہی حکم ہوگا۔ تو وہ اس میں پھونک ماریں گے۔ تو ہر ذی روح مر جائیگا۔ **فائدہ** :اس کی آواز اتنی سریلی ہوگی کہ ہر شخص اپنا کان اسی کی طرف لگائے گا۔ آہستہ آہستہ وہ آواز بڑھتی جائے گی۔ وہ اس وقت بند ہوگی جب سب کی روح نکل جائیگی۔ (ابن کثیر۔ والطبرانی فی المطولات)

نفخ تین ہیں:

۱۔ **نفخ فزع:** اس نفخ کے سننے کے بعد سب لوگ گھبرا جائیں گے۔ اور سب کو یقین ہو جائے۔ کہ اب جلد موت واقع ہوجائیگی۔ اور سب مخلوق فنا ہوجائے گی۔ اور زمین پر کوئی ذی روح باقی نہیں رہے گا۔

۲۔ **نفخ صعق:** سے ایسی سخت کرخت آواز پیدا ہوگی۔ وہ سب مر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا۔ چالیس سال تک یوں ہی سب مرے رہیں گے۔

۳۔ **نفخ ثالث:** اس کے بعد پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہوجائیں گے۔

فائدہ : پچھلے دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا زمانہ گذرے گا اور یہ سب معاملہ لفظ کن سے ہوگا۔ جوں ہی کہا جائیگا "کُنْ" تو سب کچھ ہوجائیگا۔ کیونکہ ہر چیز گویا اس کے ارادے کی منتظر ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ

اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو کیا تو بناتا ہے بتوں کو خدا بے شک میں دیکھتا ہوں تجھے

وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾

اور تیری قوم کو گمراہی کھلی میں

(بقیہ آیت نمبر ۷۳) **موت کے بعد:**

فناء عام کے بعد جب اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرنے کا ارادہ فرمائے گا۔ تو عرش الٰہی سے ایک خاص قسم کی مادہ منویہ کی طرح بارش نازل ہوگی۔ جس سے ساری زمین نرم ہو جائیگی۔ اس کو آب حیات کہا جاتا ہے۔ کئی سال تک وہ پانی برسے گا۔ پھر حکم الٰہی سے تمام جسم انگوری کی طرح زمین سے نکلنا شروع ہو جائیں گے۔ جب تمام جسم زمین سے باہر آجائیں گے۔ تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ حملۃ العرش اور اسرافیل علیہم السلام کو زندہ فرمائیں گے۔ پھر اسرافیل صور میں پھونکیں گے۔ تو ہر روح اپنے اپنے جسم میں پہنچ جائے گی۔ ناک سے داخل ہو کر سارے جسم میں پھیل جائے گی۔ سب سے پہلے قبر مبارک سے حضور ﷺ باہر تشریف لائیں گے۔ پھر باقی انبیاء کرام علیہم السلام اور امتوں میں پہلے حضور ﷺ کی امت پھر باقی امتیں پھر سب لوگ زندہ ہو جائیں گے۔ اور محشر کی دوڑ بھاگ شروع ہو جائے گی۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب غیب و حاضر کو جاننے والا ہے۔ یعنی جو کچھ ہم سے پوشیدہ ہے۔ یا جو جو ہم دیکھ رہے۔ ان سب کو وہ جانتا ہے۔ اور وہ سب کام اپنی حکمت کے تحت کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ہر خفی و جلی سب امور سے باخبر ہے۔ تو بروز قیامت ہر ایک کے حال سے بھی وہ باخبر ہوگا۔ البتہ ہر ایک کے اعمال کا معاملہ الگ ہوگا۔

سبق: اے بندۂ خدا اپنے رب کے حضور میں سر تسلیم خم کر۔ تا کہ تجھے نجات حاصل ہو۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت چلا تا کہ کامیاب ہو۔

(آیت نمبر ۷۴) یاد کر جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اب آزر سے کہا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ پر حجت قائم کرنے کیلئے اس مناظرے کا ذکر چھیڑا۔ اور فرمایا۔ کہ اے میرے محبوب آپ ان اہل مکہ کو یاد کرائیں۔ کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اب آزر سے فرمایا۔ یعنی آپ نے جرات

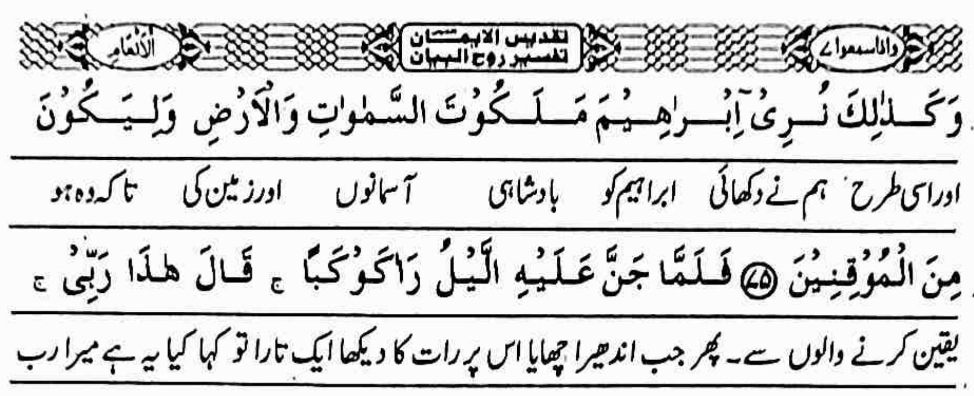
کے ساتھ آزر کو بت پرستی سے روکا۔ یہ ایک طریقہ ہے کہ فریق مخالف کو سوائے تسلیم کے چارہ نہ رہے۔ مشرکین مکہ چونکہ اپنے آپ کو اولا دابراہیم تصور کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طریق سے سمجھایا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام تو بتوں کے خلاف تھے۔ انہوں نے چچا کو بھی فرمایا۔ کہ کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے۔ چونکہ پوری قوم ہی بت تراش اور بت پرست تھی۔ تو فرمایا۔ کہ میں تجھے اور تیری قوم کو دیکھتا ہوں۔ کہ وہ بت پرستی میں پڑ کر بہت بڑے گمراہ ہو چکے ہیں۔

ازالہ وھم : حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد اگر آزر بھی ہو۔ تو حضور ﷺ کے نسب مبارک میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں پاک صلبوں سے پاک رحموں میں آتا رہا۔ یعنی سلسلہ نسب میں ہر ایک کا نکاح رہا۔ درمیان میں کسی سے زنا سرزد نہیں ہوا۔ اس برائی سے اللہ تعالیٰ نے میرے نسب کو محفوظ رکھا۔ (لیکن جمہور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ اور آزر چچا ہے۔ اس پر قرآن پاک سے ہی دلائل موجود ہیں۔ حضور کا ارشاد مبارک ہے۔ آدم علیہ السلام سے لیکر اپنی والدہ آمنہ سلام اللہ علیہا تک میرا نور پاک صلبوں میں رہا۔ ان میں زیادہ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ ان میں اگر کوئی کافر مشرک ہوا۔ تو بھی نسب میں حرج نہیں۔

عجوبہ : بلاغات زمخشری میں ہے۔ کہ دو پلیدوں میں سے ایک پاک چیز پاک ہی رہ کر نکل جائے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید بات نہیں۔ جیسے گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ پاک صاف نکل آتا ہے۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان قدیم ہے۔ کہ وہ زندوں سے مردے اور مردوں سے زندہ پیدا کرسکتا ہے۔ اچھوں کے گھر برے اور بروں کے گھر اچھے پیدا فرماتا ہے۔

آزر کا ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ ہونے کا ثبوت یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا یوں مانگی کہ یا اللہ مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔ ماں باپ مشرک ہوں تو ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگنا منع ہے اور آزر کے متعلق جب ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہوگیا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پکا دشمن ہے تو آپ نے اس کی بخشش کیلئے دعا مانگنا ترک کر دی تو اس دعا (رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد تارخ ہیں۔ آزر نہیں ہے اور یاد رہے۔ لفظ اب قرآن پاک میں والد، چچا، تایا، دادا سب کیلئے استعمال ہوا ہے۔ البتہ والد صرف اپنے باپ کیلئے ہی استعمال ہوا ہے۔ (اضافہ از قاضی)



(آیت نمبر ۷۵) اس طریقے سے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی زمینوں اور آسمانوں کی مملکتیں دکھائیں۔ تا کہ یقینا معلوم ہو۔ کہ حاکم مطلق وہی ہے۔

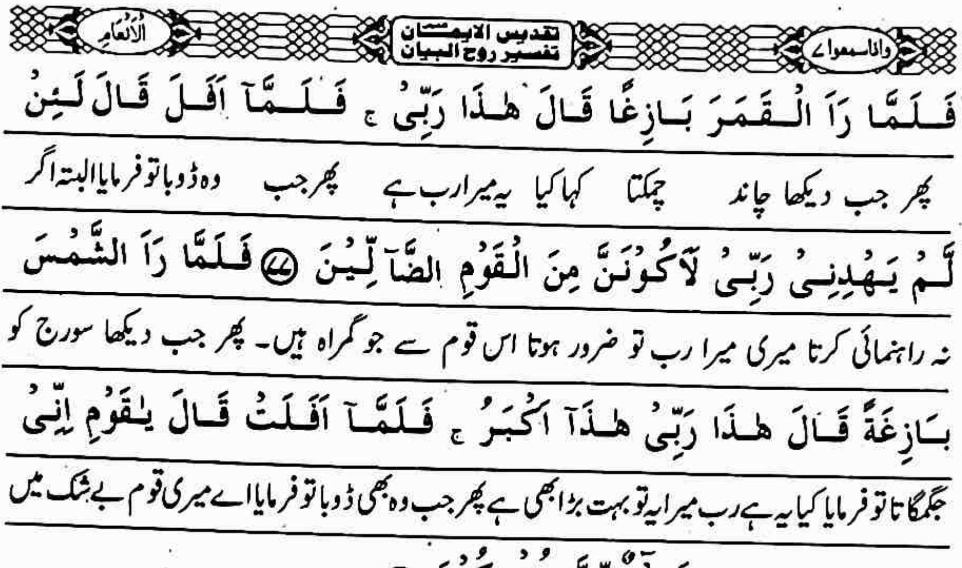
فائدہ: ملک سے مراد وہ جگہ جو ہمیں نظر آ سکتی ہے۔ یعنی آسمان سے نیچے ہواور ہر آدمی اسے دیکھ سکتا ہو۔ اس کی حقیقت سمجھ آئے یا نہ آئے۔ **فائدہ**: اس رویت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے۔

فائدہ: علماء کرام نے ملکوت اور ملک میں یہ فرق بیان کیا ہے۔ ملک وہ ہے۔ جسے آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ اور ملکوت وہ ہے جس کا تعلق ظاہری آنکھ سے نہیں بلکہ اس کا تعلق دل کی آنکھ سے ہے۔ اور اس کا مشاہدہ اصحاب قلوب ہی کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ عقل کا ادراک ناقص ہے۔ (اور قلب کا ادراک کامل ہے)۔ آگے فرمایا۔ کہ اس دکھانے کا مقصد یہ ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام یقین کامل والوں میں ہو جائیں۔ یعنی علم یقین سے عین الیقین اور پھر حق الیقین کے درجے پر فائز ہوں۔

(آیت نمبر ۷۶) پھر جب ان پر رات چھائی۔ تو ایک ستارہ دیکھا۔ یعنی غروب آفتاب کے بعد۔

فائدہ: بعض کا خیال ہے۔ کہ وہ زہرا ستارہ تھا۔ بعض نے کہا وہ مشتری ستارہ تھا۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا۔ کہ کچھ لوگ ستاروں کی کوئی چاند کی اور کوئی سورج کی پوجا کر رہے ہیں۔ تو آپ نے ستارے کو دیکھ کر فرمایا۔ کہ کیا یہ رب ہے۔ پھر جب کچھ دیر بعد وہ ڈوب گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی تبلیغ کا ایک انداز ہے۔ مراد یہ تھی۔ کہ جو ایک حال میں نہیں رہ سکتا۔ وہ رب ہونے کا حق بھی نہیں رکھتا۔ رب وہ ہوتا ہے۔ جو ہمیشہ ایک ہی حال میں رہتا ہے۔



فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ

پھر جب دیکھا چاند چمکتا کہا کیا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ ڈوبا تو فرمایا البتہ اگر

لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ

نہ راہنمائی کرتا میری میرا رب تو ضرور ہوتا اس قوم سے جو گمراہ ہیں۔ پھر جب دیکھا سورج کو

بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ

جگمگاتا تو فرمایا کیا یہ ہے رب میرا یہ تو بہت بڑا بھی ہے پھر جب وہ بھی ڈوبا تو فرمایا اے میری قوم بے شک میں

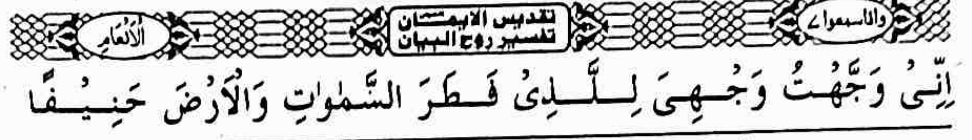
بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو

(آیت نمبر ۷۷) پھر اس کے بعد آپ نے چاند کو دیکھا۔ کہ وہ چمک رہا ہے۔ تو پوچھا۔ کہ کیا یہ میرا رب ہے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی ستارے کی طرح ڈوب گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت عطا نہ فرماتا۔ تو میں بہت بڑے گمراہوں میں ہو جاتا۔ یہ اس قوم کو تعریض کے طور پر فرمایا۔ تا کہ وہ سمجھ جائیں کہ وہ گمراہ ہیں۔

فائدہ: انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کسی پہاڑ کے دامن میں تھے۔ جس کے قریب کوئی بہت بڑا پہاڑ تھا۔ کہ ستارہ چمکا۔ پھر جلد وہ غروب بھی ہو گیا۔ پھر چاند چمکا۔ پھر وہ بھی کچھ ہی دیر بعد غروب ہو گیا۔ کیونکہ کھلی جگہ میں تو اس کا تصور نہیں ہوتا۔ (یا پھر پوری رات مشاہدہ فرماتے رہے۔ اور قوم کی جہالت کو واضح فرماتے رہے)۔ سبحان اللہ آپ کے بالکل ابتدائی عمر کا یہ واقع ہے۔ پوری قوم کو کیسے سمجھا دیا۔

(آیت نمبر ۷۸) پھر جب آپ نے سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا۔ تو فرمایا۔ کہ یہ انتہائی نورانی جسم جو نظر آ رہا ہے۔ کیا یہ میرا رب ہے۔ کہ یہ تو ستارے اور چاند سے بھی بہت بڑا ہے اور بہت روشن بھی ہے۔ اس سے جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول کی گویا تاکید فرمائی ہے۔ جو انہوں نے فرمایا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا۔ تو میں گمراہ ہو جاتا۔ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا۔ تو ابراہیم علیہ السلام کے قوم پر دلائل انتہائی مضبوط اور پختہ ہو گئے۔ لیکن ضدی قوم کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ اب حق واضح ہو گیا اے میری قوم بے شک میں بیزار ہوں ان سے جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔



اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا

بے شک میں اس کی طرف کیا اپنا منہ جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو اسی کا ہوکر

وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ج ﴿۷۹﴾

اور نہیں میں شرک کرنے والوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۸) یعنی یہ بت اور مورتیاں جوتم نے خود بنائیں۔ یعنی جو بننے میں بھی تمہارے محتاج ہیں۔ تم انہیں اللہ تعالیٰ کے برابر کررہے ہو۔ یہ تو تمہاری دماغی حساست ہے کہ تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جواشیاء اپنے وجود کے بننے اور قائم رہنے میں بھی بندوں کے محتاج ہیں وہ خدا کس طرح ہوسکتی ہیں۔

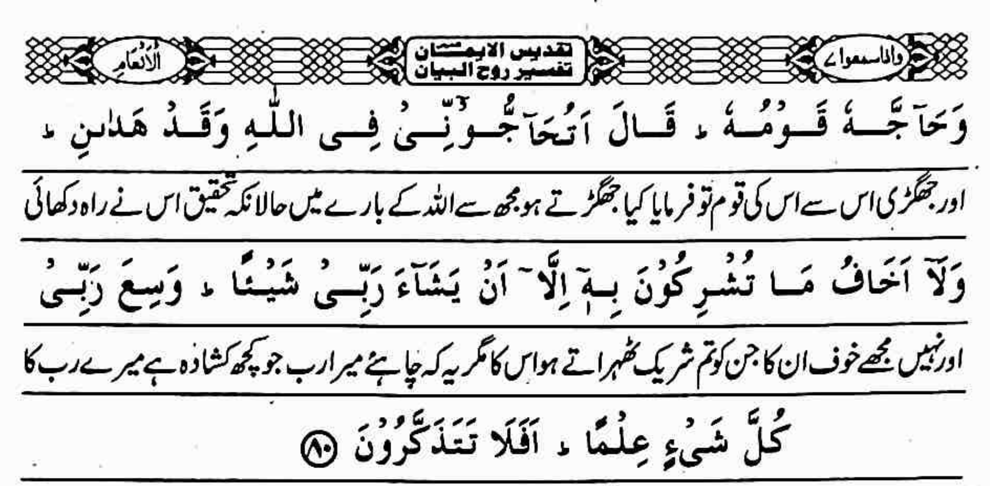
ابراہیمی فیصلہ: لوگوں نے جب آپ سے یہ عقلی دلائل سنے۔ تو آپ سے پوچھنے لگے۔ کہ آپ ان میں سے کسی کو خدا نہیں مانتے۔ تو پھر آپ کس خدا کی پوجا کرتے ہیں۔ تو اس وقت آپ نے فرمایا۔

(آیت نمبر ۷۹) بے شک میں نے اپنے آپ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا۔ یعنی میرا دین واطاعت وعبادت خالص اور صرف اس ذات کیلئے ہے۔ کہ جس نے زمینوں اور آسمانوں کو بنایا۔ یعنی میں تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کی خالص عبادت کروں گا۔ کہ جس نے پوری کائنات کو بنایا۔ اس حال میں کہ میں تمام باطل دینوں اور منگھڑت عقیدوں سے بیزار ہوں۔ اور دین خالص کی پیروی کروں گا۔ اور میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جو شرک کرنے والے ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

> (ترجمہ) سورج تو ہمارے لئے تابع اور مسخر کیا گیا۔ وہ اللہ کے حکم پر چلتا ہے۔ اسے خدا ماننا کتنی بڑے بے وقوفی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور بہ صدق دل سرخم کرو۔ تو ستاروں کی پوجا سے نجات پا جاؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے محرم راز بن جاؤ گے۔ (یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے۔۔۔۔ ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات)۔ (اقبال)

یہ خطاب اس ہستی کا ہے۔ جس کے دل کا آئینہ طبع کے غبار سے بالکل صاف اور نفسانی خواہشات کی ظلمت سے پاک ہے اور اس کا دھیان زمین و آسمان کی کسی چیز وغیرہ کی طرف نہیں ہے جو اپنے رب کی محبت وشوق میں جیسے وہ بالکل اس کے سامنے ہے اور اسی کی ذات مقدسہ میں گم ہے۔



وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ

اور جھگڑی اس سے اس کی قوم تو فرمایا کیا جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ تحقیق اس نے راہ دکھائی

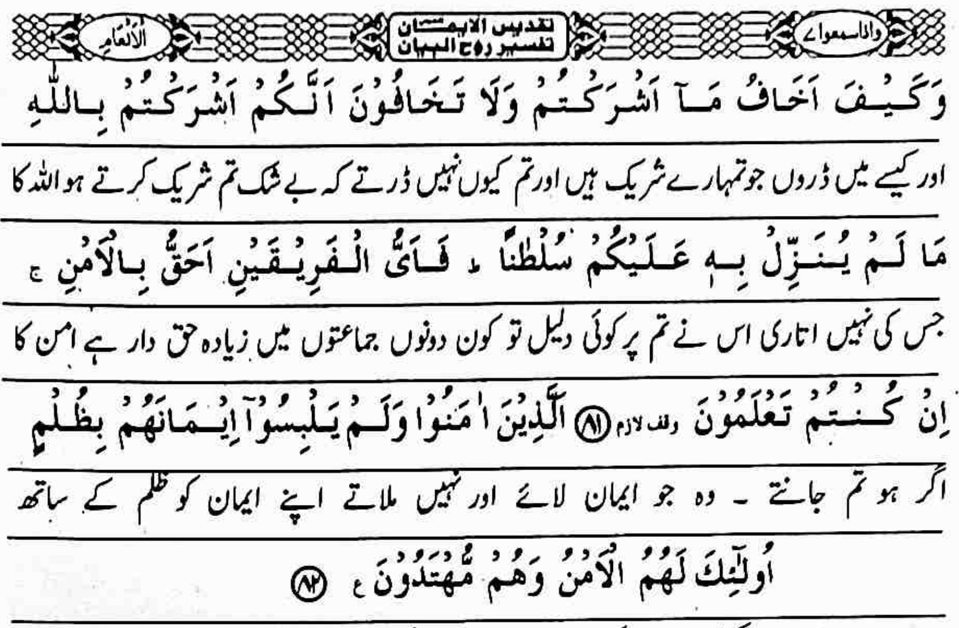
وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ

اور نہیں مجھے خوف ان کا جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اس کا مگر یہ کہ چاہئے میرا رب جو کچھ کشادہ ہے میرے رب کا

كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰

ہر چیز پر علم کیا نہیں تم نصیحت حاصل کرتے

(آیت نمبر ۸۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا۔ دینی امور اور بتوں کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کو ڈرایا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو کہ میں تمہارے منگھڑت خداؤں کو نہیں مانتا۔ اور اللہ وحدہ لاشریک کو مانتا ہوں۔ قوم بمعہ خاندان کے آپ کی سخت مخالف ہوگئی۔ اور بتوں کی ہتک برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور وہ ابراہیم علیہ السلام کو بھی بت پرستی پر آمادہ کرتے تو آپ فرماتے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ اور میں تمہارے کہنے پر گمراہی اختیار کرلوں۔ اور یاد رکھو مجھے ان کا کوئی ڈر نہیں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہرا رہے ہو۔ وہ مجھے کوئی نقصان نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ ان میں یہ سکت ہی نہیں۔ مگر جو میرا رب چاہے۔ یعنی میرا رب مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو وہ اس کی طرف سے ہوگی۔ تمہارے ان باطل معبودوں کی طرف سے نہیں۔ اور میرے رب کا علم ہر چیز پر کشادہ ہے۔ یعنی میرے ہر دکھ تکلیف کو وہ جانتا ہے۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یعنی غور کرو کہ تمہارے بت محض پتھر ہیں۔ جیسے عام پتھر جیسے وہ پتھر جیسے عام پتھر کوئی نفع نقصان نہیں دے سکتے۔ ایسے یہ بھی کوئی نفع نقصان نہیں دے سکتے تم سمجھتے کیوں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم انتہائی وسیع ہے۔ وہ ذرے ذرے کا علم رکھتا ہے۔ نفع ونقصان دینے پر بھی قادر ہے۔ جس نے اتنی بڑی کائنات بنائی اور ہر ایک کو روزی دے رہا ہے۔ اسے تم چھوڑ کر ان نکموں کو خدا مان رہے ہو اور ان کی طرف سے میرے ساتھ لڑ رہے ہو۔ جنہیں میں نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ وہ تمہارا کیا بگاڑتے یا سنوارتے ہوں گے۔ اس لئے اب بھی سمجھ جاؤ اور میری نصیحت کو مان جاؤ تا کہ آخرت کے سخت عذاب سے بچ جاؤ۔



وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ

اور کیسے میں ڈروں جو تمہارے شریک ہیں اور تم کیوں نہیں ڈرتے کہ بے شک تم شریک کرتے ہو اللہ کا

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ

جس کی نہیں اتاری اس نے تم پر کوئی دلیل تو کون دونوں جماعتوں میں زیادہ حق دار ہے امن کا

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۘ وقف لازم ﴿٨١﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

اگر ہو تم جانتے ۔ وہ جو ایمان لائے اور نہیں ملاتے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ

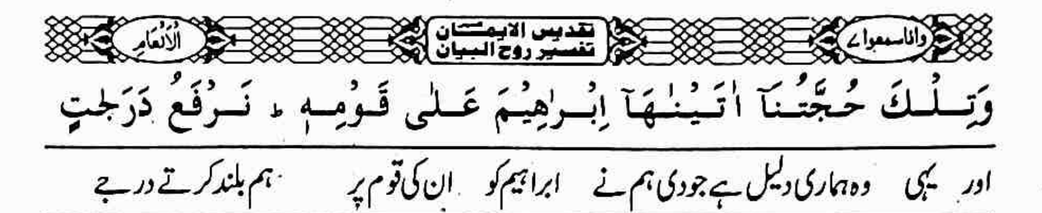
اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ع ﴿٨٢﴾

ان کیلئے ہی امن بھی اور وہی ہدایت والے بھی ہیں

(آیت نمبر۸۱) تمہارے ان معبودان باطلہ سے میں کیسے ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرا رہے ہو۔ یعنی تم حقیقی خدا سے نہیں ڈرتے۔ جو سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔ اور مجھے ان جھوٹے خداؤں سے ڈرا رہے ہو۔ جو کسی کو نفع نقصان نہیں دے سکتے۔ (یعنی تم اصلی خدا سے نہیں ڈرتے اور مجھے نقلی خداؤں سے ڈرا رہے ہو واہ بھی ءواہ) ظالمو تمہیں تو بہت زیادہ ڈرنا چاہئے۔ کہ تم ایک خوف ناک کام کر رہے ہو۔ کہ شرک کرتے ہو۔ جس کی معافی ہی نہیں۔ اور پھر اس کیلئے تم پر کوئی اللہ تعالیٰ نے دلیل بھی نہیں اتاری۔ جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ بتوں کی پوجا کرنی چاہئے اب تم ہی بتاؤ کہ ہم دونوں جماعتوں میں امن کا زیادہ حق دار کون ہے۔

فائدہ: ابوالسعود فرماتے ہیں۔ کہ دو گروہوں میں سے امن کا زیادہ مستحق وہی ہے جو اللہ کو وحدہ لاشریک مانتا ہے۔ اور خوف کے مقام پر وہ ہے جو شرک کرنے والا ہے۔ اگر تم جانو ورنہ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔

(آیت نمبر۸۲) ان دونوں گروہوں میں سے وہ لوگ جو یمان لائے۔ اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کی آمیزش نہیں کی۔ جیسے مشرکوں نے ایمان کے ساتھ شرک کیا۔ اور اللہ پر جھوٹ باندھا کہ اس بت پرستی کا اللہ نے ہمیں حکم دیا۔ اور کہتے کہ یہ بت قیامت کے دن ہماری سفارش کریں گے۔ یہ سب ان کی منگھڑت باتیں تھیں۔ اس لئے وہ خوف کے محل میں ہیں۔ اور جنہوں نے شرک نہیں کیا ان کے لئے امن ہوگا۔ یعنی عذاب سے بچ جائیں گے۔ اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔



وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ

اور یہی وہ ہماری دلیل ہے جو دی ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم پر ہم بلند کرتے درجے

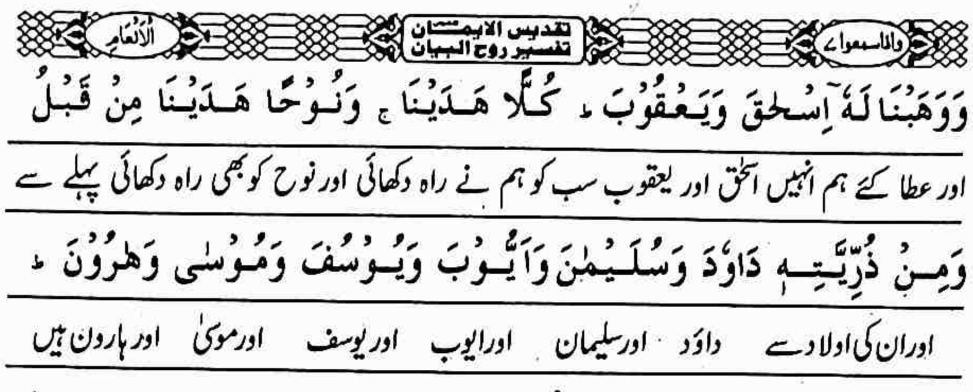
مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

جس کے چاہتے ہیں بے شک آپ کا رب حکمت والا علم والا ہے

(آیت نمبر۸۳) جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے سامنے ستارے۔ چاند اور سورج کے معبود نہ ہونے کیلئے مسکت دلائل دیئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ یہ لاجواب دلیل ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دی۔ یعنی ایسی حجت قائم کرنے کی راہ بری ہم نے کی تھی۔ کہ وہ اس طریقے سے اپنی قوم پر حجت قائم کریں۔ جس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکیں۔ اور ہم ہی درجے بلند کرتے ہیں۔ جس کے چاہتے ہیں۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے مراتب اور درجے اتنے عظیم کئے اور اتنے بلند کئے۔ کہ وہ ہمارے حضور ﷺ کے سوا سب انبیاء کرام علیہم السلام پر سبقت لے گئے۔ بے شک آپ کا رب حکمت والا علم والا ہے۔ **فائدہ**: مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ حجت بالکل اوائل عمر میں قوم کے سامنے پیش کی جب کہ آپ بالغ بھی نہ ہوئے تھے۔

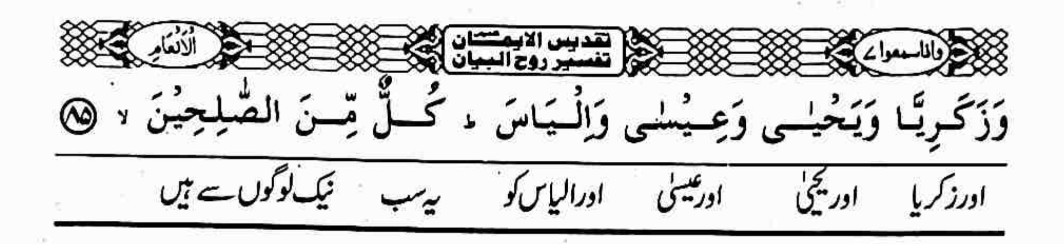
ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اور بچپنا: اس وقت نمرود پوری روئے زمین پر بادشاہ تھا۔ ایک رات خواب میں ایسا ستارہ طلوع ہوتا ہوا دیکھا۔ کہ سورج کی روشنی بھی اس کے سامنے ماند تھی۔ کاہنوں اور نجومیوں نے اس کی تعبیر یہ بتائی۔ کہ ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ جس کی وجہ سے تیری شاہی کو خطرہ ہے۔ لیکن ابھی وہ باپ کے صلب میں ہے۔ ماں کے رحم میں نہیں آیا۔ نمرود نے مردوں اور عورتوں کے خلوت میں اکٹھے ہونے پر پابندی لگادی۔ لیکن اس (گدھے) کو سمجھ نہ آئی اور اس نے مردوں پر کنٹرولر ابراہیم کے والد کو اور عورتوں پر آپ والدہ کو مقرر کردیا۔ ایک دن دونوں کی ملاقات ہوئی۔ تو حضرت ابراہیم رحم مادر میں پہنچ گئے۔ اب نجومیوں نے اسے بتادیا۔ کہ آج رات وہ بچہ شکم مادر میں پہنچ گیا۔ نمرود نے پھر آڈر کیا۔ کہ جو بچہ اب پیدا ہو اسے فوراً قتل کیا جائے۔ ہزاروں بچے قتل کئے گئے۔ (لیکن جسے اللہ رکھے اس کون چکھے) ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کا وقت آیا۔ تو والدہ جنگل میں چلی گئیں۔ کہ کہیں نمرود بچے کو قتل نہ کرادے۔ قریبی پہاڑ کی غار میں بچے کو جنم دیا والدہ بچے کی پیدائش کے بعد اسے ایک پتھر کے قریب لٹا کر واپس گھر آ گئیں۔ تاکہ پردہ فاش نہ ہو۔ مائی صاحبہ کبھی کبھی ماںمتا سے مجبور ہو کر ابراہیم صاحبزادے کو دیکھنے جاتیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ نمرود اور فرعون نے سارا زور لگایا۔ کہ نہ ابراہیم پیدا ہو نہ بادشاہی ختم ہو۔ اسی طرح فرعون نے بھی سارا زور لگایا۔ کہ موسیٰ نہ پیدا ہو۔ ع: دشمن لاکھ چاہے تو کیا ہوتا ہے۔۔۔۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔


وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ
اور عطا کیے ہم انہیں اسحٰق اور یعقوب سب کو ہم نے راہ دکھائی اور نوح کو بھی راہ دکھائی پہلے سے
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ
اوران کی اولاد سے داؤد اورسلیمان اورایوب اور یوسف اورموسیٰ اور ہارون ہیں
وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۙ ﴿۸۴﴾
اوراسی طرح ہم اچھا بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو

ابراہیم علیہ السلام کو خوش دیکھتیں۔ اور آپ نے دونوں انگلیاں منہ میں رکھی ہوتیں۔ ایک سے دودھ اور دوسری انگلی سے شہد جاری ہوتا۔ اور آپ انتہائی تیزی سے بڑے ہو رہے تھے۔ چونکہ آپ کی تربیت اللہ تعالیٰ خود کر رہا تھا۔ باقی بچے سال میں جتنے بڑے ہوتے۔ ابراہیم علیہ السلام ایک ماہ میں اتنے بڑے ہو جاتے۔ اور آپ انتہائی حسین و جمیل تھے۔ اور بہت ذکی اور ذہین تھے۔ جب سات یا آٹھ سال کی عمر ہوئے تو والدہ لے کر گھر میں آ گئیں۔ والد بھی دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئے۔ آج گھر میں پہلی آپ نے گفتگو فرمائی کہ اماں جان میرا رب کون ہے۔ فرمایا میں ہوں فرمایا۔ آپ کا رب کون ہے۔ کہا آپ کے والد۔ فرمایا والد صاحب کا رب کون ہے۔ کہا کہ نمرود ہے۔ فرمایا۔ نمرود کا رب کون ہے والدہ نے خاموش کر دیا۔ باپ نے سمجھ لیا کہ یہ بچہ تو وہی ہے کہ جس سے نمرود کو ڈرایا گیا تھا۔ بہرحال آپ نے وہ گفتگو فرمائی جس کا پچھلی آیات میں ذکر ہے۔

(آیت نمبر۸۴) اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو (دوسرے) صاحبزادے اسحاق علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام عطا کیے۔ پھر ہم نے سب کو ہدایت بھی بخشی۔ یعنی ہر ایک کو دینی فضائل اور علمی اور عملی کمالات عطا کیے۔ اور ان سے پہلے ہم نے نوح علیہ السلام کو بھی یہ ہدایت بخشی۔ اور پھر نوح علیہ السلام کی اولاد کو ہدایت عطا کی۔ اور ان کی اولاد سے حضرت داؤد۔ سلیمان، ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بھی ہدایت بخشی۔ ان کے زمانے اگرچہ الگ الگ ہوئے۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح ہم احسان کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ یعنی ان انبیاء کی شان کے مطابق ان کو جزائیں بھی بہت اعلیٰ دی گئیں۔ یعنی وہ طرح طرح کی کرامات سے نوازے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہاں تعریف بیان فرمائی اور ہر ایک کو جزاء دوسرے سے بڑھ کر عطا کی۔ یہاں محسنین سے مراد مذکور انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور احسان سے مراد یہ ہے کہ انہیں ان اعمال کی توفیق ملی جو مقبول ہیں۔



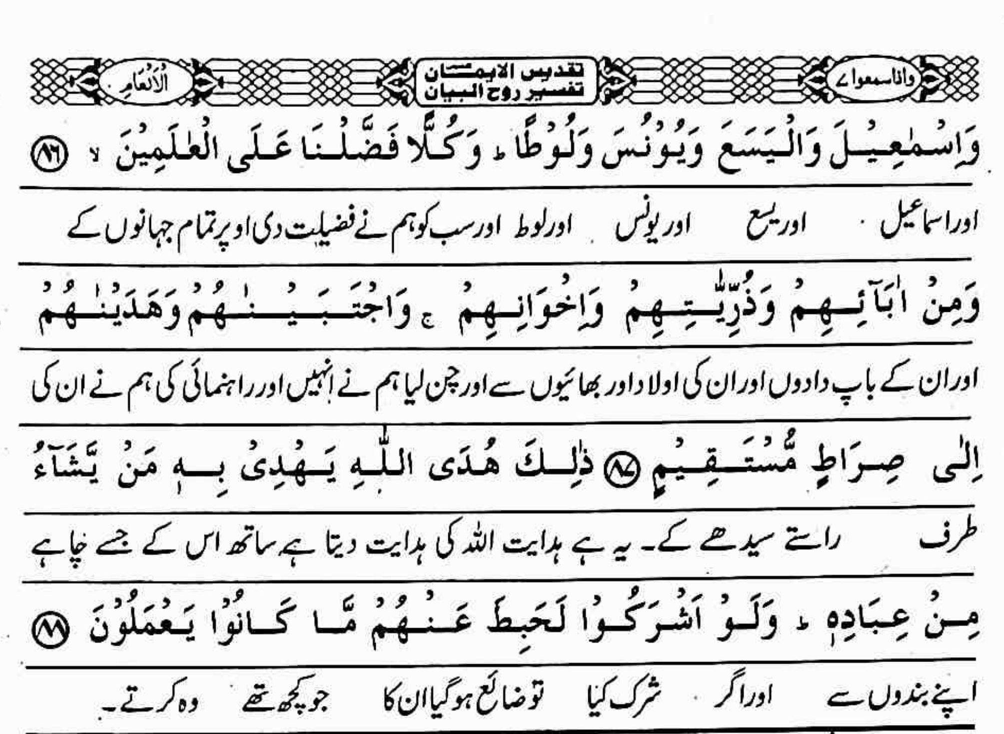
(آیت نمبر۸۵) اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی راہبری عطا کی جن کا نسب سلیمان علیہ السلام سے ملتا ہے۔ اوران کے صاحبزادے یحییٰ علیہ السلام کو بھی اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی عطا فرمائی۔

نکتہ: عیسیٰ علیہ السلام کا نام ذکر کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ لڑکیاں بھی ذریت میں داخل ہیں اوران کی اولاد کو لڑکی کے والد کی اولاد کہا جا سکتا ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہا گیا۔ اسی طرح **امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو حضور ﷺ کی اولاد کہنا درست ہے** اگر چہ وہ حضور ﷺ کی لاڈلی بیٹی بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے صاحبزادے ہیں۔ صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔ کہ جب والدہ ماجدہ سے نسب صحیح اور معتبر ہے۔ تو ان صاحبزادوں کا حضور ﷺ کی اولاد ماننا درست ہے اوران کی سیادت بھی معتبر ہے۔ اور تسلیم شدہ ہے۔ لہذا اب ان کی جتنی اولاد ہوگی۔ وہ حضور ﷺ کی اولاد کہلائے گی۔ نیز ایک **حدیث** میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری نسل فاطمہ سے چلے گی (طبرانی)۔ ان کی سیادت مسلم ہوگی۔ سید کا خطاب اس خاندان کو خود نبی کریم ﷺ نے عطا کیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا نسب حسنی حسینی بھی صحیح ہے۔ اور شیعوں اور رافضیوں کا شور اور طعن وتشنیع غلط ہے۔ آگے فرمایا الیاس علیہ السلام کو بھی ہم نے ہدایت دی۔

غلطی کا ازالہ: امام بغوی فرماتے ہیں۔ کہ جن لوگوں نے یہ کہا۔ کہ الیاس اصل میں ادریس علیہ السلام کا ہی دوسرا نام ہے۔ یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ الیاس علیہ السلام تو نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ جیسے یہاں بیان ہوا۔ اور ادریس علیہ السلام ان کی آباء میں آتے ہیں۔ یار ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام درجہ اول کے نیکو کار ہوتے ہیں۔

آگے فرمایا۔ کہ گذشتہ جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہوا سب نیکو کاروں میں تھے۔ یا کامل فی الصلاح تھے۔ یعنی ان کا ہر عمل قابل عزت تھا۔ اور وہ باصلاحیت انسان تھے۔ جن کے سروں پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کا تاج رکھا۔ اوراس بار نبوت کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔



وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ ﴿۸۶﴾

اوراسماعیل اوریسع اوریونس اورلوط اورسب کوہم نے فضیلت دی اوپر تمام جہانوں کے

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ

اوران کے باپ دادوں اوران کی اولاد اور بھائیوں سے اور چن لیا ہم نے انہیں اور راہنمائی کی ہم نے ان کی

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

طرف راستے سیدھے کے۔ یہ ہے ہدایت اللہ کی ہدایت دیتا ہے ساتھ اس کے جسے چاہے

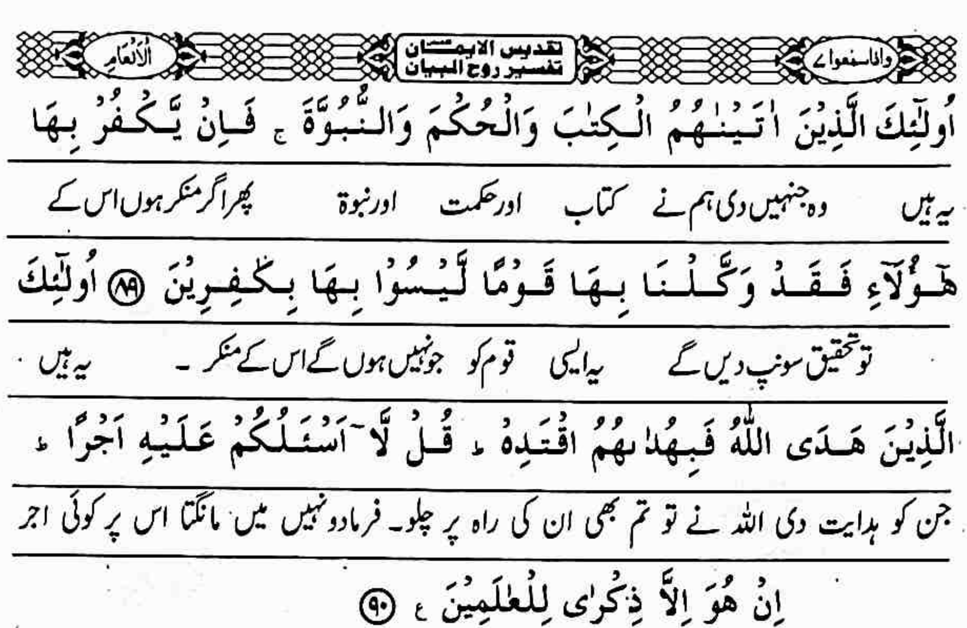
مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

اپنے بندوں سے اوراگر شرک کیا توضائع ہوگیاان کا جوکچھ تھے وہ کرتے۔

(آیت نمبر۸۶) اوراسماعیل اوریسع اور یونس اورلوط علیہم السلام ان سب کوہم نے فضیلت بخشی۔ **نکتہ**: حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جناب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے ضمن میں ذکر نہیں کیا۔ بلکہ ڈائرکٹ نوح علیہ السلام کی اولاد میں ذکر کیا۔ تاکہ سب لوگوں پر یہ بات واضح ہوجائے۔ کہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کسی اور کی فضیلت کے طفیل نہیں ہے۔ بلکہ سب کوفضیلت اور بزرگی حضور کے طفیل ہی ملی ہے۔ اسی لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر آخر میں آکر کیا۔

(آیت نمبر۸۷) ان مذکورہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بعض کے آباءواجداد کو بھی فضیلت بخشی گئی۔ جیسے آدم اور شیث اورادریس علیہم السلام کو۔ ان پیغمبروں کے آباءواجداد میں بعض وہ تھے کہ انہیں پیغمبری نہیں ملی۔ اوران کی بعض اولاد میں سے بعض نبی ہوئے بعض نہیں ہوئے اوران کے بھائیوں میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ہم نے انہیں چنا اور ان کوہدایت دی سیدھی راہ کی طرف۔

(آیت نمبر۸۸) یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ جس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔ ہدایت دیتا ہے۔ یعنی وہ بندے جو ہدایت کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دیتا ہے۔ لیکن وہ یہ بھی یاد رکھیں۔ کہ اگر انہوں نے بھی شرک کیا۔ توباوجوداتنے بلند مراتب ملنے کے ان کے سب عمل ضائع ہوجائیں گے۔ اور برباد ہوجائیں گے۔ **اللہ اکبر**: اس میں ہمارے لئے بہت بڑی تنبیہ ہے۔ کہ اگراتنے بڑے بزرگوں کا یہ حال ہے۔ توہم کس کھاتے میں ہیں۔ (لیکن یہ لفظ اگر سے مشروط ہے۔)۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے ایسا ہونا ناممکن ہے۔



اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا

یہ ہیں وہ جنہیں دی ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوۃ پھر اگر منکر ہوں اس کے

هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ

تو تحقیق سونپ دیں گے یہ ایسی قوم کو جو نہیں ہوں گے اس کے منکر ۔ یہ ہیں

الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ

جن کو ہدایت دی اللہ نے تو تم بھی ان کی راہ پر چلو۔ فرمادو نہیں میں مانگتا اس پر کوئی اجر

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾

نہیں ہے یہ مگر نصیحت واسطے تمام جہانوں کے

(آیت نمبر ۸۹) یہ مذکور اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام وہ ہستیاں ہیں۔ کہ ہم نے انہیں کتاب عنایت فرمائی۔ یعنی ان کتابوں میں جتنے بھی حقائق واسرار تھے۔ ہم نے انہیں بتائے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک کو ہر قسم کے علوم سے آگاہی کردی۔ خواہ ان پر کتاب نازل ہوئی۔ یا کسی پہلے نبی کی کتاب ورثۃً اس کے پاس آئی۔ پھر دوسری چیز حکمت ہے جو سب نبیوں کو ملی اس سے مراد فیصلہ کن اور حق اور بالکل درست بات ہے۔ اور نبوۃ ورسالت بھی ان کو عطا کی اگر ان میں سے کوئی انکار کرے گا تو ہم یہ منصب ان لوگوں کے حوالے کردیں گے۔ جو اس کے منکر نہیں ہوں گے۔ یعنی ان کے بجائے ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہونگے۔ وہ اس کا کبھی انکار نہیں کریں گے۔ اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

(آیت نمبر ۹۰) یہی لوگ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام جن کا بیان ابھی ہوا یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی سیدھی راہ کی طرف۔ اے میرے محبوب آپ بھی ان کی ہی ہدایت کے مطابق اقتداء کریں۔ کسی اور کے پیچھے نہ چلیں۔ یاد رہے اس اقتداء سے مراد صرف اعتقادیات اور ایمان اور توحید اور اصول دین ہیں۔ یہاں شرعی احکام اور مسائل مراد نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ان میں بہت زیادہ احکام وغیرہ منسوخ ہوگئے ہیں۔ اور جو حکم منسوخ ہو جائیں۔ وہ قابل عمل اور قابل اقتداء نہیں ہوتے اور نہ ان سے ہدایت ملتی ہے۔



ہمہ صفت موصوف نبی:

علماء اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے حضور ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اس لئے۔ کہ تمام انبیاء کی خصال وصفات ہمارے پیارے نبی ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً سلیمان وداؤد علیہما السلام کا شکر ایوب علیہ السلام والے کا صبر موسیٰ علیہ السلام کمالات۔ ذکریا یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام کا زہد اور اسماعیل علیہ السلام کا صدق مشہور ہے۔ الغرض سارے نبیوں کو کمالات ملے۔ اور ہمارے حضور کو فرمایا۔ کہ تم ان کی اقتداء کرو۔ تو لازماً سارے انبیاء کے جمیع اوصاف سے متصف ہو کر آپ تمام انبیاء سے افضل ہو گئے۔

افضلیت پر دوسری فضیلت: سارے نبی ساتویں آسمان سے نیچے رہ گئے۔ سارے فرشتے سدرۃ المنتہیٰ سے نیچے رہ گئے۔ اور ہمارے حضور ﷺ قاب قوسین سے بھی بہت آگے نکل گئے۔ (سارے اونچوں سے اونچا سمجھئے جسے: ''ہے اس اونچے سے اونچا ہمارا نبی''۔ آگے فرمایا۔ اے محبوب آپ فرمادیں۔ کہ میں تم سے قرآن پڑھانے کا کوئی اجر وغیرہ نہیں مانگتا۔ جیسے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم سے کوئی اجر نہیں مانگا۔ اسی طرح میں بھی تم سے کسی انعام وغیرہ کا کوئی طلبگار نہیں ہوں۔ یہ بھی سابقہ انبیاء کے اقتداء کی ایک مثال ہے۔ کہ آپ نے بغیر کسی طمع ولالچ کے محض رضاء الٰہی کیلئے اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی۔ آگے فرمایا کہ نہیں ہے یہ قرآن۔ مگر نصیحت تمام جہانوں کیلئے معلوم ہوا کہ قرآن کسی ایک قوم کیلئے وعظ ونصیحت بن کر نہیں اترا۔ بلکہ تمام قوموں کیلئے اس میں وعظ ونصیحت ہے۔

ہر نبی کی پرواز: حضور ﷺ نے فرمایا۔ معراج کی رات میں جب پہلے آسمان پر گیا تو وہاں میں نے آدم علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام پیش کیا۔ انہوں نے بھی مجھے سلام کا جواب دیا اور مرحبا کہا۔ پھر فرمایا۔ دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام سے سلام ودعا ہوئی۔ پھر تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سی ملاقات ہوئی۔ پھر چوتھے آسمان پر ادریس علیہ السلام پانچویں آسمان پر ہارون علیہ السلام اور چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام۔ اس سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ پر جبریل علیہ السلام کو اصلی شکل وحالت میں دیکھا۔ اس سے اوپر کوئی نبی رسول یا فرشتہ نہیں تھا۔ سوائے حاملین عرش کے۔ اشعار (رباعی):

گئے جو حضرت موسیٰ تو کوہ طور تک پہنچے — اٹھے جو عیسیٰ تو دوسرے فلک کے پور تک پہنچے

نظر والو ذرا دیکھو محمد کی بلندی کو — چلے بیت الحرم سے اور خدا کے نور تک پہنچے

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ

اور نہیں قدر کی یہود نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر کا جب کہا نہیں اتارا اللہ نے اوپر کسی انسان کے کچھ بھی

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ

فرما دو کس نے اتاری کتاب وہ جو لے کے آئے۔اسے موسیٰ جو نور اور ہدایت تھی لوگوں کیلئے

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا

تم نے بنالئے اس کے الگ الگ کاغذ ظاہر بھی کرتے ہو اور چھپاتے ہو زیادہ اور تم سکھائے گئے جو نہیں جانتے تھے

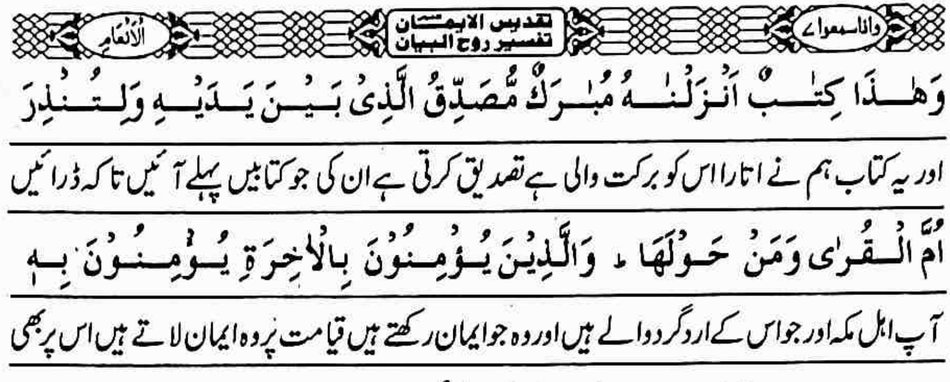
اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

تم اور نہ تمہارے باپ دادا کہہ دو اللہ ہی نے پھر چھوڑ دیجئے وہ اپنی بے ہودگی میں کھیلتے رہیں

(آیت نمبر ۹۱) اور ان یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر نہیں کی جیسے حق تھا قدر کرنے کا۔

شانِ نزول : مروی ہے۔کہ یہودیوں کا ایک موٹا تازہ مولوی یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔تاکہ حضور ﷺ سے سوالات کرے۔سوالات سے مقصد حضور ﷺ کو پریشان کرنا تھا۔ ایمان لانا نہیں تھا۔حضور ﷺ نے اسے موسیٰ علیہ السلام کی قسم دیکر پوچھا۔کہ کیا توراۃ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت موٹے مولوی سے بغض کرتا ہے۔کہنے لگا ہاں یہ تو ہے۔تو آپ نے فرمایا کہ پھر اب تو بتا تو کھا کھا کے اتنا سوج بھی گیا ہے۔ پھر بھی سیر نہیں ہوتا۔اس پر سب لوگ ہنس پڑے۔اور اس مولوی کی بڑی رسوائی ہوئی۔تو غصے میں آپے سے باہر ہو گیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر کوئی کتاب نہیں اتاری۔یہ کہہ کر اٹھ گیا۔تو یہودیوں نے اسے کہا کہ یہ تو نے کیا غضب کر دیا۔کہ اللہ نے کسی پر کچھ نہیں اتارا۔یہ تو ہمارے بھی خلاف بات ہے۔کیونکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ توراۃ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتاری۔اور تو نے یہ کیا کہہ دیا۔کہنے لگا کہ (حضرت) محمد ﷺ نے مجھے اتنا سخت غصہ چڑھا دیا تھا۔

انہوں نے کہا اس کا مطلب ہے اگر تجھے غصہ چڑھا۔تو تو خدا کو بھی برا بھلا کہہ دے گا۔آج سے تو ہمارا سردار نہیں ہے۔پھر انہوں نے کعب بن اشرف کو اپنا لیڈر بنا لیا۔تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ان یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی بھی ناقدری کی۔کہ اسے نہ پہچانا کہ جب انہوں نے کہا۔کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ اصل میں وہ قرآن کا انکار کر رہے تھے۔



وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ

اور یہ کتاب ہم نے اتارا اس کو برکت والی ہے تصدیق کرتی ہے ان کی جو کتابیں پہلے آئیں تا کہ ڈرائیں

اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

آپ اہل مکہ اور جو اس کے اردگرد والے ہیں اور وہ جو ایمان رکھتے ہیں قیامت پر وہ ایمان لاتے ہیں اس پر بھی

وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۹۱) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے محبوب ان کو فرما دیں۔ کہ کس نے وہ کتاب اتاری جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے۔ جو نور ہی نور ہے۔ اور لوگوں کو ہدایت دینے والی۔ لیکن اے یہود یو تم نے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے۔ اس سے کچھ حصہ ظاہر کرتے ہو جو تمہیں پسند ہو۔ اور بہت زیادہ حصے کو چھپاتے ہو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور مناقب اور کمالات معجزات وغیرہ کو۔ اور اس کے علاوہ احکامات وغیرہ بھی جیسے رجم زانی کو سنگسار کرنا وغیرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بہت کچھ تمہیں معلومات دی گئیں۔ جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے۔

یعنی جب تم نے توراۃ کے احکام میں ہیرا پھیری کی اور کتر وبیونت کی اور اس کے مضامین کو توڑ مروڑ کر بیان کیا۔ تو اے محبوب ان کو فرما دو۔ اللہ ہی نے اس قرآن کو اور توراۃ کو نازل کیا۔ پھر یہودی ایسے لاجواب ہوئے۔ کہ اپنا منہ لے کے چلتے بنے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ چھوڑ ان کو (دفع کر) یہ اپنے باطل کاموں میں لگے ہیں۔ اور کھیل تماشے میں پڑے رہیں۔

(آیت نمبر ۹۲) یہ کتاب یعنی قرآن پاک جسے ہم ہی نے نازل فرمایا بڑے اہتمام سے اور جبریل علیہ السلام کے ذریعے اپنے محبوب پر نازل کیا۔ جو انتہائی بابرکت ہے۔ اس میں بے شمار فائدے ہیں۔

فائدہ: نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ قرآنی برکات میں یہ ہے۔ کہ یہ عوام کو مالک ومولیٰ سے ملنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور خواص کو وصال خداوندی کی راہبری کرتا ہے۔ اور خواص الخواص کو رب سے ملاتا ہے۔ اور ان

میں اخلاق خلاق پیدا کرتا ہے۔آ گے فرمایا یہ قرآن تصدیق کرنے والا ہے۔یعنی سابقہ کتب توراۃ وغیرہ کی تصدیق کرتا ہے۔تا کہ آپ ام القریٰ یعنی اہل مکہ کو عذاب سے ڈرائیں۔

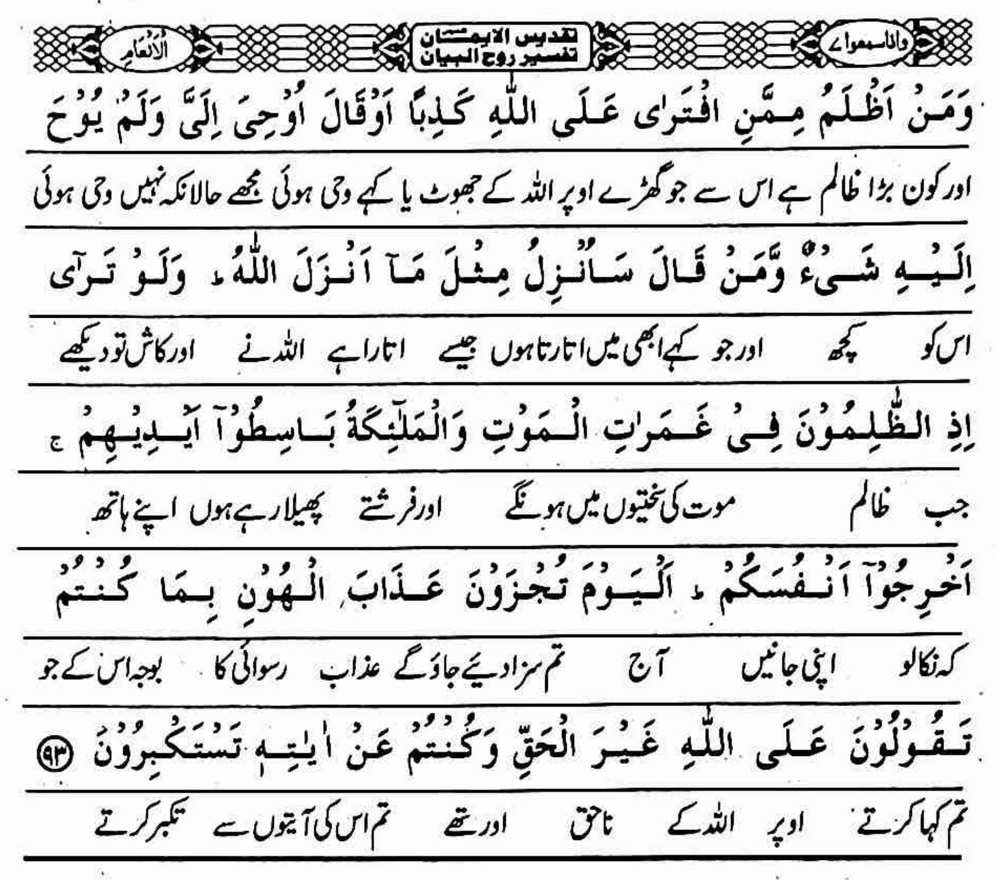
مکہ شریف کو ام القریٰ اس لئے کہا گیا۔کہ زمین کی ابتداء یہاں سے ہوئی۔گویا یہ جگہ زمین کی ماں یعنی اصل ہے جیسے ماں نسل کی اصل ہوتی ہے۔اسی طرح سرزمین مکہ مکرمہ پوری روئے زمین کا اصل ہے۔اور مکہ شریف کے ارد گرد رہنے والوں کو بھی اے محبوب عذاب سے ڈرائیں۔اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔یعنی قیامت کو اٹھنے اور جزاء وسزاء پر یقین رکھتے ہیں۔وہی درحقیقت اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔اس لئے کہ انہیں اپنے انجام کا ہر وقت ڈر رہتا ہے۔کیونکہ وہ قرآن کی ہر بات کو دل سے مانتے ہیں۔اور وہ اپنی نمازیں بھی پابندی سے ادا کرتے ہیں۔اور ہمیشہ وہ اپنے وقت پر ادا کرتے ہیں۔

خواب میں دیدار الٰہی: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواب میں اللہ پاک کے دیدار سے میں مشرف ہوا تو پوچھا کہ یا اللہ اعمال میں وہ اعلیٰ عمل کون سا ہے۔جو تیرا قرب عطا کرے۔فرمایا تلاوت قرآن ہے۔تو پھر پوچھا خالی تلاوت یا بمع غور وفکر تلاوت ہو۔فرمایا دونوں طریقوں سے ہو۔نیز قرآن پاک میں صرف دیکھنا یہ سر کی عبادت ہے اس دیکھنے کا الگ ثواب ہے اور پڑھنے کا الگ ثواب ہے۔

عظمت قرآن:

حمید بن اعرج فرماتے ہیں۔جو تلاوت قرآن ختم کرنے کے بعد دعا مانگے۔ہزاروں فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔پھر بعد میں اس قاری کیلئے بخشش کی دعا وہ کرتے ہی رہتے ہیں۔صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک۔

مسئلہ :قرآن پاک تجوید اور خوبصورت لہجے میں پڑھا جائے۔لیکن گانے اور موسیقی کی طرز پر نہ پڑھا جائے لیکن خوبصورت آواز سے پڑھنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پسند فرمایا۔**حدیث شریف** میں ہے کہ تم میں بہترین آدمی وہی ہے جو خود قرآن مجید سیکھے اور دوسروں کو سکھائے (مشکوۃ شریف) اور بہتر یہ ہے کہ فی سبیل اللہ ہی تعلیم دے لیکن اگر وہ اجرت لیتا ہے تو اس میں حرج نہیں ہے۔فقہاء کرام نے اس کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔اور فرمایا۔ کہ اگر علماء کے ساتھ تعاون نہ کیا تو علوم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔علماء فی سبیل اللہ کی نیت سے پڑھائیں۔اور لوگ ان کی خدمت اس لئے کریں۔کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت ان کی تعلیم پر خرچ کیا۔



وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْقَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ

اور کون بڑا ظالم ہے اس سے جو گھڑے اوپر اللہ کے جھوٹ یا کہے وحی ہوئی مجھے حالانکہ نہیں وحی ہوئی

اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى

اس کو کچھ اور جو کہے ابھی میں اتارتا ہوں جیسے اتارا ہے اللہ نے اور کاش تو دیکھے

اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ج

جب ظالم موت کی سختیوں میں ہونگے اور فرشتے پھیلا رہے ہوں اپنے ہاتھ

اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ

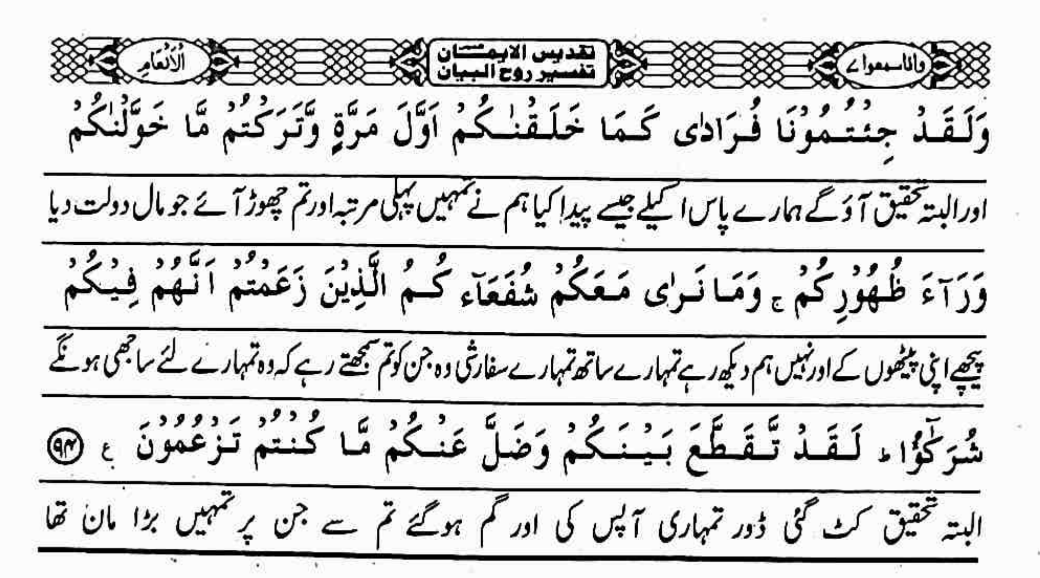
کہ نکالو اپنی جانیں آج تم سزا دیئے جاؤگے عذاب رسوائی کا بوجہ اس کے جو

تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾

تم کہا کرتے اوپر اللہ کے ناحق اور تھے تم اس کی آیتوں سے تکبر کرتے

(آیت نمبر ۹۳) اس سے بڑا کون ظالم ہے۔ جو اللہ پر جھوٹ گھڑے۔ یعنی وہ نبی نہیں لیکن کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے نبی بنایا ہے۔ یا اپنی طرف سے مسائل نکال کر اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگا دیتا ہے۔ جیسے یہود نے کیا۔ یا وہ کہتا ہے۔ کہ میری طرف بھی وحی ہوئی۔ حالانکہ اس کی طرف کوئی وحی نہیں ہوئی۔ (جیسے مرزے غلام قادیانی نے دعویٰ کیا۔)

واقعہ: عبداللہ بن ابی سرح حضور ﷺ کی وحی لکھنے پر مامور تھا۔ ایک دن وحی کا نزول ہوا۔ "ولقد خلقنا الانسان" اس کے آخری الفاظ "فتبارك الله احسن الخالقين" حضور ﷺ کے بتانے سے پہلے اس نے کہہ دیئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اسی طرح لکھو۔ تو وہ کہنے لگا۔ مجھ پر بھی وحی اترنے لگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بھی بڑا کون ظالم ہے۔ جو کہے کہ اب مجھ پر بھی وحی اترتی ہے۔ جیسا اللہ اتارتا ہے حضور پر۔ یا اس سے مراد مشرکین کا وہ گروہ ہے۔ جو کہتے تھے۔ کہ ہم بھی اس قرآن کی مثل کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کاش اے محبوب آپ ان کا وہ وقت دیکھیں۔ جو انتہائی کریہہ اور تکلیف دہ منظر ہوگا۔ (کہ لعنت برس رہی ہے رخ نامراد پر) کہ جب انہیں موت کی سختیاں گھیر لیں گی۔ اور ان کی روحیں نکالنے کیلئے فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوں گے۔



وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ

اور البتہ تحقیق آ ؤ گے ہمارے پاس اکیلے جیسے پیدا کیا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اور تم چھوڑ آئے جو مال دولت دیا

وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ

پیچھے اپنی پیٹھوں کے اور نہیں ہم دیکھ رہے تمہارے ساتھ تمہارے سفارشی وہ جن کو تم سمجھتے رہے کہ وہ تمہارے لئے ساجھی ہونگے

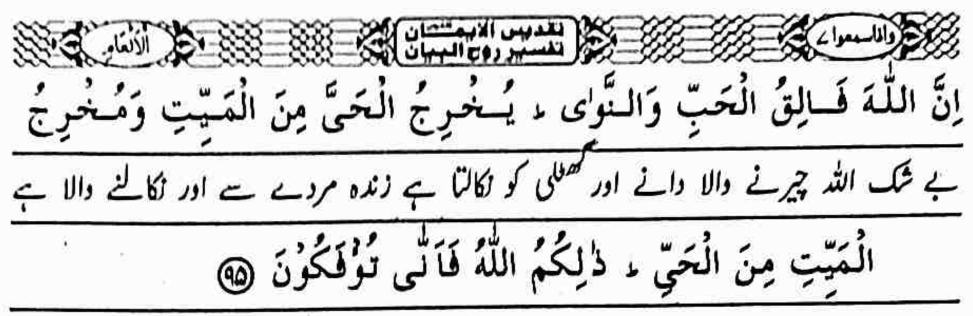
شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ع ﴿۹۴﴾

البتہ تحقیق کٹ گئی ڈور تمہاری آپس کی اور گم ہو گئے تم سے جن پر تمہیں بڑا مان تھا

(بقیہ آیت نمبر۹۳) جیسے قرض خواہ مقروض پر سختی کرتے ہوئے گردن پکڑ کر کہتا ہے۔ نکال میرے پیسے ورنہ تیری جان نکال لیں گے۔ اسی طرح عذاب کے فرشتے سخت تکالیف دیکر کہتے ہیں نکالو اپنی جانیں۔ آج سے تم رسوا کرنے والے عذاب کی سزا دیئے جانے والے ہو۔ بہ سبب اس کے جو تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ناحق باتیں کرتے تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ اس کی اولاد ہے۔ کبھی کہتے اس کی بیوی ہے۔ یا جھوٹی نبوۃ یا جھوٹی وحی کا دعویٰ کیا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے مقابلے میں تکبر کیا کرتے تھے۔ ان آیات پر تم نہ ایمان لاتے نہ ان میں غور وفکر کرتے تھے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے۔ تو فرشتے عطر وکستوری سے معطر شدہ پوشاک لے کر آتے ہیں۔ ساتھ بہشتی گلاب اور ریحان کے گلدستے ہوتے ہیں۔ تو مومن کی روح اتنی آسانی سے نکالتے ہیں جیسے آٹے سے بال نکال لیا جائے۔ اور کافر کی موت کے وقت فرشتے جہنم کا انگاروں سے بھرا ہوا ٹاٹ لیکر آتے ہیں جس سے انتہائی سخت بدبو آ رہی ہوتی ہے اور اس کی روح سختی کے ساتھ نکالتے ہیں۔ (مستدرک علی الحاکم)

(آیت نمبر۹۴) اور البتہ تحقیق تم آ ؤ گے ہمارے پاس حساب وکتاب کے وقت جزاء وسزا کیلئے اکیلے۔ چونکہ کفار مکہ نے مسلمان غریبوں کو دیکھ کر حقارت سے کہا تھا۔ کہ ہمارے مال واولاد کی کثرت کی وجہ سے ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ہماری پاس جب آ ؤ گے۔ تو بالکل اکیلے اکیلے آ ؤ گے۔ دنیا کا مال اسباب تو پچھلوں نے اڑا دیا ہوگا۔ ہمارے پاس تو ایسے اکیلے اور خالی ہاتھ آ ؤ گے۔ جیسے تم پیدائش کے وقت پہلی مرتبہ اکیلے پیدا ہوئے تھے۔ جسم پاؤں سمیت ننگے ہوگے۔ نبی پاک ﷺ نے جب بتایا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ مرد عورتیں اکٹھے بھی ہونگے اور ننگے بھی ہوں گے۔ یہ کیسے ہوگا۔ تو فرمایا کہ وہاں ہر ایک اپنے اپنے پسینے میں شرابور ہوگا۔ ایک دوسرے کو کون دیکھے گا۔ (جہنم سامنے بھڑکتی دیکھ کر ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوں گے)۔ (مشکوٰۃ)



اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ

بے شک اللہ چیرنے والا دانے اور گھٹلی کو نکالتا ہے زندہ مردے سے اور نکالنے والا ہے

الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾

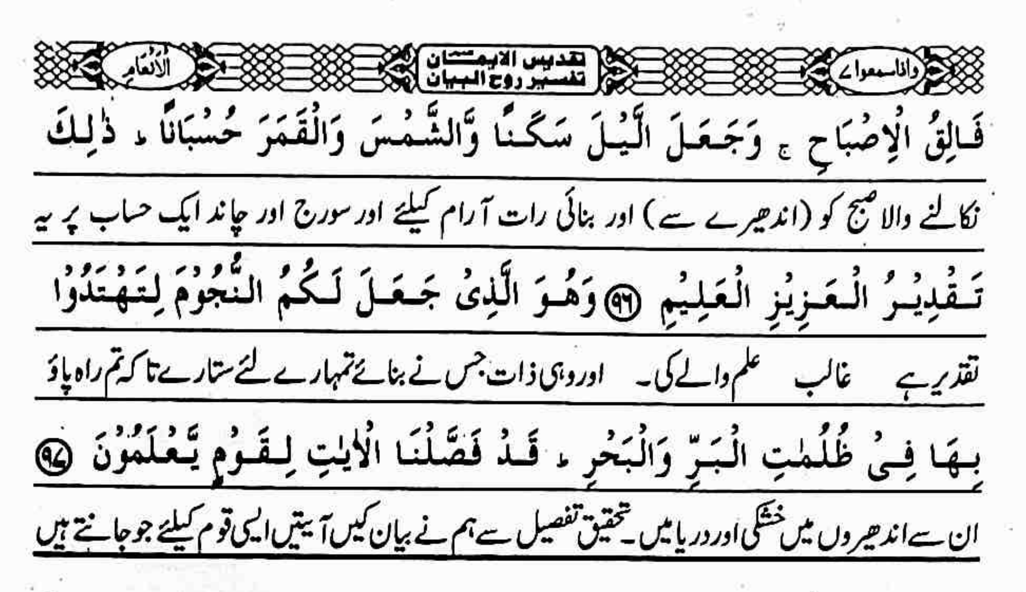
مردہ زندے سے   یہ ہے تمہارا اللہ کہاں تم پھیرے جارہے ہو

(بقیہ آیت نمبر۹۴) آگے فرمایا۔ کہ تم دنیا ہی میں چھوڑ آئے جو ہم نے تمہیں دنیا میں دیا۔ اور اب آخرت کے لئے کیا لے کر آئے؟ جب نیک عمل کئے نہیں دنیا کی کمائی اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔ اب تمہاری جان چھوٹے گی کیسے ایمان والے تو دنیا میں عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کے ساتھ جدوجہد کرتے رہے۔ وہی اعمال صالحہ قبر میں بھی ان کے ساتھ رہے۔ اور ان کے کام آئے اب بروز قیامت بھی انہیں کام آئیں گے۔ لہذا مومن اکیلے نہیں آئے۔ بلکہ وہ اپنے اعمال صالحہ کے ساتھ آئے۔ جو ان کے بہترین مددگار ہیں۔ پھر اللہ کریم فرمائیں گے کہ آج ہم تمہارے ساتھ وہ سفارشی نہیں دیکھ رہے۔ جن کو تم اپنے گمان میں سمجھتے تھے۔ کہ وہ تمہارے سفارشی اور اللہ کے شریک ہیں وہ بچالیں گے۔ کیا اب تمہارے اور ان معبودوں کے درمیان جدائی واقع ہوگئی۔ وہ ساری مودّت اور محبت ختم ہوگئی۔ اور وہ گم ہوگئے تم سے۔ یعنی جنہیں تم سفارشی سمجھتے تھے۔ وہ تم سے عذاب ٹال سکنا تو درکنار وہ تو گم ہی ہوگئے۔

گناہ گار انسان کے دشمن چار ہیں: (۱) مال۔ (۲) عیال۔ (۳) اولاد۔ (۴) دوست احباب۔ چاروں بے کار نہ قبر میں ساتھ نہ قیامت میں ساتھ ہر جگہ وہ اکیلا ہی جاتا ہے۔ مسلمان کے دوست بھی چار ہیں۔: (۱) کلمہ۔ (۲) نماز۔ (۳) روزہ۔ (۴) ذکر۔ یہ چاروں قبر میں ساتھ جاتے ہیں اور اپنے ساتھی کی مدد کرتے ہیں۔ اور قیامت میں بھی اس کی پوری پوری مدد کریں گے بلکہ جنت میں جانے تک اس کے ساتھ رہیں گے۔

عقلمند پر لازم ہے۔ کہ وہ قبر کی تنہائی میں عمل صالح کو ساتھی بنائے اور قیامت کے دن کیلئے تقوے اور طہارت کا لباس اپنے ساتھ لے کر جائے۔ خالص نیک عمل ایک بھی ہوا تو وہ بہرحال برے اعمال پر غالب آہی جائے گا۔

(آیت نمبر۹۵) بے شک اللہ تعالیٰ خشک بیج سے سبزہ نکالنے اور گٹھلی سے آم وغیرہ نکالنے پر قادر ہے کہ دانے سے پودا نکال کر اس کے ساتھ بالیاں لگادیں اور گٹھلی کو چیر کر ایک پورا درخت کھڑا کر دیا۔ اور وہ بے جان نطفہ سے جو بظاہر بے طاقت ہے۔ ایک توانا حیوان پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور زندہ حیوان سے مردہ انڈے کو نکال لیتا ہے۔ **فائدہ**: صرف یہی نہیں بلکہ وہ تو بے شمار قدرتوں کا مالک ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ "علی کل شیء قدیر" ہے۔



فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ

نکالنے والا صبح کو (اندھیرے سے) اور بنائی رات آرام کیلئے اور سورج اور چاند ایک حساب پر یہ

تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا

تقدیر ہے غالب علم والے کی۔ اور وہی ذات جس نے بنائے تمہارے لئے ستارے تاکہ تم راہ پاؤ

بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾

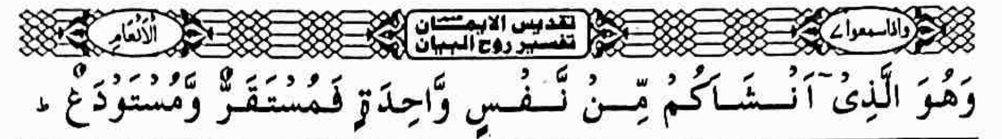
ان سے اندھیروں میں خشکی اور دریا میں۔ تحقیق تفصیل سے ہم نے بیان کیں آیتیں ایسی قوم کیلئے جو جانتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۹۵) **فائدہ**: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ زندہ سے مراد مومن اور مردہ سے مراد کافر ہے۔ یعنی مومن کے گھر کافر اور کافر کے گھر میں مومن پیدا کر دیئے۔ یہ ہے تمہارا اللہ جو عبادت کے مستحق ہے۔ تو پھر تم اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر کہاں پھیرے جا رہے ہو۔ (یعنی نکمے معبودوں کی عبادت کیوں کر رہے ہو)۔

(آیت نمبر ۹۶) اندھیرا ختم کر کے سویرا نکالنے والا ہے۔ جس کی چمک سے دن روشن ہو جاتا ہے۔ اور رات کو اللہ تعالیٰ نے سکھ اور آرام کیلئے بنایا۔ تاکہ دن کو کام کر کے تھکا ہارا آدمی رات کو آرام کر سکے۔ اور سورج اور چاند کو بنایا۔ ایک حساب سے۔ یعنی سورج اپنے چکر کو پورے سال میں مکمل کرتا ہے۔ چاروں فصل اس کے حساب سے تیار ہوتے ہیں۔ بلکہ پوری دنیا کا نظام اس کے ساتھ قائم رہتا ہے۔

فائدہ: اسی طرح چاند کی بھی اٹھائیس منزلیں مقرر ہیں۔ ہر روز ایک منزل میں ٹھہرتا ہے۔ دونوں کی وجہ سے عالم کا حساب درست رہتا ہے۔ **فائدہ**: اسی طرح ستارے آسمانوں میں رکھے گئے ہیں۔ ان کی روشنی سورج کے نور کا عکس ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ چاند اور سورج کو ایک حساب سے چلانا یہ سب اندازا اس ذات کا ہے جو غالب بھی ہے۔ اور علم والا بھی ہے۔ یعنی یہ تفصیل اس کیلئے ہے۔ جو ان منافع اور مصالح کو اچھی طرح جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۹۷) اور وہ وہ ذات ہے۔ کہ جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے۔ جو اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں۔ جو آسمان پر چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ تاکہ تم خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راہ پاسکو۔ امام حدادی نے یہ معنی کیا ہے۔ تاکہ تم ستاروں کی روشنی سے ایک شہر سے دوسرے شہر کا راستہ معلوم کر سکو۔ اس لئے کہ پرانے زمانے میں اندھیری رات میں جب کوئی راستہ بتانے والا نہ ملتا۔ تو ستاروں کو دیکھ کر ہی سفر مکمل کیا جاتا تھا۔ آج کے زمانے میں نیوی گیشن کے ذریعے راستہ معلوم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ستاروں کے بہت سارے فوائد ہیں۔



وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ

اور وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا تمہیں ایک ہی جان سے پھر تمہارا ٹھہرنا اور امانت رہنا رکھا

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

تحقیق تفصیل سے ہم نے آیتیں بیان کیں قوم سمجھدار کیلئے

(بقیہ آیت نمبر ۹۷) آگے فرمایا۔ کہ ہم نے ان آیات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ ایسی قوم کیلئے واضح طور پر بیان کیا ہے۔ جو کچھ علم رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ جاہل ان کو کیسے سمجھے گا۔ **نکتہ**: اگرچہ قرآن تو سب کیلئے اترا ہے۔ مگر اس سے صحیح فائدہ علم والوں نے اٹھایا ہے۔ جو آخرت کا علم رکھتے ہیں۔

(آیت نمبر ۹۸) اور وہ وہ ذات ہے۔ کہ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ یعنی آدم علیہ السلام سے۔

نکتہ: یہ احسان اللہ تعالیٰ نے اس لئے جتایا۔ کہ جب انسان کو یہ بات دل میں ہو۔ تو وہ دوسرے انسان سے بغض نہیں رکھے گا اور ایک دوسرے سے محبت و پیار سے رہیں گے کہ ہم ایک ہی دادا کی اولاد سے ہیں۔

ایک اور نکتہ: اہل معرفت فرماتے ہیں۔ کہ جسم کے لحاظ سے ہمارے جداعلیٰ آدم علیہ السلام ہیں۔ اور روح کے لحاظ سے جداعلیٰ حضور علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور کی روح کو پیدا فرمایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے روح کو پیدا فرمایا (شرح اصول کافی)۔ پھر اس روح پاک سے تمام ارواح پیدا کئے۔ معلوم ہوا۔ اگر آدم ابوالبشر ہیں۔ تو ہمارے آقا حضور ﷺ اب الارواح ہیں۔ آگے فرمایا کہ تمہارا ٹھہرنا۔ اور امانت کے طور پر رہنا مقرر فرما دیا۔ یعنی کبھی باپوں کی پشتوں میں روح کے لحاظ سے اور پھر ماؤں کے پیٹوں میں جسم کے لحاظ سے پھر آخرکار زمین کے پیٹ میں امانت کے طور پر رہے گا۔ آگے فرمایا کہ ہم نے آیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا۔ تا کہ لوگ اپنے عقل و فکر سے سمجھ جائیں۔

نکتہ: فقہ سمجھ کو کہتے ہیں۔ فقیہ اس عالم کو کہا جاتا ہے۔ جو احکام شرعیہ کو اچھی طرح جانتا ہو۔ اور اس کے دقائق تک پہنچتا ہو۔ اور ان کو واضح کر کے بیان کر سکتا ہو۔ یعنی قرآن و احادیث سے مسائل سمجھ کر نکالے اور دوسروں کو سمجھا سکے۔ **سبق**: عاقل پر لازم ہے کہ حق کی تلاش میں پوری کوشش کرے تا کہ بندہ واصل باللہ ہو جائے۔ اور اس سے تمام حجابات دور ہو جائیں۔ جو غفلت کی وجہ سے وصول الی اللہ کے درمیان حائل تھے۔ اور سب سے بڑا حجاب غفلت اور (شہوت) ہے اور اسے کثرت عبادات سے ختم کیا جا سکتا ہے یا کسی اللہ والے کی نظر سے۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ

اور وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے ہم نے اس کے ساتھ پودے ہر چیز کے

فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ

پھر نکالی ہم نے اس سے سبزی ہم ہی نکالتے ہیں اس سے دانے ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے اور کھجور کے

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ

گابھے سے گچھے جھکے ہوئے اور باغ انگوروں کے اور زیتون اور انار

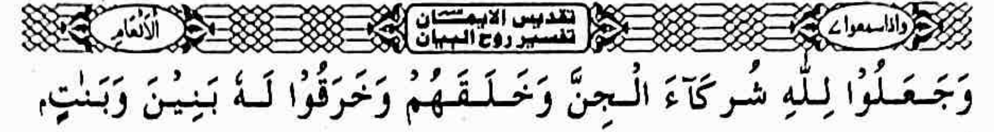
مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ

کچھ ملتے جلتے اور کچھ نہیں ملتے جلتے دیکھو طرف اس کے پھل کے جب پھلے اور پکے

اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ایسی قوم کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں

(آیت نمبر ۹۹) اور وہ وہ ذات ہے کہ جس نے آسمان سے بارش کی شکل میں پانی اتارا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے زمین سے ہر قسم کے پودے نکالے۔ گندم جو اور انار اور سیب وغیرہ سب زمین سے نکالے۔ **فائدہ:** اگرچہ اللہ تعالیٰ بغیر بارش کے بھی سب کچھ اگانے پر قادر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر چیز اور ہر کام کیلئے سبب بنا دیا ہے۔ جیسے انسان نے چھت پر جانے کیلئے سیڑھی کو سبب بنایا۔ حالانکہ آدمی سیڑھی کے بغیر بھی چھت پر جا سکتا ہے۔ یہ تو انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بہت بڑی قدرتوں کا مالک ہے۔ اسے اسباب کی ضرورت نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ پھر ہم نے زمین پر سبزی نکال کر پھیلا دی۔ پھر اسی سبزی سے دانے اوپر نیچے تہہ بہ تہہ نکالے۔ اس سے مراد بالیاں ہیں۔ جنہیں پنجابی میں سٹے کہتے ہیں۔ اور پھر کھجور پیدا کی۔ جس کے گابھے ہیں کھجوروں کے گچھے ہیں جو جھکے ہوئے ہیں۔ تا کہ چننے والے کو آسانی ہو۔ کیونکہ جو نعمت قریب ہو اور آسانی سے حاصل ہو سکتی ہو۔ وہ ہی مکمل ترین بھی ہوتی ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کیا کرو۔ کیونکہ آدم علیہ السلام سے جو مٹی بچ گئی تھی۔ اس سے کھجور بنا دی گئی۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مکرم درخت سوائے کھجور کے اور کوئی نہیں۔ (جامع الصغیر للسیوطی)



وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ

اور بنائے انہوں نے اللہ کے شریک جن حالانکہ اس نے انہیں بنایا اور گھڑ لیں اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۧ ﴿۱۰۰﴾

جہالت سے حالانکہ وہ پاک ہے اور بلند ہے اس سے جو وہ کرتے ہیں

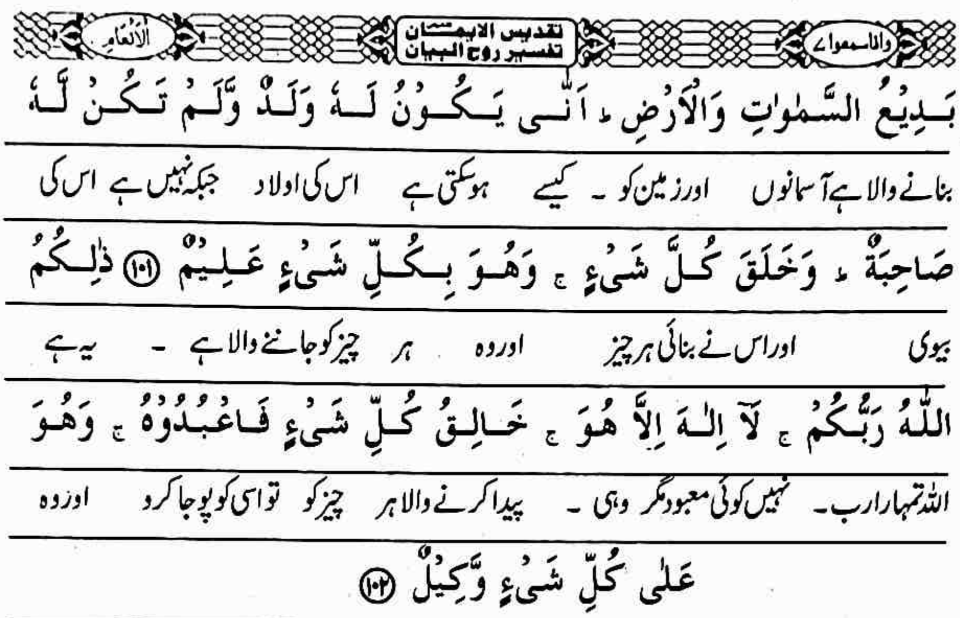
(بقیہ آیت نمبر ۹۹) آگے فرمایا۔ کہ ہم نے انگوروں کے باغات نکالے۔ اسی طرح زیتون اور انار کے درخت نکالے۔ جن میں کچھ ایک دوسرے کے ہم شکل ہیں۔ اور کچھ ایک دوسرے کے ہم شکل نہیں ہیں۔

فائدہ: درخت پتوں کے لحاظ سے تو ہم شکل ہو سکتے ہیں۔ لیکن پھل کے لحاظ سے نہیں ہو سکتے۔ نہ ذائقہ کے لحاظ سے ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ اے لوگو ہر چیز کے پھل کو تو غور سے دیکھو کہ جب وہ کچا ہوتا ہے۔ پھر وہ پک جاتا ہے۔ اس وقت وہ کھانے میں لذت دار بھی ہو جاتا ہے۔

نکتہ: پھل کا ذکر کرتے وقت فرمایا۔ کہ اس میں نظر عبرت سے دیکھو۔ کہ زمین ایک جیسی پانی ایک ہی جیسا لیکن درخت بھی الگ۔ پھل بھی الگ اور ذائقہ بھی الگ الگ ہے۔ یہ ہے قادر مطلق کی قدرت کا نظارہ (سبحان اللہ) اسی لئے آگے فرمایا بے شک اس ساری بیان کردہ اشیاء میں اس قادر و حکیم کے وجود پر بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ ایمان والی قوم کیلئے۔ مراد یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے نفع بھی اٹھائیں۔ اور اس سے استدلال کر کے رب کو پہچانیں اور عبرت بھی حاصل کریں۔

(آیت نمبر ۱۰۰) اور ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک جنوں کو بنا لیا۔

فائدہ: امام کاشفی فرماتے ہیں۔ اس سے مراد زندیق مجوسی ہیں۔ ان کو ثنویہ بھی کہا جاتا ہے۔ وہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ خالق دو ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ۔ (۲) شیطان۔ انسان حیوانوں بلکہ ہر بھلائی کا خالق اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں۔ اور اسے یزدان کہتے ہیں۔ اور ہر برائی کا خالق سانپوں بچھوں اور درندوں کا خالق شیطان کو مانتے ہیں۔ اور اس کو اہر من بھی کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ بالکل باطل ہے۔ سب کچھ پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔ جیسے یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے جناب عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا۔ اور مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا۔ لیکن یہ انہوں نے اپنی جہالت کی بناء پر کہا۔ حالانکہ وہ ذات ان چیزوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے اور بلند ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔ یعنی مشرکوں کے ان بے ہودہ اقوال سے وہ بہت دور ہے۔ کہ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔



بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ

بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کو ۔ کیسے ہوسکتی ہے اس کی اولاد جبکہ نہیں ہے اس کی

صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ

بیوی اور اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۔ یہ ہے

اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ

اللہ تمہارا رب ۔ نہیں کوئی معبود مگر وہی ۔ پیدا کرنے والا ہر چیز کو تو اسی کو پوجا کرو اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾

اوپر ہر ایک چیز کے کارساز ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۰) **مسئلہ**: اللہ تعالیٰ کیلئے علو کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے۔ ارتفاع کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ارتفاع جہت اور مکان کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

(آیت نمبر ۱۰۱) آسمانوں اور زمین کو بنانے والا ہے۔ یعنی اوپر اور نیچے کے تمام طبقات عجیب حکمت سے بغیر کسی مادہ کے بنائے۔ ان کے بنانے سے پہلے کوئی ایسی مثال بھی نہ تھی۔ تو اس کی اولاد کیسے ہوگئی۔ جب کہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں کیونکہ بیوی کے بغیر بیٹے کا تصور بھی نہیں۔ باپ کے بغیر تو بیٹا ہوا ہے۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ ہوگئے۔ لیکن ماں کے بغیر بچہ ہونے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بلکہ اس کی تو شان یہ ہے۔ کہ سب کچھ اسی نے پیدا کیا۔ اس کو اب اولاد کی ضرورت کیا ہے۔ اور ہر چیز کو جاننے والا بھی ہے۔ یہ چیزیں جب سے ہیں اور جب تک ہونگی وہ سب کو جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۰۲) ان سب صفات کا مالک اللہ تعالیٰ جو تمام معاملات کا بھی مالک ہے۔ لہذا عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تمام اشیاء کا جو پہلے ہوئیں یا اب ہیں یا آئندہ ہوں گی۔ ان سب کا مالک ہے۔ لہذا سب کو چاہئے کہ اسی کی عبادت کریں۔ جب مذکورہ سب صفات کا مالک وہی ہے۔ پھر عبادت بھی تو اسی کی ہونی چاہئے۔ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ لہذا سب معاملات اسی پر چھوڑ دو۔

سبق: عقلمند کیلئے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے۔ ہر جبر و قہر سے اور اس کی فرمانبرداری کر کے مزید اس کی رضا کا طالب ہو۔ تاکہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

نہیں احاطہ کرسکتیں اس کی آنکھیں اور وہ احاطہ کئے ہے سب آنکھوں کو اور وہ باریک بین خبر رکھنے والا ہے

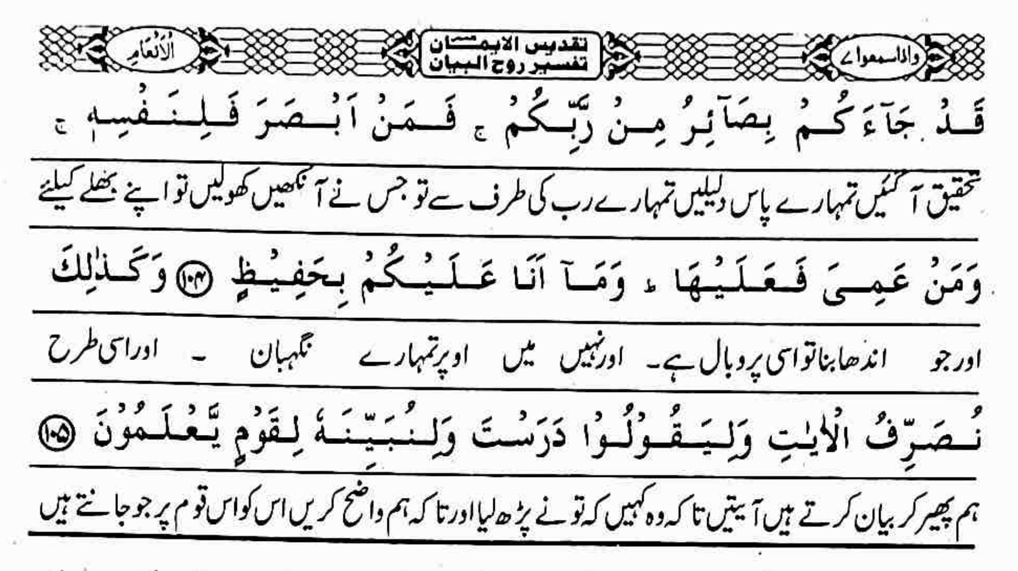
(بقیہ آیت نمبر۱۰۲) وکیل دوقسم ہیں: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وکیل دوطرح کے ہوتے ہیں: (ا) وہ جو چیزان کو دی جائے وہ بغیر کمی بیشی کے واپس کردیتے ہیں۔ (۲) جو سپرد کردہ چیز بالکل واپس نہ کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسا وکیل ہے۔ جو نہ صرف دی ہوئی چیز واپس کرے گا۔ بلکہ اس کی پوری حفاظت بھی کرتا ہے۔ اور کئی گنا بہتر عطا کرتا ہے۔

(آیت نمبر۱۰۳) اللہ تعالیٰ کا ادراک کوئی آنکھ نہیں کرسکتی۔ اور وہ سب کا ادراک کررہا ہے۔ وہ لطف کرنے والا خبردار ہے۔ یعنی وہ سب اشیاء کو محیط ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

ادراک اور رویت میں فرق: ادراک کسی چیز سے پورے طور پر واقف ہونے کا نام ہے۔ اور رویت صرف کسی چیز کو دیکھ لینے کو کہتے ہیں۔ یہاں کئی حضرات غلطی کھا جاتے ہیں۔ جو دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ **فائدہ:** معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے۔ ادراک ناممکن ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان صرف آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور کسی چیز سے نہیں۔ نیز یادرہے ادراک خاص ہے اور رؤیۃ عام خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں۔

دیدار خداوندی: اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار صرف ہمارے آقا ﷺ نے کیا ہے معراج کی رات حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنے سرکی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ اعزاز کسی اور انسان تو کیا کسی اور نبی کو بھی عطا نہیں ہوا۔ البتہ خواب میں رویت ہر کسی کیلئے ممکن ہے۔ جیسا کہ بہت سارے بزرگوں سے یہ منقول ہے۔ کہ انہیں خواب میں دیدار الٰہی نصیب ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے: نمبر۱: موسیٰ علیہ السلام کا سوال کرنا دیدار کیلئے یہ دلیل ہے۔ نمبر۲: جنتی لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر کسی پردہ وغیرہ کے کریں گے۔ **فائدہ**: دیدار الٰہی کا منکر صرف معتزلہ فرقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں دیدار الٰہی ناممکن ہے۔ اگر دنیا سے باہر ہو جائے تو پھر ممکن ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کو عرش پر بلا کر دیدار کرایا اور عرش اس دنیا سے باہر ہے۔ اسی طرح اہل جنت جنت میں دیدار کریں گے۔ اس کی وضاحت سورۃ قیامۃ کے اندر موجود ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے۔ جس طرح تم چودہویں کی رات چاند کو اپنے سامنے دیکھتے ہو۔ یعنی جس طرح چاند کو دیکھنے میں تمہیں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیکھنے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ (بخاری کتاب التوحید ۷۴۳۴)



قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ

تحقیق آ گئیں تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے بھلے کیلئے

وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ

اور جو اندھا بنا تو اسی پر وبال ہے۔ اور نہیں میں اوپر تمہارے نگہبان ۔ اور اسی طرح

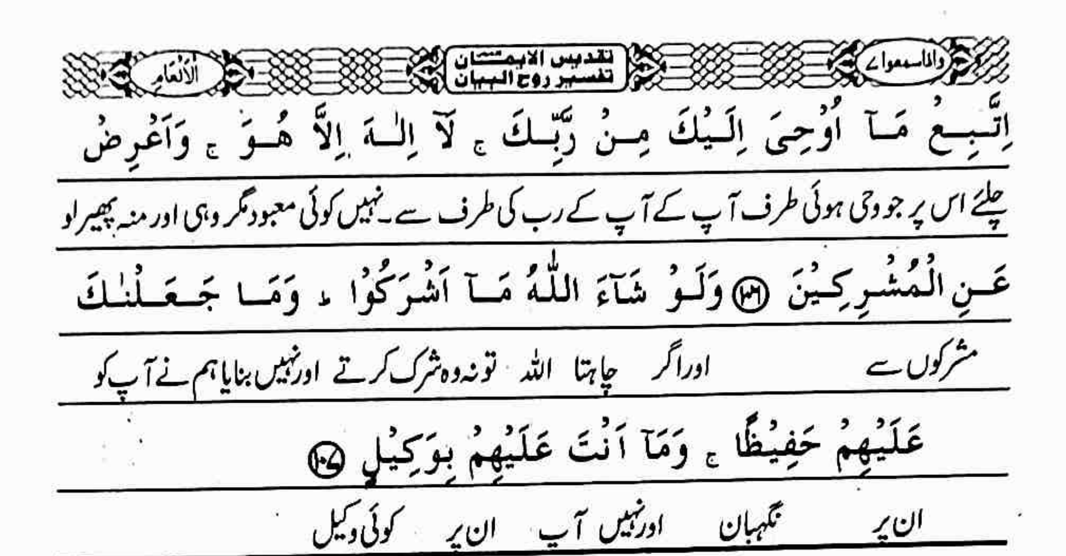
نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

ہم پھیر کر بیان کرتے ہیں آیتیں تا کہ وہ کہیں کہ تو نے پڑھ لیا اور تا کہ ہم واضح کریں اس کو اس قوم پر جو جانتے ہیں

(آیت نمبر ۱۰۴) تحقیق تمہارے پاس دلائل آ چکے تمہارے رب کی طرف سے یعنی توحید کے دلائل اور نبوۃ کی حقانیت اور آخرت کے احوال لہذا اب جو ان دلائل کے ذریعے حق کو دیکھ کر اس پر ایمان لاتا ہے۔ تو اس کا فائدہ اس کی ذات کو ہی ہوگا اور کسی کو نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو جان بوجھ کر اندھا بنے یعنی گمراہی کا راستہ اختیار کرے۔ تو پھر اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ اور میں تمہارا کوئی محافظ بن کر نہیں آیا۔ بلکہ میں تو عذاب سے ڈرانے اور بات تم تک پہنچانے آیا ہوں۔ اور سب پر نگران اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ اور وہی اعمال کا بدلہ جزا وسزا کی صورت میں دے گا۔

(آیت نمبر ۱۰۵) اسی طرح ہم آیتوں کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ ہر بار ان آیات سے عجیب وغریب نقاط اور مفہوم واضح ہوتے ہیں۔ پھر بھی یہ کفار مکہ کہتے پھرتے ہیں۔ کہ آپ کسی انسان سے سیکھ کر ہمیں بتاتے ہیں۔ حالانکہ ہم اس قرآن کو واضح کر کے بیان کر رہے ہیں۔ ایسی قوم کیلئے جو علم رکھتے ہیں۔ (یعنی جو علم والا ہے۔ وہ تو قرآن سنتے ہی سمجھ لیگا۔ کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں البتہ جو ابوجہل یا ابن جہل ہے۔ وہ تو جو منہ میں آئے گا وہی کہے گا۔)

شان نزول : قریش مکہ نبی کریم ﷺ کے متعلق اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ یہ کسی سے سیکھ کر سنا دیتے ہیں۔ قریش مکہ کے پاس روم سے آئے ہوئے دو قیدی تھے۔ ان کا یہ خیال تھا آپ یہ باتیں ان دو غلاموں سے سن کر ہمیں سنا دیتے ہیں اور پھر ہمیں کہتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یعنی وہ نبی کریم ﷺ پر کوئی نہ کوئی الزام لگا دیتے۔ تا کہ لوگوں کو نفرت دلائیں اور وہ ایمان نہ لائیں۔ حالانکہ وہ جانتے تھے۔ کہ حضور ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ کسی انسان کی کلام ہے ہی نہیں۔ (خوئے بدرا بہانہ بسیار)



اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج وَاَعْرِضْ

چلئے اس پر جو وحی ہوئی طرف آپ کے آپ کے رب کی طرف سے۔ نہیں کوئی معبود مگر وہی اور منہ پھیر لو

عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ط وَمَا جَعَلْنٰكَ

مشرکوں سے اور اگر چاہتا اللہ تو نہ وہ شرک کرتے اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو

عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ج وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾

ان پر نگہبان اور نہیں آپ ان پر کوئی وکیل

(آیت نمبر۱۰۶) اے میرے محبوب آپ کی طرف جو وحی ہوئی ہے۔ آپ اسی پر چلیں۔ اس لئے کہ وہ آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ اور اس میں توحید کا بہت اچھا بیان ہے۔ کفار کی جو مرضی ہو برا بھلا کہتے رہیں۔ (یہ پکی بات ہے) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ لہذا ان مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے۔ جو کچھ وہ بکتے ہیں بکنے دو۔ اس کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ ان جاہلوں کی وجہ سے نبوت و رسالت کے پیغامات پہنچانے میں کوتاہی نہ کریں۔

(آیت نمبر۱۰۷) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا۔ تو یہ شرک نہ کرتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ وہ شرک کریں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ انہوں نے خود ہی اپنے اختیار سے کفر و شرک کو پسند کیا۔ اور اسی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کے ایمان کو پسند نہیں فرماتا۔ (اس کا ایک اور بھی مطلب ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ چاہتا۔ تو فرشتوں کو ڈنڈے دیکر فرماتا کہ جو بھی کفر و شرک کرے لگاؤ بے ایمان کو لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ اس لئے نہیں کیا۔ کہ کل جن سے سجدہ کروایا۔ آج ان کو ڈنڈے دیکر اس کو مروایا جائے۔ جس کے آگے سجدہ ہوا۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ جو ایمان لائے وہ اپنے اختیار سے ایمان لائے)۔

بدبختی کی علامت: (۱) خوف خدا سے آنکھ نہ روئے۔ (۲) دل کی سختی۔ (۳) دنیا کی محبت۔ (۴) بہت زیادہ آرزوئیں۔ **نیک بختی کی علامت:** (۱) قرآن کی تلاوت۔ (۲) اولیاء سے محبت۔ (۳) شب بیداری۔ (۴) دل کی نرمی۔ (۵) علم اور علماء سے رغبت۔ **سبق:** عقل مند پر لازم ہے۔ کہ وہ نیکی کرنے میں دیر نہ کرے۔ اس لئے کہ نیکی کرنا نیک بختی کی علامت ہے اور نیکی سے کترانا اور لمبی آرزو کرنا بدبختی کی علامت ہے۔ لہذا نیک بخت بننے کی کوشش کرے۔ بدبختی کے کاموں سے دور رہے۔



وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ

اور نہ گالی دو انہیں جو پوجتے ہیں اللہ کے سوا کو پھر وہ بے ادبی کریں گے اللہ کی دشمنی سے بغیر

عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ

علم کے اسی طرح ہم نے مزین کیا ہر امت کیلئے ان کے عمل کو پھر طرف اپنے رب کے لوٹنا ان کا

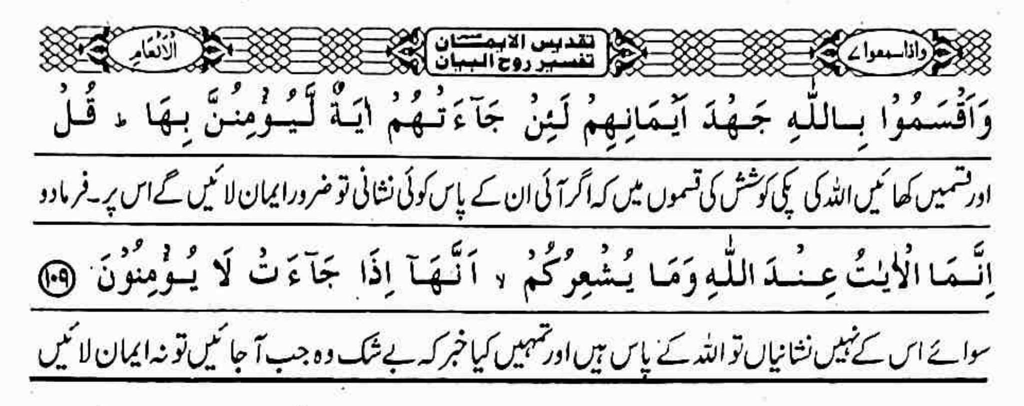
فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

پھر بتادے گا انہیں جو تھے وہ کرتے

(آیت نمبر ۱۰۸) اے مسلمانو ان بت پرستوں کو گالیاں نہ دو۔ جو اللہ کے سوا اوروں کی پوجا کرتے ہیں۔ یعنی جو بتوں کو پوجتے ہیں۔ ورنہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو جو تمہارا معبود ہے۔ عداوت کرتے ہوئے برا بھلا کہنا شروع کر دیں گے۔ اپنی جہالت سے۔ چونکہ نہ وہ اللہ کو جانتے ہیں۔ اور نہ ہی اس کی شان سے واقف ہیں۔ نہ انہیں آداب کا پتہ ہے۔ وہ تو نرے جاہل ہیں۔ لہذا نہ کسی کو برا کہو۔ نہ برا کہلواؤ۔

فائدہ: اگر وہ صراحۃً اللہ تعالیٰ کو گالیاں نہ بھی دیتے۔ لیکن بتوں کی محبت میں ایسی کلام ضرور کر دیتے۔ جس سے گستاخی ہوتی۔ یہ ایک انسانی فطرت ہے کہ جب وہ غیظ و غضب میں ہوتا ہے۔ تو وہ کفر تک منہ سے نکال دیتا ہے۔ اگر چہ بتوں کو گالیاں دینا یا ان کو برا کہنا از قسم عبادات ہے۔ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔ اس لئے۔ کہ اس کی وجہ سے بہت بڑا گناہ ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی۔ آگے فرمایا۔ اسی طریقے سے ہم نے ان کفار کے اعمال کو مزین کیا۔ یعنی جب وہ کوئی عمل کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی طبیعت کا میلان مزید ادھر ہی فرما دیتا ہے۔ اگر بندہ نیکی کی طرف آئے تو طبیعت کا میلان اللہ تعالیٰ نیکی کی طرف کر دیتا ہے۔ اور برائی کی طرف دھیان لگایا جائے۔ تو اسے وہی اچھی لگنا شروع ہو جاتی ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ پھر تمہارا لوٹ کر جانا تو اپنے رب کے پاس ہی ہوگا۔ پھر وہ بتائے گا جو جو وہ عمل کرتے رہے۔

نکتہ: جو اعمال دنیا میں بھلے اور اچھے لگ رہے ہیں۔ اور ہم ان کی طرف بہت رغبت رکھتے ہیں۔ اور بڑے خوب صورت اور حسین منظر نظر آ رہے ہیں۔ کل بروز قیامت بہ شکل عذاب ہونگے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔ کہ جنت کے ارد گرد تکالیف اور پریشانیاں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ جنت جانے والا ان پریشانیوں سے گذر کر جنت میں جائے گا۔ اور جہنم کے ارد گرد خواہشات اور شہوات کھڑی کی گئیں۔ جو ان خواہشات میں پڑے گا۔ وہ جہنم میں جائیگا۔ **فائدہ**: اسی وجہ سے کفار کو برے اعمال خوبصورت نظر آتے ہیں۔



وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ

اور قسمیں کھائیں اللہ کی پکی کوشش کی قسموں میں کہ اگر آئی ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے اس پر۔ فرما دو

اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

سوائے اس کے نہیں نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر کہ بے شک وہ جب آ جائیں تو نہ ایمان لائیں

(آیت نمبر ۱۰۹) اور انہوں نے اللہ کی بڑی پکی قسمیں کھائی ہیں کہ اگر انہیں کوئی نشانی ملے تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے۔

شان نزول: کفار مکہ نے ایک دفعہ کہا۔ کہ آپ کوئی معجزہ دکھائیں۔ جیسے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام نے دکھائے اور ہم قسم کھاتے ہیں۔ کہ اگر ہمارے کہنے کے مطابق کوئی معجزہ آپ نے دکھا دیا۔ تو ضرور ایمان لے آئیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے محبوب ان کو بتا دو۔ سوائے اس کے نہیں سب نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ وہ قدرت والا ہے۔ خود بخود نشانی دکھانا تو میری قدرت میں نہیں ہے۔ نہ میں اپنے ارادہ سے کوئی دکھلا سکتا ہوں۔ میں صرف احکام الٰہی تم تک پہنچانے پر مامور ہوں۔ وہ میں اللہ کے فضل سے تم تک پہنچا رہا ہوں۔

معجزہ نہ دکھانے میں حکمت: یہ ہے کہ اس سے پہلے کئی معجزے تم نے دیکھے۔ اب بھی تمہارا کیا پتہ ہے۔ کہ جب وہ نشانی اور معجزہ دیکھ لو۔ اور پھر بھی تم اپنی ضد پر قائم رہتے ہوئے ایمان نہ لاؤ۔ کیونکہ کفر کی مرض تو پہلے ہی اندر موجود ہے۔ لہذا انکار کر کے عذاب کے مستحق بن جاؤ۔ اس لئے ہم تمہیں کوئی نئی نشانی دکھانا نہیں چاہتے۔

فائدہ: مسلمانوں کو خبردار کیا جا رہا ہے۔ کہ ان کفار کی قسموں پر اعتبار نہ کرنا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بھی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ (معاذ اللہ)۔ بلکہ وہ دکھا سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جب انہیں معجزہ دکھا دیا جائے اور وہ کفر پر ہی ڈٹے رہیں۔ جیسے بنی اسرائیل کا واقع بیان ہوا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے معجزہ کا مطالبہ یوں کیا کہ انہیں آسمان سے کھانا اتار کر کھلایا جائے تو پھر وہ ایمان لائیں گے۔ اس مطالبے پر انہیں بتایا بھی گیا تھا کہ اگر پھر ایمان نہ لایا تو تمہاری خیر نہیں لیکن کھانا کھا کر پھر منکر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں بدل دیں اور وہ بندر و خنزیر بنا دیئے گئے۔ **فائدہ:** یہاں اہل مکہ کو بھی خبردار کیا جا رہا ہے۔ کہ تم معجزہ تو مانگ رہے ہو۔ معجزہ دکھانا بھی مشکل نہیں ہے۔ لیکن انکار کی وجہ سے عذاب تمہیں ناقابل برداشت ہو جائیگا۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ

اور ہم پھیرتے ہیں ان کے دل اور آنکھیں ان کی جیسا کہ نہیں وہ ایمان لائے اس پر پہلی مرتبہ

وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ع ﴿۱۱۰﴾

اور ہم چھوڑتے ہیں انہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں

(آیت نمبر ۱۱۰) اور ہم ان کے دلوں کو پلٹ کر دوسری طرف کر دیں۔ اور ان کی آنکھیں بھی اندھی کر دیں۔ کہ وہ حق کو دیکھ ہی نہ سکیں۔ جیسے وہ پہلے بھی کئی دفعہ آیات دیکھ کر ایمان نہیں لائے۔ مثلاً ان کے سامنے چاند بھی دوٹکڑے ہوا جو کہ انہوں نے خود معجزہ مانگا کہ زمین کے کمالات تو آپ نے بہت دکھائے۔ کوئی آسمان میں بھی کمال دکھائیں۔ پھر انہوں نے خود ہی یہ تجویز کیا کہ چاند دوٹکڑے ہو جائے تو نبی کریم ﷺ انہیں لے کر جبل ابوالقبیس پر تشریف لے گئے اور فرمایا۔ اب غور سے دیکھنا۔ پھر نہ کہنا کہ جادو ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے انگلی سے اشارہ فرمایا تو چاند دوٹکڑے ہو گیا۔ تمام کفار و مشرکین نے اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھا۔ بلکہ پوری دنیا میں یہ معجزہ دیکھا گیا۔ لیکن دیکھنے کے بعد پھر منکر ہو گئے اور کہا کہ محمد ﷺ نے آسمانوں پر بھی جادو کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی ہزاروں معجزات دیکھے۔ لیکن ایمان نہیں لائے۔ ان کا مقصد ایمان لانا تو تھا ہی نہیں۔ ان کا مقصد نبی کو پریشان کرنا تھا۔ اس میں انہوں نے کمی نہیں آنے دی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی نیا شوشہ کھڑا کر دیتے تھے۔

وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا اے محبوب ہم انہیں اب چھوڑتے ہیں۔ یہ اپنی سرکشی کے بھنور میں پھرتے رہیں سرگرداں ہی رہیں۔ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہم انہیں ایمان کی طرف ہدایت نہیں کریں گے۔

فائدہ: ان کی استعداد بھی ختم کر دی گئی ہے۔ اب وہ حق سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے۔ اس لئے ان کی وہ استعداد ختم ہو گئی ہے۔ کہ جس کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو گئے۔

پارہ ختم

مورخہ ۲۰ نومبر ۲۰۱۴ء رات ساڑھے آٹھ بجے ایلز بری میں

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ

اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرتے ان سے مردے اور اکٹھی کر کے ہم ان کے ہر

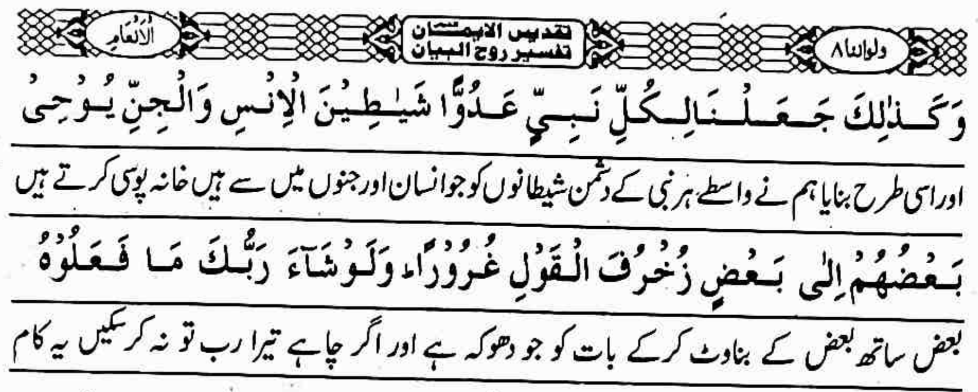
شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

چیز سامنے لاتے جب بھی امید نہ تھی کہ ایمان لاتے مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن زیادہ ان میں جاہل ہیں

(آیت نمبر ۱۱۱) اور اگر بے شک ہم ان کفار مکہ کی طرف فرشتے اتار کر بھیج دیتے۔ (جیسا کہ کئی دفعہ وہ مطالبہ کرتے ہیں) کہ اگر ہمارے پاس فرشتے آئیں۔ تو ہم ان سے باتیں کریں۔ ان کو ہم خود دیکھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اگر فرشتے اتار دیں۔ تو ان سے مردے کلام کریں گے۔ (یعنی فرشتے دیکھتے ہی ان کی جان نکل جاتی۔ تو فرشتوں سے کلام کون کرتا۔) یا یہ معنی ہے۔ کہ فرشتے آ جائیں۔ اور وہ ان سے کلام بھی کریں۔ یا ان کے مردوں کو زندہ کریں۔ اور وہ مردے ان سے کلام کریں۔ کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ سے دو کافروں یعنی (۱) قصی بن کلاب اور (۲) جدعان بن عمر کے زندہ کرنے کا مطالبہ کیا تھا کہ اگر یہ زندہ ہو کر تصدیق کر دیں اور آپ کے نبی ہونے اور اسلام کے حق ہونے کی گواہی دے دیں تو ہم مان لیں گے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم انہیں زندہ بھی کر دیں۔ اور وہ حضور ﷺ کی نبوت کے حق ہونے اور اسلام کی حقانیت کی شہادت بھی دیں۔ بلکہ ہم ہر چیز جو انہوں نے مانگی وہ ان کے سامنے لا کر رکھ دیں۔ تا کہ وہ آپ کی نبوۃ کی شہادت دے دیں یا ساری مخلوق گروہ در گروہ آ کر بھی گواہی دے تو بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ مگر جس کے متعلق اللہ چاہے۔ کیونکہ ایمان کا ملنا بھی تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اور یہ کافر تو کفر و سرکشی میں انتہاء پر ہیں۔ انہیں ایمان کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ آگے فرمایا۔ لیکن ان میں اکثریت جاہلوں کی ہے۔ جو ان باتوں کو نہیں سمجھتے۔

فائدہ: یہ آیت اصل میں پچھلی آیت کی تفسیر ہے کہ وہ نشانی مانگتے ہیں کہ وہ معجزہ دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ لیکن ایسے کافروں کے نصیب میں ایمان کیسے ہو سکتا ہے۔ **مسئلہ**: معلوم ہوا۔ معجزہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو۔ وہ ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسے ایمان دینے کا نہ ہو۔ تو پھر ایمان نہیں مل سکتا۔

سبق: ایمان لانے کی استعداد یا شرح صدر یہ در اصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہتا ہے۔ اس کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دیتا ہے۔ یہ فضل الٰہی ہے۔ وہ جسے چاہے عطا کر دیتا ہے۔



وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ

اوراسی طرح بنایا ہم نے واسطے ہر نبی کے دشمن شیطانوں کو جوانسان اور جنوں میں سے ہیں خانہ پوسی کرتے ہیں

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ

بعض ساتھ بعض کے بناوٹ کر کے بات کو جو دھوکہ ہے اور اگر چاہے تیرا رب تو نہ کر سکیں یہ کام

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

تو چھوڑ دیجئے ان کواور جووہ گھڑتے ہیں

(آیت نمبر۱۱۲) اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بنائے۔ جیسے آپ کا دشمن ابوجہل ہے۔ یہ دراصل حضور ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے۔ کہ جس طرح یہ کفار آپ کے دشمن ہیں۔ اسی طرح ہر نبی کے دشمن ان کے زمانہ کے کفار ہوئے ہیں وہ دشمن شیطان ہوتے ہیں۔ جنوں اور انسانوں سے۔ جن شیطان اگر گمراہ نہ کر سکے تو وہ انسان شیطان کا سہارالیتا ہے۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے مجھے جن شیطانوں سے اتنا ڈر نہیں ہوتا۔ جتنا انسانی شیطان سے خطرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ شیطان جن لاحول ولاقوۃ سے یا تعوذ پڑھنے سے بھاگ تو جاتا ہے۔ لیکن انسانی شیطان اس سے بھی نہیں بھاگتا۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ جن وانس شیطان آپس میں ایک دوسرے تک باتیں پہنچاتے ہیں۔ وحی کرنے سے مراد کسی کے دل میں کوئی بات راز کی ڈال دی جائے۔ یا معنی یہ ہے۔ کہ یہ جن بعض بعض تک وسوسے ڈال دیتے ہیں۔ بڑی خوبصورت باتوں کی۔ یعنی جو ظاہرا اچھی اور باطنا خراب ہوتیں۔ جس کلام میں جھوٹ کی آمیزش ہو۔ وہ زخرف کلام ہوتی ہے۔ اور یہ کام شیطان بڑی چالاکی اور دھوکے سے کرتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ اگر تیرا رب چاہتا۔ تو وہ یہ کام نہ کر سکتے۔ نہ عداوت کر سکتے نہ بات میں ملاوٹ کر سکتے۔ لہذا اے محبوب چھوڑ ان کو یعنی دفع کر ان کو ان کے حال پر چھوڑ۔ اور جو جو یہ مکاریاں غداریاں کرتے ہیں۔ انہیں کرنے دے۔ ہم نے بھی ان کیلئے سخت سے سخت سزائیں تیار کر رکھی ہیں۔ جب ہماری بارگاہ آئیں گے۔ تو ہم ان کا حساب لے لیں گے۔ اب جو کرتے ہیں۔ انہیں کرنے دیں۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا

تا کہ جھکیں طرف اس کے دل ان کے جونہیں ایمان رکھتے قیامت پر اور پسند کریں اس کو اور کمائیں

مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

جو وہ کماتے ہیں

(آیت نمبر ۱۱۳) اور تا کہ یہ خوب کان لگا کر سن لیں شیطانوں کی سرگوشیاں یا ان کی بناوٹی باتیں۔ یعنی شیطان جو جو باتیں وسوسوں کے ذریعے ان کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں۔ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اہل ایمان تو جانتے ہیں۔ کہ یہ بناوٹی باتیں بالکل باطل ہیں۔ اور ان کا انجام بھی برا ہوگا۔ آگے فرمایا۔ کہ یہ ان کی باطل باتوں پر اگر خوش ہوتے ہیں تو خوش ہولیں۔ اور برائی کا ارتکاب جو بھی کرتے ہیں۔ وہ کر لیں۔

شیطان کا غلام:

جب انسان ضرورت سے زیادہ کھائے۔ فضول باتیں کرے۔ لباس میں فخر کرے۔ مردوں عورتوں میں بلا امتیاز میل جول کرے۔ اور جھوٹی باتیں سنے۔ تو سمجھ لو کہ وہ شیطان کا غلام ہو گیا ہے۔

سبق: انسان کو چاہئے کہ وہ شیطان کے وسوسوں اور اس کے فریب سے بچے۔ تا کہ بروز قیامت اللہ کے دربار میں شرم سار نہ ہو۔ کیونکہ شیطان اور نفس امارہ انسان کے خصوصاً مسلمان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔

فائدہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اسی لئے جن سے پہلے انس کا ذکر فرمایا۔ **فائدہ**: ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ جب کوئی مومن کامل فوت ہوتا ہے اور اپنے ایمان کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے تو شیطان بہت زیادہ روتا ہے کہ وہ مومن دنیا سے ایمان کے ساتھ کیوں چلا گیا اور میں اسے فتنے میں مبتلا کیوں نہ کر سکا۔ جب اس کی روح آسمانوں پر پہنچتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس مومن کو شیطان کے شر سے بچالیا اور شیطان کہتا ہے۔ ہائے افسوس یہ مجھ سے کیسے بچ گیا۔ لہٰذا مومن پر لازم ہے کہ شیطان کے وسوسوں سے بچ کر رہے تا کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ اور بندوں کے سامنے رسوا نہ ہو۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ

کیا غیر اللہ کا چاہوں میں فیصلہ حالانکہ وہ اللہ ہے جس نے اتاری تمہاری طرف کتاب تفصیل والی

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ

اور وہ جنہیں ہم نے دی کتاب جانتے ہیں کہ بے شک وہ اتری تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

تو نہ ہو ضرور (اے سننے والے) شک والوں میں

(آیت نمبر۱۱۴) کیا میں اللہ کو چھوڑ دوں۔ اور اس کے سوا کسی اور کو چاہوں۔

شان نزول : مشرکین حضور ﷺ سے کہنے لگے۔ کہ ہم فیصلہ کیلئے یہود و نصاریٰ کے پادریوں کو مقرر کر لیتے ہیں۔ تا کہ وہ حق اور باطل میں فیصلہ کر دیں۔ کیوں کہ وہ سابقہ کتابوں کے عالم ہیں۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ کیا اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے فیصلہ کرائیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی تو وہ ذات ہے۔ کہ جس نے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب نازل فرمائی۔ جس میں حق و باطل حلال و حرام و دیگر احکام پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ پھر ہمیں کیا پڑی کہ ہم غیروں سے فیصلہ کرواتے پھریں۔

مسئلہ :اس سے معلوم ہوگیا۔ کہ قرآن پاک میں واضح طور پر روشن احکام بیان کئے گئے ہیں۔ لہذا قرآن کے ہوتے ہوئے۔ کسی اور سے فیصلے کروانے اور پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

فائدہ :یہ بات بھی مدنظر رہے۔ کہ قرآن بغیر حدیث کے سمجھ نہیں آ سکتا۔ اور قرآن و حدیث کی تشریح فقہ کی کتابوں میں موجود ہے لہذا حدیث اور فقہ قرآن سے جدا نہیں ہیں۔ قرآن و حدیث کی صحیح تشریح کا نام فقہ ہے۔

آگے فرمایا کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی۔ وہ یہ جانتے ہیں۔ کہ وہ کتاب (قرآن مجید) تیرے رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اور یہ کافر جن مولویوں کو حکم بنا رہے ہیں۔ اگر ان پر انہیں یقین ہے۔ تو ان سے پوچھیں۔ وہ بھی اس قرآن کو حق مانتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل ہوا ہے۔ حق اور سچائی کے ساتھ یہ اترا ہے۔ اہل کتاب بھی اس قرآن کی حقانیت کو مانتے ہیں۔ حالانکہ ان میں علم کے وہ آثار بھی نہیں۔ اور وہ معرفت کے احکام سے بھی بے خبر ہیں۔ لیکن وہ اس قرآن کے حق ہونے اور منزل من اللہ ہونے کو وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب برحق ہے۔



وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی سچ اور انصاف کے ساتھ نہیں ہے کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾

اور وہ سننے والا جاننے والا

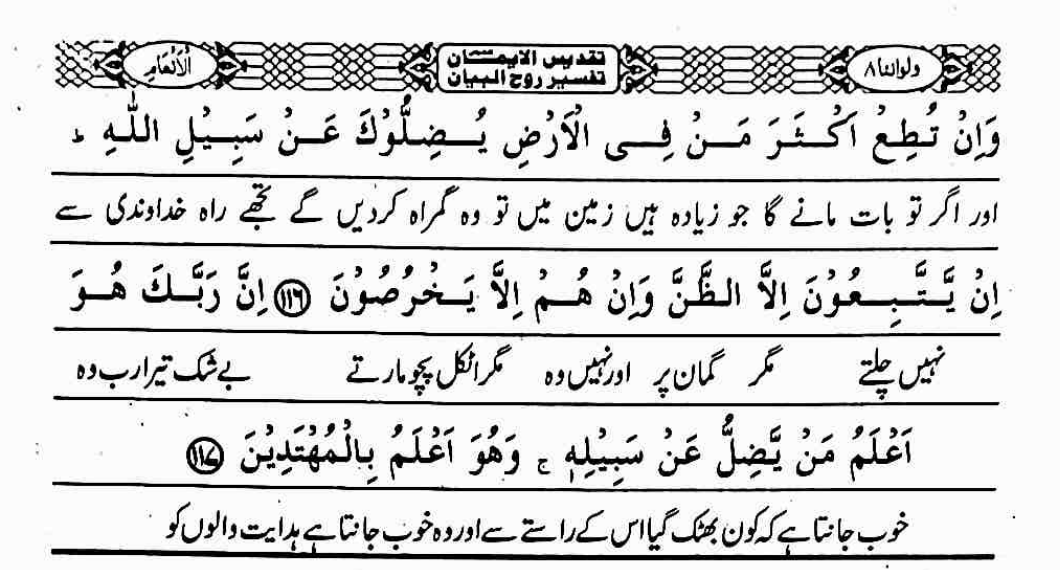
(بقیہ آیت نمبر۱۱۴) گویا یہ جملہ کفار کو زجر وتوبیخ کے طور پر کہا گیا ہے۔اور مسلمانوں کے یقین کو مضبوط کرنے کیلئے کہا گیا ہے۔کہ تم اس قرآن میں شک کرنے والوں سے نہ ہو جاؤ۔

فائدہ:جو بندہ قرآن کی حقانیت کا اقرار کرتا ہے۔تو جذب اللہ ایسے کھینچ کر اسے درجات علم وعرفان اور کمال ایقان تک پہنچا دیتا ہے۔ پھر اسے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ کلام حق وصدق ہے۔ اور صدق بندے کو جنت اور قربت اور وصلة کی طرف لے جاتا ہے۔

(آیت نمبر۱۱۵) گذشتہ آیات میں قرآن کے کمالات کو بیان کیا گیا۔اور اس کی حقانیت کو واضح کیا گیا۔اب اگلی آیت میں اس کے ذاتی کمال کو بیان کیا جارہا ہے۔اور اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا کہ آپ کے رب کے کلمات اس قرآن میں پایہ تکمیل کو پہنچ گئے۔جو اس قرآن کے متعلق تھے۔

فائدہ:قرآن مجید اس لحاظ سے مکمل ہے۔کہ مکلفین کو جن جن مسائل کی ضرورت تھی۔علم یا عمل کے لحاظ سے ان تمام ضروریات کو پورا کرنے کیلئے تا قیامت اس کو کافی وافی بنا دیا گیا۔اور اس قرآن کا صدق یہ ہے۔کہ اس کی تمام بتائی ہوئی باتیں بالکل سچ ثابت ہوگئیں۔آگے فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں۔یعنی اس کے ان کلمات کا کوئی بھی متبادل پیش نہیں کرسکتا۔جو اس سے زیادہ سچا اور زیادہ انصاف والا ہو۔یا کم از کم اس کے برابر ہو۔جب قرآن اس شان کا مالک ہے۔تو پھر کسی اور کو کیسے فیصلہ کرنے والا تسلیم کیا جائے۔اور وہ رب سب کی سننے والا اور ہر شیء کو جاننے والا ہے۔یعنی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے۔کہ یہ قرآن لوگوں میں حجۃ بالغہ ہے۔کسی طرح اس کی حکم عدولی نہیں ہوسکتی۔کوئی بہت ہی بڑا منکر ہی ہوگا۔جو اس کتاب کا انکار کرے۔اور اس کی حقانیت کو نہ مانے اور اس کی تکذیب کرے۔یا تو منکر عنادی (سرکش) ہے۔یا بہت بڑا جاہل ہے۔

نکتہ:انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا۔اور تمام انسانوں میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اعلیٰ وبرگزیدہ ہیں۔اسی لئے آپ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں۔اور ابتداء کائنات سے ہی آپ کو مظہر بنایا گیا۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم بھی بنایا۔تا کہ حق کو واضح کریں اور باطل کو ختم کریں۔اور قرآن کے مطابق فیصلے کریں۔



وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اور اگر تو بات مانے گا جو زیادہ ہیں زمین میں تو وہ گمراہ کردیں گے تجھے راہ خداوندی سے

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

نہیں چلتے مگر گمان پر اور نہیں وہ مگر اٹکل پچو مارتے بے شک تیرا رب وہ

اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

خوب جانتا ہے کہ کون بھٹک گیا اس کے راستے سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو

(آیت نمبر ۱۱۶) اور اگر آپ اکثر اہل زمین کی بات ماننے لگ جائیں۔ تو وہ آپ کو سیدھی راہ سے ہٹادیں گے۔ **فائدہ:** یہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے کفار کی چالوں سے آگاہ فرمایا۔ کہ کفار کی کسی بات پر دھیان نہ دو۔ ورنہ وہ تمہیں صراط مستقیم سے ہٹادیں گے۔

شان نزول: کفار مکہ نے مسلمانوں سے کہا۔ کہ جس جانور کو تم خود مارتے ہو۔ اسے کہتے ہو یہ حلال ہے۔ جو جانور از خود مرا۔ اس کے بارے میں کہتے ہو کہ یہ حرام ہے حالانکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ اسے اللہ نے مارا ہے۔ تو اللہ کے مارے ہوئے کو حرام جانتے ہو اور اپنے ہاتھ سے مارے ہوئے کو حلال کہتے ہو۔ (یعنی بڑے ٹیکنیکل طریقے سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا منصوبہ بنایا)۔ یہاں سبیل اللہ سے مراد شریعت ہے۔ یعنی ان کی باتوں میں آئے تو وہ شریعت سے دور کردیں گے۔ اس لئے کہ کافر لوگ نہیں پیروی کرتے مگر اپنے گمان کی۔ یعنی جو ان کے گمان میں آتا ہے۔ اسی کو اپنا مذہب سمجھ کر اس پر چل پڑتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ بہت بڑے گمراہ ہیں۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے۔ کہ حق کا راستہ ظن تخمینے اور اندھی تقلید اور خواہشات پر چلنے سے نہیں ملتا۔ بلکہ حق کا راستہ صدق تحقیق اور ہدایت سے ملتا ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ یہ کافر صرف اپنے اٹکل پچو پر چلتے ہیں۔ اور مردار کو حلال کہہ رہے ہیں۔ اس طرح وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۱۷) بے شک آپ کا رب اچھی طرح جانتا ہے۔ ان کو بھی جو سیدھی راہ سے گمراہ ہوئے۔ اور ان کو بھی جو ہدایت پانے والے ہیں۔ اسی لئے بروز قیامت جو جس کا مستحق ہے۔ اسے مل جائیگا۔ یعنی ہدایت والوں کو جنت اور گمراہوں کیلئے جہنم ہے۔ **فائدہ:** امام حدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اعلم اس لحاظ سے ہے۔ کہ وہ ہر چیز کو ہر سمت سے جانتا ہے۔ باقی لوگ کسی ایک جانب سے جانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس تمام نشیب فراز سب کو جانتا ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

تو کھاؤ اسے جس پر لیا گیا نام اللہ کا اگر ہو تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ

اور کیا ہو گیا تمہیں کہ نہیں کھاتے اسے کہ بولا گیا نام اللہ کا اس پر حالانکہ تحقیق تفصیلا بیان ہوا تمہارے لئے

مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ

جو حرام ہوا تم پر مگر جب مجبور ہو تم اس کی طرف اور بے شک بہتوں کو گمراہ کیا

بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ان کی خواہشات نے بغیر علم کے بے شک تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو

(آیت نمبر ۱۱۸) پس کھاؤ اس میں سے کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ اگر تم اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہو۔ اس آیت کریمہ میں بتایا گیا کہ جو لوگ حلال کو حرام بتاتے ہیں۔ اور حرام کو حلال کہتے ہیں۔ وہ گمراہ ہیں۔ ان کے چکر میں نہ آؤ۔ اب حرام و حلال کا معیار بتایا گیا کہ کون سا گوشت کھاؤ۔ اور کون سا نہیں۔ اس کا معیار یہ ہے۔ کہ اللہ کا نام لیکر جس جانور کو ذبح کیا گیا ہے اسے کھاؤ اور جو جانور بغیر ذبح کئے خود ہی مر گیا۔ یا ذبح کیا گیا مگر اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ یا اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا۔ وہ سب حرام اور مردار ہیں۔ ان کا کھانا حرام ہے۔ اب آیات قرآنی پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے۔ کہ جن اشیاء کو قرآن میں حلال کیا گیا۔ ان کا کھانا مباح اور جنہیں حرام کہا۔ ان سے بچنا ضروری ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۹) اے لوگو تمہیں کیا ہوا۔ کہ تم نہیں کھاتے اسے جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ یہ بات کفار مکہ کو کہی جا رہی ہے۔ کہ مردار کھا لیتے ہو۔ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ تو وہ کیوں نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔

فائدہ: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مشرکین کو کہا گیا۔ کہ تم صرف وہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمام احکام تفصیل سے بیان فرما دیئے۔ کہ کون کون سی چیزیں تم پر حرام ہیں۔ اور جن کا بیان نہیں ہوا وہ مباح ہیں۔ البتہ مجبوری حالت میں کہ جب تمہیں کھانے کیلئے حلال چیز نہیں مل رہی اور جان بہ لب ہے۔ تو پھر حرام چیز بھی تم پر کھانا حلال ہے۔ (تاکہ جان بچ جائے) اور بے شک بہت سارے کافر ضرور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ اپنی خواہشات پر چلا کر یعنی حرام کو حلال کریں گے۔ اپنی خواہش کے مطابق بغیر علم کے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ

اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور چھپے بھی بے شک وہ جو کماتے ہیں گناہ عنقریب سزا دیئے جائیں گے

بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اس کی جو تھے وہ کرتے

(بقیہ آیت نمبر۱۱۹) **فائدہ**: اس علم سے مراد شریعت کا علم ہے۔ جو بذریعہ وحی حاصل ہوا ہو۔ آگے فرمایا۔ کہ بے شک آپ کا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ جو حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف اور حلال کو چھوڑ کر حرام کی طرف جھکتے ہیں۔ **فائدہ**: خواہشات کی پیروی کرنے والوں کی کئی اقسام ہیں۔ ان میں معتزلہ (موجود وہابیہ) اور شیعہ جو قرآن کی غلط تاویلیں کرتے ہیں۔ اور اہل سنت کے خلاف ایسے مسائل انہوں نے گھڑے ہیں۔ جو ان کی خواہشات نفسانی کے آئینہ دار ہیں۔ اور وہی لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۲۰) اے ایمان والو ظاہری اور چھپے سب گناہ چھوڑ د۔ اس سے مراد وہ کام ہیں جو گناہ کا سبب بنتے ہیں یا اس سے ہر قسم کے گناہوں کا چھوڑ دینا مراد ہے۔ گناہ کے دو ہی حال ہیں۔ ظاہر یا چھپ کر۔ اعضاء سے ہوئے تو ظاہر ہیں۔ اور قلوب (دل) سے ہوئے۔ تو چھپ کر ہوں گے۔ جیسے عقائد فاسدہ وغیرہ۔ یا گندے خیالات۔

آگے فرمایا کہ بے شک جو لوگ گناہ کماتے ہیں۔ یعنی ظاہری یا باطنی طور سے گناہ کرتے ہیں۔ وہ لوگ عنقریب آخرت میں سزا پائیں گے۔ بہ سبب اس کے جو وہ دنیا میں گناہ کیا کرتے تھے۔ اس لئے بندوں پر لازم ہے کہ وہ ہر قسم کے چھوٹے بڑے اور ظاہری یا باطنی سب گناہوں سے پرہیز کریں۔

سبق: گناہ گار کو کسی دھوکہ میں نہیں رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم سب پر یکساں نہیں ہے۔ کسی کو معلوم نہیں۔ کہ وہ کریم کس پر لطف وکرم فرماتا ہے۔ اسی کے ساتھ کرم ہوتا ہے۔ جو گناہوں سے پرہیز کرتا ہے۔

یاد رہے تمام گناہ گار سخت خطرے میں ہیں۔ لوگوں کو خاتمے کا کوئی علم نہیں۔ لہذا اے گناہ کرنے والے اور نافرمانیوں میں عمر ضائع کرنے والے مغرور نہ ہو۔ نافرمان پر نظر عنایت کبھی نہیں ہوتی۔ تجھے معلوم نہیں ہے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کا ارادہ کیا ہے یا ان میں سے نہیں ہے۔ معافی اصل وہی ہے۔ جو ابتداء میں ہی ہو (مار پیٹ کھا کر معافی ملی تو کیا ملی) مزا تب ہے کہ محشر میں جاتے ہی معافی کا پروانہ مل جائے۔

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ

اور نہ کھاؤ اس سے نہیں لیا گیا نام اللہ کا جس پر بے شک وہ حکم عدولی ہے اور بے شک شیطان

لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

باتیں ڈالتے ہیں طرف اپنے دوستوں کے تاکہ وہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم ان کا کہنا مانو تو بے شک تم مشرک ہو

(آیت نمبر ۱۲۱) اور نہ کھاؤ اس میں سے کہ جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ **مسئلہ**: اگر ذبح کے وقت مسلمان کو بسم اللہ اللہ اکبر کہنا یاد نہیں رہا۔ اور ذبح کر دیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ کیونکہ اللہ نے مسلمان کی بھول خطا کو معاف کیا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ مومن کے دل میں ہر وقت ذکر خدا موجود ہوتا ہے۔ **مسئلہ**: جان بوجھ کر ذبح کے وقت بسم اللہ نہ پڑھے۔ تو اس جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔ وہ ذبح کیا ہوا بھی مردار کے حکم میں ہے۔ اسی طرح جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کے بغیر خواہ کسی کا نام لیا اس کا کھانا حرام ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ بے شک وہ فسق ہے۔ یعنی حرام کے قریب جانا بھی فسق میں داخل ہے۔

شان نزول: جب مشرکین نے مسلمانوں کو طعنہ مارا کہ اپنا مارا ہوا کھاتے ہو اور خدا کے مارے کو چھوڑ دیتے ہو۔ کہ وہ حرام ہے۔ آخر وہ کیوں حرام ہے۔ تو اس کا جواب دیا گیا۔ کہ حلت وحرمت کا مدار ذبح کے وقت نام خدا پر ہے۔ اگر نام خدا لیا گیا۔ تو حلال ورنہ حرام ہے۔ (اور جہاں تک اس قسم کے بے ڈھنگے سوالوں کا تعلق ہے) تو اس کے متعلق فرمایا۔ کہ بے شک شیطان اور اس کا لشکر اپنے دوستوں کے دلوں میں اس قسم کے وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔ تاکہ اے مسلمانو تم سے یہ جھگڑتے رہیں۔ مردار کو حلال قرار دینے کے سلسلے میں۔ اصل میں شیطان پوشیدہ طور پر ان کے دلوں میں ایسے وسوسے ڈالتے ہیں۔ لیکن اے مسلمانو یاد رکھو اگر تم نے حرام کو حلال سمجھنے کیلئے ان کی بات مانی۔ یعنی ان کے باطل خیالات کی موافقت کی۔ تو پھر تم بھی مشرک ہوگے، اس لئے کہ جو اطاعت الٰہی چھوڑ دیتا ہے۔ گویا اس نے دین حقہ کو خیر آباد کہہ دیا۔ اور اس نے کسی اور کی موافقت کر لی تو گویا اللہ کے سوا دوسرے دین کو پسند کیا تو جس نے کسی اور دین کو اپنایا گویا وہ بھی ان ہی جیسا ہو گیا۔

ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنے کی وجہ: چونکہ نزع کے وقت سختی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام ہر چیز سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ ذبح کے وقت بسم اللہ کہو تاکہ جانور کی موت آسانی سے نکلے۔ اسی لئے میت کے پاس بھی کلمہ پڑھنے کا حکم دیا گیا تاکہ اسے موت کی سختی اور تلخی محسوس نہ ہو اور جب زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو موت کے وقت اللہ تعالیٰ کا ہی نام لیا جائے۔ تاکہ موت آسانی ہو۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ

کیا وہ جو تھا مردہ پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور دی ہم نے اس کو روشنی چلتا ہے اس کے ساتھ لوگوں میں اس کی مثل

فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۲﴾

ہوسکتا ہے جو اندھیروں میں ہے نہیں نکل سکتا اس سے اسی طرح خوبصورت بنائے گئے کافروں کیلئے جو تھے وہ عمل کرتے

(آیت نمبر۱۲۲) کیا پس جو مردہ تھا ہم نے اسے زندہ کیا۔ یعنی کفار و مشرکین مردہ ہیں اور مسلمان زندہ۔

شان نزول : عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ابو جہل بد بخت نے ایک دفعہ حضور ﷺ پر گوبر پھینکا (ایک روایت میں ہے پتھر مارا) حضرت امیر حمزہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور اس وقت وہ کہیں شکار پر گئے تھے۔ واپسی پر کسی نے (غالباً اہلیہ) نے سارا واقعہ بتادیا۔ آپ وہاں سے ہی سیدھے ابو جہل کی طرف چل پڑے۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ وہی ابو جہل کو دے ماری اور فرمایا کہ تو نے اسے اکیلا سمجھ کے مارا۔ ابو جہل نے کہا۔ وہ ہمارے بتوں کو جو برا کہتا ہے۔ فرمایا کہ بے وقوف اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کے بتوں کو خدا سمجھتا ہے۔ سن آج سے میں مسلمان بھی ہوتا ہوں۔ اور ان کا ساتھی بھی ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا جو مردہ یعنی مشرک تھا۔ پھر ہم نے اسے زندہ یعنی مسلمان کیا۔ پھر ہم نے اسے نور بخشا جسے لیکر وہ لوگوں میں چلتا ہے۔ کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہی۔ جو اندھیروں میں ہی بھٹکتا رہا۔ اور کسی طرف نکلنے کا اسے راستہ ہی نہیں ملا۔

فائدہ : وہ شخص جسے زندگی ملی یعنی دولت ایمان نصیب ہوئی۔ اور اللہ کی طرف سے نور ہدایت ملا۔ جس کی وجہ سے وہ حق و باطل میں امتیاز کرسکا۔ اس سے مراد حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور دوسرا شخص مردہ یعنی کافر جو ہمیشہ کفر کے گھمیر اندھیرے میں ہی رہا وہ جاہل کا جاہل ابو جہل ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اسی طرح شیطان نے خوبصورت بنائے کافروں کے اعمال تا کہ وہ ان کفر کے اندھیروں میں ہی ہمیشہ رہیں اور نور ایمان و ہدایت کی طرف نہ آسکیں۔

فائدہ : عارف یعنی عالم اور جاہل برابر نہیں۔ عالم خواہ شریعت کا ہو۔ یا طریقت و حقیقت کا۔ کیونکہ عارف اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور سے دیکھتا ہے اور وہ سیدھی راہ پر چلتا ہے۔ لیکن جاہل ہمیشہ حیران و سرگرداں رہتا ہے۔ اندھیرے میں رہتا ہے۔ جہالت کی وجہ سے کبھی صحیح راہ نہیں پاتا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ط

اور اسی طرح بنائے ہم نے ہر بستی میں سرغنے مجرموں کے تاکہ خوب مکر کریں اس میں

وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

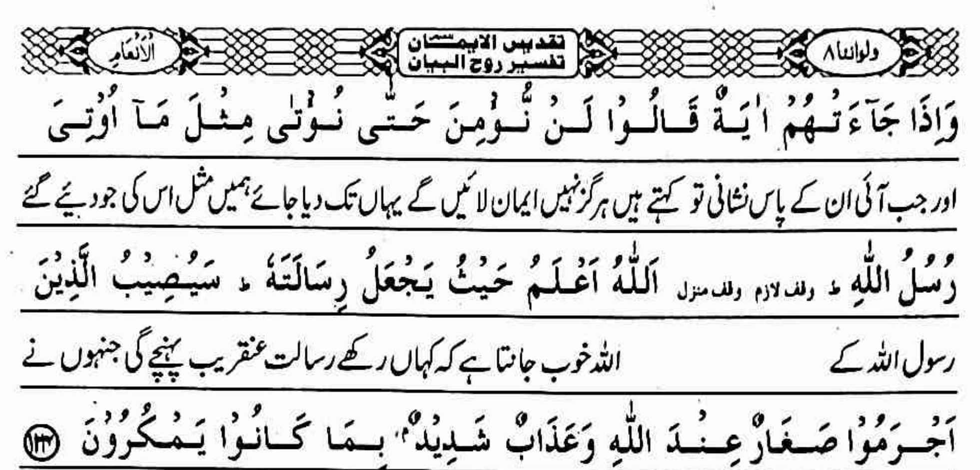
اور نہیں مکر کرتے مگر اپنی جانوں پر اور نہیں وہ سمجھتے

(آیت نمبر ۱۲۳) اور اہل مکہ کے لیڈروں کی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے ٹاپ کلاس کے مجرم پیدا کئے تاکہ خوب لوگوں کے ساتھ مکر وفریب کریں۔ اس لئے کہ ان لیڈروں کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ مال ودولت کے بل بوتے پر اپنے مکر وفریب کے ذریعے عوام کو خوب گمراہ کرتے ہیں۔ اور انہیں دام فریب میں پھنسانے میں بڑا تجربہ رکھتے ہیں بلکہ وہ اپنے رعب وداب کے ذریعے لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔

تشریح : کفار مکہ نے یہ دستور بنالیا۔ کہ روزانہ مکہ شریف کو آنے والے تمام راستوں پر اپنے آدمیوں کو بٹھادیتے۔ جو کہ ہر آنے والے آدمی کو جو باہر سے نیا آدمی آتا۔ اسے حضور ﷺ کے خلاف نفرت پر ابھارتے۔ اور مسلمانوں سے متنفر کرتے۔ اور ہر باہر جانے والے پر لازم کرتے۔ کہ وہ جدھر جائے۔ وہ حضور ﷺ کے خلاف نفرت آمیز باتیں کرتا جائے اور لوگوں کو بتائے کہ مکہ میں ایک ساحر اور کاہن ہے۔ اس سے بچو۔ معاذ اللہ۔

اور یہ بھی حکمت الٰہی رہی کہ ہمیشہ نبی کا ساتھ دینے والی اور دین پر چلنے والی جماعت چھوٹی اور کمزور لوگوں کی رہی۔ اور بڑے بڑے لیڈران سے مکر وفریب کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ وہ اصل میں اپنے آپ کے ساتھ مکر وفریب کر رہے ہیں۔ لیکن انہیں اس کا کوئی شعور نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں دوسروں کا نقصان کر رہے ہیں۔ حقیقت میں وہ اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ یعنی آخرت میں اس کا وبال ان پر ہی پڑے گا۔

فائدہ : اس آیت میں بھی حضور ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کفار مکہ کی شرارتوں سے نہ گھبرائیں۔ ہر نبی کے وقت میں ایسے مسٹنڈے رہے ہیں جو مسلمانوں کو پریشان کرتے تھے۔ ان کے بڑے بڑے کافر مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ اے محبوب گھبرائیں نہیں۔ ان کے مکروں کا وبال ایک دن ان پر ہی پڑنے والا ہے۔ یعنی یہ لوگ جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

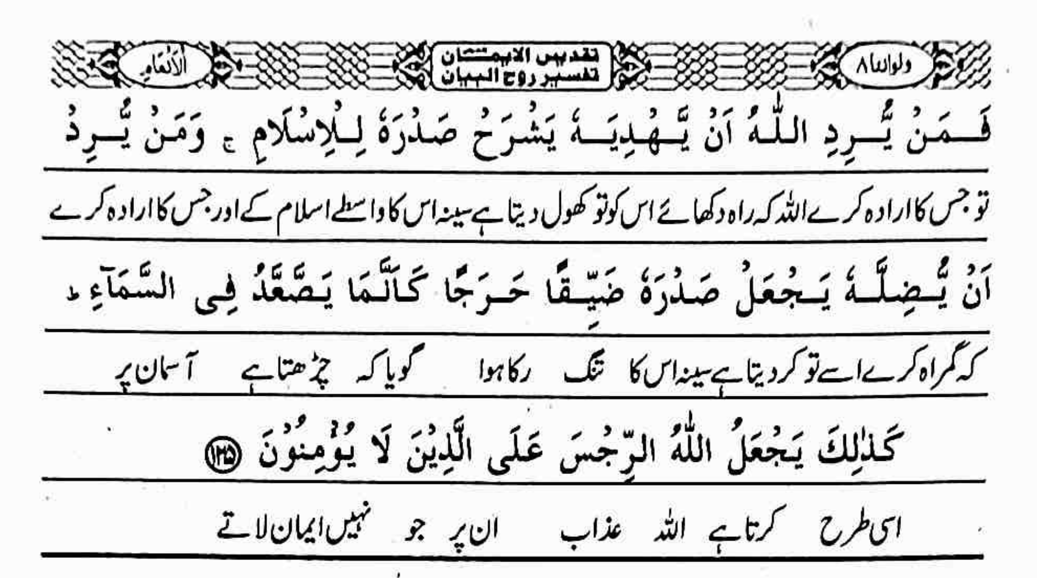


(آیت نمبر۱۲۴) چنانچہ حضور ﷺ کے زمانے کے مشرکین جب کوئی آیت یا نشانی دیکھتے یا سنتے۔ جو حضور ﷺ کی نبوت پر صداقت کی دلیل ہوتی۔ تو آگے سے وہ کہتے۔ کہ ہم تو اس وقت تک ایمان نہیں لاتے جب تک ہمیں وہ چیز نہ دی جائے۔ جو سابقہ رسولوں کو دی گئی۔ یعنی کتاب یا معجزات وغیرہ یا نبوت و رسالت مراد ہے۔

شان نزول : یہ خیالات ابو جہل اینڈ کمپنی کے تھے ان کا خیال تھا کہ انہیں بھی نبوت یا رسالت ملنی چاہئے کیونکہ ہم سردار ہیں۔ ہم کسی کے تابعدار نہیں ہو سکتے۔ لہذا ہمیں بھی اگر نبوۃ مل جائے تو پھر ہم مان جائیں گے۔

فائدہ : صاحب تیسیر فرماتے ہیں۔ کہ وہ آدمی بہت بڑا بے وقوف ہے۔ جو کہے مجھے نبی بنایا جائے یا وہ یہ کہے۔ کہ جس کے متعلق ہم کہیں اسے نبی بنایا جائے۔ پھر میں ایمان قبول کروں گا۔ حالانکہ اس بات کو اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ اس نے رسالت یا نبوت کہاں رکھنی ہے۔ یعنی کس کو نبی یا رسول بنانا ہے۔ کیونکہ ہر آدمی اس کا اہل نہیں ہے۔ نہ یہ منصب نسب یا مال کی وجہ سے ملتا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان مجرموں کو ذلت اور رسوائی کی مصیبت آنے والی ہے۔ خصوصاً بروز قیامت انہیں انتہائی ذلت و خواری ہوگی۔ اور سخت ترین عذاب ہوگا۔ ان کے مکر وفریب کی وجہ سے جو یہ نبی ﷺ سے کرتے رہے۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا۔ کہ نبوۃ اور رسالت عمل سے نہیں ملتی بلکہ یہ محض فضل الٰہی سے ملتی ہے (مرزے قادیانی نے جو کہا ہے۔ کہ اپنے عمل سے آدمی اس درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کی اس آیت میں تردید ہے) جدوجہد سے ولایت تو مل سکتی ہے۔ لیکن نبوۃ جدوجہد سے نہیں ملتی۔ خواہ کسی میں نبوۃ کی ساری شرائط پائی جائیں۔ لیکن نبوۃ اسی کو ملتی ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ "ذالك فضل الله يوتيه من يشاء"۔ لیکن اب تو نبوۃ کا دروازہ ہی ہمیشہ کیلئے مکمل طور پر بند ہو چکا ہے۔ اب کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا دجال ہے۔



فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ

تو جس کا ارادہ کرے اللہ کہ راہ دکھائے اس کو تو کھول دیتا ہے سینہ اس کا واسطے اسلام کے اور جس کا ارادہ کرے

اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ۭ

کہ گمراہ کرے اسے تو کر دیتا ہے سینہ اس کا تنگ رکا ہوا گویا کہ چڑھتا ہے آسمان پر

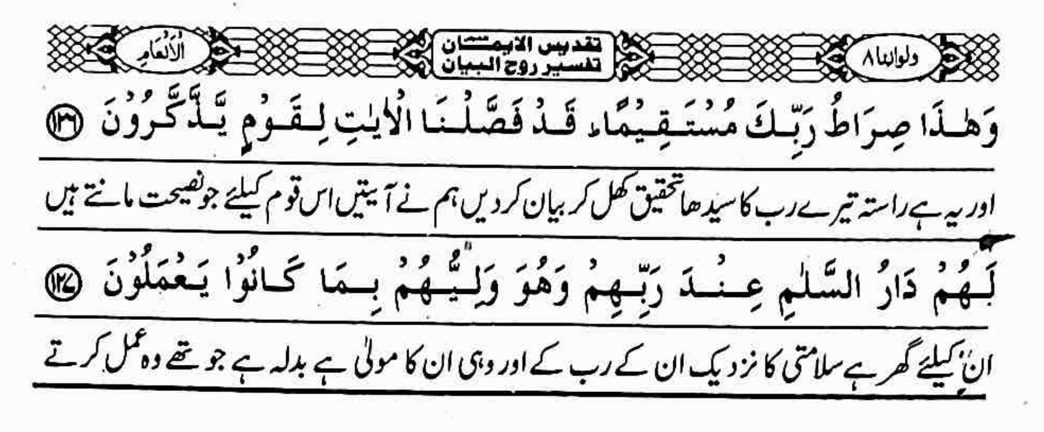
كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اسی طرح کرتا ہے اللہ عذاب ان پر جو نہیں ایمان لاتے

(آیت نمبر ۱۲۵) پس جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کر لے۔ یعنی جسے حق کا راستہ اور ایمان کی توفیق دینے کا ارادہ کر لے۔ تو اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔ یعنی اس میں اتنی وسعت پیدا فرما دیتا ہے۔ کہ اس میں حق قبول کرنے کی استعداد آ جاتی ہے۔ اور تزکیہ سے اس کا دل ایسا صاف شفاف ہو جاتا ہے۔ کہ ترقی حاصل کرنے کے تمام امور اسے حاصل ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف: جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ سینہ کھلنے سے کیا مراد ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ ایک نور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ پھر پوچھا گیا۔ کہ کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ ہاں اس کی علامت بھی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ بندے کا رجحان دار الخلد کی طرف ہو جاتا ہے۔ دار الغرور یعنی دنیا سے اسے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور ہمہ وقت پھر وہ موت کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔ (تفسیر خازن)

آگے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کرے۔ تو اس کا حال یہ ہو جاتا ہے۔ کہ اس کا سینہ تنگ اس قدر ہو جاتا ہے۔ کہ اس کے اندر ایمان داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اس میں کفر والے اسباب پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ (اور سینہ کی تنگی ایسی ہوتی ہے۔ کہ سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے) گویا وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہے۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح اللہ ڈالتا ہے۔ (رجس) یعنی عذاب یا رسوائی یا لعنت وغیرہ ان پر مسلط کر دیتا ہے۔ تو وہ رجس ان لوگوں پر ڈالتا ہے۔ جو بے ایمان ہیں۔ یا رجس سے مراد شیطان ہے۔ کہ جو ان کفار پر ایسا مسلط ہوتا ہے۔ پھر وہ ایمان قبول کرنے کے بجائے کفر و سرکشی قبول کر لیتے ہیں۔ مگر ایمان قبول نہیں کرتے۔



(آیت نمبر ۱۲۶) اور فرمایا کہ یہ ہے تیرے رب کی سیدھی راہ جس پر وہ راضی ہے۔ جس میں کوئی کجی نہیں اور یہی وہ راستہ ہے جو سیدھا جنت کو جاتا ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے آیات کو پوری تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ کہ کوئی ایک مضمون بھی دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتا۔ ایسی قوم کیلئے جو نصیحت حاصل کریں۔

(آیت نمبر ۱۲۷) ایسے ہی لوگوں کیلئے سلامتی کا گھر تیار کیا گیا ہے۔ ان کے رب کے پاس۔ کہ جس گھر میں نہ دکھ نہ درد نہ کوئی تکلیف۔ بلکہ سکھ ہی سکھ ہے۔ اور اس جنت میں مہمانیاں ہی مہمانیاں ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ کہ آج فلان کے گھر میں مہمانی ہے۔ یعنی اس کی مہمانی سے لطف اندوز ہوں گے۔ اور اللہ ہی دنیا آخرت میں ان کا مالک ومحب اور دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کرنے والا ہے۔ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے انہیں یہ درجات ملے۔

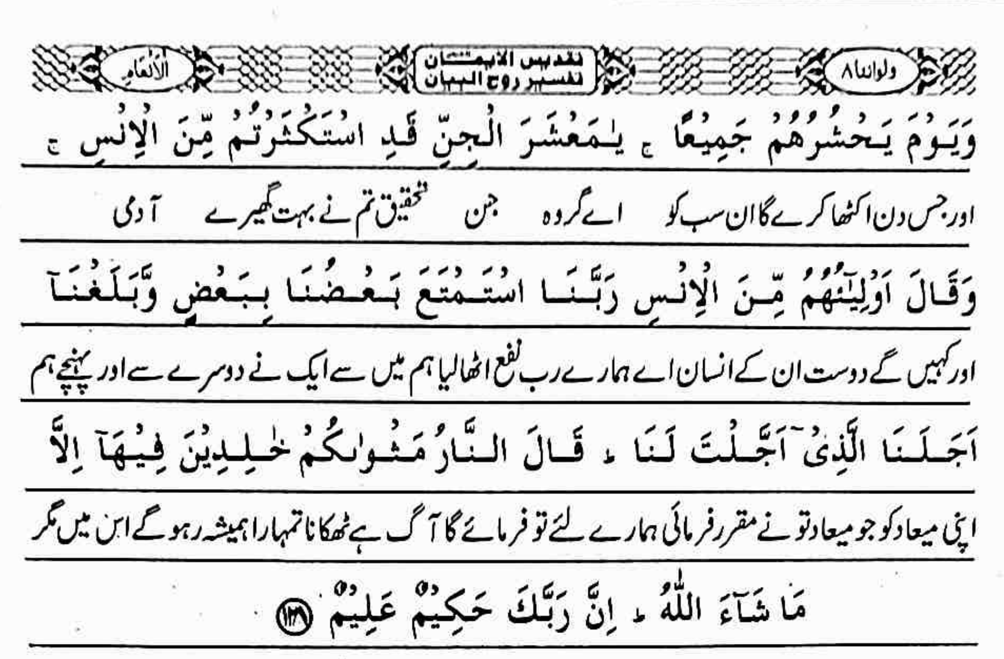
اس آیت میں پانچ باتیں بیان ہوئیں:

۱۔ ایمان کا حسن۔ ۲۔ کفر کی برائی۔

۳۔ نیک بخت کی شان اور بد بخت کا انجام۔

۴۔ انبیاء و اولیاء کی راہ پر چلنے کی ترغیب۔

۵۔ عمل صالح وہ ہوتا ہے۔ جو رضاء الٰہی کیلئے ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب بنے وہ جنت میں جانے کا گویا ٹکٹ ہے۔ اور دار السلام وہ اطمینان کا مقام ہے۔ کہ جہاں جو بھی مسلمان داخل ہوگا۔ وہ ہر قسم کی تکالیف سے محفوظ ہو جائے گا۔ اسے سلامتی مل جائے گی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اہل ایمان کا ولی ہے۔ جو انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ دعا: اللہ تعالیٰ ہمیں دار البوار سے بچائے اور دار القرار میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین



وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ج يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ج

اور جس دن اکٹھا کرے گا ان سب کو اے گروہ جن تحقیق تم نے بہت گھیرے آدمی

وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ

اور کہیں گے دوست ان کے انسان اے ہمارے رب نفع اٹھالیا ہم میں سے ایک نے دوسرے سے اور پہنچے ہم

اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ط قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا

اپنی میعاد کو جو میعاد تو نے مقرر فرمائی ہمارے لئے تو فرمائے گا آگ ہے ٹھکانا تمہارا ہمیشہ رہو گے اس میں مگر

مَا شَآءَ اللّٰهُ ط اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢٨﴾

جو چاہے اللہ بے شک تیرا رب حکمت والا علم والا ہے

(آیت نمبر ۱۲۸) اے محبوب وہ دن یاد کریں۔ کہ جس دن اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں کو قبروں سے نکالنے کے بعد اکٹھا فرمائے گا تو انہیں پوچھے گا۔ کہ اے جنوں کی جماعت۔

فائدہ : جن کا معنی پوشیدہ ہونا۔ یعنی انسانوں کو نظر نہ آنے کی وجہ سے انہیں جن کہا جاتا ہے۔ حشر ایک بڑی جماعت کو کہا جاتا ہے۔ تو فرمایا کہ اے جنو تم نے انسانوں کی نسبت کثرت پائی۔ یا تم نے بہت انسانوں کو گمراہ کیا۔ تو ان کے دوست کہیں گے جنہوں نے ان کی باتیں مانی ہوں گی۔ اے ہمارے رب ہم میں سے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا کہ ایک دوسرے کو دنیا کی خواہشات میں مدد کرتے رہے۔ پھر ہم اس میعاد کو آپہنچے۔ جو تو نے ہمارے لئے موت یا قیامت کی میعاد مقرر فرمائی تھی۔

فائدہ : مجرم بروز قیامت اپنے جرم کا اعتراف کریں گے۔ اور اپنی غلطیوں کو مانیں گے۔ کہ یہ واقعی ہماری ہی کوتاہیاں ہیں۔ ہم نے ان خواہشات و شہوات میں ان شیطانوں کی پیروی کی۔ اور ان کے کہنے پر قیامت کا بھی انکار کرتے رہے۔ اور یہ ان کا ماننا پشیمانی کے طور پر ہوگا۔ اور اپنے آپ پر افسوس کر رہے ہوں گے۔

فائدہ : یہ بولنے والے گمراہ ہونے والے ہیں۔ گمراہ کرنے والوں کی تو پہلے ہی بولتی بند کر دی جائے گی۔ پھر انہیں بولنے کی ہمت ہی نہیں ہوگی۔ ان کے لاجواب ہونے کا ذکر دوسرے مقام پر ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ (خواہ کچھ بھی ہوا) اب تم دونوں (گمراہ کرنے والے یا گمراہ ہونے والوں) کا ٹھکانہ تو جہنم ہے۔ اب تم ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو گے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

اور اسی طرح ہم مسلط کرتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر بوجہ اس کے جو تھے وہ کماتے

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۸) **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ جنت و دوزخ ہمیشہ رہنے والی مخلوق کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) تمام فرشتے ہمیشہ جنت میں۔ تمام شیطان ہمیشہ دوزخ میں۔ بعض انسان اور جن جو نیک ہیں وہ ہمیشہ جنت میں۔ بعض جن اور انسان (کفار و مشرکین) ہمیشہ دوزخ میں۔ آگے فرمایا۔ الا ماشاء اللہ۔ مگر جو اللہ چاہئے۔ امام نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے سچے دل سے توبہ کی اور پرخلوص ہو کر رجوع الی اللہ کیا۔ یعنی یہ استثناء جہنم میں ہمیشہ رہنے والوں کی نہیں کہ شاید کسی وقت وہ نکل جائیں۔ بلکہ یہ استثناء ان کی ہے۔ جنہوں نے دنیا میں غلطیاں کیں پھر سچے دل سے توبہ کر لی۔

(۲) بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہ استثناء اصل میں سابقہ مضمون سے ہے۔ اس کا پھر مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ ہمیشہ ہی جہنم میں رہیں گے۔ مگر ان اوقات میں دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ کہ جن اوقات میں اللہ چاہے گا۔ تو وہ مستثنیٰ اوقات اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ چنانچہ روایات میں یہ آتا ہے۔ کہ بعض اوقات دوزخیوں کو آگ سے نکال کر (زمہریر) یعنی برف خانے میں ڈال دیا جائے گا۔ جہاں ان کے چمڑے بھی ادھڑ جائیں گے۔ انتہائی سخت سردی کی وجہ سے وہ چیخیں گے اور وہ چلائیں گے اور کہیں گے ہمیں واپس جہنم میں ہی ڈال دو۔ لیکن اس سختی سے ہمیں نکال لو۔

(۳) جلالین میں ہے الا ماشاء اللہ کا استثناء وقت کیلئے ہے۔ کہ انہیں بعض اوقات جہنم کی آگ سے نکال کر سخت گرم کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دیا جائیگا۔ چونکہ اس حصہ دوزخ سے جنت کے اندر کا حصہ دکھایا جائے گا۔ جب وہ اس کی طرف چل کر آئیں گے۔ تو پھر دروازہ بند کر دیا جائیگا۔ اس کے علاوہ بھی صوفیاء نے اس کے کئی معانی بیان کئے ہیں۔

آگے فرمایا بے شک آپ کا رب حکمت والا علم والا ہے۔

(آیت نمبر ۱۲۹) اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں۔ تاکہ ظالم دوسرے ظالموں کی خوب پٹائی کریں۔ تاکہ بدلہ ملے ان کو اس کا جو جو وہ کفر و گناہ کرتے رہے۔

ظالم کی مدد کرنے والے پر بھی ظالم مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ کہ وہ برے لوگوں سے ان کے گناہوں کا یوں ہی بدلہ لیتا ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اے گروہ جن وانسان کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے جو پڑھتے تم پر

اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا

میری آیتیں اور ڈراتے تمہیں دیکھنے اس دن سے کہیں گے ہم گواہ ہیں اپنے آپ پر

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور دھوکے میں رکھا ان کو زندگانی دنیا نے اور گواہ ہونگے اپنے ہی خلاف کہ بے شک وہ تھے کافر

(آیت نمبر ۱۳۰) اللہ تعالیٰ بروز قیامت فرمائے گا۔ اے جنوں اور انسانوں کے گروہو۔ کیا تم دونوں گروہوں کے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے۔ **مسئلہ**: اس پر اجماع ہے۔ کہ انسان اور جن دونوں احکام الٰہی پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ البتہ اس بات میں احتمال ہے کہ جنوں کے پاس ان کی جنس سے رسول آئے۔ یا جو رسول انسانوں میں آئے۔ ان سے ہی جن بھی استفادہ کرتے رہے۔ اور اس میں کوئی اشکال بھی نہیں۔ **مسئلہ**: اس بات پر اجماع ہے۔ کہ ہمارے حضور ﷺ جس طرح انسانوں کے رسول ہیں۔ اسی طرح جنوں کے بھی رسول ہیں۔

جنات میں سے نبی کی تحقیق:

"رسل منکم" کے لفظ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جنات میں بھی نبی اور رسول ہوئے۔ امام ضحاک اور ان کے تابعین کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور ان کی دلیل یہی آیت ہے۔ اور انہوں نے دوسری دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے پیش کی ہے۔ کہ انہوں نے "ومن الارض مثلهن" کی تفسیر میں فرمایا۔ کہ ہر زمین میں نبی ہے۔ جیسے تمہارے اندر نبی ہیں۔ اور امام ضحاک کی تیسری دلیل یہ قول مشہور ہے۔ کہ زمین والے کعبہ کی طرح ہر آسمان میں بھی کعبہ ہے۔ جو اس کعبہ کے بالکل بالمقابل ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں میں بھی اس کعبہ کے بالمقابل کعبہ ہے۔ ہر زمین و آسمان والے اپنے اپنے کعبے کا طواف کرتے ہیں۔ بہر حال علماء کی کثیر تعداد اس طرف بھی گئی ہے۔ کہ جنوں میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ جیسا کہ امام ہدائی کا بھی خیال ہے۔ (واللہ اعلم)

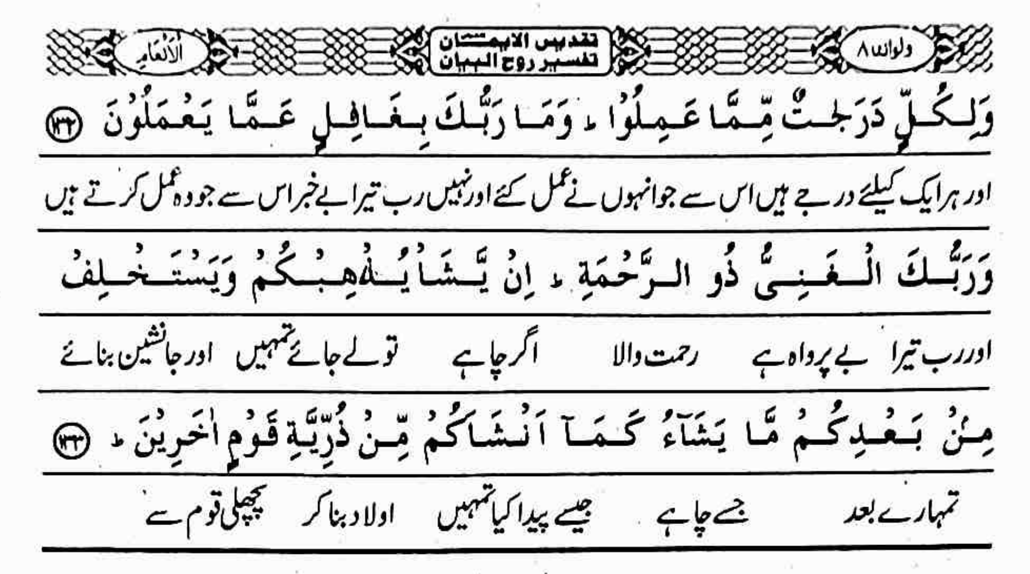
ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّاَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳۱﴾

یہ اس لئے کہ نہیں ہے رب تیرا ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم سے جبکہ مکین وہاں کے بے خبر ہوں

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۰) **مسئلہ**: اس سے بشر کی جنوں پر افضلیت ثابت ہوئی ہے۔ اس لئے۔ کہ تمام انبیاء بشروں میں تشریف لائے اور جنوں نے ان پر ایمان لایا جیسا کہ ہمارے حضور پر ایمان لائے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں جنوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی ایمان لائے اور قرآن سن کر اپنی قوم کو جا کر اس کی تلقین کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بروز قیامت فرمائے گا کہ تمہارے پاس میرے رسول آئے جو تمہارے سامنے میری آیتیں پڑھتے اور تمہیں آج کے اس دن سے ڈراتے رہے۔ تو وہ جواب میں کہیں گے۔ کہ ہم اپنے آپ پر گواہ ہیں کہ ہم تک تیرے احکام بالکل پہنچے تھے۔ گویا انہوں نے اپنے کفر کا اور عذاب کے مستحق ہونے کا اعتراف کرلیا۔ لیکن دنیا میں ایمان اس لئے نہ لاسکے۔ کہ دنیا کی زندگی سے دھوکا کھا گئے۔ اب وہ آخرت میں اپنے آپ پر خود ہی گواہ بن گئے۔ کہ بے شک وہ کافروں سے تھے۔ کہ وہ حیات دنیوی میں لذات وشہوات سے دھوکہ کھا گئے۔ اور آخرت سے منہ پھیر رکھا۔ اور بالآخر ان کا انجام خراب ہوا۔

(آیت نمبر ۱۳۱) یہ رسولان گرامی قدر کا بھیجنا اس لئے نہیں تھا۔ نہ ہی آپ کا رب کریم بستی والوں کو ان کے ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا ہے۔ کہ اس بستی میں رہنے والے بے خبر ہوں۔ بلکہ رب تعالیٰ پیغمبروں کو اپنے احکام دے کر بستی کی طرف بھیجتا ہے۔ وہ بستی والوں کو اللہ کے پیغام بھی سناتے ہیں۔ ساتھ ساتھ نہ ماننے پر عذاب کا ڈر بھی سناتے ہیں۔ امام بغوی فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ ہے۔ کہ کسی کو غلطی کے بغیر سزا نہیں دیتا۔ بندے کی غلطی اس وقت غلطی شمار ہوتی ہے۔ جب اسے کسی کام کا حکم دیا جائے اور وہ نہ کرے یا کسی کام سے منع کیا جائے۔ اور وہ باز نہ آئے۔ اور یہ کام پیغمبران عظام کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ ورنہ تو وہ قیامت کے دن حجت پیش کرتے۔ کہ ہمارے پاس رسول آتے تو ہم تابعداری کرتے۔ لیکن اب ان کے پاس یہ عذر بھی نہیں ہوگا۔ کہ ہمیں علم نہیں تھا۔

فائدہ: یاد رہے ملک وملت کی تباہی اور بربادی علماء سو۔ پیر دنیا پرستوں، ریاکار نمازیوں خیانتی تاجروں اور ظالم بادشاہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ سنور جائیں تو ملک آباد اور ترقی پذیر ہو جاتے ہیں۔

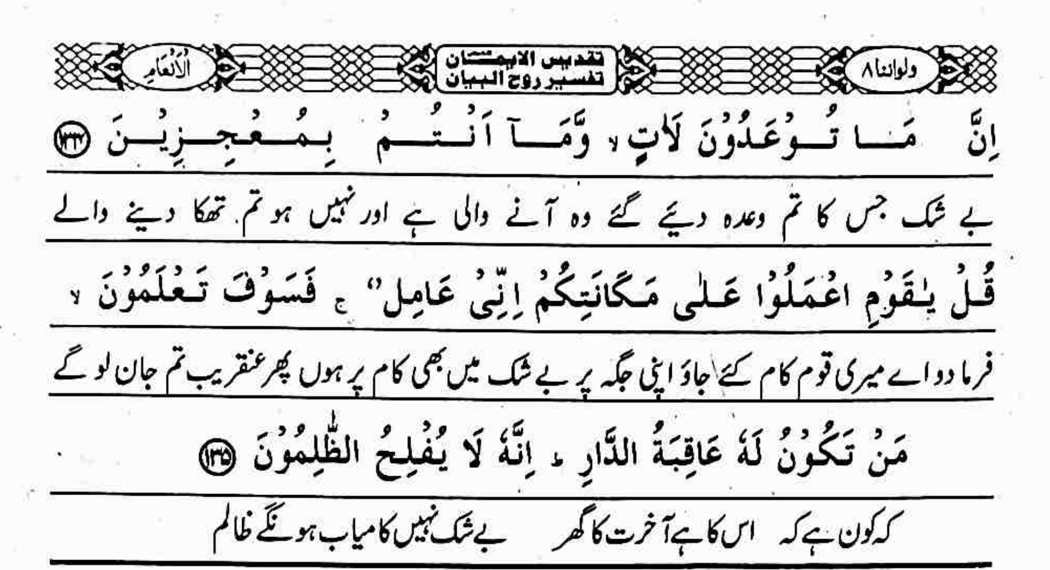


(آیت نمبر۱۳۲) ہر مکلّف کیلئے خواہ جن ہو یا انسان خواہ مسلمان یا کافر ان کے اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان کے درجات ہیں۔ نیک اعمال والے مسلمانوں کیلئے جنت کے درجات ایک سے ایک بلند ہوگا۔ اور برے لوگوں کے لئے جہنم کے درجات جن میں سخت سے سخت تر عذاب ہوگا۔

فائدہ: یاد رہے۔ درجات کا استعمال زیادہ تر خیر اور ثواب کے موقع پر ہوتا ہے۔ اور جہنم میں درکات ہوں گے۔ آگے فرمایا کہ تیرا رب غافل نہیں ہے۔ اس سے جو جو وہ عمل کرتے ہیں۔ یعنی کسی کی کوئی نیکی یا بدی اس سے مخفی نہیں ہے۔ جس پر انہیں جزاء یا سزا ملے گی۔

(آیت نمبر۱۳۳) تیرا رب بے نیاز ہے۔ اپنے بندوں کی عبادت وغیرہ سے۔

فائدہ: غنی اسے کہتے ہیں۔ جس کیلئے کسی چیز کا ہونا نہ ہونا برابر ہو۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غنی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سب دنیا اس کی محتاج ہے۔ اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور وہ رحمت والا ہے بندوں میں غنی وہ ہے جو مالدار ہو۔ یا کسی دنیادار کے آگے ہاتھ پھیلانے والا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ گناہ گاروں کو فوراً نہیں پکڑتا۔ بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے۔ یہ بھی اس کا رحم ہے اگر وہ چاہے تو اے گناہ گارو وہ تمہیں لے جائے یعنی تباہ کر کے ختم کر دے۔ اور دوسرے لوگوں کو لے آئے جن کو تمہارا خلیفہ اور جانشین بنائے تمہیں لے جانے یعنی تمہاری تباہی کے بعد جسے وہ چاہے۔ دوسری مخلوق بنا دے جو تم سے زیادہ فرمانبردار ہو۔ جیسے تمہیں پچھلی قوم کی اولاد بنا کر پیدا کیا۔ یعنی تمہارے آباء واجداد سے جو تمہاری طرح کے نہ تھے۔



اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

بے شک جس کا تم وعدہ دیئے گئے وہ آنے والی ہے اور نہیں ہو تم تھکا دینے والے

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

فرمادو اے میری قوم کام کیئے جاؤ اپنی جگہ پر بے شک میں بھی کام پر ہوں پھر عنقریب تم جان لو گے

مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کہ کون ہے کہ اس کا ہے آخرت کا گھر بے شک نہیں کامیاب ہونگے ظالم

(آیت نمبر ۱۳۴) اور بے شک جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔ یعنی قیامت کے دن اٹھنے کا اور عذاب کا۔ تو وہ ضرور عنقریب آنے والا ہے۔ اس کے برخلاف ہرگز نہیں ہوگا۔ اور انہیں ہو تم اس سے عاجز کرنے والے۔ یعنی ایسا نہیں ہے۔ کہ کسی طرح تم بھاگ کر کہیں نکل جاؤ اور ہم تمہیں پکڑ نہ سکیں۔

(آیت نمبر ۱۳۵) اے محبوب آپ ان اہل مکہ سے فرمادو۔ اے میری قوم تم اپنی جگہ اور اپنی قوت کے بل بوتے پر جتنی جدوجہد کر سکتے ہو کرلو۔ اور اپنے کفر وعداوت پوری کرلو۔ اور بے شک میں بھی صبر سے عمل کر رہا ہوں۔ اور میں ثابت قدم ہوں۔ اور صالح عمل کرتا رہوں گا۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا۔ کہ کس کا انجام اچھا ہوا۔ یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ نے جو خوبصورت گھر بنایا ہے۔ وہ کسے نصیب ہوتا ہے۔ یا تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ آخرت میں کون عذاب میں جاتا ہے اور کون عذاب سے نجات پاتا ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک یہ بات یوں ہی ہے۔ کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ یعنی کافر اپنی مراد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ہر کافر ظالم ہے لیکن ہر ظالم کافر نہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے۔ کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ بروز قیامت تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ دنیا کہاں رہ گئی۔ اور آج کامیابی کسے نصیب ہوئی۔ ان ضعیفوں کمزوروں اور ان درویشوں کو جب عزت وکرامت ملے گی۔ اور جنت کے باغات ومحلات میں نہایت عزت واحترام سے انہیں لے جایا جائیگا۔ اور اس کے بالمقابل دنیادار سرکشوں کو ذلیل وخوار کر کے جہنم کی طرف لے جایا جائیگا۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ کامیاب کون ہے۔

سبق: عقل مند کو چاہئے۔ کہ وہ دینی امور میں سستی سے کام نہ لے۔ بلکہ حصول مراد کیلئے اپنی طرف سے پوری جدوجہد کرے۔ تا کہ آخرت میں کامیاب ہو۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ

اور بنایا انہوں نے اللہ کیلئے اس سے جو پیدا ہوا کھیتی سے اور مویشیوں میں حصہ پھر کہا یہ ہے اللہ کا

بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ج فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ج

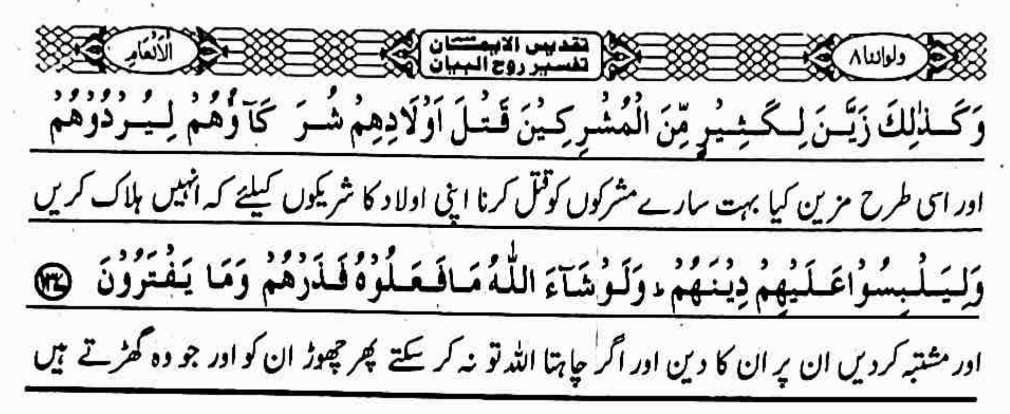
اپنے خیال سے اور یہ ہے ہمارے شریکوں کا تو جو تھا حصہ ان کے شریکوں کا نہیں ملنے دیتے تھے طرف اللہ کے

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ط سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور جو تھا اللہ کا وہ ملا لیتے طرف اپنے شریکوں کے کیا برا وہ فیصلہ کرتے ہیں

(آیت نمبر ۱۳۶) اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی پیدا کی اس سے مشرکین نے بنا رکھا ایک حصہ اللہ کیلئے اپنے گمان اور اپنی سوچ کے مطابق نہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اور کہتے یہ دوسرا حصہ ہمارے معبودوں کا ہے۔ جو اللہ کے شریک ہیں۔ اپنے تمام کاموں میں انہوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا تھا۔

فائدہ: مروی ہے۔ کہ کھیتوں اور جانوروں اور ان کے بچوں اور تجارتی نفعوں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کرتے۔ جو مہمانوں اور غریبوں پر خرچ کرتے۔ اور دوسرا حصہ معبودان باطلہ کیلئے نکالتے اور ان کے خدام پر خرچ کرتے تھے۔ اور بتوں کیلئے اچھی چیزیں اور اللہ کیلئے ردی چیزیں نامزد کر دیتے تھے۔ اور کہتے اللہ تعالیٰ تو غنی ہے۔ اسے کسی چیز کی کیا ضرورت ہے۔ اس کیلئے کوئی چیز اچھی ہو یا خراب کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور دوسرا یہ کرتے۔ کہ شریکوں (معبودوں) والے حصے سے اللہ تعالیٰ کے حصے کی طرف کوئی چیز نہیں آنے دیتے تھے۔ خواہ غلہ ہو یا جانور۔ وہ مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ اللہ کی مرضی ہوئی تو وہ خود ہی اسے اچھا کر لے گا اپنے حصے کو لیکن جو اللہ کا حصہ ہوتا وہ شریکوں (معبودوں) کے حصے میں ملا بھی لیتے تھے۔ یعنی معبودوں کے حصے کی کمی خدا کے حصے سے پوری کر لیتے اور خدا کے حصے کی کمی کمزوری یوں ہی رہنے دیتے تھے۔ یہی حال آج نام نہاد سنیوں نے شروع کر رکھا ہے۔ پیر کو خدا سے بھی اعلیٰ سمجھنا خدا کے نام پر کچھ نہ دینا اور پیر کے نام پر سب کچھ قربان کرنا۔ نعت کے دوران اللہ کا نام آئے رسول کا نام آئے کچھ نہ دینا اور پیر کا نام آ جائے۔ اٹھ اٹھ کر داد دینا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ بہت برا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔ کہ بتوں سے محبت اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔



وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ

اور اسی طرح مزین کیا بہت سارے مشرکوں کو قتل کرنا اپنی اولاد کا شریکوں کیلئے کہ انہیں ہلاک کریں

وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۷﴾

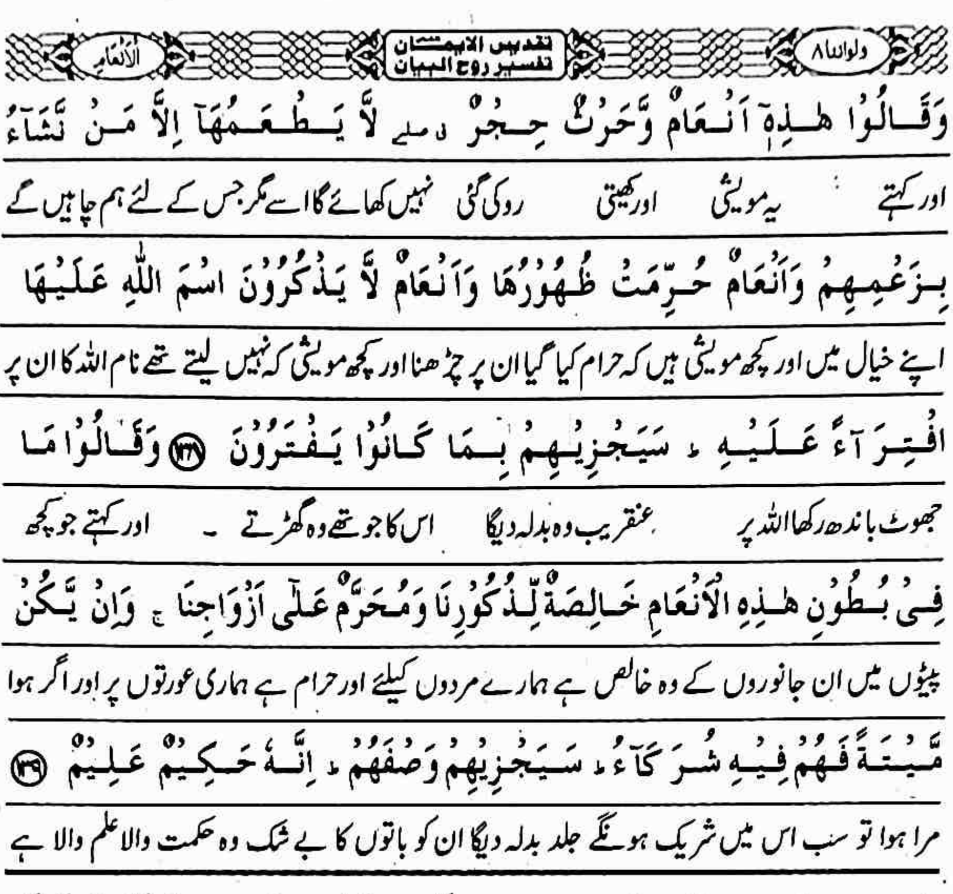
اور مشتبہ کردیں ان پر ان کا دین اور اگر چاہتا اللہ تو نہ کر سکتے پھر چھوڑ ان کو اور جو وہ گھڑتے ہیں

(آیت نمبر ۱۳۷) اسی طرح مزین بنایا شیطان نے مشرکین کے شرکیہ اعمال کو۔ کہ ان کی بہت بڑی تعداد بتوں کے نام پر اولاد کو قتل کرنا باعث ثواب سمجھتے۔ یعنی بتوں کے نام پر اپنی اولاد کو ذبح کرتے تھے۔

فائدہ : یا یہاں شرکاء سے مراد وہ جنات شیطان ہیں۔ جن کے ساتھ ان کی دوستیاں تھیں۔ بطور وسوسہ ان کو آ کر کہتے ہمارے نام پر اولاد ذبحہ کردو۔ اور اگر لڑکی ہے۔ تو اسے دفنا دو۔ تا کہ تمہارا کوئی داماد نہ بن سکے۔ اور بعض کہتے تھے کہ میرے اگر اتنے بیٹے ہوگئے۔ تو ان میں سے ایک بتوں کے نام قربان کردوں گا۔ یا اللہ کے نام پر ذبحہ کردونگا۔ جیسے حضرت عبدالمطلب نے منت مانی کہ میرے دس بیٹے ہوگئے۔ تو ایک کو اللہ کے نام پر قربان کروں گا۔ جب دس بچے ہوگئے۔ تو قرعہ ڈالا کہ کسے ذبح کیا جائے۔ تو وہ قرعہ حضور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ تو قریش نے کہا۔ کہ آپ ان کی جگہ سو اونٹ قربان کردیں۔ تو ان کی جگہ سو اونٹ ذبح کیا گیا۔

اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ ایک اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے حضرت عبداللہ۔ آگے فرمایا کہ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو گمراہ کرکے ہلاک کرے۔ یا ان کا دین ان کے لئے خلط ملط کردے۔ پرانے دین سے ہٹا کر نئے من گھڑت دین پر ان کو چلا دے۔

آگے فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا۔ تو وہ یہ کام نہ کرسکتے۔ یعنی شیطانی وسوسوں سے بچے قتل نہ کرتے۔ اے محبوب چھوڑ ان کو یعنی انہیں دفع کر جو اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں۔ یعنی وہ جو بھی غلط ملط کام کرتے ہیں کرنے دیں اور وہ یہ بھی کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے۔ کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ اس لئے فرمایا۔ انہیں چھوڑ دیجئے ان کے حساب والا دن قریب آ رہا ہے۔ انہیں اس دن سب کچھ معلوم ہوجائیگا۔



وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ

اور کہتے یہ مویشی اور کھیتی روکی گئی نہیں کھائے گا اسے مگر جس کے لئے ہم چاہیں گے

بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

اپنے خیال میں اور کچھ مویشی ہیں کہ حرام کیا گیا ان پر چڑھنا اور کچھ مویشی کہ نہیں لیتے تھے نام اللہ کا ان پر

افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا

جھوٹ باندھ رکھا اللہ پر عنقریب وہ بدلہ دیگا اس کا جو تھے وہ گھڑتے ۔ اور کہتے جو کچھ

فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ

پیٹوں میں ان جانوروں کے وہ خالص ہے ہمارے مردوں کیلئے اور حرام ہے ہماری عورتوں پر اور اگر ہوا

مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

مرا ہوا تو سب اس میں شریک ہونگے جلد بدلہ دیگا ان کو باتوں کا بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے

(آیت نمبر ۱۳۸) اور کہتے تھے کہ یہ جو ہم نے جانور اور کھیتی بتوں کیلئے خاص کی ہے۔ اسے کوئی نہیں کھا سکتا مگر صرف وہ جسے ہم چاہیں گے۔ یہ اپنے زعم (باطل خیال) سے کہتے۔ کہ وہ صرف بتوں کے خادم مرد ہی کھائیں گے۔ اور کچھ جانور ایسے ہیں۔ کہ ان کی پیٹھیں حرام کی گئی ہیں۔ (ان کی تفصیلات پیچھے گذر گئی ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ وہ لوگ کچھ جانور صرف بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ ان کے ذبح کے وقت صرف بتوں کا نام لیتے اور وہ کہتے ہمیں اللہ کا یہی حکم ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اس کی سزا دے گا۔ اس سبب سے کہ جو جو وہ اللہ پر بہتان گھڑتے ہیں۔ یعنی ہر غلط کام کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے کہ یہ اسی کا حکم ہے۔

(آیت نمبر ۱۳۹) اور کہتے تھے۔ کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹ میں ہے۔ جو بھی وہ اونٹنیاں یا گائے بچے دیں گی۔ وہ خاص ہمارے مردوں کیلئے ہوگا۔ یعنی وہ صرف مرد ہی کھائیں گے۔ ہماری عورتوں پر ان کا کھانا حرام ہے۔ یہ تمام مسائل انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر بنائے ہوئے تھے۔ اور یوں بھی کہتے تھے۔ کہ بحائر (بحیرہ کی جمع

جس کا ذکر پہلے ہو چکا)۔سوائب (سائبہ کی جمع اس کا ذکر بھی پہلے ساتویں پارے میں ہو چکا) یعنی بحائر اور سوائب کے بچے۔اگر زندہ پیدا ہوئے۔تو مرد کھائیں گے۔عورتیں نہیں کھائیں گی۔کہ ان پر ان کا کھانا حرام ہے۔اور اگر ان سے مردہ بچے پیدا ہوئے۔تو اس میں مرد وعورت دونوں شریک ہوں گے۔یعنی ان مردہ بچوں کو مرد بھی کھائیں گے۔ اور عورتیں بھی کھا سکیں گی۔یہ ان کے اپنے اپنائے ہوئے مسئلے تھے۔عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اس عمل کی اور اللہ پر جھوٹ گھڑنے کی سزا دے گا۔جو یہ کہتے ہیں۔کہ اس حرام کھانے کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے۔جب کہ یہ اللہ تعالیٰ پر صریح جھوٹ ہے۔اس لئے کہ مذکور تمام حلال وحرام ان کا اپنا من گھڑت ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔یعنی ہر کام حکمت کے مطابق کرتا ہے۔اور وہ علم والا ہے۔یعنی ان سے جو جو برائیاں سرزد ہو رہی ہیں۔انہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔اس لئے فرمایا وہ علیم بھی ہے۔اور ان کی نافرمانیوں پر انہیں سزا بھی دے گا۔کہ اس کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

صوفیانہ سوچ: گمراہ لوگوں کی سوچ کی طرح نہیں ہے۔اس لئے کہ صوفیاء کرام کے خیالات بھی عین الیقین پر مبنی ہوتے ہیں۔اور گمراہ لوگوں کے عقائد محض ظن اور تخمینے اور انکل پچو پر مبنی ہوتے ہیں۔اہل دنیا کے تمام امور ہی خیالی ہوتے ہیں۔جو بھی ان کے خیال میں آتا ہے۔اسی کو دین اور قانون سمجھ لیتے ہیں۔اور صوفیاء کرام جو دیکھتے اور پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔اسے دین جانتے ہیں۔

حکایت: حضرت دانا بہلول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ میں بصرہ میں ایک سڑک پر جا رہا تھا۔کہ ایک جگہ میں نے دیکھا کہ کچھ لڑکے بادام اور اخروٹوں سے کھیل رہے تھے۔اور ایک لڑکے کو دیکھا۔کہ وہ ایک کنارے پر رو رہا تھا۔ میں نے سمجھا کہ شاید اخروٹ نہ ہونے کی وجہ سے رو رہا ہے۔میں اس کے قریب چلا گیا۔اور اسے کہا۔کہ اگر تیرے پاس بادام اخروٹ نہیں ہیں۔تو آ میں تجھے خرید کر دے دیتا ہوں۔تاکہ تو بھی ان کے ساتھ کھیلے تو اس لڑکے نے تیز نگاہ سے میری طرف دیکھا۔اور کہا۔اے بے عقل کیا ہم کھیل کود کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔میں نے پوچھا پھر کس کیلئے پیدا ہوئے۔تو اس نے کہا کہ ہم علم اور عبادت کیلئے پیدا ہوئے۔میں نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا۔تو اس نے کہا۔قرآن میں ہے کہ کیا تم نے یہ گمان کیا۔کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا۔اور تمہارا کیا خیال ہے۔تم لوٹ کر ہمارے پاس نہیں آ ؤ گے۔تو انہوں نے فرمایا۔بیٹا تو تو ابھی چھوٹا ہے۔تجھے آخرت کی اتنی فکر کیوں ہے تو اس نے کہا۔میں نے دیکھا کہ ماں جب آگ جلاتی ہے تو پہلے چھوٹی لکڑیاں رکھتی ہے۔جب ان کو لگ جاتی ہے تو پھر بڑی لکڑیوں کو خود بخود لگ جاتی ہے تو میں نے سمجھا کہ ہو سکتا ہے۔آخرت میں بڑے گناہ گاروں سے پہلے مجھ جیسے چھوٹے گنا گاروں کو ڈالا جائے۔سبحان اللہ کیسی فکر آخرت ہے۔(غالباً یہ نوجوان سادات کے گھرانے کا ایک فرد تھا)۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ

تحقیق خسارے میں ہونگے وہ جنہوں قتل کیا اپنی اولاد کو نادانی سے اور حرام ٹھہرایا جو دیا ان کو

اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ؑ ﴿۱۴۰﴾

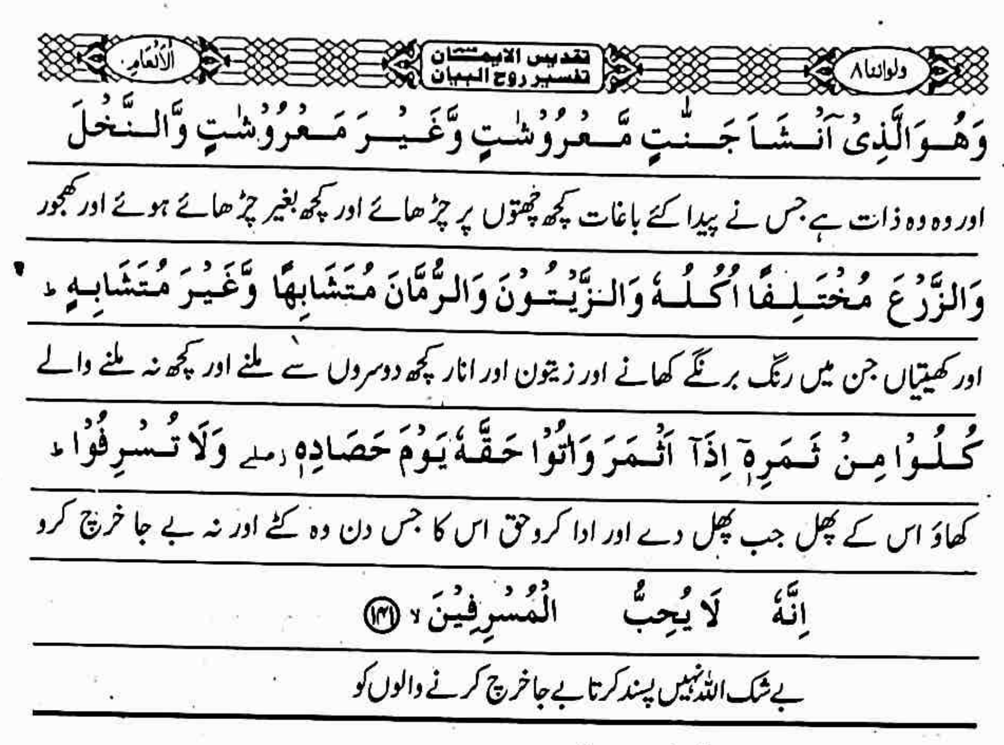
اللہ نے جھوٹ باندھا اوپر اللہ کے تحقیق گمراہ ہوئے اور نہیں تھے ہدایت پانے والے

(آیت نمبر ۱۴۰) تحقیق وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں اپنی اولاد کو مار دیا بے وقوفی اور جہالت سے۔

شان نزول : یہ آیت کریمہ قبیلہ ربیعہ۔ مضر اور کچھ دیگر عرب قبائل کے متعلق نازل ہوئی۔ جو اپنی بچیوں کو زندہ ہی قبر میں دفن کر دیا کرتے تھے۔ بھوک یا عار کی وجہ سے کہ ان کی بدنامی ہوگی وغیرہ لیکن یہ ان کی بے وقوفانہ سوچ تھی۔ ورنہ وہ جانتے تھے کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو بھی اپنے اوپر حرام کیا۔ جن کا ذکر پچھلی آیت میں گذرا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑا۔ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم جو کر رہے ہیں یہ ہمیں اللہ کا حکم ہے۔ اس نافرمانی کی نحوست سے وہ ایسے گمراہ ہوئے کہ اب وہ سیدھی راہ کی طرف راہ پانے والے ہیں ہی نہیں۔ خواہ انہیں کتنا ہی سمجھایا جائے۔

حکایت :حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک صحابی سخت پریشان رہا کرتے۔ پوچھنے پر وہ کہنے لگے۔ میرا جرم اتنا بڑا ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ وہ یہ کہ ہمارے ہاں جب کوئی بچی پیدا ہوتی۔ تو ہم اسے فوراً زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ایک میری بچی پیدا ہوئی۔ جسے میری بیوی نے مجھ سے چھپائے رکھا۔ جب وہ کچھ بڑی ہوئی تب مجھے بتایا۔ میں اسے بہانے سے باہر لے گیا۔ بچی کے حسن و جمال کو دیکھ کر ترس بھی آتا۔ اور جاہلی رواج یاد کر کے پھر گڑھا کھودنا شروع کر دیتا۔ اس کی پیاری پیاری باتیں سن کر ترس آتا مگر رسم کی بے وقوفی غالب آتی۔ بالآخر شیطان کا اکسانا غالب آ گیا۔ اور میں نے بچی کو چیختے چلاتے درگور کر دیا۔ اس کی یہ داستان سن کر حضور ﷺ بھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رو رہے تھے۔ اس کی باتیں سن کر فرمایا۔ کہ اگر کسی کو جاہلیت کی رسم پر سزا دینا جائز ہوتی۔ تو میں اس جرم کی اسے سخت سزا دیتا۔

فائدہ: جاہلیت کی وجہ سے بندے کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور انہیں فقر و تنگدستی کا خطرہ لاحق ہو جائے تو وہ اولاد کو قتل کر دیتے ہیں۔ کہ ہم انہیں کھانا کہاں سے کھلائیں گے۔ (اس قسم کی سوچ آج بھی بعض جگہ پائی جاتی ہے)۔



وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ

اور وہ وہ ذات ہے جس نے پیدا کئے باغات کچھ چھتوں پر چڑھائے اور کچھ بغیر چڑھائے ہوئے اور کھجور

وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ

اور کھیتیاں جن میں رنگ برنگے کھانے اور زیتون اور انار کچھ دوسروں سے ملتے اور کچھ نہ ملنے والے

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا

کھاؤ اس کے پھل جب پھل دے اور ادا کرو حق اس کا جس دن وہ کٹے اور نہ بے جا خرچ کرو

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

بے شک اللہ نہیں پسند کرتا بے جا خرچ کرنے والوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۰) **ولی کی نصیحت**: شیخ افتادہ آفندی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ہدائی سے فرمایا۔ کہ جب تیرے عیال پر بھوک کا حملہ ہو۔ اور اس سے وہ مر بھی جائیں۔ تب بھی تم توکل نہ چھوڑنا۔ بلکہ اس وقت بھی اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور یہ صرف زبان سے نہیں۔ بلکہ دل سے کہنا۔ الٰہی میں تیرا کمزور بندہ ہوں۔ اور یہ بھی تیرے بندے ہیں۔ میرا اور ان کا معاملہ تیرے ہی سپرد ہے۔

(آیت نمبر ۱۴۱) اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔ جس نے چھتوں والے باغات بنائے جیسے انگور وغیرہ اور کچھ بغیر چھتوں کے بنائے۔ کوئی سیدھے کھڑے اور کوئی زمین پر بچھے ہوئے بنائے۔ جیسے کدو اور تربوز وغیرہ زمین پر بچھے ہیں۔ معروشات سے انگور کے درخت مراد ہیں۔ جن کے لئے چھتے بنائے جاتے ہیں۔ اور بعض وہ جن کے لئے چھتے کی ضرورت نہیں وہ اپنے پاؤں پر کھڑے رہتے ہیں۔ جیسے کھجور اور دوسرے درخت یا کھیتیاں۔ نخل سے مراد کھجور اور کھیتیوں سے مراد غلہ ہے۔ جسے لوگ غذا کے طور پر کھاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ ان تمام کے کھانے اور ذائقے مختلف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے زیتون اور انار پیدا فرمائے۔ ان میں بعض رنگ۔ شکل اور ذائقہ میں ملتے جلتے ہیں اور بعض نہیں ملتے۔ اور فرمایا کہ ان درختوں کے پھل کھاؤ۔ اور ان کا پھل کاٹتے اور اتارتے وقت ان کا حق بھی ادا کرو۔ یعنی غریبوں مسکینوں کا حصہ بھی انہیں دو۔ اور مال میں اسراف یعنی فضول خرچی بھی نہ کرو۔ یعنی بلاوجہ پھل یا کھانے وغیرہ ضائع نہ کر۔ ہر کھانے کی چیز میں غریبوں کا حصہ ضرور رکھو۔ تاکہ آخرت کے حساب وکتاب سے بچ جاؤ۔ فضول خرچی کرنے والے اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا

اور کچھ جانور بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے۔ کھاؤ جو دیا تمہیں اللہ نے اور نہ پیچھے چلو

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ ﴿۱۴۲﴾

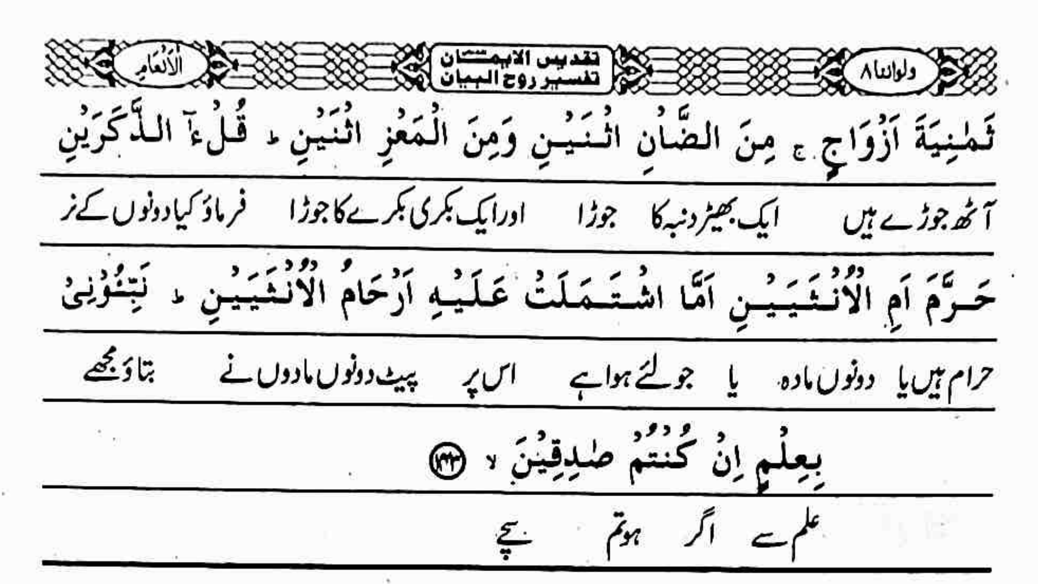
قدموں شیطان کے بےشک وہ تمہارا دشمن ہے کھلا

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۱) **واقعہ:** ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے باغ میں پانچ سو کھجوروں کے درخت تھے۔ ان سے اترنے والی تمام کھجوریں ایک دن میں صدقہ کر دیں اور اپنے بال بچوں کے لئے ایک کھجور بھی بچا کر نہ رکھی۔ **حدیث شریف:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ پہلے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ (مشکوۃ شریف)

(آیت نمبر ۱۴۲) اور بعض جانور بوجھ اٹھانے کیلئے پیدا فرمائے۔ اور بعض زمین پر لیٹے ہیں۔ جو ذبح کیلئے لٹائے جائیں۔ یا جن کے بالوں اور اون سے بچھونے بنائے جاتے ہیں۔ (یا سانپ وغیرہ)۔ آگے فرمایا کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں من تبعیضیہ ہے۔ مراد یہ ہے۔ کہ سارے جانور کھانے کیلئے نہیں ہیں۔ یا مراد یہ ہے۔ کہ ہر حلال جانور بھی پورا حلال نہیں ہے۔ بلکہ اس میں بعض حصہ حلال ہے وہی کھاؤ یعنی گوشت کھاؤ۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ضروریات پوری کرنے کیلئے جانور بنائے۔

فائدہ: جانوروں کے بے شمار فوائد ہیں: سامان لادنا۔ ہل جوتنا۔ پانی کھینچنا وغیرہ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان منافع میں یہاں گوشت کھانے کی اہمیت کو واضح فرمایا تا کہ اس نعمت کی عظمت کا لوگوں کو پتہ چلے۔ اس لئے آگے فرمایا۔ کہ شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ کہ وہ اپنی طرف سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتا کر اس کے کھانے پر لوگوں کو اکساتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ تمہیں گمراہی کی طرف لے جائے۔ یہ بات یاد رکھو کہ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ تمہارے دادا آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوا دیا (یہی کچھ تمہارے ساتھ بھی کرے گا کہ وہ تمہیں بھی جنت جانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔) اس لئے نہ اس کے کہنے پر چلو۔ نہ اس کی بات مانو۔ ورنہ وہ تمہیں جہنم میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ آدم علیہ السلام کو تو صرف جنت سے نکلوایا اور وہ سنبھل گئے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ تمہیں وہ اپنے ساتھ جہنم میں لے کر جائے۔ لہذا جتنا بچ سکتے ہو اس کے مکر سے بچ جاؤ۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔



ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ

آٹھ جوڑے ہیں ایک بھیڑ دنبہ کا جوڑا اور ایک بکری بکرے کا جوڑا فرماؤ کیا دونوں کے نر

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ

حرام ہیں یا دونوں مادہ یا جو لئے ہوا ہے اس پر پیٹ دونوں مادوں نے بتاؤ مجھے

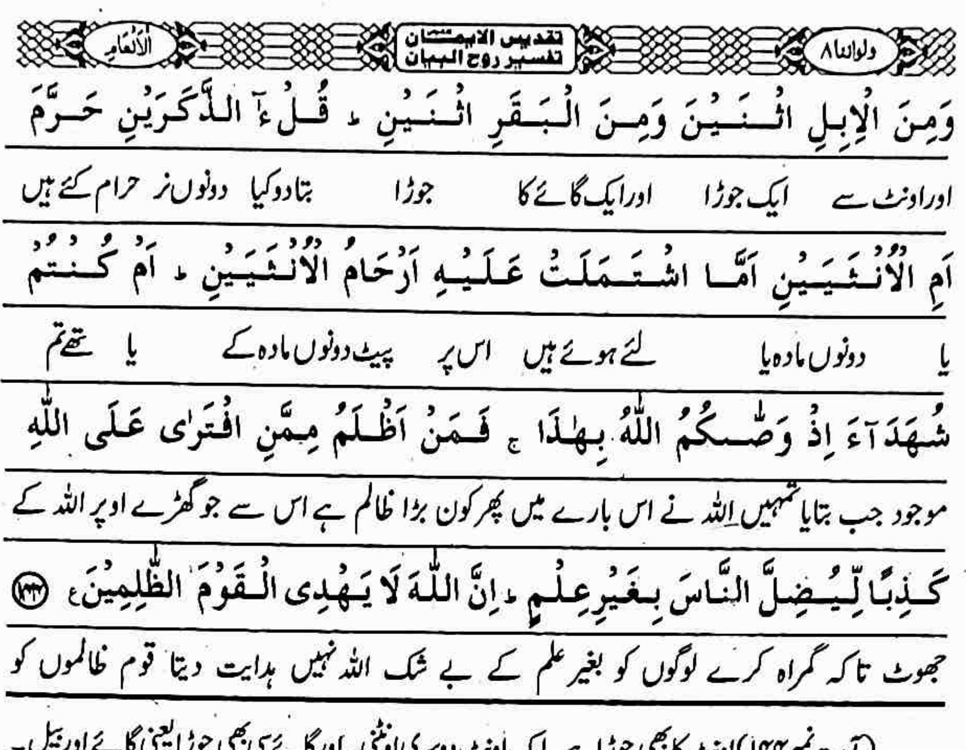
بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ ﴿۱۴۳﴾

علم سے اگر ہو تم سچے

(آیت نمبر۱۴۳) آٹھ جوڑے ہیں۔ دو ہم جنسوں کو جوڑے کہا جاتا ہے۔ یعنی کل جانور حلال آٹھ ہیں۔ اور جوڑے چار ہیں۔ بھیڑ کا جوڑا بنایا۔ ایک نر اور ایک مادہ سے۔

ضان (صوف) یعنی اون والا جانور۔ اور بکری کا جوڑا۔ یعنی نر اور مادہ۔ معز بھی اون والے جانور کو کہتے ہیں۔ اے میرے محبوب آپ ان سے ذرا پوچھیں۔ کہ ان دو جنسوں میں سے آیا نروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا یا مادہ کو۔ یعنی بکرے اور دنبے کو حرام کیا۔ یا انہیں جو ان دونوں رحموں نے اٹھایا۔ یا حمل کو حرام کیا۔ اگر علم ہے تو مجھے بتاؤ۔ یعنی کوئی حکم جو کسی آسمانی کتاب میں ہو یا کسی نبی نے بتایا ہو۔ معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی حرمت نہیں بتائی گئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کوئی حکم آیا ہے تو بتاؤ کہاں لکھا ہے اگر سچے ہو تو بتاؤ۔ یا یہ حلال وحرام کے مسئلے تم نے خود ہی اپنے گمان کے مطابق گھڑ لئے یا تم اپنے خیال سے یوں سمجھ رہے ہو۔ یا ان کے حرام ہونے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ان میں سے جو بات بھی ہو وہ مجھے بتاؤ۔

تنبیہ: معلوم ہو گیا۔ کہ ان تمام الٹے پلٹے مسائل کے پیچھے شیطان کا ہاتھ ہے۔ وہ ایسے مسائل گھڑ کر لوگوں کو اپنے پیچھے چلاتا ہے۔ اور کہتا یہی ہے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں تاکہ لوگ پھنس جائیں۔ اسی لئے متنبہ کیا گیا۔ کہ اس شیطان خبیث کے پیچھے مت چلو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مویشی دراز قد اور چھوٹے قد والوں کی آٹھ قسمیں ہیں: ان میں اونٹ اور اونٹنی کا جوڑا، بیل اور گائے کا جوڑا۔ مینڈا اور بھیڑ کا جوڑا۔ چوتھا بکرے اور بکری کا جوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی صنف کو حرام نہیں کیا۔ یہ حرام ٹھہرانے والے سب جھوٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھ رہے ہیں۔ **فائدہ**: جو بھی اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال اور حلال کو حرام کہے گا۔ وہ شیطان ہی ہے۔ لہذا اس کے کہنے پر مت چلو۔



وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءَآلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ

اوراونٹ سے ایک جوڑا اورایک گائے کا جوڑا بتادوکیا دونوں نر حرام کئے ہیں

أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنْتُمْ

یا دونوں مادہ یا لئے ہوئے ہیں اس پر پیٹ دونوں مادہ کے یا تھے تم

شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ

موجود جب بتایا تمہیں اللہ نے اس بارے میں پھر کون بڑا ظالم ہے اس سے جو گھڑے اوپر اللہ کے

كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٤﴾

جھوٹ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو بغیر علم کے بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم ظالموں کو

(آیت نمبر۱۴۴) اونٹ کا بھی جوڑا ہے۔ایک اونٹ دوسری اونٹنی۔اور گائے کی بھی جوڑا یعنی گائے اور بیل۔ اب بتائیں کہ کیا ان دو جوڑوں میں نرحرام ہیں یا مادہ حرام ہیں۔یا اکٹھے ہو گئے۔ان پر رحم مادہ کے وہ حرام ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان چاروں چیزوں میں سے کوئی شیء بھی ان پر حرام نہیں کی خواہ نر ہو یا مادہ۔یا وہ جو مادہ اپنے بیٹوں میں لئے ہوئے ہیں۔اصل میں یہاں ان کا رد کیا گیا۔جو وہ بحیرہ یا سائبہ کو حرام ظاہر کرتے تھے۔ اسی طرح حامی اونٹ کہ جس سے دس دفعہ اونٹنی ملا لیتے پھر اسے چھوڑ دیتے۔اس سے کام لینا یا اسے کسی جگہ سے روکنا حرام جانتے۔اسی طرح وصیلہ بکری جب مادہ جنتی تو اسے صرف مرد کھاتے اور نر جنتی تو بتوں کیلئے چھوڑ دیتے۔اگر نر مادہ کا جوڑا جنتی پھر کہتے یہ بھائی سے مل گئی پھر اسے کھانا حرام جانتے۔اسی طرح جس اونٹنی سے پانچ بچے پیدا ہو جاتے اور پانچواں نر ہوتا۔تو پھر اس سے کام نہ لیتے اور اس کا کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیتے۔وہ کسی جگہ سے چارہ کھائے یا پانی پیئے اسے نہ روکتے تھے۔اسی طرح کوئی سفر وغیرہ درپیش ہوتا۔یا کوئی بیماری آجاتی۔تو منت مان لیتے کہ خیریت ہوئی۔تو ایک اونٹ کو آزاد چھوڑ دونگا۔پھر اس سے کوئی کام نہ لیتے اسے حرام جانتے۔ان جانوروں کا گوشت مرد کھاتے۔عورتوں کیلئے اس کا کھانا حرام جانتے۔تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ حرام کردہ اشیاء جوانہوں نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی تھیں۔ان سے پوچھا کہ کیا کوئی گواہ ہے یا تم خود حاضر تھے۔جب تمہیں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اشیاء کے حرام کرنے کا حکم دیا۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ

فرمادو نہیں میں پاتا اس میں جو وحی ہوئی میری طرف کہ کوئی چیز حرام ہو اوپر کھانے والے کے جو کھاتا ہے مگر یہ کہ ہو

مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ

مردار یا خون رگوں سے بہنے والا یا گوشت خنزیر کا پس بے شک وہ نجس ہے یا ناجائز جس پر بولا گیا غیر

اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾

اللہ کا نام (بوقت ذبح) پس جو مجبور ہو نہ خواہش سے اور نہ حد سے بڑھ کر کھائے تو بے شک تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۴) **فائدہ:** جب مذکورہ اشیاء کے حرام ہونے کا نہ تمہیں کسی نبی نے کہا۔ نہ سابقہ کس آسمانی کتاب میں ذکر ہے اور میرے پیارے نبی کو تم مانتے نہیں نہ اس کی کتاب کو مانتے ہو۔ تو پھر یہی صورت رہ جاتی ہے۔ کہ تم نے خود اللہ تعالیٰ سے سنا ہو کہ مذکورہ اشیاء کے حرام ہونے کا اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے حکم دیا ہو اگر یہ بھی نہیں تو پھر بتاؤ۔ اس سے بڑا کون ظالم ہوگا۔ کہ اللہ کے متعلق جھوٹ کی نسبت کر دے۔ کہ اللہ نے حرام نہیں کیا۔ اور وہ کہے حرام کیا۔ تا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرے اپنی جہالت سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

(آیت نمبر ۱۴۵) اے محبوب آپ ان کو بتادیں۔ مجھے جو وحی ہوئی۔ اس میں تو میں نہیں پاتا کوئی ایسی چیز۔ کہ جو مرد و عورت میں سی کسی پر حرام ہو یعنی جو حرام ہے وہ بھی دونوں کیلئے اور حلال ہے تو بھی دونوں کیلئے۔

فائدہ: اس آیت میں مشرکین کے عقیدے کا رد ہے۔ جنہوں نے حلال وحرام خود مقرر کئے ہوئے تھے حالانکہ کوئی چیز رب نے حرام نہیں فرمائی مگر وہ کہ جس کا ذکر قرآن پاک میں آ گیا۔ یا جو شرعی طریقے کے مطابق ذبح نہ ہو سکا۔ یا پھر وہ خون ہے جو رگوں سے بہتا ہے وہ حرام ہے۔

فائدہ: البتہ رگوں کے علاوہ نکلا ہوا خون حرام نہیں ہے۔ جو گوشت کے ساتھ جما ہوا ہوتا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ ہمارے لئے دو مردار اور دو خون اللہ تعالیٰ نے حلال کئے۔ یعنی مچھلی اور مکڑی کا گوشت اور جگر اور طحال کا خون حلال کیا۔ (ابن ماجہ)

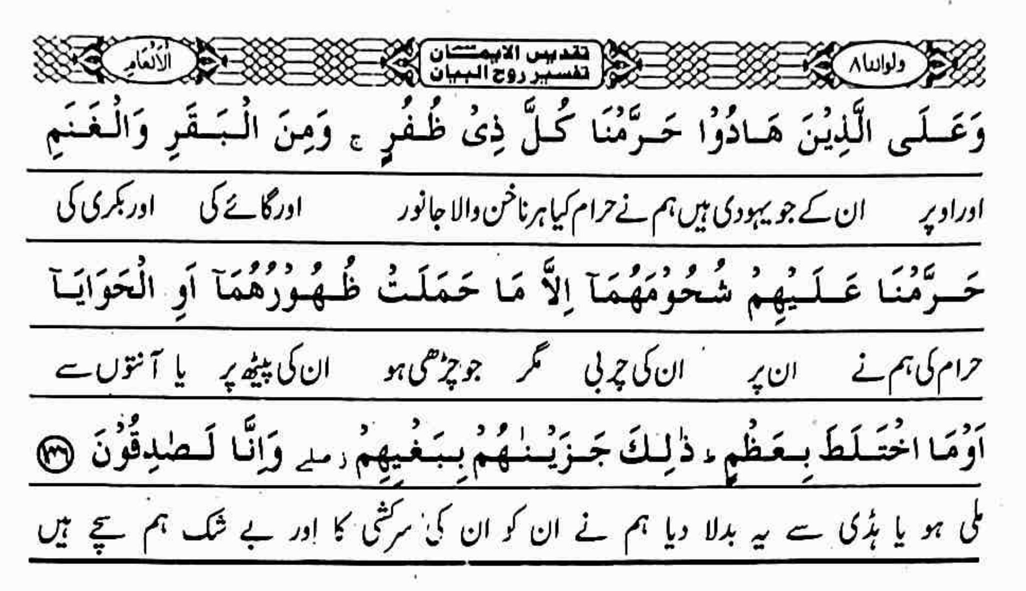
مسئلہ :جوخون گوشت کے ساتھ لگا ہے۔جو پانی سے بھی نہیں اترتا وہ حلال ہے۔اس لئے کہ وہ گلے سے بہنے والا خون نہیں ہے۔آگے فرمایا کہ خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے۔اور وہ بے شک رجس یعنی نری نجاست ہے۔ اگر چہ خنزیر پورا ہی نجس العین ہے۔کہ اس کا گوشت پوست ہڈیاں بال چربی دانت سب حرام ہیں۔یہاں چونکہ بات گوشت کھانے کی ہورہی ہے۔اس لئے یہاں خنزیر کے گوشت کا خصوصاً ذکر کیا۔کہ اس کا گوشت نجاست ہے اور کھانے والا فاسق ہے۔اور وہ جانور بھی حرام ہے۔کہ جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ہوسکتا ہے۔یہ جملہ فسقاً کی صفت ہو۔لیکن جو بندہ مجبور ہو۔کہ اسے اس کے علاوہ نہ ملے۔تو مجبوری میں کھائے مگر حد سے تجاوز نہ کرے۔اور نہ ہی بلاضرورت اسے کھائے۔تو پھر بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حکم پر جو چلے گا اسے کوئی پوچھ نہیں ہوگی۔**فائدہ** : غیر اللہ کے نام کا مطب یہ ہے کہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام لیا جائے۔تو وہ جانور بھی مردار کی طرح حرام ہو جاتا ہے۔

فائدہ :یہ محکم آیات میں سے ہے۔اس کی دلیل یہ ہے۔کہ حضور ﷺ نے ان ہی احکامات کے بارے میں حکم دیا۔اس کے خلاف کوئی اور حکم نازل نہیں ہوا۔اور نہ ہی تحریم کے بارے کوئی اور وحی اتری۔

مسئلہ :مذکورہ بالا اشیاء کا استعمال حرام ہے۔اس لئے ان کے استعمال سے بندہ اپنے رب سے دور ہو جاتا ہے۔البتہ بحالت مجبوری کچھ حلال کیا گیا ہے۔فقہاء کا ایک مقولہ ہے:"الضرورات تبیح المحذورات" یعنی ضرورتیں ممنوع اشیاء کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔ایک **حدیث شریف** میں حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ دنیاداری سے بچ کر رہو۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دنیاداری کو پسند نہیں کرتے۔

سبق :لہذا عقل مند کیلئے لازم ہے۔کہ وہ دنیا سے بے رغبتی کرے۔بلکہ اسبابِ دنیا سے کنارہ کش رہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے نبیوں رسولوں اور اس کے بعد اولیاء کرام اس دنیا سے کنارہ کش رہے۔

فائدہ : زمانہ جاہلیت میں کفار ومشرکین بعض اشیاء کو حلال اور بعض کو حرام اپنی طرف سے کر لیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ کسی چیز کو حلال کرنا یا حرام کرنا وحی سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔لہذا حرام اشیاء کی تفصیل بتادی کہ حرام اشیاء یہ ہیں یا اس کے علاوہ اگر ہے تو وہ حکم خدا یا حکم رسول سے ہے۔جن میں سے کچھ اشیاء کا بیان سورۂ مائدہ میں آ گیا ہے۔



وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ

اوراوپر ان کے جو یہودی ہیں ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور اور گائے کی اور بکری کی

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا

حرام کی ہم نے ان پر ان کی چربی مگر جو چڑھی ہو ان کی پیٹھ پر یا آنتوں سے

أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾

ملی ہو یا ہڈی سے یہ بدلا دیا ہم نے ان کو ان کی سرکشی کا اور بے شک ہم سچے ہیں

(آیت نمبر ۱۴۶) ان لوگوں پر جو یہودی ہیں۔ یعنی یہ حکم صرف یہودیوں کیلئے ہے۔ یہ نہ پہلے والوں کیلئے ہے۔ نہ بعد والوں کیلئے۔ صرف یہودیوں پر ہم نے ناخن والے جانور حرام کئے۔

فائدہ: جس جانور کی انگلیوں میں کشادگی ہو۔ وہ ذی ظفر کہلاتا ہے۔ جیسے درندے کتے بلیاں وغیرہ۔

فائدہ: یہود پر بعض ناخن والے جانور حلال بھی تھے۔ لیکن ان کی پیہم نافرمانیوں کی وجہ سے سزا کے طور پر ذی ظفر بھی حرام ہوئے۔ بلکہ گائے اور بکری کی چربی بھی حرام ہوئی۔ البتہ ان کا گوشت ان پر حلال تھا۔ اور وہ چربی جو دونوں کندھوں سے رانوں تک ہے یا پیٹھوں اور کروٹوں پر چربی ہو۔ خواہ اندر ہے یا باہر وہ حلال ہے۔ اسی طرح جو چربی ان جانور کی آنتوں سے لگی ہے۔ وہ بھی حلال ہے۔ یا پھر وہ چربی جو ہڈیوں کے ساتھ چمٹی ہے۔ یعنی رانوں کے ساتھ۔ یا دم والی ہڈی کے ساتھ ہے۔ وہ بھی ان کے لئے حلال ہے۔ اسے عصص بھی کہتے ہیں۔ یہ ہڈی دم سے پیٹھ کی انتہاء تک ہے۔

فائدہ: بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ یہ ہڈی سب سے پہلے بنتی ہے۔ اور مرنے کے بعد سب بدن سے آخر میں گلتی ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ یہودیوں پر بعض اشیاء کی حرمت کی وجہ ان کی بغاوت پر ان کو سزا دینا ہے۔ یعنی انہوں نے انبیاء اور علماء کو ناحق قتل کیا۔ اور سود کھاتے اور حرام طریقے سے لوگوں سے مال لیتے۔ ان کے اس ظلم کی بنا پر بطور سزا ان پر حلال چیزیں حرام ہوئیں۔ اب وہ اپنے جرم چھپانے کیلئے کہتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں سب امتوں پر حرام ہی چلی آتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تاکیداً یہ بات فرمائی۔ کہ جو وہ کہتے ہیں وہ جھوٹ ہے اور بے شک ہم سچے ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ

پھر اگر وہ جھٹلائیں آپ کو تو آپ کہہ دیں تمہارا رب رحمت والا کشادگی والا ہے اور نہیں ٹالا جائیگا عذاب اس کا

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

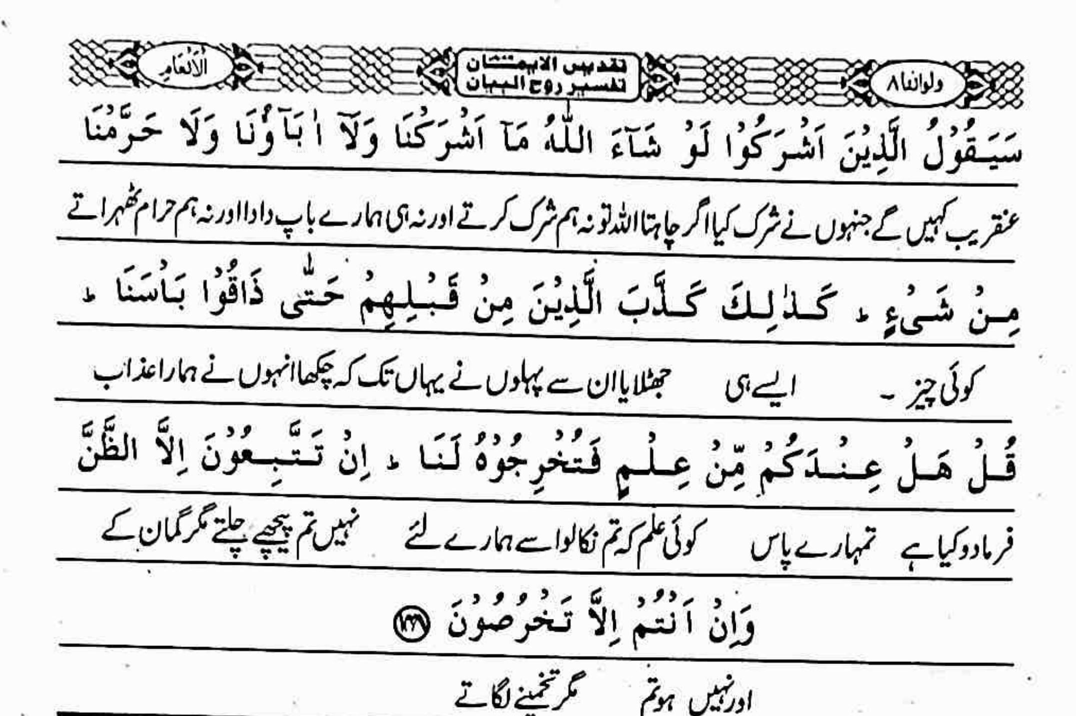
اس قوم سے جو مجرم ہیں

(آیت نمبر ۱۴۷) اے محبوب اگر پھر بھی وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں۔ یعنی یہ یہود اور مشرکین آپ کی بتائی ہوئی حرام وحلال کی تشریح سے انکار کرتے ہیں۔ تو آپ ان کو بتا دیں۔ کہ آپ کا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ کہ وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اور یہ جو تمہیں مہلت دے رہا ہے۔ وہ صرف اس لئے تم شاید سمجھ جاؤ۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ وہ سزا دیتا ہی نہیں یا دے نہیں سکتا۔ جب اس کا عذاب آ گیا۔ تو پھر مجرم قوم سے عذاب روکا نہیں جا سکے گا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ جتنی چیزیں یا امور حرام ہوئے یا تو بطور سزا کے۔ یا ان میں کوئی حکمت تھی۔ مثلاً یہودیوں پر جتنی حلال چیزیں حرام ہوئیں۔ وہ بطور سزا کے ان پر حرام ہوئیں۔ اور امت مسلمہ پر جو اشیاء حرام ہوئیں۔ وہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی کسی حکمت سے کیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ کہ کچھ اشیاء کا ضرر جسمانی ہے۔ کچھ اشیاء کا ضرر روحانی ہے۔ اور کچھ کا نفسانی جیسے زہر وغیرہ کا ضرر جسمانی ہے۔ کہ اس قسم کی اشیاء سے ہلاکت بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک ضرر روحانی ہے۔ مثلاً جس کا گوشت کھایا یا کوئی اور چیز استعمال کی۔ تو روحانی طور پر اس کا اثر اس آدمی پر بھی پڑے گا۔ اسی لئے حضور ﷺ نے ایک حدیث شریف میں فرمایا۔ کہ دودھ سے بھی عادات پر اثر پڑتا ہے۔

حکایت: شیخ ابو محمد الجوینی گھر میں آئے اور دیکھا۔ کہ ان کے بچے کو کوئی غیر عورت دودھ پلا رہی ہے۔ آپ نے اس سے بچہ لے کر اس کے منہ میں انگلی ماری اور اس نے وہ دودھ قے کر دیا۔ فرمایا کہ مجھے بچے کے مرنے کا اتنا غم نہ ہوتا۔ جتنا غیر عورت کا دودھ پلانے کا ہوتا ہے۔ جب ابو المعالی جوان ہوئے۔ تو مناظرہ میں اگر کسی جگہ لڑکھڑا جاتے۔ تو فرماتے کہ یہ اس غیر عورت کے دودھ کا اثر ہے۔

فائدہ: ماں کے دودھ سے بچے کی عادات پر اثر پڑتا ہے۔ اگر عورت نیک ہو۔ تو بچہ کی عادات نیک ہوں گی۔ اگر عورت بری ہو۔ تو بچے کی عادات بھی بری ہوں گی۔ **سبق**: آج کل جو دودھ ڈبو میں بند ہو کر آتا ہے۔ اس کو بھی چیک کر لینا چاہئے کہ وہ کس چیز کا ہے۔ کیونکہ مائیں تو آج کل دودھ نہیں پلاتیں۔



سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا

عنقریب کہیں گے جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام ٹھہراتے

مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ

کوئی چیز۔ ایسے ہی جھٹلایا ان سے پہلوں نے یہاں تک کہ چکھا انہوں نے ہمارا عذاب

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

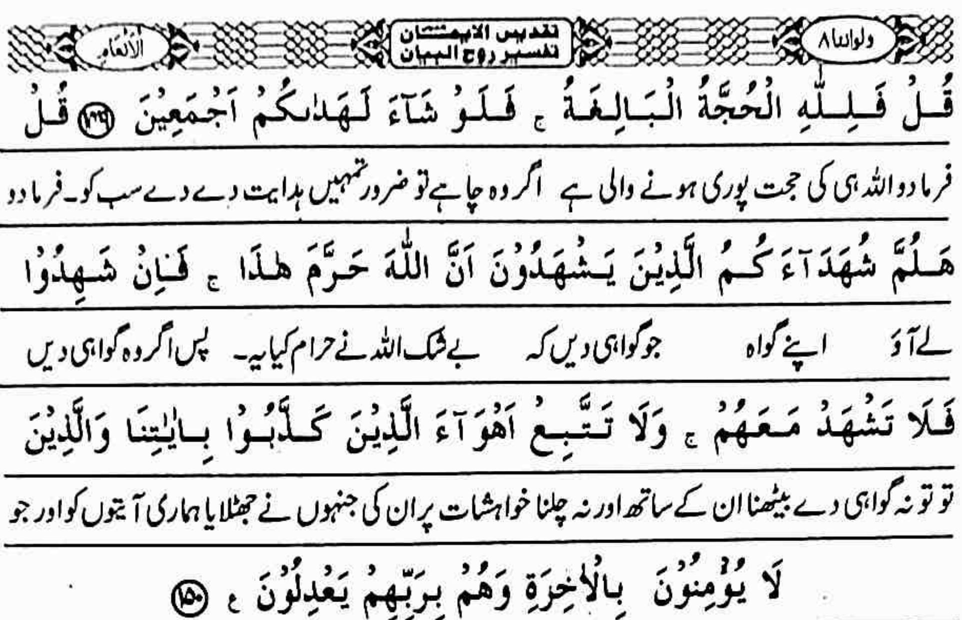
فرمادو کیا ہے تمہارے پاس کوئی علم کہ تم نکالو اسے ہمارے لئے نہیں تم پیچھے چلتے مگر گمان کے

وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

اور نہیں ہو تم مگر تخمینے لگاتے

(آیت نمبر ۱۴۸) عنقریب مشرک کہیں گے۔ کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔ نہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے۔ اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرتے۔ اصل میں یہ بات کہہ کر وہ یہ باور کرانا چاہتے تھے۔ کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ خوش ہے۔ اور ہم اس کی مرضی سے کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب جیسے یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ جو ہم شرک کرتے ہیں یا بعض چیزوں کو حرام جانتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی پسند سے اور اس کی رضا سے کر رہے ہیں۔ معاذ اللہ حضور کو کہا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ کہ اللہ نے شرک سے منع کیا ہے۔ یا فلاں فلاں چیز کو اللہ نے حرام نہیں کیا تو فرمایا کہ بالکل اسی طرح جھٹلایا ان سے پہلے لوگوں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کو۔ پھر انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ جو ان کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ان پر نازل ہوا۔

آگے فرمایا۔ کہ میرے محبوب ان سے فرمادو۔ کہ کیا تمہارے علمی خزانے میں کوئی ایسا امر ہے۔ جس کے تم دعویدار ہو۔ اس پر کوئی حجۃ یا دلیل ہو۔ تو وہ ہمارے سامنے نکال لاؤ۔ یاد رکھو تم تو صرف اپنے گمان اور تخمینے ہی پر چل رہے ہو یعنی یہ جو شرک کر رہے ہو۔ یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہہ رہے ہو۔ یہ تو تمہارا تک تخمینہ ہی ہے۔ جس کے دعوے دار ہو۔ جو کہ بالکل باطل اور جہالت پر مبنی ہے۔ یہ سب الکل پچو مار رہے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑ رہے ہو۔



قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ

فرما دو اللہ ہی کی حجت پوری ہونے والی ہے اگر وہ چاہے تو ضرور تمہیں ہدایت دے دے سب کو۔ فرما دو

هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا

لے آؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں کہ بے شک اللہ نے حرام کیا یہ۔ پس اگر وہ گواہی دیں

فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ

تو تو نہ گواہی دے بیٹھنا ان کے ساتھ اور نہ چلنا خواہشات پر ان کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور جو

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۧ ﴿۱۵۰﴾

نہیں ایمان رکھتے قیامت پر اور وہ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں

(آیت نمبر ۱۴۹) اے محبوب فرما دیں۔ کہ اب تو بات بالکل ظاہر باہر واضح ہوگئی ہے۔ کہ تمہارے پاس کوئی دلیل و حجۃ نہیں ہے۔ تو پھر آؤ اللہ تعالیٰ کے پاس حجۃ بالغہ ہے۔ جس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

فائدہ: حجۃ بالغہ اسے کہتے ہیں۔ کہ جو دلیل متانت اور ثبات کی انتہاء تک پہنچے یا ایسی دلیل جو مدعی کے دعوے پر صحیح اترے۔ اس سے مراد کتاب اللہ (قرآن) اور سنت رسول اللہ ہے۔ اور یاد رکھو۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا۔ تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ یعنی تمہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق بخش دیتا۔ اور تمہارے لئے ہدایت کے اسباب مہیا فرما دیتا۔ لیکن جب وہ کسی کو ہدایت بخشنا چاہے۔ تو وہ اسے حق کے راستے کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور اگر کسی کو گمراہ کرنا چاہے۔ تو اس کو اسلام کے خلاف کر دیتا ہے۔ "یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا"۔

(آیت نمبر ۱۵۰) اے محبوب انہیں فرما دو۔ کہ تم لے آؤ اپنے وہ گواہ جو یہ گواہی دیں۔ کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے ان ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ ان گواہوں سے مراد ان کے وہ سردار ہیں۔ جن کی بات کو وہ حرف آخر سمجھتے تھے تو فرمایا کہ لے آؤ تا کہ حجت قائم ہو جائے۔ اور ان کی گمراہی بھی واضح ہو جائے۔ ویسے تو حقیقت یہ ہے۔ کہ ان کے دعویٰ پر کوئی دلیل نہ ان کے پاس تھی نہ ان کے لیڈروں کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے۔ ان کے مذہب کا انحصار ہی تک تخمینے پر

ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ اے میرے محبوب اگر بالفرض محل ان کے لیڈر جھوٹ موٹھ کی گواہی دینے آ بھی جائیں۔ تو فکر نہ کریں۔ وہ ہیں ہی جھوٹے۔ کیونکہ ان کا جھوٹ کئی دفعہ ثابت ہو چکا۔ لہٰذا نہ آپ ان کی تصدیق کریں۔ نہ آپ ان لوگوں کی خواہش پر چلیں۔ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ آخرت پر ایمان بھی نہیں رکھتے۔ اس سے مراد بت پرست لوگ ہیں۔ اور یہ پکی بات ہے۔ کہ جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہیں مانتا۔ ان کی تکذیب کرتا ہے۔ وہ آخرت یعنی قیامت پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔ اور وہ بتوں کو خدا کے برابر سمجھتے ہیں۔ (بتوں سے امیدیں اور خدا سے ناامیدی)۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ اے محبوب ﷺ آپ ان لوگوں کے کہنے پر نہ چلیں۔ جن میں مندرجہ ذیل برے اوصاف اکٹھے ہی پائے جاتے ہیں:

۱۔ وہ آیات الٰہی کو جھٹلاتے ہیں۔ یعنی نہ نبی کو مانتے ہیں۔ نہ کتاب کو۔

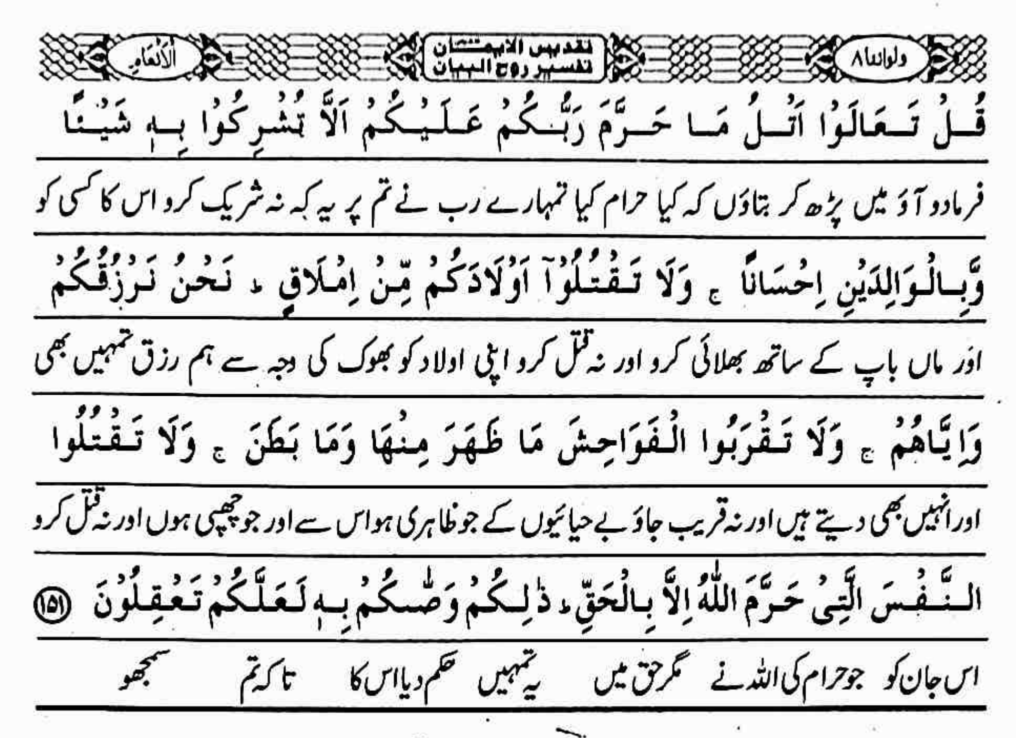
۲۔ قیامت کے منکر ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہ بدبخت ایسی اور بھی کئی بری صفات کے جامع ہیں۔ **ربط**: سابقہ آیات میں حرام سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان آیات میں ان کے کرتوت بیان کئے گئے۔

مسئلہ: اشباہ میں ہے کہ کھانے کی حلال چیز میں جب بدبو آ جائے۔ تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ البتہ دودھ۔ گھی اور زیتون میں بدبو ہو جائے۔ تو وہ مکروہ نہیں ہے۔ **مسئلہ**: مرغی ذبح کرنے کے بعد پیٹ چاک کر کے صفائی کئے بغیر ہانڈی پر چڑھا دی۔ تو گوشت ہانڈی دونوں پلید کے حکم میں ہیں۔

سبق: دانا پر لازم ہے۔ کہ ضرر پہنچانے والی چیز سے بدن کو بچائے۔ خصوصاً پیٹ بھر کر کھانے سے۔ حدیث شریف میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ بیماریوں کی جڑ پیٹ بھر کر کھانا۔ اور اس کا علاج اپنے آپ کو بھوکا رکھنا ہے۔ فقیہ ابواللیث ثمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہر شخص کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ کچھ نہ کچھ علم طب کے بارے میں جانے خصوصاً ان اشیاء کے متعلق جانے۔ کہ جن سے بدن کو نقصان پہنچتا ہے۔ **علم دو قسم ہے**: (۱) دین کا علم۔ اور (۲) طب کا علم۔

سبق: انسان کیلئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے پیٹ کو حرام اشیاء سے بچائے۔ حتیٰ کہ دوائی کیلئے بھی حرام چیز سے پرہیز کرے۔ یاد رہے۔ حرام اشیاء میں کوئی شفاء نہیں ہے۔



قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا

فرمادو آؤ میں پڑھ کر بتاؤں کہ کیا حرام کیا تمہارے رب نے تم پر یہ کہ نہ شریک کرو اس کا کسی کو

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ج وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ

اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو بھوک کی وجہ سے ہم رزق تمہیں بھی

وَاِيَّاهُمْ ج وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج وَلَا تَقْتُلُوا

اورانہیں بھی دیتے ہیں اور نہ قریب جاؤ بے حیائیوں کے جو ظاہری ہو اس سے اور جو چھپی ہوں اور نہ قتل کرو

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾

اس جان کو جوحرام کی اللہ نے مگر حق میں یہ تمہیں حکم دیااس کا تاکہ تم سمجھو

(آیت نمبر۱۵۱) اے محبوب فرمادو۔ان کفار مکہ کو کہ آجاؤ میں تمہیں پڑھ کرسناتا ہوں۔کہ کیا حرام کیا اللہ تعالیٰ نے تم پر۔یعنی جن آیات میں حرام اشیاء کی حرمت کا بیان ہے۔وہ میں تمہیں پڑھ کرسناتا ہوں۔پہلی بات یہ ہے۔کہ تم اللہ تعالیٰ کا کسی کوشریک نہ بناؤ کچھ بھی۔یعنی ایک ذرہ برابر بھی اس مسئلہ کو باقی دس حرام چیزوں کے اول میں اس لئے بیان کیا۔کہ یہ تمام محرمات کی جڑ ہے۔کیونکہ مشرک کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔**فائدہ**: اس آیت میں حرام کاموں کو بیان کیا۔حرام اشیاء کا بیان پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

شرک دوقسم ہے:

۱۔ شرک جلی جیسے بت پرستی۔

۲۔ شرک خفی: جیسے ریا کاری وغیرہ۔

آگے فرمایا۔کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا یعنی ان کی نافرمانی کرنا دوسرا حرام کام ہے۔

ضابطہ: کسی کام کا حکم اس کی نہی کو مستلزم ہے۔جیسے حکم ہوا ماں باپ سے احسان کرو۔تو لازمی اس سے (نافرمانی نہ کرو) کا مفہوم نکل آیا۔اسے مفہوم مخالف کہا جاتا ہے۔

فائدہ: شرک کی حرمت کے فوراً بعد والدین کی نافرمانی نہ کرنے کا حکم اس لئے دیا۔کہ بندے کو پیدا تو رب

نے کیا۔ اس لئے عبادت کا حق دار بھی صرف وہی ہے۔ اور دنیا میں آنے اور اس کی اچھی پرورش ہونے کا سبب ماں باپ بنے ہیں۔ لہٰذا ان پر احسان کرنا بھی واجب ٹھہرا۔ تیسرے نمبر پر فرمایا۔ کہ بھوک یا افلاس کی وجہ سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ جیسے عرب میں بچیوں کو زندہ درگور کرنے کا رواج تھا۔ تو فرمایا ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں۔ انہیں بھی ہم ہی روزی پہنچائیں گے۔ لہٰذا اس محتاجی یا افلاس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

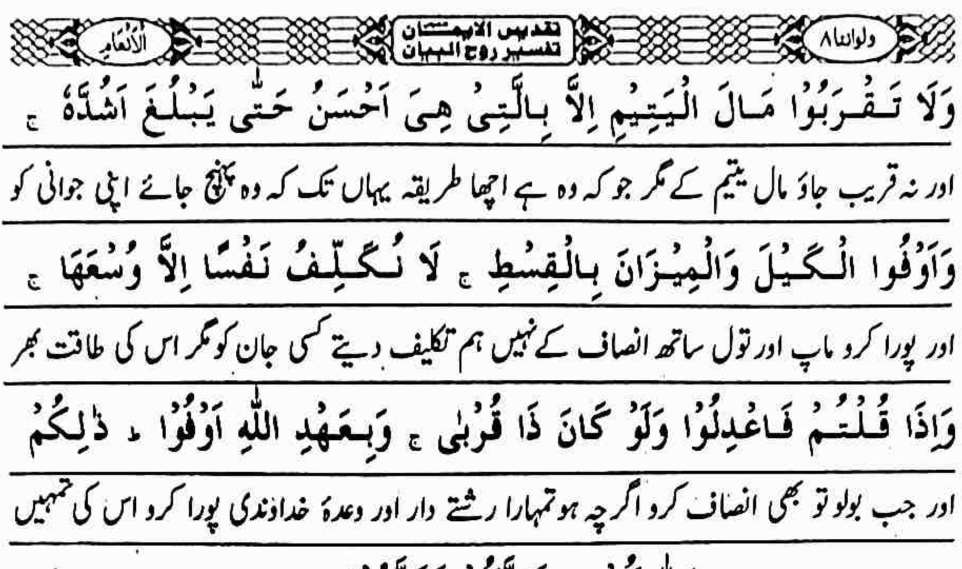
فائدہ: بچوں کو قتل کرنے سے اس لئے منع کیا گیا۔ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیاد گرانا ہے۔ اور جو دین کی بنیاد گراتا ہے۔ وہ بہت بڑا لعنتی ہے۔ کیونکہ نسل کو ختم کرنا بھوک کی وجہ سے کہ اسے کھانا کہاں سے دیں گے۔ یہ توکل کے ہی خلاف ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو جھٹلانا ہے۔ کہ وہ فرماتا ہے کہ زمین پر ہر چلنے والے کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اسی لئے اسے تیسرے نمبر پر رکھا۔ کہ یہ بھی پہلے دو حکموں کی طرح حرام ہے۔ اور چوتھے نمبر پر فرمایا۔ کہ بے حیائیوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یعنی زنا بدکاری وغیرہ نہ کرو۔ کیونکہ زنا کی تمام اقسام حرام ہیں۔ خواہ وہ ظاہر ہو جیسے زنا وغیرہ خواہ وہ چوری چھپے ہو جیسے غیر محرم کو دیکھنا۔

فائدہ: اور یہ جو فرمایا۔ کہ بدکاری کرنے کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ انتہائی سخت گندی خصلت ہی۔ اور یہ کام جنت سے دوری اور جہنم میں داخلے کا سبب ہے۔

پانچویں نمبر پر فرمایا کسی جان کو ناحق بلاوجہ مت قتل کرو۔ جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا۔ البتہ اسے قتل کر سکتے ہو۔ جس کے قتل کا شرع نے حق دیا ہے۔ مثلاً:

۱۔ مرتد ہوا۔
۲۔ شادی شدہ جوڑے نے زنا کا ارتکاب کیا۔
۳۔ کسی مسلمان کو بلاوجہ قتل کیا۔

آگے فرمایا۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وصیت کی یعنی تاکیدی حکم دیا۔ تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ اور ان تمام برے کاموں سے باز آجاؤ۔ ان سے بچنے میں تمہارا بہت بڑا فائدہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ **فائدہ**: قتل ناحق کو سمجھنے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ پہلے یہ جانا جائے کہ قتل ناحق کیا ہے۔ شرع شریف میں۔ باغی۔ مرتد۔ فرائض کے منکر اور قصاص وغیرہ سے جسے قتل کیا جائے۔ وہ برحق ہے۔ اس کے علاوہ قتل ہونے والا ناحق ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سارے لوگ جنہیں حضور ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا مثلاً خلیفہ کے مقابلے میں خلافت کا اعلان کرنے والا یا لواطت یا شادی شدہ زانی وغیرہ انہیں باغیوں میں ہی شمار کیا جائیگا۔ (سنن ترمذی اور ابن ماجہ تبیان)



وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ج

اور نہ قریب جاؤ مال یتیم کے مگر جو کہ وہ ہے اچھا طریقہ یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی جوانی کو

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ج لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ج

اور پورا کرو ماپ اور تول ساتھ انصاف کے نہیں ہم تکلیف دیتے کسی جان کو مگر اس کی طاقت بھر

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ج وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ط ذٰلِكُمْ

اور جب بولو تو بھی انصاف کرو اگرچہ ہو تمہارا رشتے دار اور وعدۂ خداوندی پورا کرو اس کی تمہیں

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ لا ﴿۱۵۲﴾

تاکید کی اس نے تاکہ تم نصیحت مانو

(آیت نمبر۱۵۲) چھٹا نمبر۔ فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یعنی ان کا مال نہ کھاؤ۔ مگر اس طریقے سے جس کی شرع نے اجازت دی ہو۔ یعنی اس کے مال کی حفاظت کرنے کی وجہ سے بقدر ضرورت کھا سکتے ہو۔ یہاں تک کہ وہ بالغ اور سمجھ دار ہو جائیں۔ پھر ان کا مال ان کے ہی حوالے کر دو۔ جوہری نے سمجھ داری کی عمر پندرہ سے اٹھارہ سال کے درمیان بتائی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پچیس سال فرمائی ہے۔ کہ یتیم جب اس عمر کو پہنچ جائے۔ تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے۔ بشرطیکہ اس میں دماغی کمزوری نہ ہو۔ تاکہ وہ مال ضائع نہ کر دے۔

نکتہ: یتیم کے عجز کے پیش نظر اس پر شفقت اور اس کے حقوق کی نگرانی کرنے کیلئے اس کے مال کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔

ساتویں نمبر پر فرمایا۔ ماپ تول پورا کرو۔ یعنی کسی کو نقصان نہ دو۔ ماپنے والی چیزوں کو پورا ماپو۔ اور تولنے والی چیزوں کو پورا تولو۔ پورے انصاف کے ساتھ۔ یعنی لینے اور دینے والے دونوں انصاف پر قائم رہیں۔ نہ لینے والا حق سے زیادہ لے۔ نہ دینے والا اس کے حق سے کم کرے۔ آگے فرمایا۔ کہ ہم کسی جان کو اس کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ یعنی جتنا وہ آسانی سے کر سکے اتنا ہی کہتے ہیں۔ تاکہ زیادہ بوجھ دیکھ کر گھبرا نہ جائے۔ اور بالکل چھوڑ ہی نہ بیٹھے۔

مسئلہ: جان بوجھ کر ماپ تول میں کمی بیشی نہ کرے۔ غلطی سے ہو جائے تو معافی ہے۔ ورنہ مواخذہ ہوگا۔

وَاَنَّ هٰـذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ

اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا تو تم اسی پر چلو اور نہ چلو کئی راستوں پر کہ جدا کردیں گے

بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰىکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

تمہیں اس کی راہ سے — یہ حکم دیا تمہیں اس کا — تا کہ تم — پرہیزگار بنو

(بقیہ آیت نمبر۱۵۲) **سبق**: انسان کو چاہئے کہ حتی الامکان حقوق میں کوتاہی نہ کرے۔ غلطی سے ہو جائے۔ تو اللہ پاک معاف کرنیوالا ہے اور فرمایا کہ جب تم کوئی بات کہو گواہی وغیرہ کے متعلق یا حقوق کے متعلق تو انصاف والی بات کہو۔ اگر چہ تمہارا رشتہ دار ہو۔ یعنی رشتہ داری کا لحاظ نہ رکھو بلکہ شرع کا پاس کرو۔ اور رب تعالیٰ کی رضا کو طلب کرو۔ یہ ان دس خصلتوں میں آٹھویں نمبر پر ہے۔

آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرو۔ خواہ عدل وانصاف کا معاملہ ہو۔ یا احکام شرع پر عمل کا۔ عہد خواہ بندوں سے کیا ہو یا اللہ تعالیٰ سے اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ یہ جتنے بھی احکام مذکور ہوئے۔ انہیں پورا کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید ہے۔ تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ یعنی ان کے مقتضیٰ پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

(آیت نمبر۱۵۳) اور بے شک یہی یعنی اثبات توحید اور اجرائے نبوت وشریعت والا ہی میرا راستہ ہے سیدھا۔

فائدہ: شریعت کو راستہ اس لئے فرمایا۔ کہ یہ جنت تک لے جانے والا راستہ ہے۔ یا مراد حضور ﷺ کی ذات پاک ہے۔ اس لئے۔ کہ انہوں نے ہی ہمیں اس راہ پر چل کر دکھایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ راستہ بنایا۔ اور حضور ﷺ نے اس پر چل کر دکھایا۔ اور اسی کو صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے اے لوگو۔ تم اس رسول کی پیروی کرو۔ تم بھی سیدھی راہ پر ہو جاؤ گے۔ اور مختلف راستے نہ اپناؤ جو صراط مستقیم کے علاوہ ہیں۔ جیسے یہودیت یا عیسائیت یا دیگر گمراہ مذاہب کے راستوں پر مت چلنا۔ ورنہ وہ مختلف راستے تمہیں متفرق کر کے سیدھی راہ سے ہٹا دیں گے۔ یعنی سیدھی راہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلام کی راہ ہے۔ اور اسی راہ کی اللہ تعالیٰ نے تاکید بھی فرمائی ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ وہی ہے۔ جس پر حضور ﷺ چلے اور امت کو چلایا۔ **فائدہ**: ایفائے عہد یہ نانویں نمبر پر ہے۔ اور صراط مستقیم پر قائم رہنا دسویں نمبر پر ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے جب یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ تو آپ نے ایک سیدھی لکیر لگائی اور اس کے اردگرد کئی لکیریں لگائیں۔ اور فرمایا یہ سیدھی لکیر صراط مستقیم ہے۔ اور سائیڈ پر جتنی لکیریں ہیں۔ یہ ہی مختلف راستے ہیں۔ ہر راہ پر شیطان بیٹھا اپنی طرف بلاتا ہے۔ (دارمی) ایک جگہ سے آدمی نکل جائے تو اگلے راستے پر وہ گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ

پھر ہم نے دی موسیٰ کو کتاب پورا احسان اوپر اس کے جو نیک ہے اور تفصیل ہے ہر

شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ع ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا

چیز کی اور ہدایت اور رحمت ہے تا کہ وہ ملاقات اپنے رب کی مان جائیں ۔ اور یہ

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ لا ﴿۱۵۵﴾

کتاب جو ہم نے اتاری برکت والی ہے تو اس پر چلو اور پرہیزگار بنو تا کہ تم ۔ رحم کئے جاؤ۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۳) **فائدہ**: شریعت کا دوسرا نام صراط مستقیم ہے۔ جو شریعت پر چلے وہی صراط مستقیم پر ہے۔ اسی لئے ہم ہر رکعت میں دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر قائم رکھ۔ اس لئے کہ شیطان صراط مستقیم سے ہٹانے پر پورا زور لگاتا ہے۔ جو اس راہ سے بھٹک گیا۔ وہ آخرت کی راہ سے محروم ہو گیا۔

(آیت نمبر ۱۵۴) پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی توراۃ عطا کی۔ جو ایک نعمت و رحمت تھی۔ ان لوگوں کیلئے جنہوں نے اس نعمت کی قدر کی اور اس نعمت کے حقوق ادا کئے۔ **فائدہ**: اس سے انبیاء کرام علیہم السلام اور خاص مومن مراد ہیں۔ اور اس کتاب میں دینی امور کی ضروریات کی ہر چیز اس کے اندر موجود تھی۔ خصوصاً اس میں ہدایت اور نیکوکار مومنوں کیلئے اس میں رحمت تھی۔ تا کہ وہ عذاب سے نجات پائیں اور اپنے رب کریم کی ملاقات یعنی مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لا کر ثواب پائیں۔

(آیت نمبر ۱۵۵) اور یہ کتاب قرآن مجید جسے ہم نے اتارا ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توراۃ دی۔ اور اس کے بعد قرآن مجید کو ہم نے نازل کیا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو مکمل کتاب ہاتھ میں دی۔ اور قرآن پاک حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال میں نازل کیا۔ **فائدہ**: اس بات میں رد ہے۔ ان لوگوں کا جو یہ کہتے ہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو اپنی طرف سے بنا لیا۔ ان کا یہ گمان بالکل غلط ہے۔ اس کے کئی جواب قرآن میں دیئے گئے اور چیلنج بھی کیا کہ اس جیسی کتاب لانا تمہارے بس میں نہیں۔ کوئی ایک چھوٹی سی سورۃ ہی بنا کر لے آؤ اور یہ کتاب انتہائی بابرکت ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس میں لوگوں کے دینی اور دنیوی فوائد ہیں۔ لہٰذا اے لوگو اس کی اتباع کرو۔ یعنی اس کے تمام احکام پر عمل کرو۔ اور اس قرآن کی مخالفت سے بچو۔ تا کہ تم اس کے اتباع کی برکت سے اور اس پر عمل کرنے کی وجہ سے رحم کئے جاؤ۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا

کہ تم کہو سوائے اس کے نہیں اتری کتاب اوپر دو جماعتوں کے ہم سے پہلے اور بے شک ہم تھے

عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۙ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ

اس کے پڑھنے پڑھانے سے بےخبر ۔ یا کہو اگر بےشک اترتی ہم پر کتاب

لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تو ضرور ہوتے ہم زیادہ ہدایت والے ان سے پس تحقیق آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ

اور ہدایت اور رحمت تو کون بڑا ظالم ہے اس سے جو جھٹلائے آیات خداوندی کو اور منہ پھیرے اس سے

سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

عنقریب سزا دیں گے ان کو جو منہ پھیرتے ہیں ہمارے آیتوں سے برے عذاب سے بوجہ اس کے جو تھے وہ منہ پھیرتے۔

(آیت نمبر ۱۵۶) یا تم اے اہل مکہ نزول قرآن کی وجہ یہ ہے۔ کہ قیامت کے دن بہانہ بنا کر تم یہ نہ کہو۔ کہ ہمارے ہاں تو کوئی کتاب نہ اتری جیسے ہم سے پہلے دو گروہوں یعنی یہود و نصاریٰ پر توراۃ اور انجیل نازل ہوئیں۔

تنبیہ : اگر چہ کتابیں تو اور بھی نازل ہوئی تھیں۔ جیسے زبور اور صحیفے۔ لیکن اہل مکہ صرف ان ہی دو کتابوں کو زیادہ جانتے تھے۔ اور مشہور بھی زیادہ یہی دونوں کتابیں تھیں۔ (اہل مکہ بھی صرف یہود و نصاریٰ کو جانتے تھے۔ اس لئے صرف ان دو کتابوں کا خاص ذکر کیا۔ اور مزید یہ کہتے کہ بے شک ہم اس کے پڑھنے سے بے خبر رہے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ ان میں کیا لکھا ہے۔ اس لئے کہ وہ عربی لغت میں نہیں تھیں۔ لہذا نہ ہم پڑھ سکتے تھے۔ نہ وہ ہماری سمجھ میں آتی تھیں۔ یہ ان کے عذر اور بہانے محض فریب تھے ورنہ انہیں سب باتوں کا علم تھا۔

(آیت نمبر ۱۵۷) یا تم بروز قیامت یہ ان کی طرح ہم پر بھی کوئی کتاب نازل ہوتی۔ تو ہم ان سے زیادہ ہدایت والے ہوتے۔ یعنی ہم حق کے زیادہ قریب ہوتے۔ جو کہ انسان کا مقصود اعظم ہے۔ اس کی طرف ہم زیادہ پہنچنے والے ہوتے۔ یا احکام اسلامی اور شرعی مسائل کو ہم ان سے زیادہ سمجھنے والے ہوتے۔ اس لئے کہ ہم ان سے زیادہ ذہنی طور پر

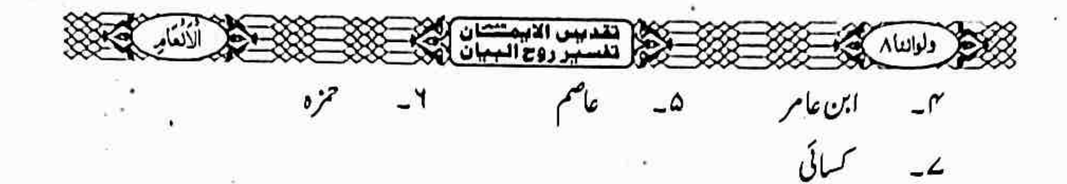
تیز ہیں۔اور ہمارے فہم ان سے زیادہ روشن تر ہیں۔علاوہ ازیں علمی فنون سے ہمیں ان سے زیادہ واقفیت حاصل ہے۔ اشعار کہنے میں قصے خوانی میں اور خطابت میں ہم بہت بڑی مہارت رکھتے ہیں۔وغیرہ وغیرہ لہذا قرآن پاک اتار کر ان کے اس قسم کے عذر بہانے ہم نے ختم کر دیئے۔آگے فرمایا۔پس تحقیق آ گئی تمہارے پاس واضح اور روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے جس میں ہدایت بھی ہے۔اور رحمت بھی ہے۔

فائدہ :قرآن کو"بینتہ" سے اس لئے تعبیر کیا۔تا کہ انہیں معلوم ہو کہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے پر ہمیں پوری قوت حاصل ہے۔اسی لئے قرآن ان کی لغت عرب میں نازل ہوا۔تا کہ اسے پڑھ بھی لیں اور اچھی طرح سمجھ بھی لیں لہذا لازما یہ کتاب ان کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔اب واضح طور پر فرمادیا۔کہ اس شخص سے بڑا کون ظالم ہوگا۔جو اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن پاک کو جھٹلاتا ہے۔اور ان آیات سے اور لوگوں کو بھی پھیرتا ہے۔یعنی خود بھی گمراہ ہے۔اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔عنقریب ہم ان لوگوں کو بہت جلد سزا دیں گے۔اس لئے۔کہ وہ لوگوں کو ہماری آیات کی طرف آنے سے روکتے تھے۔**فائدہ**:یہ ان کے لئے وعید ہے۔یعنی ان کے گمراہ کرنے کی سزا واضح بتائی جارہی ہے۔کہ ان کے خود گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی سزا بہت ہی برا عذاب ہے۔اور اس برے عذاب میں مبتلاء ہونے کی وجہ یہ ہے۔کہ وہ لوگوں کو حق سے روکتے تھے۔**فائدہ**:ایسے کافروں کو ہمیشہ نئے نئے عذاب میں مبتلا کیا جاتا رہے گا۔اس لئے کہ وہ آئے دن نئے نئے کفر کے طریقوں کو اپناتے رہتے تھے۔

سبق :عقل مند آدمی کو چاہئے۔کہ قرآن پاک کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے علاوہ (قرآن کے خلاف ہر قسم کے مواد) سے دور رہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مراتب اور درجات تو اسی کو عطا فرمائے گا۔جو قرآن پر عمل کرنے والا ہوگا۔

یاد رہے۔قرآن مسلمان کی روحانی غذا ہے۔اس سے منہ پھیرنا روحانی نقصان ہے۔جیسے جسم کی ضروریات سے منہ پھیرنا جسمانی نقصان کا باعث ہے۔**سات قراتیں**: حضور ﷺ فرماتے ہیں۔کہ قرآن کی سات قراتیں ہیں۔یعنی سات لغات پر قرآن نازل ہوا ہے۔جو عرب میں فصیح لغات سمجھی جاتی ہین۔قریش۔ہذیل۔ہوازن۔یمن۔طے اور ثقیف وغیرہ کی لغات ہیں۔تا کہ امت ان سات قرأتوں میں سے کسی ایک قرات کو آسانی سے پڑھ لے یا ہر قبیلہ اپنی قرات کے مطابق پڑھتا رہے۔یا اس سے مراد سات قاری ہیں۔جن کی طرف قرأت منسوب ہوئی:

۱۔ نافع ۲۔ ابن کثیر ۳۔ ابوعمر



۴۔ ابن عامر ۵۔ عاصم ۶۔ حمزہ
۷۔ کسائی

حافظ قرآن کی شان:

ایک **حدیث** میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ اگر قرآن ایک چمڑے میں ہو۔ تو اس چمڑے کو اگر آگ لگائی جائے تو اس کو آگ نہیں لگے گی۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کی برکت سے اسے آگ کچھ نہیں کہے گی۔ قرآن کے نہ جلنے کا کئی مقامات پر تجربہ ہوا۔ حافظ قرآن بھی اگر قرآن کے مطابق عمل کرنے والا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے بھی آگ نہیں لگے گی۔

فائدہ: اس سے معلوم کرلیں۔ کہ جس حافظ کے سینے میں قرآن ہو۔ اسے دوزخ کی آگ کیا کہے گی۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ وہ حافظ اس کے مطابق عمل بھی کرتا رہے۔

حدیث: سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ جو بندہ رات کے نفلوں میں قرآن کی تلاوت کرے۔ اسے ہر حرف کے بدلے سو نیکی ملے گی۔ اگر کوئی بندہ قرآن بے وضو پڑھے۔ تو اسے ہر حرف پر دس نیکیاں ملیں گی۔

حکایت: ایک شخص تلاوت قرآن کر رہا تھا۔ کہ اس پر نزع طاری ہوگئی۔ اس نے بسم اللہ شریف کے ساتھ سورۂ طٰہٰ شروع کردی۔ لہ الاسماء الحسنٰی پر پہنچا۔ تو کسی نے کہا لا الہ الا اللہ پڑھ۔ اس نے پھر یہی سورۃ شروع کی پھر جب لہ الاسماء الحسنٰی پر پہنچا۔ تو اس کی روح پرواز کرگئی۔

سبق: اس حکایت سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا میں جس انسان کی زیادہ عادت ہوتی ہے۔ اسی کام میں اس کی روح نکلتی ہے۔ **حدیث**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کو ایسے اٹھو گے۔ جیسے مرو گے۔ اور ایسے مرو گے۔ جیسی زندگی گزارو گے (ابوداؤد وابن ماجہ)۔ اگر زندگی نیکی میں گذاری تو ان شاء اللہ موت بھی نیکی میں آئیگی اور موت اچھی نیک حالت میں آئی تو حشر بھی نیک حالت میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہماری موت اور حشر نیک حال میں فرمائے گا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ

نہیں انتظار کرتے مگر یہ کہ آئے ان کے پاس فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئیں کوئی نشانیاں

رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

تیرے رب کی جس دن آئیگی کچھ نشانیاں تیرے رب کی تو نہیں نفع دے گا کسی جان کو اس وقت کا ایمان نہیں تھا

اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

جو ایمان لایا پہلے یا نہ کمائی اپنے ایمان میں کوئی نیکی فرمادو انتظار کرو بے شک ہم بھی انتظار میں ہیں

(آیت نمبر ۱۵۸) نہیں وہ انتظار کررہے ہیں مگر اس کی کہ ان کے پاس فرشتے آئیں۔ یا تیرا رب آجائے۔

تشریح: نظر بمعنی انتظار قرآن مجید میں اکثر جگہ استعمال ہوا ہے۔ لہذا اب اس کا معنی یوں ہوگا۔ کہ ہم نے ان پر اپنی حجت پوری کردی۔ کہ قرآن جیسی کتاب ان پر نازل فرمادی۔ اب چاہئے تھا۔ کہ وہ اس پر ایمان لاتے۔ لیکن وہ اس بات کا انتظار کررہے ہیں۔ کہ ان کے پاس فرشتے اتر کر آئیں۔ اور وہ کہیں کہ یہ کتاب برحق ہے۔

فائدہ: ظاہر ہے۔ کہ فرشتے تو وہی آئیں گے جو ملک الموت کے ساتھ روح نکالنے کیلئے آتے ہیں یا ان کو اس بات کا انتظار ہے۔ کہ تیرا رب ان کے پاس آجائے۔ یا انہیں انتظار ہے۔ کہ تمہارے رب کی طرف سے کچھ آیات ان پر آجائیں۔ مثلاً علامات قیامت: (۱) دھوئیں کا اٹھنا۔ (۲) دابۃ الارض کا نکلنا۔ (۳) خسف زمین میں دھنسنا۔ (۴) دجال کا آنا۔ (۵) سورج کا مغرب سے نکلنا۔ (۶) یاجوج ماجوج کا نکلنا۔ (۷) عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا وغیرہ۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ جس دن قیامت کی علامات میں سے کوئی علامت نظر آگئی تو پھر کسی کو بھی ایمان لانا کام نہیں دے گا۔ جیسے عالم نزع یعنی روح نکلتے وقت ایمان لانا قابل قبول نہیں ہوتا۔ ایسے ہی علامات قیامت دیکھ کر بھی ایمان لانا نا قابل قبول ہے۔ اگر کوئی ایمان لانا چاہے گا۔ تو کہا جائے گا۔ کہ پہلے ایمان کیوں نہ لائے۔ یا ایمان کے ساتھ کوئی نیکی اس سے پہلے کی ہوتی تو قبول ہوتی۔ اب علامات دیکھ کر نہ ایمان لانا نفع دے گا۔ نہ نیکی کرنا نفع پہنچائے گا۔ لہذا اے محبوب ان کو فرمادو کہ تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ لیکن تمہارا یہ انتظار تمہارے لئے عذاب کا باعث ہوگا۔

فائدہ: امام بغوی فرماتے ہیں۔ کہ مذکورہ آیت میں بعض آیات سے مراد مغرب سے سورج طلوع ہونا مراد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ط

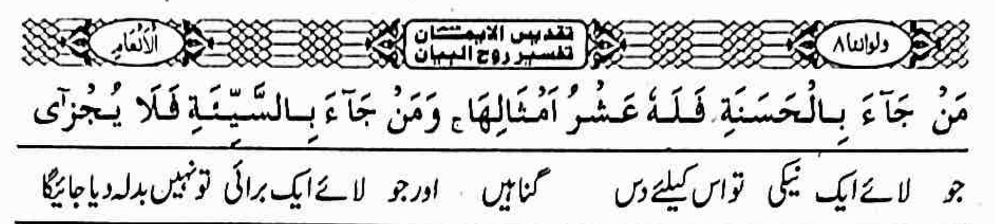
بے شک وہ جنہوں نے فرقے بنائے اپنے دین میں اور ہو گئے گروہ در گروہ نہیں ہے ان سے آپ کو کچھ تعلق

اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾

سوائے اس کے نہیں معاملہ ان کا اللہ پر ہے پھر بتائے گا ان کو جو تھے وہ کرتے

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۸) **مغرب سے طلوع آفتاب:** امام حدادی نے تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ (المختصر) سورج جب غروب ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے اور سجدہ کرتا ہے۔ تو اسے حکم ہوتا ہے۔ جاؤ مشرق سے طلوع کرو۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آئیگا جب زمین پر اتنی برائی پھیل جائے گی۔ کہ کوئی اللہ کا نام لیوا نہ رہے گا۔ جب دنیا کی آخری رات آئے گی سورج بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہوگا۔ اور تین دن تک سجدہ میں رہے گا۔ اور رات بھی اتنی لمبی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا۔ جاؤ مغرب سے طلوع کرو۔ جب سورج مغرب سے طلوع کرے گا۔ تو اس وقت لوگ دہشت سے روئیں گے۔ مگر ان کا رونا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اس آیت میں اس کا بیان ہے۔ اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس وقت کا ایمان اضطراری ہے اختیاری نہیں۔
حدیث شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب علامات قیامت میں سے کوئی علامت ظاہر ہو جائیگی۔ پھر قضاء قدر کی قلمیں رکھ دی جائینگی۔ کراماً کاتبین بھی فارغ ہو جائیں گے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

(آیت نمبر ۱۵۹) بے شک جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ یہود و نصاریٰ نے دین میں الگ الگ فرقے بنائے۔ اور ہر فرقہ والوں نے اپنا الگ دین بنالیا اور اپنا الگ پیشوا بنالیا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ یہود کے اکہتر اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ سب جہنم میں جائیں گے۔ صرف ایک فرقہ جنت میں جائیگا (بخاری)۔ آگے فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کی کسی چیز میں نہ ہوں۔ یعنی ان کے کسی معاملے میں آپ کو پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ان کے جدا جدا فرقے بنانے کے بارے میں نہ ان کے آپس میں اختلاف کے بارے میں۔ بے شک ان کا معاملہ اللہ پر ہے۔ وہی ان کے تمام معاملات پر متصرف ہے۔ سب اسی کے قبضہ واختیار میں ہیں۔ پھر انہیں وہ بروز قیامت بتائے گا۔ جو جو وہ عمل کرتے رہے۔ اس جملہ سے انہیں تنبیہ کرانا مقصود ہے۔ کہ جو امور وہ کررہے ہیں۔ ان سے ان کا انجام بہت برا ہوگا۔ بروز قیامت اللہ تعالیٰ انہیں سب لوگوں کے سامنے ان کے برے اعمال جتائے گا۔ اور اتنی ہی سخت سزا بھی دیگا۔



مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى

جو لائے ایک نیکی تو اس کیلئے دس گنا ہیں اور جو لائے ایک برائی تو نہیں بدلہ دیا جائیگا

اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

مگر اس کے برابر اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے

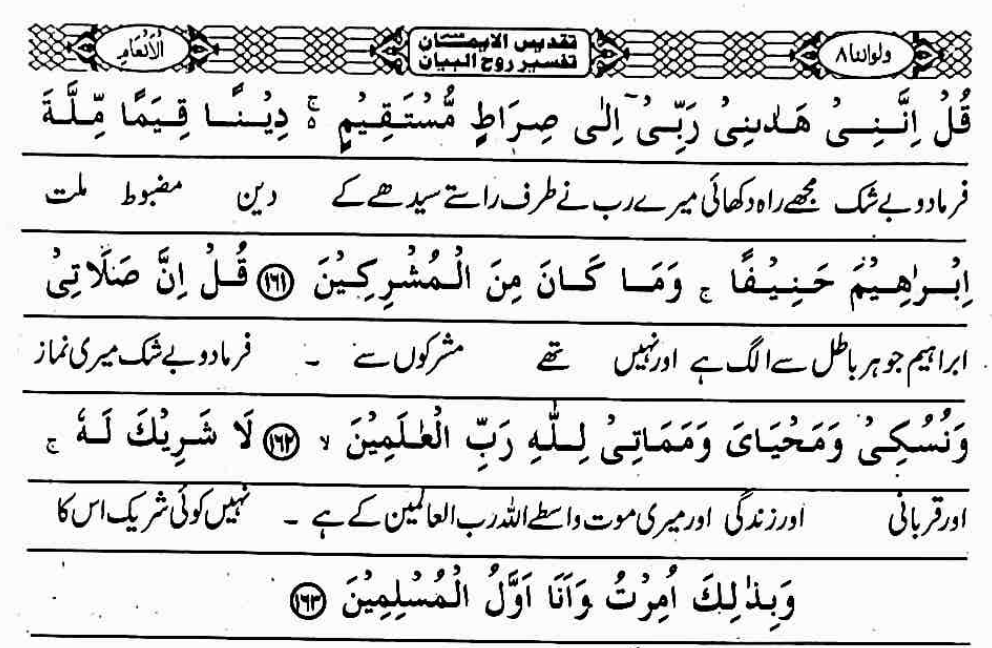
(بقیہ آیت نمبر ۱۵۹) **فائدہ:** دنیا میں جتنے بھی برے اعمال ہوتے ہیں۔ وہ قیامت میں نہایت بری شکلوں اور ڈراؤنی صورتوں میں نظر آئیں گے۔ دنیا میں بھی برے اعمال برے ہی نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ دارالامتحان ہے۔ یہاں برے اعمال کو شیطان خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اس لئے لوگوں کو برائی بری نہیں لگتی اچھی لگتی ہے۔ (البتہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو برائی بری صورت میں نظر آتی ہے) اللہ ہمیں برے اعمال سے بچائے۔

(آیت نمبر ۱۶۰) جو مسلمان قیامت کے دن ایک نیکی لے کر آیا وہ قبول ہوگی اور غیر مسلم لاکھوں نیکیاں بھی لایا۔ تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔ نیکی کی قبولیت ایمان کی وجہ سے ہوگی۔ ورنہ کافر کی کسی نیکی پر نہ ثواب ملے گا نہ عذاب میں کمی ہوگی۔ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بات پر امت کا اجماع ہے۔ کہ جو مسلمان دنیا میں ایک نیکی کرے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایک کے بدلے میں کم از کم دس نیکیاں عطا فرمائیں گے۔ اور جو ایک برائی لائے گا۔ تو اسے صرف ایک برائی کے برابر سزا ملے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر فضل و احسان ہے۔

کافر اور مسلمان کا فرق: کافر کی نیکی برباد اور برائی کی سزا دائمی ہے۔ کیونکہ وہ کفر پر عزم بالجزم رکھتا تھا۔ اس لئے ہر برائی پر دائمی سزا۔ لیکن مومن گناہ کر کے پشیمان ہوتا ہے۔ گناہ چھوڑنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہے۔ اس لئے اس کی سزا بھی ایک برائی کے برابر ہے اور ان میں سے کسی کے ساتھ زیادتی بھی نہیں ہوگی۔

فائدہ: نیکیوں میں اضافہ تو ہوگا۔ لیکن برائی کی سزا پوری پوری ہوگی۔ اس میں اضافہ نہیں ہوگا۔

نکتہ: ایک نیکی کے عوض دس دینے سے مراد صرف دس نہیں۔ بلکہ مراد کثرت ہے۔ جس کی انتہاء کسی کو معلوم نہیں۔ نیکی میں اخلاص جتنا زیادہ ہوگا۔ ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ جیسے نماز اکیلے پڑھے۔ ثواب دس گنا۔ اگر جماعت کے ساتھ پڑھے۔ تو وہی نماز ۲۷ گنا۔ وہی نماز مسجد اقصیٰ میں ۲۵ ہزار اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار گنا اور مسجد حرام میں وہی نماز لاکھ گنا تک پہنچ جائیگی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔



قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ

فرمادو بے شک مجھے راہ دکھائی میرے رب نے طرف راستے سیدھے کے دین مضبوط ملت

اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ

ابراہیم جو ہر باطل سے الگ ہے اور نہیں تھے مشرکوں سے ۔ فرمادو بے شک میری نماز

وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ

اور قربانی اور زندگی اور میری موت واسطے اللہ رب العالمین کے ہے ۔ نہیں کوئی شریک اس کا

وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

اور اسی کا میں حکم دیا گیا اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

(آیت نمبر ۱۶۱) اے محبوب اہل مکہ کو فرمادو۔ جو کہہ رہے ہیں۔ کہ وہ حق پر ہیں کہ بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ کی ہدایت دی ہے۔ یعنی وحی کے ذریعے صحیح راستہ کی نشان دہی فرمائی ہے۔ کہ جس سے راہ حق ملتا ہے۔ سیدھے راستے کی طرف جو حق تک پہنچاتا ہے۔ اور ایسے دین کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو انتہائی مضبوط ہے۔ اور وہ دین ابراہیمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے اس کی ابتداء کی۔ اسی لئے اسے ملت ابراہیم سے تعبیر کیا۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اور حق پر چلنے کا راستہ بنایا۔ اور وہ بالکل یکسو یعنی سب باطل دینوں سے الگ اپنے دین پر قائم تھے۔ اور وہ مشرکوں کے کسی کام سے متفق نہیں تھے۔ نہ اصول میں نہ فروع میں۔

(آیت نمبر ۱۶۲) اے پیارے محبوب آپ ان کو بتادیں۔ میری تمام نمازیں۔ اور میری ہر قسم کی قربانی اور میری زندگی کے سب اعمال اور میری موت کے احوال سب اللہ رب العالمین کیلئے ہیں۔ یعنی میں نے سب کچھ اسی کے سپرد کیا اور میرا بھروسہ بھی اسی پر ہے۔ کسی اور پر نہیں ہر نبی دنیا میں آ کر نبی ہوتا ہے لیکن ہمارے حضور تو ازل سے ہی نبی بھی ہیں اور پہلے مسلمان بھی۔ بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلقت کے لحاظ سے بھی اول اسلام کے لحاظ سے بھی اور نبی ہونے کے لحاظ سے بھی اول ہیں۔

(آیت نمبر ۱۶۳) جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں لوگوں کو بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ یعنی میں اس بات کو سب سے اول مانتا ہوں۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ

فرمادو کیا سوائے اللہ کے میں تلاش کروں رب حالانکہ وہ رب ہے ہر چیز کا اور نہیں کماتا ہر

نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

نفس مگر اسی کے ذمہ ہے اور نہیں بوجھ اٹھائے گا اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا پھر طرف اپنے رب کے

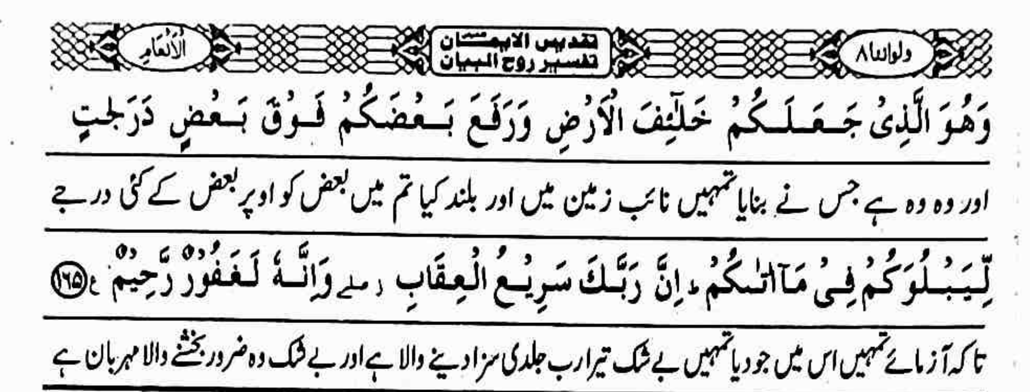
مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

لوٹنا تمہارا پھر تمہیں بتائے گا جو تھے تم اس میں اختلاف کرتے

(بقیہ آیت نمبر ۱۶۳) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے سینگوں والا ملیح مینڈا قربانی کیلئے لا کر اسے ذبح کرتے وقت تکبیر کہہ کر آپ نے یہی دونوں آیات تلاوت فرمائیں (بیہقی)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ کہ کتنا خوبصورت مینڈھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے یہ اپنی پوری امت کے ثواب کیلئے قربان کیا ہے۔ مجھے جبریل امین نے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع دی ہے۔ **فائدہ:** معلوم ہوا۔ نیک عمل سے دوسروں کو ثواب بھیج سکتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۶۴) قل: اے محبوب آپ ان کافروں کو واضح طور پر بتا دیں جو آپ کو اپنے دین کی طرف بلاتے ہیں۔ کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور رب کو تلاش کروں۔ جو نقلی ہو۔ حالانکہ میرا اصلی رب جب موجود ہے۔ جو ہر شیء کا رب ہے۔ باقی جتنے بنائے گئے ہیں۔ وہ کسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ تو اس بنائے ہوئے کو اصلی رب کے برابر کیسے سمجھوں اور کس طرح اصلی رب کے ساتھ عبادت میں شریک کرلوں۔ اور کوئی شخص نہیں عمل کرتا۔ مگر اس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

شان نزول: کفار نے مسلمانوں سے کہا۔ کہ تم ہمارے دین پر آ جاؤ۔ اگر اس پر تمہیں کوئی گناہ ہوا۔ تو وہ ہم برداشت کریں گے۔ یعنی قیامت کے دن اسے ہم اپنے سر لے لیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ہر آدمی اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہوگا۔ ایسا ہمارے ہاں نہیں ہوگا۔ کہ کرے کوئی۔ اور بھرے کوئی۔ لہذا تمہارا ہمیں اپنے مذہب کی طرف بلانا۔ یا ہم میں سے کسی کا تمہاری طرف جانا محال ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ یعنی قیامت کے دن کسی دوسرے کا بوجھ گناہوں والا کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ اور پھر تمہارا لوٹ کر اپنے رب کے پاس ہی آنا ہے۔ یعنی قیامت کے دن پھر پھرا کر اسی کی بارگاہ میں آنا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتائے گا وہ باتیں کہ جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ یعنی ہدایت اور گمراہی الگ الگ کھل کر سامنے آ جائینگی۔



وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

اور وہ وہ ہے جس نے بنایا تمہیں نائب زمین میں اور بلند کیا تم میں بعض کو اوپر بعض کے کئی درجے

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

تاکہ آزمائے تمہیں اس میں جو دیا تمہیں بے شک تیرا رب جلدی سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۶۴) خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ مومن کی غرض وغایت اور انتہائے مقصد ذات حق ہونی چاہئے۔ جسے رب مل گیا۔ اسے سب مل گیا۔ اور جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اسے پھر کہیں ٹھکانہ نہیں ملے گا۔ ایک **حدیث شریف** میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ اگر کسی کا حق دینا ہے تو آج ہی دے دو (بخاری کتاب المظالم)۔ اگر کسی کو رنج پہنچایا ہے تو معافی مانگ لو اور کسی کا حق مارا ہے تو جلد ادا کردو اس وقت سے پہلے کہ جب کسی کا قرض اتارنے کیلئے تمہارے پاس کچھ بھی نہ ہوگا اور جس کا حق دینا ہے۔ وہ قیامت کے دن حق مانگے گا تو حکم ہوگا کہ اس کی نیکیاں ہیں تو اس حق مانگنے والے کو دے دو۔ ورنہ اس کے گناہ اس کے ذمہ ڈال دو۔

فائدہ: جیسے اہل کفر اور اہل ایمان میں اختلاف ہے۔ اسی طرح اخلاص والوں اور ریا کاروں میں بھی معاملہ مختلف ہے۔ ان میں حق وباطل کا فرق شرع ہی بتاتی ہے۔ یا ان کی حقیقت حال کا انکشاف اس دن ہی ہوگا۔ جس دن سب راز کھلیں گے۔ یہاں تک کہ دل کی بھی تمام باتیں ظاہر ہوجائیں گی۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ قریب قیامت ایک ایسا دور آئیگا۔ جس میں لوگ دنیا کو دین کے ذریعے حاصل کریں گے (تنبیہ الغافلین)۔ ان کا طریقہ (واردات) یہ ہوگا۔ کہ وہ اللہ والوں کا بھیس اپنے اوپر ڈالیں گے۔ اور وہ کھانڈ سے زیادہ میٹھی کلام کریں گے۔ مگر ان کے دل بھیڑیئے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بروز قیامت فرمائے گا۔ کہ کیا تم مجھے راضی کرنے کی وجہ سے کرتے تھے۔ یا میرے اوپر جرات کرکے دین کے بدلے دنیا لوٹتے تھے۔ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے۔ میں انہیں فتنہ کے ساتھ کھڑا کروں گا۔ یعنی وہ بڑے بڑے فتنوں کا اصل سبب ہوں گے۔ ان کے ان فتنوں کو دیکھ کر ہر عقل مند بڑا حیران ہوجائیگا۔ **سبق:** لہذا ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے ظاہر وباطن کو پاک وصاف رکھے۔ اور اختلافات سے دور رہے۔ حق ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ سب باطل ہے۔

(آیت نمبر۱۶۵) اور اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے۔ کہ جس نے تمہیں زمین میں اپنا نائب بنایا۔ یعنی جنات کے بعد پیدا کیا یا سابقہ امتوں کے بعد۔ چونکہ اس زمین پر پہلے جن آباد تھے۔ ان کے فساد کی وجہ سے زمین سے نکالے گئے۔

فائدہ: خلائف خلیفہ کی جمع ہے۔ خلیفہ اسے کہتے ہیں۔ جو کسی جانے والے کے بعد اس کا قائم مقام ہو۔ اس کو جانشین بھی کہتے ہیں اور شرافت اور غنا میں تم میں سے بعض کو بعض پر بلند مقام کیا۔ درجات کے لحاظ سے۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کا الگ الگ مرتبہ ہے۔ درجات دینے کی وجہ یہ ہے۔ تاکہ وہ تمہیں آزمائے۔ امتحان لے اس چیز میں جو تمہیں اس نے عطا کی۔ یعنی حال میں جاہ میں علم وغیرہ میں جو بھی دیا۔ اس میں وہ آزمائش کرتا ہے کہ تم کو جو دیا۔ اس میں شکر کرتے ہو۔ یا ناشکری کرتے ہو۔ میری راہ میں خرچ کرتے ہو یا یوں ہی فضول خرچی کرتے ہو۔

حکایت: حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بیٹا بتاؤ۔ شکر کسے کہتے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اس کی نعمتوں کو گناہوں کیلئے استعمال نہ کیا جائے۔ بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے۔ یعنی اسے عذاب بھیجنے میں دیر نہیں لگتی۔ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پاسداری نہ کرے۔ اور نعمتوں پر شکر بھی نہ کرے۔ تو پھر اسے عذاب دینے میں بھی دیر نہیں لگتی۔ اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ لہذا بندے کو چاہئے کہ وہ اس کے حقوق و احکام میں حتی الامکان پاسداری کرے۔ ان پر وہ مہربان ہے۔

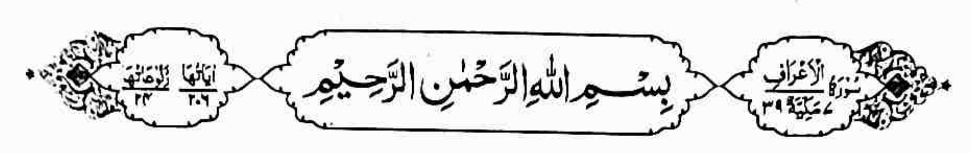
حدیث شریف: بروز قیامت ایک ایسا شخص لایا جائیگا۔ کہ جس نے مال حرام طریقے سے اکٹھا کیا ہوگا۔ اور حرام جگہ خرچہ بھی کیا ہوگا۔ اس کیلئے حکم ہوگا۔ کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔ پھر ایک شخص کو لایا جائے گا۔ جس نے مال بھی حلال طریقے سے کمایا ہوگا۔ صحیح جگہ خرچ بھی کیا ہوگا۔ اور فرائض میں کمی بھی نہیں کی ہوگی۔ ادائیگی بھی صحیح کی ہوگی۔ فخر وریاکاری بھی نہیں کی ہوگی۔ رشتہ داروں۔ یتیموں۔ مسکینوں کے حقوق بھی صحیح ادا کئے ہوں گے۔ پھر اس کے حق داروں کو بلا کر پوچھا جائے گا۔ تو وہ بھی گواہی دیں گے۔ کہ اے اللہ اس نے ہمارے حقوق میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ پھر کہا جائیگا ٹھہر جا ابھی ہم دیکھتے کہ تو نے جتنا کھانا کھایا پانی پیا تو نے ایک ایک لقمے اور ایک ایک گھونٹ پانی اور ایک ایک لذت پر کتنا شکر ادا کیا۔ یعنی ایک ایک بات پر پوچھا جائے گا۔ پھر جا کر کہیں نجات ہوگی (مشکوٰۃ)۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ یا اللہ مجھے صرف اتنا کھانا ملے کہ میرا سانس چلتا رہے۔ **سبق:** معلوم ہوا۔ کفایت شعاری دنیاداری سے بہتر ہے ورنہ یہ مذکور دعا حضور ﷺ نہ کرتے۔

دعا: اے اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے والے لوگوں میں شامل فرما۔ آمین

سورۃ ختم

مورخہ یکم دسمبر ۲۰۱۴ء بمطابق ۸ صفر ۱۴۳۶ھ بوقت نماز فجر



الٓمّٓصٓ ج ①

(آیت نمبر ۱) المص: اس کی حقیقی مراد تو اللہ تعالیٰ یا اس کا رسول ہی جانتا ہے۔ البتہ اس کے اشارات میں:

الف: ذات احدیت کی طرف اشارہ ہے۔

لام: مع ذات صفۃ العلم کی طرف اشارہ ہے۔

میم: جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اور حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔

ص: صورت محمدیہ یعنی آپ کی ظاہر صورت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مزید تشریح: تفسیر فارسی میں ہے۔ کہ المص قرآن کا نام ہے۔ یا اس صورت کا نام ہے۔ یا اس کا ہر حرف اسماء الٰہی میں سے کسی اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیسے الف سے اللہ لام سے لطیف۔ میم سے ملک۔ صاد سے صبور وغیرہ اور سلمی فرماتے ہیں۔ الف سے اشارہ ازل کی طرف۔ لام سے ابد کی طرف۔ میم سے ازل ابد دونوں کی طرف۔ صاد سے ہر متصل کے اتصال کی طرف۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ حروف مقطعات سے ہیں۔ اور مقطعات متشابہات سے ہیں اور متشابہات تک عقل کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ سوائے اللہ والوں کے کیونکہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے علم سے ان کے واقف ہیں۔

عقیدہ: متشابہ آیات کی حقیقی تاویل اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ آگے وہ وحی کے ذریعے نبی علیہ السلام کو یا الہام کے ذریعے اپنے اولیاء کرام کو آگاہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ

یہ کتاب اتاری گئی آپ کی طرف پھر نہ ہو آپ کے سینے میں کوئی رکاوٹ اس سے کہ آپ ڈرائیں اس سے

وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

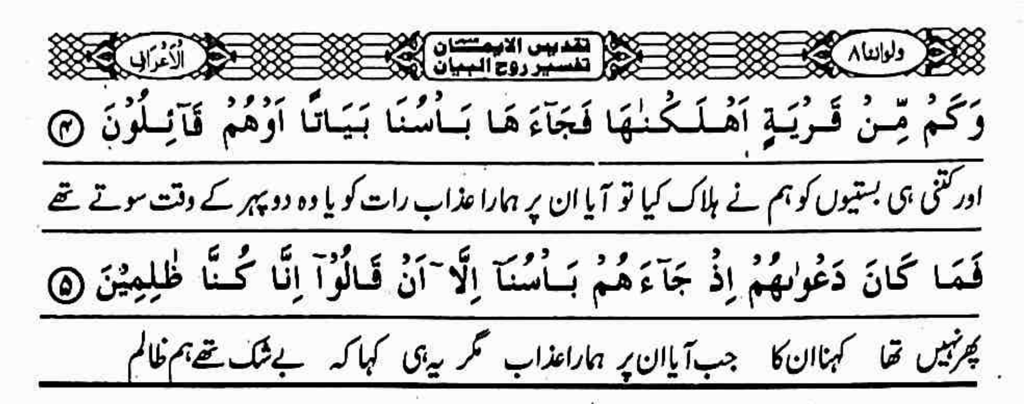
اور یہ نصیحت ہے مومنوں کیلئے ۔ پیروی کرو جو اترا تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے

وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾

اور نہ پیچھے چلو اس کے سوا اور حاکموں کے بہت کم ہے جو تم نصیحت پکڑتے ہو

(آیت نمبر۲) یہ وہ کتاب ہے۔ جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ لہذا آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو۔ کہ لوگ اس کے کتاب الٰہی ہونے میں شک کرتے ہیں۔ جیسے ایک اور مقام پر فرمایا۔ اگر آپ کو شک ہو اس پر جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا۔ دل کی تنگی اسی کو ہوتی ہے۔ جسے شک ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہراً خطاب حضور ﷺ کو ہے۔ لیکن مراد امت کے لوگ ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کو تو شک ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان کو تو انشراح صدر ہو چکا ہے۔ اور جسے انشراح صدر ہو جائے۔ اسے یقین ہو جاتا ہے۔ لہذا امت کو کہا جا رہا ہے کہ تم اس قرآن سے دل تنگ ہو کر شک میں نہ پڑنا۔ یا یہاں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کو اپنی قوم کی تکذیب کے خیال سے طبیعت پر کوئی ملال نہ آئے۔ آپ ان سے بے پرواہ ہو کر بات کریں۔ میں آپ کو ان سے امن وسلامتی عطا کروں گا۔ آگے فرمایا۔ تاکہ آپ ڈرائیں اس کتاب کے ذریعے سے اور انہیں بتائیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی اور یہ ایمان والوں کیلئے نصیحت ہے۔

(آیت نمبر۳) اے حکم ماننے والو تم اتباع کرو۔ اس کی جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے یعنی قرآن کی اتباع کرو۔ اس کے علاوہ کسی اور کی اتباع نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نہیں ہے۔ وہ تمہیں غلط راستے پر لے جائے گا۔ حق کی طرف نہیں لے کر جائے گا۔ یہاں اولیاء سے مراد وہ جو غلط راستے کی طرف لے جانے والے خواہ جنوں سے ہوں یا انسانوں سے۔ اگر تم نے ان کی اطاعت کی۔ تو تم اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں میں ہو جاؤ گے۔ آگے فرمایا۔ تم بہت تھوڑی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ جس کا اثر زیادہ دیر تک نہیں رہے گا۔ پھر تم جلدی ہی اس سے نفرت کرنے لگ جاؤ گے۔ پھر بالکل ہی اللہ کے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کے پیروکار بن جاؤ گے۔ یا یہ معنی ہے کہ تم میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔



وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾

اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا تو آیا ان پر ہمارا عذاب رات کو یا وہ دوپہر کے وقت سوتے تھے

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

پھر نہیں تھا کہنا ان کا جب آیا ان پر ہمارا عذاب مگر یہی کہا کہ بے شک تھے ہم ظالم

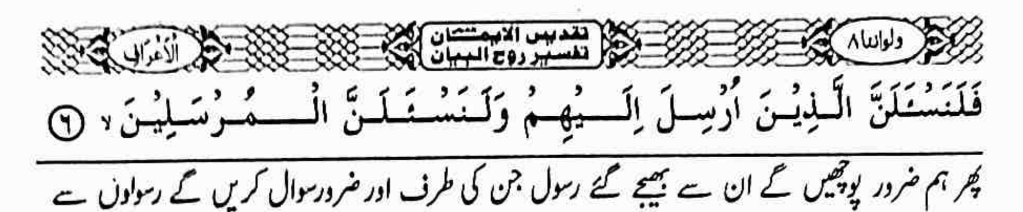
(آیت نمبر۴) سابقہ امتوں نے جب اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلنا چھوڑ دیا۔ اور غلط دوستوں کے کہنے پر چل پڑے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام بیان فرمایا۔ کہ کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کیں۔ پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا۔ اس حال میں کہ وہ رات کے وقت سو رہے تھے۔ جیسے قوم لوط کے ساتھ ہوا۔ آدھی رات کے بعد صبح کے قریب ان پر عذاب آیا۔ کہ ان کی پوری بستی فرشتے نے ایک پر پے اٹھا کر بلندی سے الٹ دی۔

"بیتوتہ" رات کے وقت آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور بستی والے عذاب ان پر اس وقت آیا۔ کہ جب وہ دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے۔ جیسے قوم شعیب کے ساتھ ہوا۔ کہ سخت گرمی کے ایام میں دوپہر کے وقت سو رہے تھے۔ کہ عذاب الٰہی آیا۔ اور انہیں تباہ و برباد کر گیا۔

نکتہ: رات اور دوپہر کے اوقات میں چونکہ لوگ بے خوف ہو کر سوتے ہیں۔ ان دونوں وقتوں میں عذاب کا آنا غیر متوقع ہوتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ غیر متوقع اوقات میں آ پڑنے والی مصیبت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ جیسے غیر متوقع وقت میں کوئی نعمت اعلیٰ حاصل ہو جائے۔ تو وہ بہت ہی لذیذ اور خوب سے خوب تر ہوتی ہے۔

(آیت نمبر۵) جب ہمارا عذاب آ گیا۔ تو پھر ان سے عجز و انکساری میں اور تو ان کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ مگر یہ کہ انہوں نے خود ہی تسلیم کر لیا۔ کہ بے شک ہم ظالم تھے۔ اب انہوں نے اپنے گناہوں اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیا۔ کہ واقعی جو کچھ ہم کر رہے تھے۔ وہ بالکل غلط ہی تھا۔ لیکن ایسے وقت میں اپنی غلطی کا اقرار کرنا بے سود تھا۔ اس لئے کہ وقت تو اب ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ایسے وقت میں کہ جب عذاب آ جائے تو پھر توبہ نا قابل قبول ہے۔ اب پشیمان ہونا بھی کسی کام کا نہیں۔ یعنی اس پشیمان ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔

ع وقت پر کافی ہے۔ قطرہ اب خوش ہنگام کا
جل گیا جب کھیت سارا۔ مینہ برسا پھر کس کام کا



فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ ⑥

پھر ہم ضرور پوچھیں گے ان سے بھیجے گئے رسول جن کی طرف اور ضرور سوال کریں گے رسولوں سے

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦

پھر ہم ضرور بتائیں گے ان کو اپنے علم سے اور نہیں تھے ہم غائب ۔

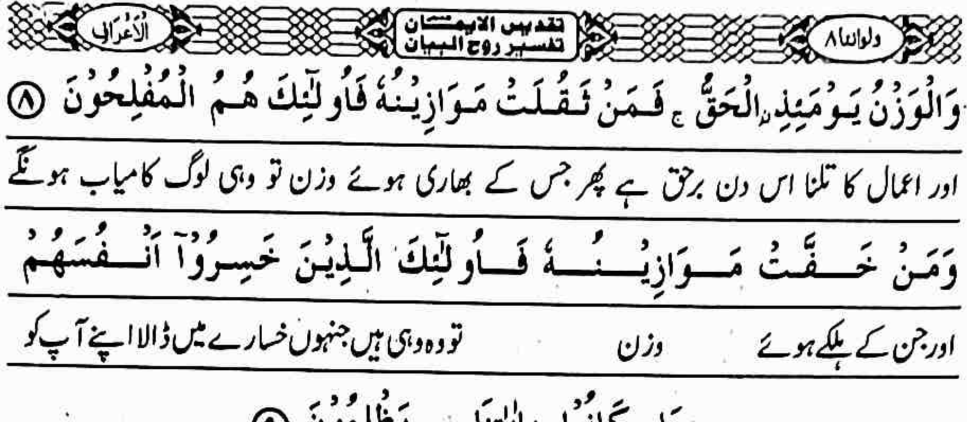
(آیت نمبر ۶) پس ہم ضرور سوال کریں ان سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے۔ یعنی امتوں سے بھی پوچھ ہوگی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ امتوں سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال ہوگا۔ کہ یہ یہ اعمال تم نے کیوں کئے۔ کس نے تمہیں ان کاموں پر ابھارا۔ اور اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی سوال ہوگا۔ کہ تمہیں جس کام کیلئے جن کے پاس بھیجا گیا۔ ان تک ہمارا پیغام پہنچایا یا نہیں۔ پھر انہوں نے تمہیں کیا جواب دیا۔

فائدہ: اصل میں یہ کافروں کو ڈانٹ سنائی جارہی ہے۔ اور انہیں تنبیہ کی جارہی ہے۔ جب انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال ہوں گے تو تم کیسے سوال سے بچ سکتے، اس سوال کے جواب میں انبیاء کرام علیہم السلام تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب کی وجہ سے کہیں گے۔ لاعلم لنا۔ اے اللہ ہمیں تو علم نہیں۔

(آیت نمبر ۷) تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اب ہم تمہیں تمام قصہ بتاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم سے ان کا ظاہر و باطن کچھ بھی پوشیدہ نہیں اور نہ ہی وہ ہم سے کسی وقت غائب ہوئے۔ لہٰذا ان کا کوئی بھی عمل ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ ہم بتاتے ہیں۔ کہ تمہارے بعد وہ کیا کرتے رہے۔

فائدہ: بروز قیامت انبیاء کرام علیہم السلام مامون و محفوظ ہونے کے باوجود پکاریں گے۔ رب سلّم رب سلّم۔ تو یہ صدا امت کیلئے لگا رہے ہوں گے۔ کیونکہ وہ تو طاہر مطہر شخصیات جن کے باطن ہر طرح کی گرد و غبار سے محفوظ رہے۔ قیامت کے دن وہ خود تو ہر قسم کی ہولناکیوں سے امن میں ہوں گے۔ انتہائی بلند مراتب پر ہوں گے۔ اگر انہیں کوئی خوف ہوگا بھی تو صرف امتوں کا اس کے علاوہ کوئی انہیں اپنی بخشش کا ڈر اور غم نہیں ہوگا۔

قیامت کے دن مامون ہوں گے: (۱) مرنے تک جس نے شرک نہیں کیا۔ (۲) اپنے زمانے کے نبی کو آخری لمحہ تک مانتا رہا۔ (۳) ہر نیک عمل اخلاص سے کرتا رہا۔ (۴) جادو کرنے کرانے سے دور رہا۔ (۵) کسی مسلمان کا ناحق قتل نہیں کیا۔ (۶) دین کا ہمیشہ خیر خواہ رہا۔ (۷) ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمانبردار اور اللہ کے بندوں سے محبت کرتا رہا۔ (۸) اللہ کے دشمنوں سے عداوت ہی رکھی ایسے لوگوں کو عرش الٰہی کے نیچے جگہ ملے گی۔ ہر غم والم سے محفوظ بھی ہوں گے۔



وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨﴾

اور اعمال کا تلنا اس دن برحق ہے پھر جس کے بھاری ہوئے وزن تو وہی لوگ کامیاب ہونگے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور جن کے ہلکے ہوئے وزن تو وہ وہی ہیں جنہوں خسارے میں ڈالا اپنے آپ کو

بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾

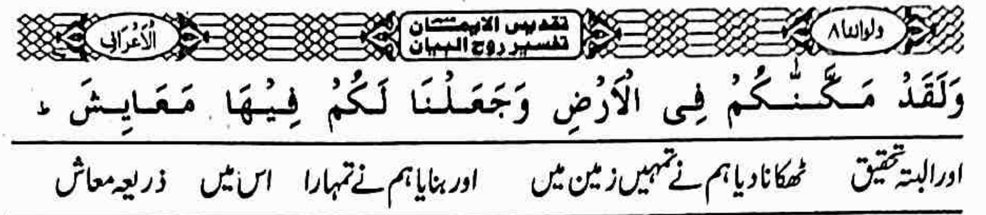
بدلہ ہے جو تھے ہماری آیتوں پر زیادتی کرتے

(آیت نمبر ۸) اور اس دن وزن برحق ہے۔ یعنی اعمال کا وزن کس کا نیچے جاتا ہے۔ اور کس کا اوپر رہتا ہے۔ کھرا عمل کس کا ہے۔ اور کھوٹا کس کا۔ لہذا جس کی نیکیاں تولنے میں بھاری ہونگی تو وہ لوگ کامیاب ہوں گے۔ یعنی نجات پانے والے وہی لوگ ہوں گے۔ اور ہر شخص کیلئے ترازو رکھا جائیگا۔ اور وزن اخلاص اور اچھے اخلاق والوں کے سب سے زیادہ بھاری ہوں گے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ تمام اعمال میں وزنی عمل حسن خلق کا ہوگا (رواہ الترمذی)۔ اس لئے کہ حسن خلق اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے اور علم دین حاصل کرنے والوں کا وزن بھی بہت بھاری ہوگا۔ **حکایت:** ایک شخص کے اعمال جب تلیں گے۔ تو برائیوں والا پلہ بھاری ہوگا۔ کہ اتنے میں اوپر سے بادل کی طرح کا ایک ٹکڑا گر کر نیکیوں والے پلے میں آجائے گا۔ تو نیکیوں والا پلہ بھاری ہو جائیگا اسے اس وقت بتایا جائیگا کہ یہ تیرا علم ہے۔ جس کی برکت سے تو نجات پا گیا ہے۔

(آیت نمبر ۹) اور جس کا نیکیوں والا پلہ ہلکا ہوگا۔ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے تو یہ وہی لوگ ہوں گے۔ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہوگا۔ یعنی ایسے ایسے اعمال کئے ہوں گے۔ جو عذاب کا سبب بنے۔

فائدہ: حدادی فرماتے ہیں۔ کہ خسران یہ ہے کہ آدمی کی اصل پونجی راس المال ضائع ہو جائے اور ان کے خسارے کی وجہ اور سبب یہ ہے کہ انہوں نے آیات کی تصدیق کے بجائے تکذیب کی۔

فائدہ: وزن کے بارے میں اختلاف ہے۔ لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں۔ کہ اعمال کا باقاعدہ وزن ہوگا۔ اعمال صحیفوں میں ہوں گے۔ اور وہی لا کر ترازو میں رکھے جائیں گے۔ اس ترازو کے دو پلڑے ہوں گے۔ سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف ملاحظہ کر رہے ہوں گے تا کہ کسی مجرم کا بھی کوئی عذر نہ رہے۔ اسی لئے اس دن کو یوم الحساب بھی کہا جاتا ہے۔



اورالبتہ تحقیق ٹھکانادیاہم نے تمہیں زمین میں اور بنایاہم نے تمہارا اس میں ذریعہ معاش

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ع ⑩

بہت کم ہے جوتم شکر کرتے ہو

(بقیہ آیت نمبر۹) **حکایت:** حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔ کہ مجھے ترازو کی اصلی صورت دکھائی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ترازو کی صورت اصلیہ ان پر ظاہر فرمادی۔ تو داؤد علیہ السلام دیکھ کر بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو پوچھا یاالٰہی اتنے بڑے ترازو جس کا ایک کونہ مشرق دوسرا مغرب میں ہے۔ یہ بھرا کیسے جائیگا۔ تو فرمایا۔ اے داؤد جس سے میں راضی ہوں گا۔ اس کی ایک کھجور کے صدقہ سے میں ترازو کو بھردونگا۔ معلوم ہوا جن پروہ ناراض ہوگا۔ وہ خسارے میں ہوں گے۔ اس کے سبب جوانہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی۔

(آیت نمبر۱۰) اور البتہ تحقیق ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانہ دیا۔ یعنی اس میں تصرف کی قدرت بخشی۔ جیسے چاہواس میں تصرف کرو۔ اور تمہارے لئے اس زمین میں ذریعہ معاش بھی بنایا۔ یعنی تمہاری تمام ضروریات پوری کیں تاکہ تم بہ آسانی اس میں زندگی بسر کرسکو۔ یعنی کھانے پینے رہنے سہنے اور چلنے پھرنے کیلئے زمین کو کام میں لاؤ۔

فائدہ: یہ ڈائرکٹ خطاب قریش سے ہے۔ کہ وہ شام اور یمن کے درمیان دوموسموں میں یعنی گرمیوں میں شام کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارت کیلئے جاتے تھے۔ چونکہ شام ٹھنڈا ملک ہے اور یمن گرم ہے۔ راستے میں لوگ حرم شریف کی وجہ سے ان کا احترام کرتے تھے۔ اور ان کی تجارت کامیاب تھی۔ اس کے باوجود وہ اللہ کا شکر نہیں کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ بہت تھوڑے لوگ ہیں جوشکر کرتے ہیں۔

قاعدہ: جونعمت پر شکر نہیں کرتا۔ اس سے نعمت چھین لی جاتی ہے۔ اور جونعمت کی قدر نہ کرے اس سے بھی نعمت چھن جاتی ہے۔ جیسے بلعم باعورہ کو بے حساب نعمتوں سے نوازا گیا۔ مگر اس نے شکر نہ کیا۔ لہٰذا اس سے نعمتیں تمام چھین لی گئی۔ اور وہ دنیا میں ذلیل ورسوا ہوکر مرا اور آخرت میں اصحاب کہف کے کتے کا لباس اسے پہنا کر جہنم میں ڈالا جائیگا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ق

البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے تمہیں پھر تمہیں صورتیں دیں پھر کہا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ

تو انہوں نے سجدہ کیا مگر شیطان۔ نہیں تھا سجدہ کرنے والوں سے۔ فرمایا کس نے منع کیا تجھے

اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ج خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ

کہ سجدہ نہ کرے جبکہ میں نے حکم دیا کہا میں بہتر ہوں اس سے تو نے مجھے بنایا آگ سے

وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

اور اس کو بنایا مٹی سے

(آیت نمبر ۱۱) اور البتہ تحقیق ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ اور ہم نے تمہیں اچھی صورت بخشی۔ اس سے مراد جناب آدم علیہ السلام ہیں۔ اور اس کے ضمن میں اولاد آتی ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا۔ آدم کی تعظیم کیلئے اسے سجدہ کرو۔ تو ان سب نے حکم سنتے ہی آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ کیا۔ مگر شیطان سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ یعنی اس نے جناب آدم کو سجدہ نہیں کیا۔ معلوم ہوا۔ کہ جیسے حکم فرشتوں کو سجدے کا تھا۔ اسی طرح اسے بھی تھا۔

(آیت نمبر ۱۲) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس کس نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا۔ جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تو شیطان نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ اور اس سے افضل ہونے نے مجھے روکا کہ کمتر کو سجدہ کروں۔ پوچھا کہ تو بہتر کیسے ہو گیا۔ تو اس نے دلیل یہ دی۔ کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا۔ اور اس آدم کو مٹی سے بنایا۔ نار وہ جوہر ہے جو اوپر کو جاتی ہے اور آدم کو مٹی سے تو مٹی نیچے رہتی ہے۔ لہذا نار (آگ) مٹی سے افضل ہوئی۔ اصل میں وہ لعین فضیلت کا دارومدار مادہ عنصریہ کو سمجھ بیٹھا۔ اسی لئے تو دھوکا کھا گیا۔

نکتہ: آدم علیہ السلام میں روح پھونکے جانے کے بعد ان میں تجلی حق کو قبول کرنے کی استعداد آ گئی پھر وہ مٹی کا ڈھانچہ جس نے فیض الٰہی کو قبول کیا۔ اور تجلی کے وقت اس فیض کو اپنے اندر محفوظ کر لیا۔ تو وہ سجود ملائکہ کے حق دار ہوئے۔ تجلی حق قبول کرنے کی وجہ سے کعبہ بنا۔ گویا فرشتوں نے آدم کو کعبہ سمجھ کر سجدہ کیا۔ حقیقت میں سجدہ اللہ تعالیٰ کو ہی تھا۔ لیکن یہ بات شیطان لعین کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ اس نے صرف آدم کی مٹی کو دیکھا تو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ

فرمایا تو اتر جا یہاں سے نہیں پہنچتا تھا تجھے کہ تو تکبر کرتا یہاں تو نکل جا بے شک تو

مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ

ذلیل لوگوں سے ہے ۔ کہنے لگا مہلت دیں مجھے تا روز اٹھائے جانے کے ۔ فرمایا

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

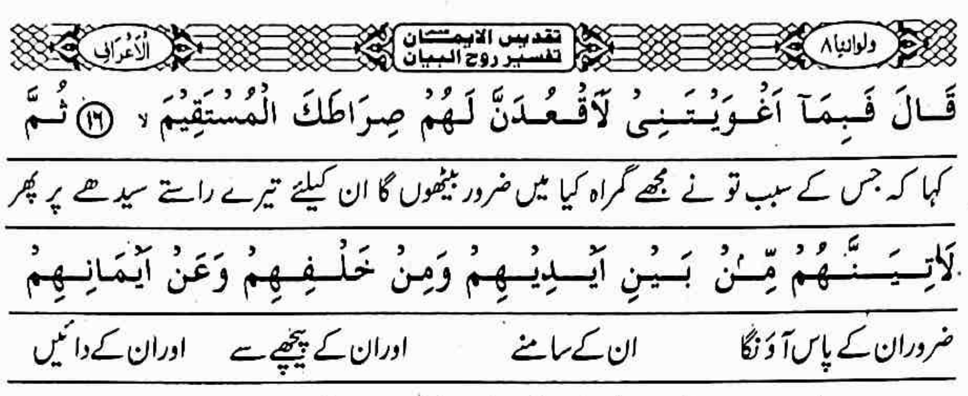
بے شک تجھے مہلت ہے۔

(آیت نمبر۱۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے شیطان اتر جا یہاں سے۔ یعنی جنت سے چونکہ وہ جنت عدن میں رہتا تھا۔ اور خمیر آدم بھی وہیں تیار ہوا۔ لہذا اسے بطور سزا کے زمین پر اتارا گیا۔ کیونکہ اس نے حکم الٰہی کا انکار کر کے بہت بڑی معصیت کا ارتکاب کیا۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ تیرے لئے یہ مناسب نہ تھا۔ کہ تو جنت جیسی جگہ میں تکبر کرتا۔

مسئلہ: اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت کے علاوہ تکبر جائز ہے۔ تکبر تو ہمیشہ ہی ناجائز ہے۔ (لیکن اتنی پاکیزہ جگہ اور اتنی بلند ذات کے سامنے ایسی جرات جو نہ اس سے پہلے کسی نے کی نہ آئندہ کوئی کر سکے گا)۔ اس لئے اس سے مزید بات کئے بغیر فرمایا نکل جا۔ (یعنی دفعہ ہو جا) یہ فاھبط کی تاکید ہے۔ بے شک تو ذلیل لوگوں میں سے ہے۔ یعنی تو ان ذلت والوں سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ولیوں کے نزدیک ذلیل وخوار ہیں۔ **مسئلہ**: معلوم ہوا کہ شیطان کے جنت سے جلاوطن ہونے کا سبب اس کا تکبر ہے۔ **حدیث شریف**: جس نے جتنی عاجزی زیادہ کی اسے اتنا ہی اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ اور جو تکبر کرے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے گا۔ (ریاض الصالحین)

(آیت نمبر۱۴) جب شیطان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دھتکار مل گئی تو کہنے لگا۔ یا اللہ مجھے اٹھائے جانے کے دن تک مہلت دے دے۔ یعنی مجھے قیامت تک موت نہ آئے۔ آدم اور ان کی اولاد جب قیامت میں اٹھیں تو میں اس وقت تک زندہ رہوں تاکہ اولاد آدم کو دھوکہ دے کر خوب گمراہ کروں۔ اور ان سے دولت ایمان بھی چھین لوں۔ اس لئے اس نے مہلت مانگی۔

(آیت نمبر۱۵) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو مہلت دیئے ہوئے لوگوں سے ہے۔ نفخ اولیٰ تک تجھے مہلت ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ کہ تجھے ایک وقت معلوم تک مہلت ہے۔ تو اس سے مراد نفخ اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس دن ساری مخلوق فنا ہو جائے گی اور ان کے ساتھ یہ متکبر بھی مر جائے گا۔



قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ

کہا کہ جس کے سبب تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور بیٹھوں گا ان کیلئے تیرے راستے سیدھے پر پھر

لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ

ضرور ان کے پاس آؤنگا ان کے سامنے اوران کے پیچھے سے اوران کے دائیں

وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اوران کے بائیں جانب سے اورنہیں تو پائے گا زیادہ ان میں شکر گذار

(بقیہ آیت نمبر۱۵) **فائدہ:** دونفخوں کے درمیان کی مدت چالیس سال ہے۔

مسئلہ :معلوم ہوا۔کہ بعض دفعہ کافر کی دعا بھی قبول ہوجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی مرضی بھی پوری کردیتا ہے۔**عجوبہ:** شیطان بوڑھا ہوتا ہے زمانے کے مطابق پھر وہ تیس سال کا جوان بن جاتا ہے۔

نکتہ :شیطان کومہلت دینے کی وجہ:(۱) یہ ہے کہ وہ گمراہ کرنے پرزور لگالے۔(۲) فرمانبردار اورنافرمان کا پتہ چل جائے۔(۳) اس کے شر سے بچ کر انعام کون پاتا ہے۔اوراس کا ساتھی بن کر سزا کون پاتا ہے۔(۴) اس کی لاکھوں سال کی عبادت کا ثمرہ یہی ہے۔کہ وہ قیامت تک زندہ رہے گا۔تاکہ بروز حشر اپنی عبادت کا ثمرہ نہ مانگ سکے۔(۵) لمبی عمر ملنا کوئی قابل فخر بات نہیں۔یہ بھی عقل مندوں کیلئے عبرت ہی ہے۔

(آیت نمبر۱۶) شیطان نے مردود ہونے کے بعد اگلا پروگرام بھی واضح کردیا اور کہا۔اے اللہ جس کی وجہ سے تو نے مجھے دھتکار کر اپنی رحمت سے محروم کیا۔میں بھی تیری عزت کی قسم ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔جیسے ڈاکو راہ گیروں کو لوٹنے کیلئے تاک میں بیٹھتے ہیں۔میں بھی (تیری سیدھی راہ جو جنت کی طرف جاتی ہے) اس پر بیٹھ کر اس آدم کی اولاد کو گمراہ کرنے میں پوری کوشش کرونگا۔(لہذا جو بندہ شیطان کے کہنے پر گمراہ ہوا وہ منزل مقصود سے محروم رہا)۔

(آیت نمبر۱۷) تو شیطان نے کہا میں ان کے آگے اور پیچھے سے دائیں اور بائیں سے ضرور ان کے پاس آؤں گا۔آگے سے آکر ان کو حسد میں ڈال کر ان کو آپس میں لڑاؤں گا۔پیچھے سے آکر ان میں وسوسے ڈالوں گا۔تاکہ وہ بزرگوں اور صحابہ اور اولیاء کو برا سمجھیں۔اور دائیں طرف سے آکر انہیں خود پسندی اور تکبر اور ریاکاری میں مبتلاء کرونگا۔اور بائیں طرف سے آکر علم وعلماء کے خلاف کروں گا۔اور احکام الٰہی کی مخالفت پر ابھاروں گا۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ

فرمایا نکل جا یہاں سے رد کیا ہوا راندہ ہوا جو تیرے پیچھے چلا ان سے پھر ضرور بھر دوں گا

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

جہنم کو تم سب سے

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) **فائدہ**: ان چار طرفوں کا ذکر اس لئے کیا۔ کہ ہر دشمن ان ہی چار طرفوں سے حملہ کرتا ہے۔ پھر کسی نہ کسی طرف سے وہ کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔

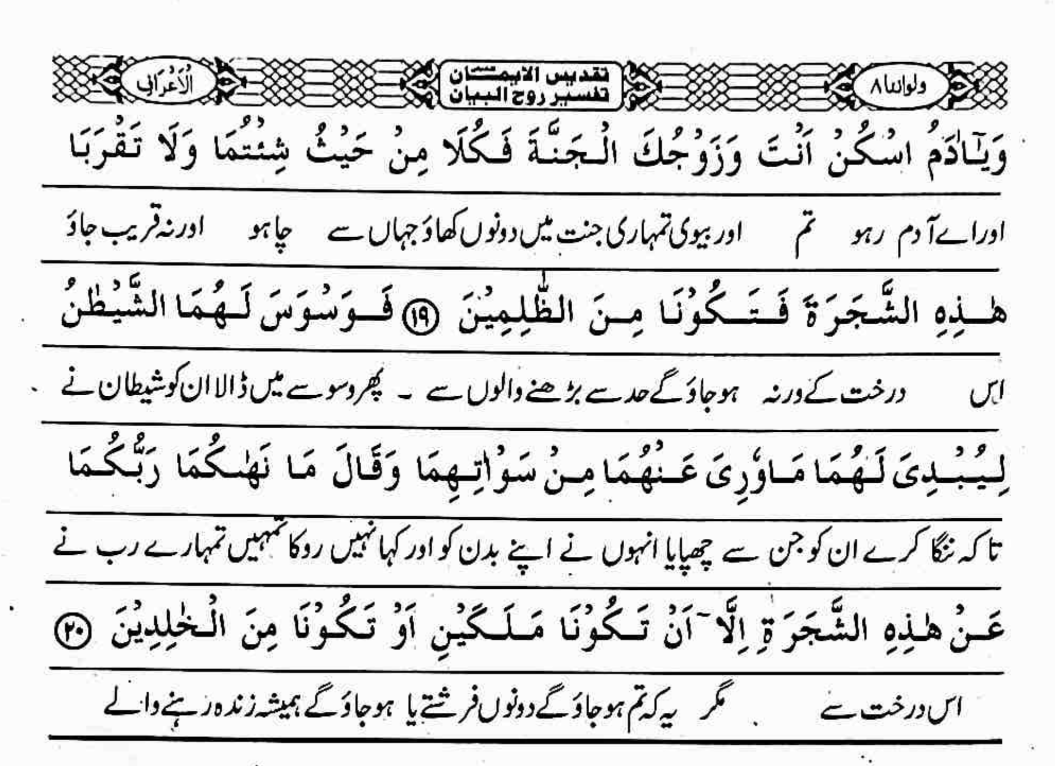
نکتہ: دو طرفوں کا وہ ذکر نہیں کر سکا۔ یعنی اوپر اور نیچے کا۔ لہذا مسلمان کو چاہئے کہ نگاہ نیچے رکھے۔ تاکہ شیطانی حملے سے بچ سکے۔ آگے کہا۔ کہ اے اللہ اس آدم کی اولاد میں سے اکثریت کو تو شکر گذار نہیں پائے گا۔ یعنی ان میں زیادہ تر لوگ تیری اطاعت کرنے والے نہیں ہوں گے۔ اور نہ تیری کسی نعمت کا شکر کرنے والے ہوں گے۔

نکتہ: شیطان کوئی عالم الغیب تو نہیں ہے۔ ماری تو اس نے تُک ہی ہے۔ لیکن بات نکلی صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مانا ہے کہ میرے شکر گذار بندے تھوڑے ہیں۔ کہ جو شیطان نے گمان کیا وہ صحیح نکلا۔

(آیت نمبر ۱۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ تو جنت سے چلتا بن مذمت کیا ہوا۔ دھتکارا ہوا۔ اب یاد رکھ جس نے بھی تیری پیروی کی۔ میں ضرور بھر دونگا جہنم تم سب سے۔ یعنی تو بھی جہنم میں اور تیرے پیروکار بھی۔

سبق: عقل مند کو چاہئے۔ کہ شیطان کی پیروی کرنے سے بچے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں زندگی گذارے۔ تاکہ شیطانوں کے ساتھ جہنم میں جانے سے بچ جائے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ مومن کو جنت جانے سے پہلے اس کا ٹھکانہ جہنم والا دکھلایا جائیگا کہ اگر تو اطاعت نہ کرتا تو وہاں جاتا۔ اب اس جگہ کو دیکھ ہم نے فلاں کافر کو تیری جگہ ڈال دیا ہے۔ (بخاری)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہوگا۔ کہ ان پر دشمنوں کو فدا کرے گا۔ اس کی تصدیق ایک اور **حدیث شریف** سے بھی ہوتی ہے۔ کہ بروز قیامت مسلمان پہاڑوں برابر گناہ لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا (مسلم شریف)۔ اور ان کے گناہ کافروں پر ڈال دے گا۔ یعنی ان کے گناہوں کی سزا کفار پر ڈال دی جائے گی اور وہ اسے برداشت کریں گے۔



وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا

اورا ے آدم رہو تم اور بیوی تمہاری جنت میں دونوں کھاؤ جہاں سے چاہو اور نہ قریب جاؤ

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ

اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے حد سے بڑھنے والوں سے ۔ پھر وسوسے میں ڈالا ان کو شیطان نے

لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا

تا کہ ننگا کرے ان کو جن سے چھپایا انہوں نے اپنے بدن کو اور کہا نہیں روکا تمہیں تمہارے رب نے

عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

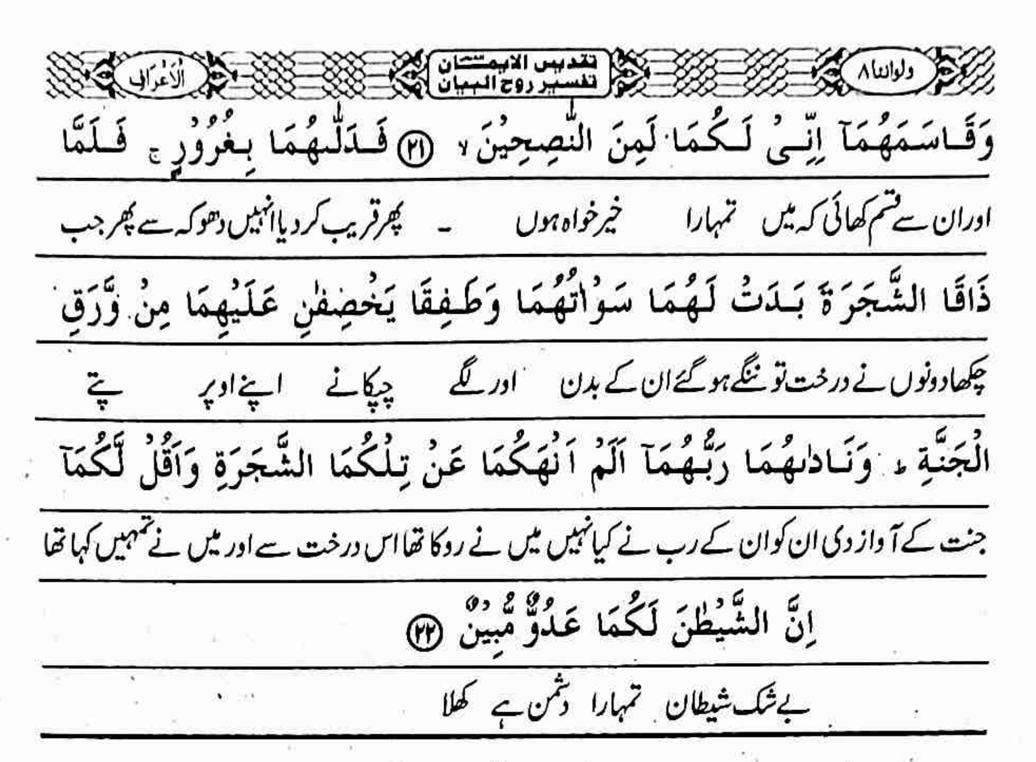
اس درخت سے مگر یہ کہ تم ہو جاؤ گے دونوں فرشتے یا ہو جاؤ گے ہمیشہ زندہ رہنے والے

(آیت نمبر۱۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ اور جنت کی نعمتیں جہاں سے چاہو اور جتنی چاہو وہ کھاؤ۔ تمہیں کھلی اجازت ہے۔ اور جنت بھی بہت کشادہ ہے۔ خوب کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب مت جاؤ۔

فائدہ: اس درخت میں اختلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا لہذا مبہم ہی ٹھیک ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس کے قریب جانے سے سختی سے منع فرما دیا۔ کہ اگر اس کے قریب گئے۔ تو پھر تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

(آیت نمبر۲۰) پھر شیطان نے وسوسہ دل میں ڈالا۔ شیطان کا وسوسہ ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ لیکن وہ اسے بڑا خوبصورت بنا کر دل میں ڈالتا ہے۔ جسے آدمی قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ الا ماشاء اللہ

فائدہ: پہلے تو دونوں کے سامنے بڑا زار و قطار رویا۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا بات ہے۔ کہنے لگا۔ مجھے تو تمہارا غم کھائے جا رہا ہے۔ کہ جب تم دونوں مر جاؤ گے۔ مٹی میں دفن ہو جاؤ گے۔ یہ سب تمہارے مزے ختم ہو جائیں۔ اصل میں ان دونوں کو ننگا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اس کے مکر کو نہ سمجھ سکے۔ کہ جس لباس سے انہیں چھپایا گیا تھا وہ اتروانا چاہتا تھا۔ تو جناب آدم و حوا موت کا سن کر پریشان ہو گئے۔ پوچھنے لگے موت سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ اس نے کہا۔ یہی تو بات تمہیں بتانے آیا ہوں۔ کہ جس درخت کے کھانے سے تمہیں رب نے منع کیا۔ اس میں سے جو کھالے وہ فرشتہ ہو جاتا ہے تم نے کھالیا تو تم بھی فرشتے ہو جاؤ گے۔ جیسے فرشتوں پر موت نہیں آتی۔ ایسی تم پر بھی پھر موت نہیں آئے گی۔ یعنی اس درخت کے کھانے سے یا تو تم فرشتوں میں ہو جاؤ گے۔ یا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جنت میں رہنے والے ہو گے۔ پھر موت نہیں آئیگی۔



وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۙ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا

اوران سے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں ۔ پھر قریب کر دیا انہیں دھوکہ سے پھر جب

ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ

چکھا دونوں نے درخت تو ننگے ہوگئے ان کے بدن اور لگے چپکانے اپنے اوپر پتے

الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ

جنت کے آواز دی ان کو ان کے رب نے کیا نہیں میں نے روکا تھا اس درخت سے اور میں نے تمہیں کہا تھا

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے کھلا

(آیت نمبر ۲۱) اوران دونوں کے سامنے بڑی بڑی قسمیں بھی کھائیں۔تو ان دونوں نے یقین کرلیا۔کہ اللہ کی قسمیں جھوٹی تو کوئی نہیں کھا سکتا۔لہذا یہ ٹھیک کہتا ہوگا تو وہ کہنے لگا کہ میں تمہیں بھلائی اور تمہاری خیر خواہی کا طالب ہوں۔تمہارے فائدے کی بات کررہا ہوں لیکن کاش آدم علیہ السلام نے اس کی بات سن کر فرشتوں سے مشورہ کرلیا ہوتا۔

(آیت نمبر ۲۲) بالآخر انہیں اتار ہی لایا بلند مرتبے سے۔پھل اس درخت سے اتار کر ان کے پاس لایا کہ کھاؤ یا اطاعت سے معصیت کی طرف لے آیا جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بنا بڑے دھوکے کے ساتھ۔جھوٹی قسمیں کھا کھا کر۔انہوں نے سوچا کہ جھوٹی قسم بھلا کون کھا سکتا ہے۔اس لئے اس کے دھوکہ میں آگئے۔مومن قسم کا اعتبار کرلیتا ہے۔اس لئے کہ مومن کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے۔آگے فرمایا۔کہ پھر جب ان دونوں نے اس درخت سے کھالیا۔جس سے منع کیا گیا تھا تو شامت آگئی۔بدن سے جنت کا لباس اتار لیا گیا۔اور بالکل ننگے ہوگئے۔شرم سے ڈوبے جارہے تھے۔لہذا اب وہ درختوں کے پتے ہی اتار اتار کر اپنے بدن پر یا اپنی شرمگاہ پر چمٹانے لگے۔وہ جنت کے پتے انجیر درخت کے تھے۔باقی درختوں کی طرف جب جاتے۔تو ان کے پتے ان سے دور ہوجاتے۔صرف انجیر نے اپنے پتے اتارنے دیئے۔**مسئلہ**:معلوم ہوا ستر کھلنا شروع سے ہی معیوب سمجھا جاتا رہا۔شیطان ننگا تھا۔ننگا ہے۔ننگا رہے گا۔لہذا وہ یہی چاہتا ہے۔کہ لوگوں کو ننگا کرے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

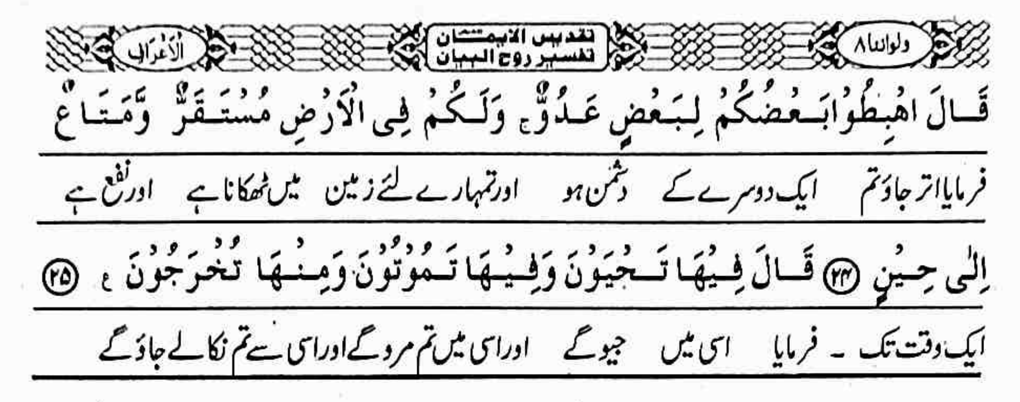
دونوں نے کہا ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور نہ تو نے بخشا ہمیں اور رحم نہ کیا تو ضرور ہم ہوں گے نقصان اٹھانے والوں سے

مسئلہ: صرف میاں بیوی ہوں تب بھی ستر ننگا ہونا بہت قبیح ہے۔ **حدیث شریف**: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ پوری زندگی نہ میں نے حضور ﷺ کا ستر دیکھا۔ نہ حضور ﷺ نے میرا ستر دیکھا۔ تو جب جنت میں جناب آدم علیہ السلام سے نعمتیں سب چھن گئیں۔ نہ کھانے کا دھیان نہ پینے کا۔ اگر فکر ہے تو ستر ڈھانپنے کا۔ یہ بات ان کے عقل میں راسخ تھی۔ کہ بالکل ننگا ہونا بہت ہی برا ہے۔ آگے فرمایا کہ جب دانہ کھالیا تو اب ان کے رب نے انہیں آواز دی۔ کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت کے کھانے سے منع نہ کیا تھا۔ اس میں زجر و توبیخ بھی ہے۔ اور محبت بھی ہے۔ یہ کلام خواہ ڈائرکٹ ہوئی یا فرشتے کے ذریعے سے۔ لیکن آدم علیہ السلام از حد شرمندہ اور پشیمان ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کو بتا دیا تھا۔ کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا تھا۔ کہ اے آدم یہ تیرا بھی اور تیری بیوی کا بھی دشمن ہے۔ خیال رکھنا کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے۔ اور یہ تمہاری بدبختی ہوگی۔ یعنی پھر جنت کے مزے ختم ہو جائیں گے۔ پھر محنت کا دور شروع ہو جائے گا۔

آدم کی کہانی: مروی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ کیا جنت کے باقی درخت اس درخت سے زیادہ بہتر نہ تھے۔ کہا بہتر تو تھے۔ مگر شیطان نے قسمیں کھائیں۔ تو ہمیں اعتبار آ گیا۔ کہ بھلا جھوٹی قسم کون کھا سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ایسا عیش اب تمہیں قیامت تک نصیب نہیں ہوگا۔ لہٰذا اب زمین پر جاؤ کماؤ اور کھاؤ۔ زمین پر تشریف لائے کھیتی باڑی شروع کی۔ فصل تیار ہوئی کاٹ کر کھلیان میں لائے۔ دانے نکالے پھر دانے پیسے پھر آٹا چھانا۔ گوندھا آگ جلائی اس پر روٹی پکائی پھر کھائی۔

(آیت نمبر ۲۳) اب دونوں کو احساس ہوا۔ اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کے طور پر کہا۔ اے ہمارے رب ہم نے خطا کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ جو جنت سے ہمارے نکلنے کا بھی سبب بنا۔ اب اگر تو نے ہمیں نہ بخشا۔ اور ہماری توبہ قبول نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو پھر ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔

تنبیہ: آدم علیہ السلام کا یہ عمل اگرچہ صغائر میں سے ہے۔ جان بوجھ کر تو نہیں کھایا۔ شیطان لعنتی نے جھوٹی قسمیں کھا کر ایسا ان کو جھانسا دیا۔ کہ ان کی طبیعت کا میلان ادھر ہی ہو گیا۔ جیسا کہ فطرۃ انسانی کا تقاضا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا ہے۔ کہ آدم بھول گئے اور ہم نے دیکھا کہ ان کا اپنا ارادہ نہ تھا۔ تو جو کام بھولے سے ہو جائے اس کی معافی ہے۔ لیکن پیغمبر کا معاملہ نازک ہوتا ہے وہاں چھوٹی غلطی بھی بڑی بن جاتی ہے۔



قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ

فرمایا اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع ہے

إِلَىٰ حِينٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۵﴾

ایک وقت تک ۔ فرمایا اسی میں جیو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے

(بقیہ آیت نمبر۲۳) **جناب آدم علیہ السلام کی توبہ قبول:** **حدیث شریف** میں ہے کہ اڑھائی سو سال کا زمانہ اسی حال میں گذرنے کے بعد ایک دن جناب آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ یا اللہ محمد ﷺ کے طفیل میری خطا کو معاف فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم تم انہیں کیسے جانتے ہو حالانکہ میں نے ابھی ان کو پیدا ابھی نہیں کیا تو عرض کی۔ یا اللہ جب میرے جسم میں روح پڑھی تو میری نگاہ عرش پر پڑھی وہاں لکھا تھا: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تو میں نے سمجھ لیا کہ محمد کی بہت بڑی شان ہے۔ اس لئے کہ میں نے ان کا وسیلہ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کی خطا معاف فرمادی۔ (حوالہ فضائل ذکر تبلیغی نصاب)

(آیت نمبر۲۴) (اللہ کریم نے فرمایا۔ اے آدم: ہم نے جس بات سے تمہیں منع کیا تھا۔ وہ تم نے کردی۔ ہماری حکم عدولی کرنے کی وجہ سے اب جنت میں تو نہیں رہ سکتے) اب تم زمین پر اتر جاؤ۔ جنت میں انس ہی انس تھا۔ لیکن زمین میں سب ایک دوسرے کے دشمن ہوگے۔ سب سے تمہارا بڑا دشمن شیطان ہے۔ کیونکہ باپ کا دشمن اولاد کیلئے ڈبل دشمن ہوتا ہے۔ اے آدم یاد رکھو اب تمہیں زمین پر ہی ٹھہرنا ہوگا۔ تمہاری قرارگاہ زمین بنائی گئی ہے۔ اس میں ہی نفع اٹھاؤ۔ جناب آدم علیہ السلام یہ سن کر انتہائی غمزدہ ہوئے۔ کہ شاید اب جنت میں واپسی نہ ہوگی۔

(آیت نمبر۲۵) تو فرمایا۔ اسی زمین پر زندگی بسر کروگے۔ اور مر کر اسی زمین میں رہو گے۔ یعنی تمہاری قبریں وہیں ہونگی۔ اور اسی زمین سے جزاء کیلئے بروز قیامت نکالے جاؤ گے تاکہ سب کا فیصلہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی: یہ وہی آدم ہیں۔ جنہیں اپنے ید قدرت سے بنایا۔ ان میں خود روح پھونکی۔ فرشتوں سے سجدہ بھی کرایا۔ جنت میں ٹھکانہ بنایا۔ وصال کا شاہانہ تاج بھی پہنایا قرب کا ہار پہنایا لیکن جوں ہی دانہ کھایا۔ تو سب کچھ چھین لیا گیا۔ گویا زمانہ کا رنگ ہی بدل گیا۔ کئی سو سال رونے کے بعد پھر وہ مقام حاصل ہوا۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی دونوں جہانوں میں ذلیل کردیتی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ

اے اولاد آدم تحقیق اتارا ہم نے تم پر لباس جو چھپائے تمہارے بدن کو اور زینت کی چیز۔ اور لباس

التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

پرہیزگاری والا وہی بہتر ہے یہ نشانات خداوندی سے ہے تاکہ وہ نصیحت مانیں

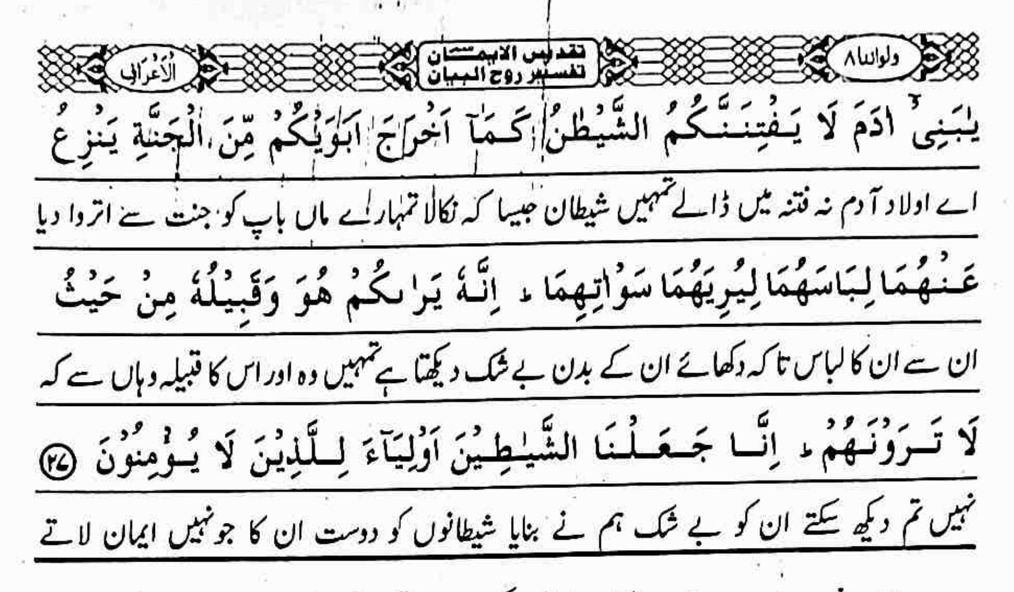
(آیت نمبر ۲۶) اے آدم کی اولاد ہم نے تم پر لباس اتارا۔ یعنی بدن کا ڈھانپنا تم پر لازم کر دیا۔

شان نزول : مروی ہے۔ کہ عرب والے کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں لباس دیا ہے۔ جو تمہارے بدن کو ڈھانپتا ہے۔

فائدہ: کپڑا نہ ملے پھر تو عذر ہے۔ لیکن کپڑا ہونے کے باوجود ستر نہ ڈھانپنا۔ یہ تو بہت برا عمل ہے۔ شیطان خبیث اسی طرح لوگوں کو گمراہ کرتا ہی۔ جیسے آدم اور حوا کو دانہ کھلوا کر انہیں ننگا کر دیا۔ آگے فرمایا کہ اس لباس کے بہت فائدے ہیں، یہ بدن کو چھپاتا بھی ہے۔ سردی گرمی سے بچاتا بھی ہے۔ اور زینت والا بناتا بھی ہے۔ جیسے پرندے کیلئے اس کے پر زینت ہیں۔ اسی طرح لباس انسان کیلئے زینت ہے۔ (لباس نہ ہو تو آدمی بندر سا نظر آتا ہے) لباس پہن لینے سے بدشکل آدمی بھی خوبصورت لگتا ہے۔ اور اصل لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ جس کے ساتھ خوف وخشیۃ الٰہی ہو۔ اور اس کی اور وجہ بھی ہے۔ کہ جیسے لباس انسان کو سردی اور گرمی سے بچاتا ہے۔ اسی طرح تقویٰ انسان کو ہر دکھ تکلیف سے بچاتا ہے۔ اور آخرت میں عذاب سے بچاتا ہے۔

فائدہ: امام قتادہ اور سدی فرماتے ہیں۔ کہ تقوی کا لباس اس ظاہری لباس سے بہتر ہے۔

فائدہ: تقویٰ والے لباس سے مراد عاجزانہ اور منکسرانہ لباس پہنے۔ زرق برق یا ریشمی یا نرم ونازک لباس نہ پہنے اس لئے کہ یہ اصل میں متکبر لوگوں کا لباس ہے۔ تقوے والے لباس کے متعلق فرمایا کہ وہی سب سے بہتر ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جو اس کے فضل ورحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ تاکہ لوگ نصیحت حاصل کر کے ان نعمتوں کو پہچانیں۔ اور ننگے رہنے کے بجائے ظاہری لباس بھی پہنے۔ اور باطنی لباس بھی پہنیں۔ اسے ہی لباس تقویٰ کہتے ہیں۔ **فائدہ** : ننگا رہنا شیطان کا کام ہے۔ انسان اور خصوصاً مسلمان کو کبھی بھی ننگا نہیں رہنا چاہئے۔



يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ

اے اولاد آدم نہ فتنہ میں ڈالے تمہیں شیطان جیسا کہ نکالا تمہارے ماں باپ کو جنت سے اتروا دیا

عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ

ان سے ان کا لباس تا کہ دکھائے ان کے بدن بے شک دیکھتا ہے تمہیں وہ اور اس کا قبیلہ وہاں سے کہ

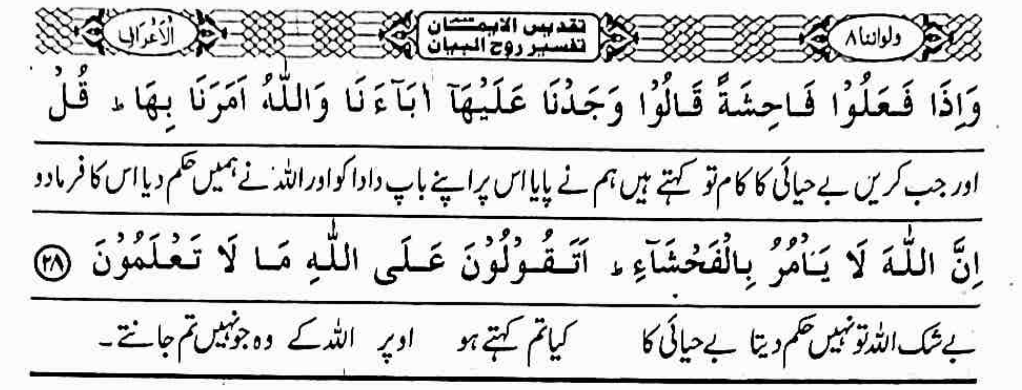
لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

نہیں تم دیکھ سکتے ان کو بے شک ہم نے بنایا شیطانوں کو دوست ان کا جو نہیں ایمان لاتے

(آیت نمبر ۲۷) اے اولاد آدم اب تم خیال رکھنا۔کہیں شیطان تمہیں بھی فتنے میں نہ ڈال دے۔جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو فتنے میں ڈال کر انہیں جنت سے نکلوا دیا۔ایسے ہی تمہیں بھی وہ گمراہ کر دے گا۔اور تم جنت میں جانے کے قابل ہی نہ رہو گے۔جب وہ تمہارے ماں باپ کو جنت کے اندر دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔تم تو ہو ہی جنت سے باہر۔تمہیں تو جلدی گمراہ کرے گا اور جہنمی بنا دے گا۔اس لئے تم پر لازم ہے۔کہ تم ہوشیار رہو اور اس کی چالوں اور اس کے وسوسوں سے بھی بچو۔آگے فرمایا کہ آدم وحوا کے کپڑے اتروا کے انہیں ننگا کر دیا۔تا کہ انہیں ننگا کر کے پریشان کر لے۔

حکایت: جب جناب آدم سے خطا ہوئی۔اور آپ کا لباس اتار لیا گیا۔تو آپ ستر ننگا دیکھ کر دوڑے کہ ستر کو ڈھانپ لیں۔آواز آئی اے آدم بھاگ کر کہاں جاتے ہو۔عرض کی ستر ننگا ہو گیا۔یا اللہ بڑی شرم وحیا آ رہی ہے۔شیطان بھی دیکھ رہا ہے۔میں چاہتا ہوں کم از کم اپنے بدن کو خصوصاً ستر کو چھپا لوں تا کہ وہ تو نہ دیکھیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ تم شیطان اور اس کے لشکر شطروں نگوں سے چھپ نہیں سکتے۔وہ بھی اور اس کا لشکر بھی ایسے طریقے سے تمہیں دیکھتے ہیں۔کہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔اس لئے کہ تمہارے جسم کثیف ہیں۔تم انہیں نظر آ سکتے ہو لیکن ان کے جسم لطیف باریک ہیں۔وہ تمہیں نظر نہیں آ سکتے۔چھپا ہوا دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔البتہ وہ کوئی دوسری شکل اختیار کر لیں تو پھر نظر آ سکتے ہیں۔جیسے ہوا نظر نہیں آتی لیکن اگر دھواں یا گرد کی شکل اختیار کرے تو نظر آ سکتی ہے۔

فائدہ: جن انسان کے جسم میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔کہ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح پھرتا ہے۔اگرچہ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض بھی کیا ہے۔وہ یہ ہے کہ شیطان بلکہ سب جنات آگ سے بنے ہیں۔تو جیسے آگ ہر چیز میں سرائیت کر جاتی ہے۔اسی طرح یہ بھی داخل ہو جاتے ہیں۔



وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ

اور جب کریں بے حیائی کا کام تو کہتے ہیں ہم نے پایا اس پر اپنے باپ دادا کو اور اللہ نے ہمیں حکم دیا اس کا فرما دو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

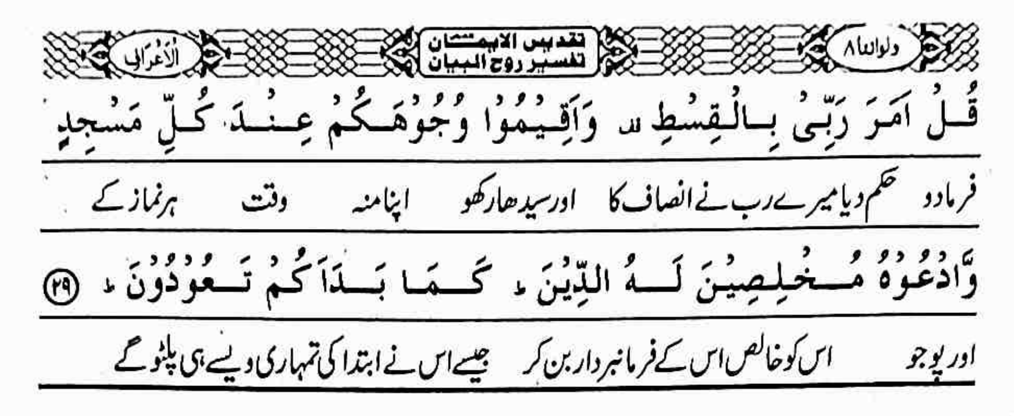
بے شک اللہ تو نہیں حکم دیتا بے حیائی کا کیا تم کہتے ہو اوپر اللہ کے وہ جو نہیں تم جانتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) **سوال**: اگر یہ آگ کے ہیں۔ تو جب یہ انسان کے اندر جاتا ہے تو انسان جلتا کیوں نہیں۔ اس کا **جواب** یہ دیتے ہیں۔ کہ جن یا شیطان بنے تو آگ سے ہی ہیں۔ لیکن بننے کے بعد یہ جلانے والا کام نہیں کرتے۔ ان کی نار سے صرف تخلیق ہوئی ہے۔ جیسے انسان مٹی سے بنا ہے۔ ہر شیء کسی دوسری شیء کے غلبہ کی وجہ سے اس کی طرف منسوب ہو جاتی ہے۔ دیکھنے میں وہ مٹی کا نظر نہیں آتا۔ لیکن بنیاد مٹی ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ انسان مٹی سے بنا۔ یا انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔

سبق: عقل مند کو چاہئے۔ کہ وہ ہر وقت اپنے مکار دشمن شیطان سے ہوشیار رہے۔ آگے فرمایا۔ کہ ہم نے شیطانوں کو بے ایمانوں کا دوست بنا دیا ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے گناہوں میں تعاون کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۸) اور جب کفار مکہ بے حیائی کا کوئی کام کرتے تو کہتے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح پایا۔ یا کہتے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ یعنی ماں باپ کے ذمہ لگا دیتے۔ یا اللہ پر جھوٹ گھڑتے۔ حالانکہ یہ دونوں ان کی حجتیں ناقص تھیں۔ باپ دادا کی تقلید تب صحیح ہے کہ جب وہ مسلمان اور صاحب علم ہوں۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ہم جو کر رہے ہیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اتنا کہنا تو کافی نہیں ہے۔ اس پر دلیل تو چاہئے ہے۔ کہ کون سی کتاب میں حکم دیا۔

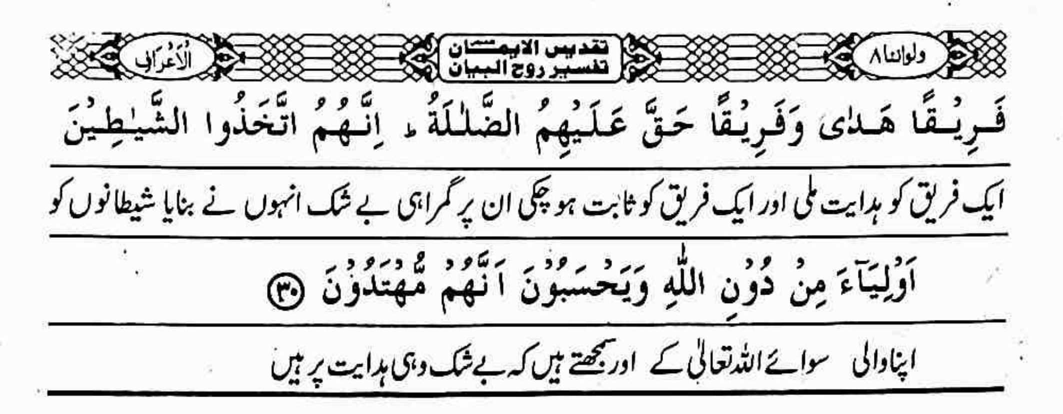
آگے فرمایا۔ کہ میرے محبوب ان کو بتا دو اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم کبھی نہیں دیتا۔ یہ تو اس کی عادت سے ہی بعید بات ہے۔ وہ تو ہمیشہ اچھے افعال اور اعلیٰ خصال کا ہی حکم دیتا ہے۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی ایسی باتیں گھڑتے ہو۔ جن کا تمہیں خود بھی کوئی علم نہیں کہ واقعی ایسا اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم دیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو بات لوگوں تک پہنچاتا ہے تو وہ نبی کے واسطہ سے پہنچاتا ہے اور یہ کفار مکہ تو کسی نبی کے قائل ہی نہیں۔ اور اصل علم وہی ہے۔ جو نبی کے واسطہ سے ہو۔ اور جو نبی کے واسطے کے بغیر ہو۔ نہ وہ علم ہے اور نہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ لہذا ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ کہ یہ جو بھی ہم کر رہے ہیں۔ اللہ کا حکم ہے۔ اس سے اب بخوبی معلوم ہو گیا کہ کفار کی یہ باتیں جہالت پر مبنی ہیں۔



(آیت نمبر۲۹) اے محبوب ان کوفرمادو۔ میرے رب نے تو عدل وانصاف کا حکم دیا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ہر نماز کے وقت منہ قبلہ کی طرف رکھو۔ قبلہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تو پھر مطلب یہ ہے۔ کہ خالص دل کی توجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو۔ یا یہ مراد ہے کہ ہر سجدہ دیتے وقت منہ طرف قبلہ شریف کے کرلو یا مسجد سے مراد نماز کا سجدہ ہے۔

مسئلہ: فرض نماز جامع مسجد میں ادا کرنا افضل۔ یا جس مسجد میں سنی عالم دین ہو۔ ورنہ محلہ والی مسجد میں یا جو گھر سے زیادہ قریب ہو۔ **مسئلہ**: حدادی فرماتے ہیں۔ اس سے فرض نماز باجماعت کا ثبوت ملتا ہے۔

مسئلہ: نماز باجماعت کا ثواب اکیلے پڑھنے سے ستائیس مرتبہ زیادہ ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اسی کو پکارو۔ یعنی نماز کے بعد اسی سے دعا مانگو۔ اور اگر دعا بمعنی پکار ہے تو مراد ہے۔ نماز کے بعد ذکر جہر کرو۔ اور اگر اس کا معنی دعا ہے۔ تو مراد ہے۔ کہ نماز کے بعد خالص ہو کر دعا کرو)۔ کیونکہ آگے ہے۔ کہ دین یعنی عبادت کو اخلاص کے ساتھ ادا کرنے والے بنو۔ کیونکہ دعا عبادت ہے بلکہ عبادت کا مغز ہے۔ اس لئے کہ اس میں نہایت عجز وانکساری کا اظہار ہوتا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ جیسا اس نے تمہاری ابتداء کی یعنی پہلی دفعہ پیدا کیا۔ اسی طرح تم لوٹو گے۔ یعنی دوبارہ بھی وہ تمہارے اعمال کی جزاء دینے کیلئے وہ تمہیں لوٹائے گا۔ یہاں دوبارہ لوٹانے کو پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قیاس اس لئے کیا۔ جو پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس کیلئے دوبارہ بنانا مشکل نہیں ہے یا مراد یہ ہے کہ جس طرح پہلی مرتبہ اکیلے پیدا کیا اسی طرح اکیلے اکیلے ہی اٹھائے گا اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی اکیلے ہی پیش ہونا اور جواب دہ ہونا ہے۔



فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ

ایک فریق کو ہدایت ملی اور ایک فریق کو ثابت ہو چکی ان پر گمراہی بے شک انہوں نے بنایا شیطانوں کو

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

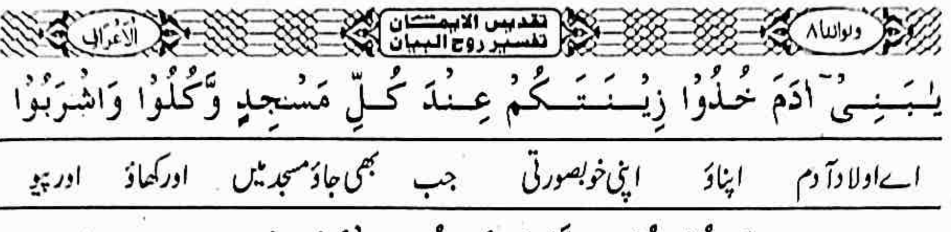
اپنا والی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سمجھتے ہیں کہ بے شک وہی ہدایت پر ہیں

(آیت نمبر ۳۰) ایک فریق نے ہدایت پائی۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان بخشی۔ اور دوسرے فریق کی گمراہی ان پر ثابت ہوگئی یعنی انہوں نے ایمان کو قبول نہیں کیا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطانوں سی دوستی گانٹھ لی۔ اور انہوں نے شیطانوں کی بات کو بلا تامل مان لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بات نہیں مانی۔ گویا حق و باطل میں انہوں نے کوئی تمیز نہ کی۔

مسئلہ: ہدایت اور گمراہی بنائی تو اللہ تعالیٰ نے ہی ہے۔ لیکن جو بندہ جس کا خواہشمند ہوتا ہے۔ اسے وہی چیز ملتی ہے۔ یعنی جو ہدایت پاتا ہے وہ بھی اپنے اختیار سے اور جو گمراہی پائے وہ بھی اپنے اختیار سے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفر غلطی سے کرے یا جان بوجھ کر ہر حال میں برابر ہے۔ اس لئے۔ کہ جو جس دین پر بھی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ اس کا مطلب ہے۔ کہ کفر بھی تو اس نے خود اختیار کیا ہے۔ تو اس نے کفر کی جگہ اسلام کو کیوں نہیں اختیار کیا۔ دین صرف گمان اور خیالی باتوں کا نام تو نہیں۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے۔ کہ وہ تحقیق کر کے یقین حاصل کرے۔ (کہ وہ جس مذہب پر ہے وہ صحیح ہے یا نہیں) محض تقلید میں ہی نہ پھنسا رہے۔ خود بھی تحقیق کرے۔ کہ حق کدھر ہے۔ اور تقلید بھی فروعی مسائل میں ہوتی ہے۔ عقائد میں نہیں ہوتی۔ یاد رہے۔ تقلید باطل شک وریاء اور مخلوق سے محبت یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم ہیں۔ (بندے کو حق کی جستجو رہنی چاہئے)۔



يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

اے اولاد آدم اپناؤ اپنی خوبصورتی جب بھی جاؤ مسجد میں اور کھاؤ اور پیو

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴿۳۱﴾

اور نہ بڑھو حد سے بے شک وہ نہیں پسند کرتا حد سے بڑھنے والوں کو

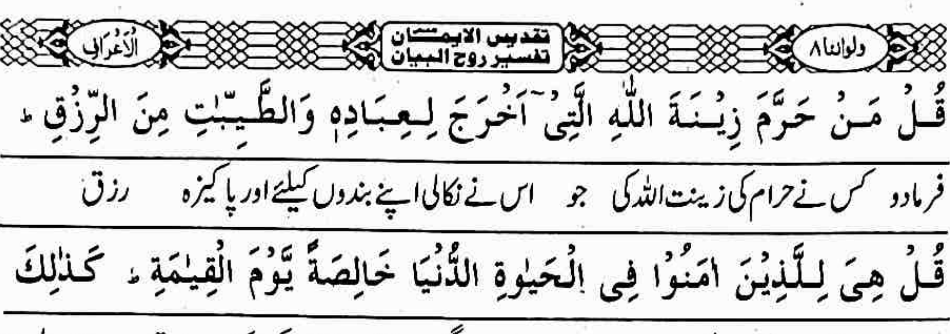
(آیت نمبر ۳۱) اے اولاد آدم ہمیشہ مسجد جاتے وقت خوبصورت لباس کے ساتھ جاؤ۔ یعنی ایسے لباس میں جس سے بدن ڈھانپا جائے۔ خصوصاً ستر ننگا نہ ہو۔ ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ مرد کیلئے ڈھانپنا فرض ہے۔ چونکہ جاہلیت میں لوگ طواف کعبہ ننگے بدن کرتے تھے۔ جو کہ انتہائی بے حیائی تھی۔ البتہ یہ فرق رکھا تھا۔ کہ عورتیں صرف رات کے وقت طواف کرتیں۔ اور ایک لنگوٹا ہوتا۔ باقی حصہ ننگا ہوتا تھا۔ مرد کیلئے فرض سمجھتے تھے۔ کہ وہ ہر حال میں کپڑے اتارے۔ اگر کوئی نہ اتارتا۔ تو اسے مار کر اس کے کپڑے اتار دیا کرتے تھے۔ انہیں شیطان نے یہ پڑھایا کہ جن کپڑوں میں گناہ کرتے ہیں۔ ان میں اللہ کے گھر نہیں جانا چاہئے۔ بلکہ منیٰ سے ہی کپڑے اتار کر مسجد حرام میں آتے تھے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز یا طواف کے وقت ناف سے گھٹنوں تک مرد کیلئے ڈھانپنا واجب ہے۔ (اور عورت کیلئے سر سے پاؤں تک ڈھانپنا فرض ہے)۔ **مسئلہ**: اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ نماز کے وقت اچھے اور بہترین کپڑے پہننا مستحب ہے۔ خواہرزادہ نے فرمایا کہ یہاں زینت سے مراد اچھا لباس ہے۔

امام اعظم کی سوچ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر نماز کیلئے اچھا اور اجلا لباس پہن کر مسجد تشریف لاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو زینت والا لباس پسند ہے۔ لہذا رب سے ملاقات اچھے لباس میں ہونی چاہئے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں۔ اگر چہ سخت اندھیری رات ہو۔ تب بھی نماز لباس میں ہونی چاہئے۔ اس لئے اچھے باپردہ لباس میں نماز پڑھنا نماز کا حق ہے۔ آگے فرمایا کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو۔

شان نزول: بنو عامر ایام حج میں کھانا بہت کم کھاتے اور گھی والی اشیاء کے قریب بھی نہ جاتے تھے۔ اپنے طور یہ حج کو اعلیٰ سمجھتے کہ انہوں نے حج کی شان بڑھادی ہے۔ کچھ مسلمانوں کا بھی اس طرح حج کرنے کا ارادہ ہوا۔ تو اس موقع پر آیت کریمہ کا نزول ہوا۔ اور فرمایا۔ کہ کھانا پینا جاری رکھو۔ خواہ ایام حج ہوں یا دیگر ایام (کھا پی کر تو اعمال حج بہتر طریقے سے ادا ہونگے۔ اسی لئے تو ۹ ذی الحج یوم عرفہ میں حاجی کیلئے روزہ ممنوع ہے)



قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ

فرمادو کس نے حرام کی زینت اللہ کی جو اس نے نکالی اپنے بندوں کیلئے اور پاکیزہ رزق

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ

فرما دو وہ تو ان کے لئے ہے جو ایمان لائے زندگی دنیا میں خاص کر کے بروز قیامت اسی طرح

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں اس قوم کیلئے جو جانتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۳۱) اللہ تعالیٰ کے ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہے۔ کھاؤ پیو۔ مگر اسراف نہ کرو۔ یعنی حلال سے حرام کی طرف نہ جاؤ۔ یا یہ مطلب ہے کہ حد سے زیادہ نہ کھاؤ۔ اور اس کی حرص بھی زیادہ نہ کرو۔ اتنا کھاؤ کہ بدن میں طاقت رہے۔ اس سے زیادہ کھانے کی لذتیں حاصل کرنا اسراف کے زمرے میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسراف والوں سے محبت نہیں فرماتا۔ لہذا کھانا کھاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

(آیت نمبر ۳۲) اے محبوب فرمادو۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ زینت کس نے حرام کی ہے۔

شانِ نزول : جب مسلمانوں نے کپڑوں کے ساتھ طواف کیا۔ اور کھانے کے ساتھ گوشت بھی اور گھی بھی استعمال کیا۔ تو مشرکین نے عار دلائی کہ تم ہماری طرح طواف کیوں نہیں کرتے۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے حبیب ان سے پوچھو تو سہی کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں۔ وہ حرام کس نے کی ہیں۔ یہ چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے بندوں ہی کیلئے تو نکالی ہیں۔ جو لباس سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور اسی طرح رزق اور دیگر کھانے کی پاکیزہ چیزیں جو انہیں اللہ نے کھانے کیلئے دی ہیں۔ وہ استعمال کریں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ بندہ خوش خوراک اور خوش پوشاک نظر آئے۔

مسئلہ : اعلیٰ خوراک و پوشاک جو حلال ہو۔ اس کے استعمال کی اجازت ہے۔ اور کم درجے میں رہے تو یہ عزیمت ہے۔ **شرعی قاعدہ**: فقہاء فرماتے ہیں۔ ہر چیز کی اصل مباح ہے۔ اصل میں کوئی چیز حرام نہیں ہے۔ حرام وہی ہے۔ جسے اللہ جل شانہ ورسول ﷺ حرام کر دیا ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو حرام کیا۔ جو بندوں کیلئے نقصان دہ تھی۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

فرمادو سوائے اس کے نہیں حرام کیا میرے رب نے بے حیائیوں کو خواہ ظاہری ہوں ان سے اور جو چھپ کر

وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

اور گناہ اور بغاوت ناحق اور یہ کہ تم شریک کرو اللہ کا جس کی نہیں اتاری اس نے کوئی دلیل

وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور یہ کہ کہو تم اوپر اللہ کے جو نہیں تم جانتے

(بقیہ آیت نمبر ۳۲) آگے فرمایا۔ کہ محبوب آپ فرمادیں۔ کہ یہ زیب وزینت والی اشیاء تو بنی ہی ان لوگوں کیلئے ہیں جو ایمان لائے یعنی یہ تو بندگان خاص مومنوں کیلئے ہیں تاکہ انہیں عبادت کیلئے طاقت حاصل ہو۔ کفار تو اصل میں مسلمانوں کے طفیلی ہیں۔ کفار فجار دنیا میں جو مزے کر رہے ہیں۔ یہ نعمتیں اللہ والوں کے طفیل کھا رہے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن اور اس کے بعد والی نعمتیں صرف اہل ایمان کو ہی ملیں گی۔

آگے فرمایا۔ کہ اسی طرح ہم آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ علم والے لوگوں کیلئے۔ یعنی ان آیات کے مطالب اور عجیب معانی بیان کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ آسانی سے بات سمجھ سکیں۔

(آیت نمبر ۳۳) اے محبوب پاک فرمادو۔ کہ سوائے اس کے نہیں۔ میرے رب کریم نے تو بے حیائیوں کو حرام کیا ہے۔ اس سے مراد واضح برائیاں اور گناہ کبیرہ ہیں۔ خواہ وہ ظاہر ہیں یا چھپے ہوئے۔ جیسے کفر یا منافقت اسی طرح ہر قسم کے گناہ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ اور بغاوت بھی حرام ہے اس سے مراد ظلم یا تکبر ہے۔ اس لئے کہ ظلم ہوتا ہی ناحق ہے۔ اس پر حق کا مفہوم صادق آتا ہی نہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کو بھی اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل بھی نہیں اتاری۔ دلیل تو شرک پر ہے ہی کوئی نہیں۔ اور اس کے علاوہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام کی وہ یہ ہے۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ باتیں کہتے ہو۔ جس کو تم خود بھی نہیں جانتے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر افتراء بہتان وغیرہ جن کا پیچھے بیان ہو چکا کہ اس کی اولاد ماننا یا اس کی بیوی ثابت کرنا یا اس کا شریک بنانا یا اس کی حرام کردہ اشیاء کو حلال جاننا یا حلال اشیاء کو حرام کہنا وغیرہ۔ یہ تمام کبیرہ گناہ اور بہت بڑے جرم ہیں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾

اور واسطے ہر امت کے ایک وقت مقرر ہے پھر جب آیا وہ وقت ان کا تو نہ لیٹ ہوگا ایک گھڑی اور نہ پہلے

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ

اے اولادِ آدم اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم سے جو پڑھیں تم پر میری آیتیں

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِيْنَ

تو جس نے تقویٰ اپنایا اور اپنے کو سنوارا تو نہیں ڈر ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے۔ اور جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾

جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے وہ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

• (آیت نمبر ۳۴) ہر امت یعنی ہر ایک کیلئے ایک میعاد مقرر ہے۔ یعنی ان کے دنیا میں آنے اور ان کی موت کا وقت مقرر کر دیا گیا۔ پھر جب وہ وقت مقرر آ گیا تو وقت مقررہ سے نہ پیچھے ہوں گے ایک ساعت۔ یعنی معمولی سی بھی ان کیلئے تاخیر نہ ہوئی۔ اور نہ وہ اپنے وقت سے پہلے مریں گے۔

(آیت نمبر ۳۵) اے اولادِ آدم۔ اگر تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول تشریف لائے۔ اس حال میں کہ وہ تمہارے سامنے میری آیات کی تلاوت کریں۔ یعنی تمہارے سامنے ہمارے احکام اور ہماری شریعت کو واضح کریں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے رسل عظام علیہم السلام کو دنیا میں بھیجا اس لئے کہ اس میں بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ جو آدمی رسولوں کے پیچھے چل کر تقوی اختیار کرے اور اپنی اصلاح کر لے۔ یعنی صحیح طور پر رسولوں کی اطاعت وفرمانبرداری کی۔ تو ان پر نہ ڈر ہے۔ نہ وہ غم کھائیں گے۔ یعنی انہیں دنیا میں بھی کس چیز کے ضائع ہو جانے کا کوئی ڈر نہیں۔ نہ انہیں مستقبل میں کسی قسم کا غم ہوگا۔ اس لئے کہ وہ آخرت میں جو دار الکرامت ہے۔ وہاں نعمتوں میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ انہیں دنیا کی تکالیف وغیرہ کا خیال تک بھی نہ آئے گا۔

(آیت نمبر ۳۶) اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ اور رسولوں کی بھی تکذیب کی بلکہ سرکشی کر کے تکبر کیا یعنی اپنے آپ کو ان رسولوں سے بڑا سمجھا اور آیات جو توحید الٰہی پر ایمان لانے کیلئے تھیں۔ ان سے بھی سرکشی کی یعنی انکار کر دیا۔ یہ لوگ پکے ہی جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ ہی رہیں گے۔ کبھی نکل نہ سکیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

تو کون بڑا ظالم ہے اس سے جس نے گھڑا اوپر اللہ کے جھوٹ یا جھٹلائیں اس کی آیتیں وہی ہیں

يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

پہنچے گا جن کو حصہ ان کا لکھا ہوایہاں تک کہ جب آئیں گے ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے

يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا

جان نکالیں گے ان کی تو کہیں گے کہ کدھر ہیں جن کو تھے تم پوجتے چھوڑ کر اللہ کو کہیں گے گم ہو گئے

عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ہم سے اور گواہی دیں گے اپنے ہی خلاف کہ بے شک وہ تھے کافر

(آیت نمبر ۳۷) اس شخص سے بڑا کون ظالم ہوگا۔ کہ جو اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ گھڑنے سے باز نہیں آتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ایسی بات منسوب کرے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے نہ فرمائی ہو۔ یعنی اتنا بڑا ظالم کوئی بھی نہیں۔

فائدہ: یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق مثلاً یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے۔ یا اس کی اولاد ہے۔ یا اس کا کوئی شریک ہے۔ یہ سب باتیں کرنا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنا ہے۔ یا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام بھیجے ان کے متعلق کہے۔ کہ یہ جھوٹ ہے۔ ایسے اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا وغیرہ۔

فائدہ: تو یہ دونوں کام یعنی اللہ تعالیٰ پر افتراء گھڑنا۔ اور اس کی آیات کی تکذیب کرنا گناہ کبیرہ میں برابر ہیں۔ اس قسم کے اور ان اوصاف کے جو بھی لوگ ہیں۔ یعنی افتراء اور تکذیب کرنے والے ان کا دنیوی حصہ جو ان کے نصیب میں رزق یا عمر کتاب میں لکھی گئی ہیں۔ وہ حصہ تو انہیں ضرور مل کر رہے گا۔ (یعنی لوح محفوظ کا لکھا انہیں دنیا میں مل جائیگا) یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے۔ یعنی جان نکالنے والے فرشتے جناب عزرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھی پہنچ جائیں گے۔ اور ان کی روحیں قبض کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتاریں گے۔ تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ اور سختی کے ساتھ ان کی جان نکالیں گے اور انہیں کہیں گے۔ کہ کدھر ہیں۔ تمہارے وہ معبود جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے تھے۔ (جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ ہر آفت مصیبت سے بچائیں گے۔ وہ اب کدھر ہیں اب انہیں کہو کہ وہ آئیں اور تمہیں بچائیں) تو مشرکین جواب میں کہتے ہیں۔ کہ وہ تو اب ہم سے گم ہو گئے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ

فرمائے گا داخل ہو جاؤ جماعتوں میں تحقیق گذر چکے تم سے پہلے جن اور انسان آگ میں

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ

جب کبھی داخل ہوگی ایک جماعت تو لعنت کرے گی اس پر دوسری یہاں تک کہ جب جا پڑیں گے اس میں سب

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا

تو کہیں گے پچھلے پہلوں کے متعلق اے ہمارے رب انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تو دے ان کو عذاب دگنا

مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

آگ سے فرمائے گا ہر ایک کیلئے دگنا ہے لیکن نہیں تم جانتے

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) معلوم نہیں اب وہ کہاں ہیں۔ اب وہ خود ہی اپنے خلاف گواہی دیں گے۔ اور اعتراف کریں گے۔ کہ واقعی وہ دنیا میں کفر پر رہے۔ جو عبادت کے مستحق نہ تھے انہیں پوجتے رہے۔ اب وہ اپنی گمراہی اور اس کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اور قیامت کے دن تو مختلف فرقے مختلف ہی جواب دیں گے۔ دنیا میں کئے ہوئے تمام گناہوں کا خود ہی اعتراف کرلیں گے۔ اور پھر جہنم دیکھ کر کہیں گے ہم مشرک نہیں تھے۔

فائدہ: اصل میں انہیں تنبیہ کی گئی ہے۔ کہ قیامت آنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ وہ تو مرتے ہی گویا شروع ہو جائے گی۔ لہذا اس دن کی تیاری کر رکھو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔

(آیت نمبر ۳۸) اللہ تعالیٰ یا اس کی طرف سے مقرر کردہ فرشتہ کہے گا۔ اپنی امتوں یعنی جہنم میں جانے والے پٹی بھائیوں کے ساتھ مل کر جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ (یعنی جن جیسا دنیا میں عمل کرتے رہے۔ اس کیٹیگری کے لوگوں کے ساتھ تم بھی شامل ہو جاؤ۔) تم سے پہلے بھی جنوں اور انسانوں کی کئی امتیں جہنم میں جا چکیں۔ اب تم بھی ان کے پیچھے دوزخ میں چلے جاؤ۔

جنوں کا فساد: اسی زمین پر پہلے جن آباد تھے۔ ان میں مومن بھی تھے۔ لیکن کفار جنوں نے ظلم و فساد کی انتہاء کردی تو فرشتوں نے ابلیس کے ساتھ مل کر ان سے زمین کو صاف کر دیا۔ پھر اولاد آدم اس زمین پر آباد ہوئی۔ ان میں بھی بعض مسلمان بعض کافر ہوئے۔ تو جتنے بھی کافر ہوئے۔ خواہ جنوں میں خواہ انسانوں میں ان سب کا ٹھکانہ جہنم

میں رکھا گیا۔ آ گے فرمایا۔ جب بھی پچھلا گروہ جہنم میں داخل ہوگا۔ تو وہ اگلے گروہ پر لعنت کرے گا۔ جنہوں نے ان کو گمراہ کیا ہوگا۔ یا جس کی تقلید میں وہ گمراہ ہوئے ہوں گے۔ یعنی یہود ان یہودیوں پر لعنت کریں گے۔ جنہوں نے ان کو گمراہ کیا ہوگا۔ اسی طرح نصاریٰ اپنے گمراہ کرنے والوں پر لعنت کریں گے۔ اور مجوس پہلے مجوسیوں کو اور ہر چھوٹے درجے والے دنیا کے لحاظ سے بڑے درجے والے کافروں پر لعنت کررہے ہوں گے۔ گویا ہر طرف سے لعنت ہی (لعنت برس رہی ہوگی۔ رخ نامراد پر)۔ آ گے فرمایا کہ یہاں تک کہ جب سب کے سب گروہ جہنم میں داخل ہوجائیں گے۔ ایک ہی پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوجائیں گے۔ تو پچھلی امت جو پہلی امت کے بعد دنیا میں آئے تھے۔ اس پہلی امت سے مراد ان کے بڑے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا ہوگا۔ (پچھلے ان کے تابعدار مراد ہیں)۔ تو پچھلے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوکر پہلوں بڑوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ خود بھی ہدایت سے دور تھے۔ اور ہمیں بھی اپنی اقتداء میں گمراہ کیا۔ لہٰذا انہیں ڈبل عذاب دے۔ کہ خود تو گمراہ تھے۔ اسی گمراہی میں ہمیں بھی لے ڈوبے۔ اور انہوں نے ہمیں اسلام کے خلاف کئی طرح کے شبہات میں ڈال کر گمراہ کیا۔ لہٰذا ان کیلئے آگ کا دوہرا عذاب ہونا چاہئے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ کہ ہر ایک کیلئے اگلوں پچھلوں سب کیلئے ڈبل عذاب ہے۔ بڑوں کو گمراہ کرنے اور پچھلوں کو اندھا دھند تقلید اور ان کی اقتداء کرنے پر ڈبل سزا ہے۔ کیونکہ انہیں چاہئے تھا وہ کسی نبی کی اقتداء کرتے۔ آ گے فرمایا لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی اب تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ نہ تمہیں یہ معلوم کہ تمہیں کس طرح اور انہیں کس طرح عذاب ہوگا۔

سبق: جو بندہ جہنم سے بچنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے چاہئے۔ کہ وہ اولیاء کرام اور بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے کی پوری جدوجہد کرے۔ اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے کنارہ کش رہے۔

حکایت: مولانا روم قدس سرہ العزیز ایک دن قراماں والوں کو وعظ فرمارہے تھے۔ کہ جو مسلمان زندگی بھر گناہ ہی کرتا رہا۔ اور اسی حالت میں مرگیا۔ تو وہ جہنم میں جائے۔ تو اسے اللہ تعالیٰ کا عدل کہیں گے۔ یہ ظلم نہیں ہوگا۔ پھر جب وہ گناہوں کی سزا بھگت لے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمادے گا۔ تو ایک شخص نے دوران وعظ کہا۔ کہ کاش ایسا بندہ اپنی ذلت سے پہلے ہی سمجھ جاتا۔ اور پہلے ہی وہ عزت واحترام کے ساتھ جنت میں جاتا۔ تو وہ اچھا نہیں تھا؟ پھر اس شخص نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی۔ کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں۔ کہ وہ رحیم وکریم مجھے عزت واحترام سے جنت میں داخل فرمائے۔ اب ہم بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں۔ کہ وہ کریم ہم پر بھی لطف وکرم فرمائے۔ وہی توفیق کا بھی اور ہدایت کا بھی مالک ہے۔ **فائدہ:** جہنم میں جانا عدل کی بناء پر ہوگا۔ اور جنت میں جانا اس کے فضل کی وجہ سے ہوگا۔

ع: عدل کریں تو تھر تھر کمن اچیاں شاناں والے — فضل کریں تو بخشے جاون میں ورگے منہ کالے

وَقَالَتْ اُوْلٰـهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا

اور کہیں گے پہلے پچھلوں کو نہیں تھی تمہیں ہم پر کوئی بڑھائی پس چکھو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ع ﴿۳۹﴾

عذاب بوجہ اس کے جو تھے تم کام کرتے

(آیت نمبر ۳۹) اب وہ بولے جوان کے بڑے لیڈر بنے ہوئے تھے۔ وہ اپنے پچھلوں یعنی پیروکاروں سے کہیں گے۔ کہ نہیں تھی ہمیں تم پر کوئی فضیلت تم کفر سے کنارہ کر لیتے۔ یا گمراہی سے دور رہتے۔ بلکہ تم تو کفر وضلالت میں ہمارے ساتھ برابر تھے۔ اب تمہارے عذاب میں تخفیف کیسے ہو سکتی ہے۔ اور ہم نے کب تمہیں مجبور کیا تھا کہ تم ہر حال میں کفر کرو۔ تم تو خود اس میں پڑے تھے۔ تا کہ تمہاری خواہشات پوری ہوں۔ اب تم بھی عذاب چکھو یہی تمہارا مقدر ہے۔ یہ لیڈروں کی طرف سے پیروکاروں کو تسلی بخش جواب ہوگا۔ کہ اب عذاب کے مزے چکھو اس سبب سے کہ یہ تمہاری اپنی ساری کمائی ہے۔ اس اپنی کمائی کا وبال بھی اب تم خود ہی برداشت کرو دوسروں پر مت ڈالو۔

فائدہ: اصل معاملہ یہ ہوا۔ کہ ان کفار نے اللہ والوں کی رہنمائی سے انکار کیا۔ اور برے لوگوں کے پیچھے لگ کر اپنی آخرت تباہ کر لی۔ انبیاء علیہم السلام واولیاء رحمہم اللہ کے طریقے تو انہیں اچھے ہی نہیں لگتے تھے۔ انہیں فرسودہ سمجھتے تھے۔

حدیث شریف: اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ ایمان کی تجدید کیا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کیسے ایمان کی تجدید کریں۔ فرمایا کثرت سے ذکر الٰہی کرتے رہو تا کہ ایمان تازہ رہے۔ (رواہ احمد)

فائدہ: تجدید کا ایک مطلب یہ ہے۔ کہ ہر آن نئے مرتبہ کی طرف بڑھتے رہو۔ ایمان کے مراتب ہیں۔ جوں جوں ذکر الٰہی کرتے رہو گے۔ توں توں مرتبے میں بڑھتے رہو گے۔ ایک اور **حدیث شریف** میں فرمایا۔ جس طرح کپڑا پرانا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایمان بھی پرانا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے تجدید ایمان مانگتے رہا کرو۔ **فائدہ**: پرانا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے قوت ایمانی کمزور پڑ جاتی ہے اور نور ایمانی جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ ایک **حدیث** میں آتا ہے کہ آدمی جب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے تو بہ کر لے تو وہ دھل جاتا ہے۔ ورنہ وہ جم جاتا ہے۔ پھر دوسرا گناہ کرے تو دوسرا دھبہ۔ اسی طرح آخر کار دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ (ریاض الصالحین ومشکوٰۃ)

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ

بے شک جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان کے مقابل تو نہیں کھولے جائیں گے ان کے لئے

أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ

دروازے آسمان کے اور نہ وہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک کہ داخل ہو اونٹ ناک میں

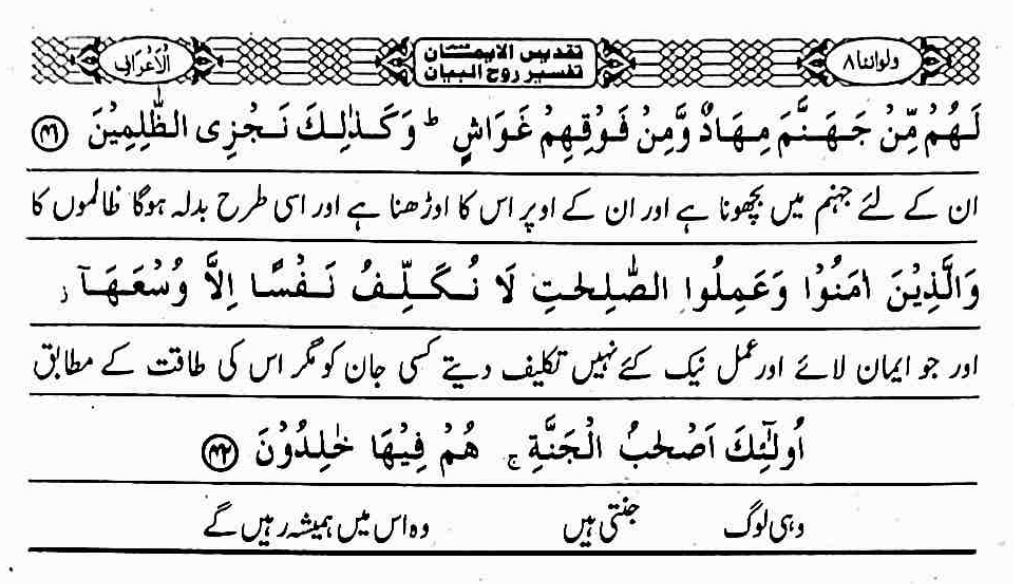
الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾

سوئی کے اور اسی طرح ہم سزا دیں گے مجرموں کو

(آیت نمبر ۴۰) بے شک جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو یعنی وہ آیات جو توحید و رسالت اور بعثت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور پھر ان آیات کا انکار کر کے ان سے تکبر کیا۔ یعنی ان آیات کے مطابق عمل نہ کیا۔ وہ ایمان سے محروم رہے۔ ایسے لوگوں کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ یعنی ایسے لوگوں کی نہ دعا آسمانوں پر جاتی ہے نہ عبادت اور نہ روحیں ان کی آسمانوں کی طرف جاتی ہیں۔ جیسے ایمان والوں کی عبادات اور دعائیں آسمانوں پر جاتی ہیں۔ اور قبول بھی ہوتی ہیں۔ اور مرنے کے بعد ان کی ارواح بھی آسمانوں پر چلی جاتی ہیں۔ **حدیث شریف**: مومن کی روح آسمانوں پر جاتی ہے۔ تو دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ مبارک ہے وہ روح جو پاکیزہ جسم میں رہا اور ہر آسمان پر اس کا استقبال ہوتا ہے اور فرشتے انہیں سلام پیش کرتے ہیں اور کفار کی ارواح ساتوں زمینوں کے نیچے سجین میں بند کی جاتی ہے۔ (شرح تفسیر بیضاوی و مشکوٰۃ)

ایصال ثواب کا کمال: بعض گناہ گاروں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان لٹکی رہتی ہیں۔ جب ایصال ثواب اس روح کو کی جاتی ہے۔ تو پھر وہ آسمان کی طرف اٹھائی جاتی ہیں۔

آگے فرمایا کہ کفار جنت میں ہرگز نہیں جائیں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے نکہ سے داخل ہو۔ مطلب ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناک سے داخل ہو نہ وہ جنت میں جا سکے۔ یعنی ان کا داخلہ ہی ناممکن ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اسی طرح کی ہیبتناک سزا دیتے ہیں۔ مجرموں کو اس لئے کہ وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہیں۔


لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾

ان کے لئے جہنم میں بچھونا ہے اور ان کے اوپر اس کا اوڑھنا ہے اور اسی طرح بدلہ ہوگا ظالموں کا

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ

اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے نہیں تکلیف دیتے کسی جان کو مگر اس کی طاقت کے مطابق

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

وہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

(آیت نمبر ۴۱) ان کیلئے جہنم میں آگ کے بچھونے ہیں۔ جن پر جہنم والے بیٹھیں یا لیٹیں گے اور اوپر بھی ان کے لئے آگ کے ہی بالا پوش ہوں گے۔ مختصر یہ کہ اوپر نیچے آگ ہی آگ ہوگی۔ جو چاروں طرف سے گھیرے گی۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح ہم ظالموں کو سخت ترین سزا دیتے ہیں۔ چونکہ ان کے جرم بڑے ہیں۔ اس لئے اس کی سزا بھی بڑی دیں گے۔

(آیت نمبر ۴۲) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لائے۔ اور نیک اعمال بھی کئے۔ جن اعمال سے ان کا مقصود رضاء الٰہی ہو۔ اور ہم کسی کو اس کی ہمت سے زیادہ تکلیف دیتے ہی نہیں۔ یعنی جو جس کے لائق ہے اور جتنا بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ ہم اس کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ یاد رہے، نماز روزہ کی ادائیگی میں ظاہراً تکلیف ہے لیکن حقیقتاً ان میں تکلیف نہیں ہے بلکہ یہ تو ورزش اور ٹریننگ ہے اور یہ دونوں عمل صحت کیلئے انتہائی مفید ہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔ روزے رکھتے رہو صحت مند رہو گے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جس شخص میں دو باتیں ہوں گی وہ جنت کا حقدار ہوگا۔ (۱) ایمان اور (۲) عمل نیک۔ اور اعمال بھی اللہ تعالیٰ نے ہم پر وہ فرض کئے جن میں کوئی مشقت نہیں۔ اتنے ہی فرض کئے جتنے لوگ برداشت کر سکیں۔ ایسے لوگ جنتی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا

اور نکال دیئے ہم نے جو ان کے دلوں میں کچھ کینے تھے جاری ہونگی ان کے نیچے نہریں اور کہیں گے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۖ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ

ہر تعریف اللہ کیلئے جس نے ہمیں راہ دکھائی اس کی اور نہیں تھے ہم کہ خود راہ پاتے اگر نہ راہ دکھاتا ہمیں اللہ

لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ

البتہ تحقیق لائے رسول ہمارے رب سے حق بات اور ندادی جائیگی کہ یہ ہے تمہاری جنت

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اب تم اس کے وارث ہوصلہ ہے جو تھے تم عمل کرتے

(آیت نمبر ۴۳) اور ہم نکال دیں گے۔ان کے دلوں سے کھوٹ یعنی رنجشیں اور آپس کا بغض وغیرہ سب نکال دیں گے۔تا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بغض وعداوت بالکل نہ رہے۔اس قسم کے جو جو غلط ملط خیالات دل پر آتے ہیں۔وہ سب جنت جانے سے پہلے ہی ہم نکال دیں گے۔

فائدہ: حسد۔بغض اور کینہ وغیرہ یہ دنیا میں شیطان کے وسوسے سے پیدا ہوتے تھے۔جنت میں نہ شیطان ہوگا نہ وسوسے ہونگے۔نہ حسد نہ بغض اور کینہ وغیرہ جو بھی ہوگا۔وہ سب نکل جائیگا۔شیطان کو تو جہنم سے ہی فراغت کہاں ہوگی۔کہ وہ کسی کو ایسے وسوسے ڈال کر فتنہ کرے۔تو جب اللہ تعالیٰ دلوں سے یہ حسد۔کینہ وغیرہ جیسے تمام مادے نکال دے گا۔تو پھر محبت ہی رہ جائے گی۔اسی لئے فرمایا کہ ہم ان کے اندر سے یہ کھوٹ وغیرہ نکال کر پھینک دیں گے۔پھر ہر آدمی بلند مقام پر ہوگا۔اس لئے جنت میں سوائے محبت کے اور کچھ نہ ہوگا۔سب سگے بھائیوں کی طرح تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔آگے فرمایا کہ ان درختوں اور بالا خانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔تا کہ خوش منظر دیکھ کر انہیں خوشی اور سرور میں اضافہ ہو۔تو جنتی لوگ جنت کی نعمتیں محلات و باغات کو دیکھ کر کہیں گے سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس جنت کی طرف ہدایت عطا فرمائی۔یعنی اس بابرکت دین میں داخل ہونے اور نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائی کہ جس کی وجہ سے برکات نصیب ہوئیں۔ورنہ ہم از خود کہاں اس قابل تھے۔اگر اللہ پاک ہمیں ہدایت نہ دیتا۔یہ صرف اس کی توفیق اور عنایت ہے۔

وَنَادَىٰٓ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا

اور آواز دیں گے جنت والے دوزخیوں کو کہ تحقیق ہم نے پالیا جو وعدہ کیا ہم سے ہمارے رب نے

حَقًّا فَهَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ

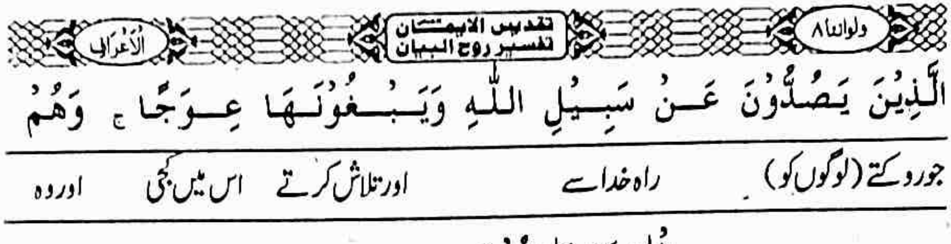
سچ تو کیا تم نے بھی پالیا جو وعدہ کیا تم سے تمہارے رب نے برحق۔ کہیں گے ہاں تو آواز دیگا آواز لگانیوالا

بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۙ ﴿۴۴﴾

ان میں کہ لعنت ہو اللہ کی اوپر ظالموں کے

(بقیہ آیت نمبر ۴۳) **فائدہ**: امام سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ جنت کے باہر ہی ایک درخت ہوگا۔ جس کے نیچے سے دو چشمے جاری ہوں گے۔ جنتی جنت میں داخل ہونے سے پہلے ان دو چشموں پر جا کر ایک چشمہ سے پانی پئیں گے۔ تو ان کے دلوں میں جتنا حسد۔ بغض کینہ وغیرہ ہوگا۔ وہ سب نکل جائے گا۔ پھر دوسرے چشمے میں غسل کریں گے۔ تو ان کے جسم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خوبصورت ہو جائیں گے۔ پھر فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ اس وقت کہیں گے۔ کہ اے ہمارے رب اپنے کرم سے تو نے ہمارے پاس رسول بھیجے جو حق لے کر آئے۔ ہم نے ان کی پیروی کی۔ اگر وہ تشریف نہ لاتے کہاں ہم اس مرتبہ پر پہنچتے تو فرشتے انہیں کہیں گے۔ اب یہ تمہاری جنت ہے۔ جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو۔ اس وجہ سے کہ جو تم نے دنیا میں نیک اعمال کئے تھے۔ پھر جب وہ جنت میں اپنے اپنے مقامات دیکھیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گے۔ اور دنیا کے سب درد والم بھول جائیں گے۔

(آیت نمبر ۴۴) جنتی جنت سے دوزخیوں (اسلام کے دشمنوں) کا برا حال دیکھ کر انہیں حسرت میں ڈالنے کیلئے یا ان کا حال پوچھنے کیلئے کہیں گے۔ یعنی اپنی خوشی کی انتہاء اور ان کے برے حال کو دیکھ کر ان کو آواز دے کر کہیں گے۔ چونکہ جہنم کافی نیچے ہوگی۔ اور یہ اوپر ہوں گے۔ انہیں دیکھ کر کہیں گے۔ او دوزخیو: ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔ جو کچھ رب تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ دیا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدے کو برحق پایا۔ یعنی جس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا۔ وہ بات پوری ہوئی یا نہیں۔ تو آگے سے وہ جہنمی جواب دیں گے۔ کہ ہاں ہم نے بھی اس بات کو سچا پایا۔ لیکن اب اس اقرار کا کیا فائدہ۔ کہ جب دنیا میں اس کے خلاف کر کے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنایا۔



الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ج وَهُمْ

جورو کتے (لوگوں کو) راہ خدا سے اور تلاش کرتے اس میں کجی اور وہ

بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ م وقف لازم باختلاف (۴۵)

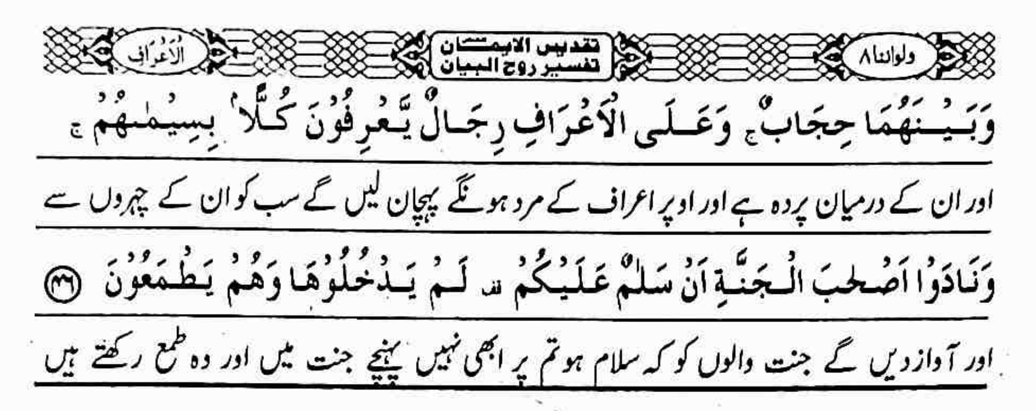
آخرت کے منکر تھے

(بقیہ آیت نمبر۴۴) لہذا اب اعلان کرنے والا دونوں گروہوں کے درمیان کھڑے ہوکر اعلان کرے گا۔ جسے ہر جنتی بھی سنے گا۔ اور ہر دوزخی بھی سن لے گا۔ بعض حضرات کا خیال ہے۔ کہ یہ اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ انہیں حکم ہوگا۔ کہ وہ دونوں فریقوں کے درمیان کھڑے ہوکر اعلان کریں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ ظالموں کافروں پر۔

(آیت نمبر۴۵) اب ان کافروں ظالموں کے کرتوت بیان ہورہے ہیں۔ اگرچہ ہر ظالم کافر نہیں ہوتا۔ مسلمانوں میں بھی ظالم ہیں۔ یعنی ہر کافر بہر حال ظالم ہے۔ ایک مقام پر فرمایا۔ کافر ہی ظالم ہیں۔ اس لئے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے۔ جب کوئی دین اسلام قبول کرنا چاہتا تو وہ دین کی طرف آنے سے روکتے تھے۔ حالانکہ دین کا راستہ سیدھا جنت کی طرف جاتا ہے۔ جب وہ اوروں کو جنت کی طرف جانے سے روکتے تھے۔ تو خود اس راستے پر کہاں چلتے تھے۔

اور دوسرا راستہ تو سیدھا جہنم کو ہی جاتا ہے۔ اس پر چل کر وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ اور دوسرا کرتوت یہ کرتے۔ کہ اس جنت کی طرف جانے والے سیدھے راستے میں کجی تلاش کرتے تھے اور لوگوں کو کہتے یہ سیدھا راستہ نہیں ہے۔ اور تیسرا کرتوت یہ کہ وہ قیامت کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد جینا نہیں ہے۔ ان تین مذکورہ اوصاف کی وجہ سے ظالمین بمعنی کافرین کیا گیا ہے۔

سبق: مردِ حق کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ طلب حق میں پوری کوشش کرے۔ تاکہ حقیقت کے خزانوں تک اسے رسائی ملے اور یہ اعلیٰ منصب اسی کو ملتا ہے جو کھرے اور کھوٹے کو پہچاننے اور دین اسلام پر زندگی گذارے۔



وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ

اور ان کے درمیان پردہ ہے اور اوپر اعراف کے مرد ہونگے پہچان لیں گے سب کو ان کے چہروں سے

وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾

اور آوازدیں گے جنت والوں کو کہ سلام ہو تم پر ابھی نہیں پہنچے جنت میں اور وہ طمع رکھتے ہیں

(آیت نمبر ۴۶) ان دونوں گروہوں یعنی جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان پردہ ہوگا۔ جیسے شہر کے باہر چار دیواری ہوتی ہے۔ اس سے مراد ہے۔ کہ کوئی غیر مستحق جنت میں نہ آئے۔ لیکن اس پردے کی مسافت جنت ودوزخ کے درمیان کی مسافت سے بھی بہت زیادہ ہے۔ اسی کو پردے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(اعراف پر کچھ مرد ہوں گے)۔ اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ایک بلند جگہ ہے۔ بعض نے کہا کہ جنت کے باہر والی سائیڈ پر قلعے ہیں۔ بعض نے کہا وہ احد پہاڑ ہے اور یہی جنت ودوزخ کے درمیان حجاب ہے۔ بہر حال ہے جنت کا حصہ مگر جنت سے باہر ہے۔ وہاں پر کچھ لوگ جنت میں جانے سے پہلے ٹھہرائے جائیں گے۔

ایک خیال یہ ہے۔ کہ جن مسلمانوں کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں گی۔ ان کو وہاں ٹھہرایا جائے گا۔ بعد میں فیصلہ کر کے جس کے حق دار ہوں گے ادھر بھیجا جائے گا۔ تو وہ جنتیوں کو دیکھ کر انہیں پہچان رہے ہوں گے۔ اور دوزخیوں کو دیکھ کر بھی پہچان لیں گے ان کے چہروں سے۔ یا ان کے نشانات سے۔ تو اعراف والے جنتیوں کو دیکھ کر اور آواز دیکر کہیں گے۔ السلام علیکم جیسے دنیا میں سلام دیا کرتے تھے۔ اس سے گویا ان کی تعظیم مراد ہوگی۔ کہ وہ دنیوی مصائب وآلام سے اور اخروی عذاب سے سلامتی پاگئے۔ اعراف والے ابھی جنت سے باہر ہوں گے۔ مگر انہیں جنت میں جانے کی لالچ تو ضرور ہوگی۔ مسلمان ہونے کی بناء پر داخلے کی امید لگی ہوگی۔ صرف اعمال کی کمی کے باعث کچھ دیر کیلئے رکاوٹ ہوگی۔ کلمہ طیبہ کی وجہ سے پر امید بھی ہونگے۔ جنت میں جانے والوں کا آخری گروہ ہوگا۔ جب ان کیلئے جنت جانے کا حکم ہوگا۔ تو پہلے انہیں نہر الحیوۃ میں غسل کرایا جائے گا۔ جس سے ان کے بدن چمک جائیں گے۔ پھر نورانی جسم اور نورانی لباس میں جنت جائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے طفیل ہمیں عذاب سے بچالے۔ جنت عطا فرمائے گا۔ تو یہ محض اس کا فضل ہوگا۔ ہمارے عمل تو اس قابل نہیں۔)

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

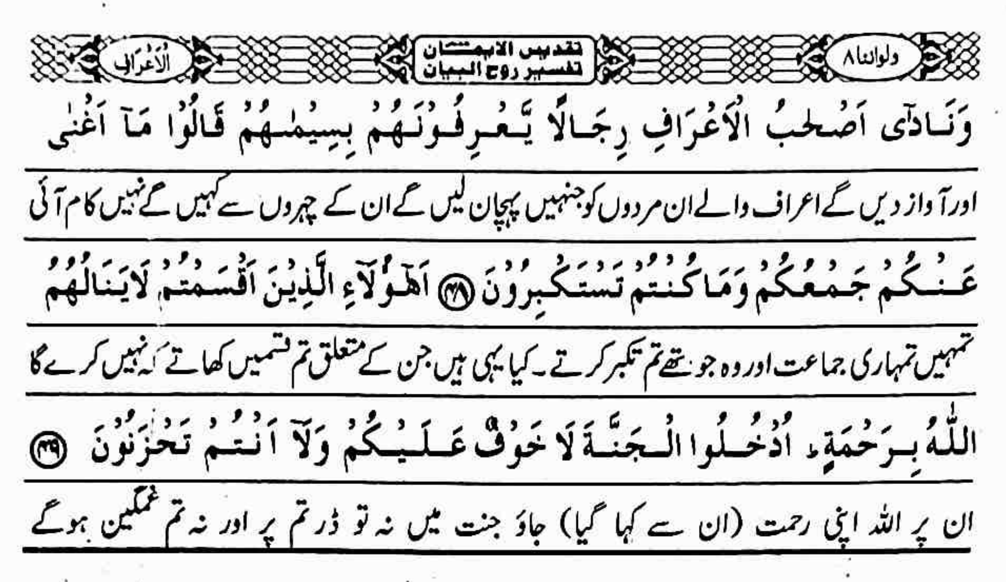
اور جب پھریں گی آنکھیں ان کی طرف دوزخیوں کے تو کہیں گے ہمارے رب نہ کرنا ہمیں

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ؏ ﴿۴۷﴾

ساتھ قوم ظالموں کے

(آیت نمبر ۴۷) جب وہ آنکھیں پھرا کر جہنمیوں کی طرف دیکھیں گے۔ تو عرض کریں گے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالم قوم کے ساتھ نہ کر دینا۔ اعراف والوں کے بارے دوسرا قول یہ ہے۔ کہ وہاں انبیاء کرام علیہم السلام ٹھہرے ہوں گے۔ جو اپنی امت کے جو افراد جنت میں ہونگے انہیں بھی اور جو دوزخی ہوں گے انہیں بھی وہ دیکھ رہے ہوں گے۔ لیکن اس تقریر پر یہ اعتراض ہے۔ کہ اگر اعراف والے انبیاء ہیں۔ تو پھر انہیں جنت کی طمع کیسی۔ اس لحاظ سے پہلی تقریر زیادہ موزوں ہے۔ تیسرا قول یہ ہے۔ اعراف والے شہداء ہوں گے۔ تا کہ سب لوگوں کو ان کی شان دکھائی جائے۔ اور وہ دیکھیں گے۔ کس پر عدل ہوا اور کس پر فضل ہوا۔ چوتھا قول یہ کہ وہ باعمل علماء وفقہاء ہوں گے۔ جنہیں علم وعمل کی وجہ سے فوقیت دی جائے گی۔ اس کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں۔ تقریباً پندرہ اقوال بیان کئے گئے ہیں۔ **حدیث شریف** میں آتا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ بروز قیامت سب لوگوں کو جمع فرمائے گا۔ تو ایک منادی یہ آواز لگائے گا۔ کہ اہل فضل لوگ کہاں ہیں۔ وہ بغیر حساب جنت کی طرف چلیں۔ تو کچھ لوگ ایک دم جنت کی طرف دوڑ لگا دیں گے۔ ایک جگہ انہیں روک کر پوچھا جائے گا۔ کہ تم نے کیا کیا ہے۔ کہ تم اہل فضل ہوگئے۔ تو وہ کہیں گے کہ جب ہم پر ظلم ہوتا۔ تو ہم صبر کیا کرتے تھے۔ کوئی ہم سے برائی کرتا۔ تو ہم معاف کر دیا کرتے تھے۔ ہم سے جھگڑا ہوتا تو ہم بڑے حوصلے سے کام لیتے۔ تو انہیں کہا جائیگا۔ واقعی تم اہل فضل میں سے ہو۔ اب سیدھے جنت میں چلے جاؤ۔ ایسے عمل والوں کو ہم یوں ہی جزاء دیتے ہیں۔ (رواہ ابویعلی وابن حجر فی مطالب العالیہ)

حکایت: ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہوگئی۔ اور لوگوں کا حساب وکتاب ہو رہا ہے۔ ان میں جنت کے مستحقین کو جنت اور جہنم کے مستحقین کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ تو میں نے جنت کے دروازے پر جا کر پوچھا۔ کہ تم لوگ جنت میں کس عمل کی وجہ سے آئے اور تمہیں یہ اعلیٰ خوان اور بلند مکان کیسے ملے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ سب درجات ہمیں اطاعت رحمان اور مخالفت شیطان کی وجہ سے ملے ہیں۔ پھر میں دوزخ کے دروازے آیا۔ ان سے پوچھا کہ بتاؤ۔ تمہیں کس عمل پہ سزا ملی ہے۔



وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى

اور آواز دیں گے اعراف والے ان مردوں کو جنہیں پہچان لیں گے ان کے چہروں سے کہیں گے نہیں کام آئی

عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ

تمہیں تمہاری جماعت اور وہ جو تھے تم تکبر کرتے ۔ کیا یہی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے کہ نہیں کرے گا

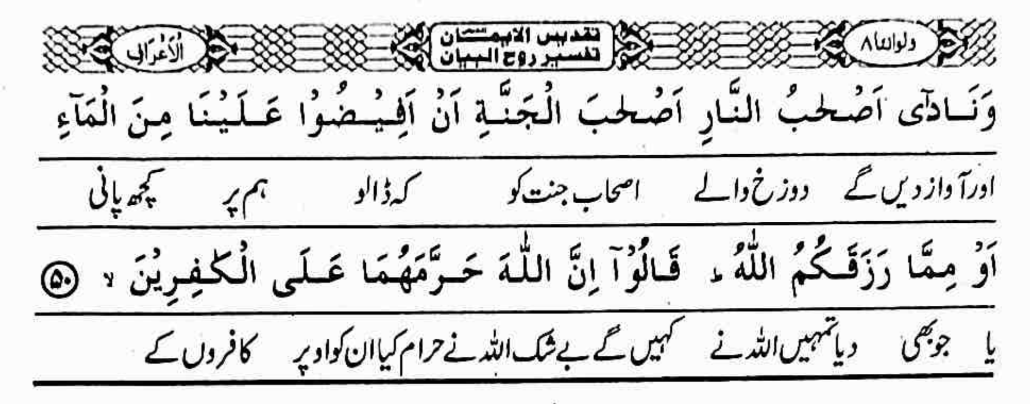
اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

ان پر اللہ اپنی رحمت (ان سے کہا گیا) جاؤ جنت میں نہ تو ڈر تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) انہوں نے جواب دیا۔ کہ اطاعت شیطان اور مخالفت رحمان کی وجہ سے۔ اس کے بعد دیکھا۔ کہ ایک قوم جنت و دوزخ کے درمیان کھڑی ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے گناہ زیادہ اور نیکیاں کم ہیں۔ برائیوں سے جنت میں جانے سے روک دیا۔ اور نیکیوں نے دوزخ میں نہیں جانے دیا۔

(آیت نمبر ۴۸) اعراف والے حضرات کافروں کے بڑے بڑے لیڈر مردوں کو آواز دیکر کہیں گے۔ یعنی ابو جہل اور ولید پلید اور عاص بن وائل کو ان کے چہروں سے پہچان کر کہیں گے۔ یا ان کے نشانات سے پہچان کر۔ کیونکہ اس وقت تک تو ان کا برا حال ہو چکا ہو گا۔ یہ اوپر سے دیکھ کر ان کو کہیں گے۔ تمہیں کام نہ آئی تمہاری جماعت جن پر تمہیں بڑا ناز تھا۔ یا مراد جمع شدہ مال ہے۔ کہ وہ بھی تمہیں کام نہ آیا۔ جس کے بل بوتے پر تم نے بڑے بن کر تکبر کیا۔ تمہیں اس بڑائی نے بھی کوئی کام نہ دیا۔ کہ اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ یہ انہیں زجر و توبیخ کے طور پر کہیں گے۔ ورنہ تو انہیں معلوم ہے۔ کہ یہ کن کرتوتوں کی وجہ سے یہاں آئے ہیں۔ چونکہ یہ اعراف والے بلند مقام پر کھڑے ہوں گے۔ انہیں دونوں طرف نظر آ رہا ہو گا۔ تو پہلے جہنمیوں سے ہی بات کریں گے۔

(آیت نمبر ۴۹) مزید ذلیل کرنے کیلئے فرشتے متکبروں کو مسلمانوں کے بارے میں کہیں گے۔ کہ یہ وہی لوگ ہیں۔ جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان تک نہیں پہنچے گی۔ یہ ان کا اشارہ ان غریب نادار مسلمانوں کی طرف ہو گا۔ جن کو دنیا میں کفار بڑی حقارت سے دیکھتے تھے۔ اور قسمیں کھا کھا کر کہتے۔ کہ نہ جی یہ لوگ جنت میں چلے جائیں یہ ہو ہی نہیں سکتا نہ انہیں اللہ بخشے گا۔ نہ جنت جانے دے گا۔ لیکن جب وہ غریب لوگ مثل بلال۔ صہیب اور سلیمان اور خباب محشر میں پہنچے۔ تو فوراً حکم الٰہی ملا داخل ہو جاؤ جنت میں۔ تا کہ ان کافروں کی خوب رسوائی ہو۔ جو کہتے تھے یہ جنت میں نہیں جائیں گے۔ دنیا میں یہ کافر تمہیں خوفزدہ رکھتے تھے۔ اب تم پر کوئی ڈر نہیں ہے۔ نہ تم غمگین ہو گے۔ البتہ یہ کافر ہمیشہ غم میں رہیں گے۔



وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَـنَّةِ اَنۡ اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ

اورآ واز دیں گے دوزخ والے اصحاب جنت کو کہ ڈالو ہم پر کچھ پانی

اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۙ ﴿۵۰﴾

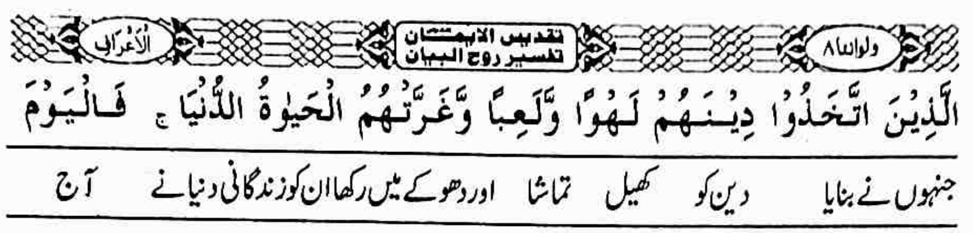
یا جو بھی دیا تمہیں اللہ نے کہیں گے بے شک اللہ نے حرام کیا ان کو اوپر کافروں کے

(بقیہ آیت نمبر ۴۹) **اخلاق نبوی**: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو (دونوں جہانوں کا سردار بنایا۔لیکن اس کے باوجود) آپ ہمیشہ غریبوں اور فقیروں کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے تھے۔ان ہی کے ساتھ زندگی گذاری (اور دعا بھی یہی کی۔کہ غریبوں میں رہوں اور غریبوں میں موت آئے) بچوں کے پاس سے گذرتے ان کو سلام دیتے۔اپنے باوفا یاروں میں بیٹھتے تو آنے والے کو پوچھنا پڑتا کہ رسول اللہ ﷺ کدھر ہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے۔کہ وہ اللہ والوں سے جدا نہ ہو۔ **حدیث شریف**: میں آتا ہے کہ ہر شیء کی چابی ہوتی ہے۔اور جنت کی چابی غریبوں مسکینوں سے محبت ہے (رسالہ قشیریہ) (حب درویشاں کلید در جنت است: درویشوں سے محبت جنت کی چابی ہے)۔

(آیت نمبر ۵۰) دوزخی آواز دیں گے جنتیوں کو کہ ہم پر کوئی پانی ڈال دو جنت کے پانی میں سے۔تاکہ پیاس کی شدت ختم ہو۔روایت میں آتا ہے کہ دوزخی اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے۔اے الہ العالمین جنت میں ہمارے رشتے اور تعلق والے گئے ہیں۔ہمیں ان سے بات تو کرنے کی ہمیں اجازت دی جائے۔تاکہ ان سے بات چیت کر سکیں۔ان کو دیکھ سکیں۔تو اللہ انہیں دیکھنے اور بات کرنے کی اجازت دے گا۔تو وہ دیکھیں گے کہ بہشتی تو اعلیٰ نعمتوں سے مالا مال ہیں۔دوزخی جنتیوں کو تو پہچان رہے ہوں گے۔لیکن وہ ان جہنمیوں کو نہیں پہچان رہے ہوں گے۔اس لئے کہ ان کے چہرے سیاہ کالے انگار کی طرح ہوں گے۔وہ اپنا تعارف کرائیں گے۔پھر انہیں کہیں گے کہ ہمیں جنت کا کچھ پانی دے دو۔یا جو بھی کھانے پینے کی چیز تمہیں اللہ تعالیٰ نے دی ہو۔وہ ہی ہمیں دے دو۔تاکہ ہم بھی کچھ بھوک پیاس بجھا سکیں۔

نکتہ: جہنمیوں نے کھانے سے پہلے پانی مانگا۔اس لئے کہ وہ جہنم کی سخت تپش میں ہوں گے کھانے کے بغیر کام چل جاتا ہے مگر پانی کے بغیر آدمی نہیں رہ سکتا۔اسی لئے جب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے ماں کے فوت ہونے پر اس کی طرف سے پوچھا۔کہ میں ماں کی طرف سے صدقہ دینا چاہتا ہوں۔کون سا صدقہ افضل ہے۔



(بقیہ آیت نمبر ۵۰) تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ لوگوں کو پانی پلاؤ۔ چنانچہ انہوں نے کنواں کھدوا کر کہا۔ یہ سعد کی ماں کا کنواں ہے (مشکوٰۃ شریف)۔ آگے فرمایا کہ جب دوزخی کھانا پانی مانگیں گے۔ تو جنتی ان کو جواب میں کہیں گے۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جنتی کھانا پینا دوزخیوں پر حرام کر دیا ہے۔ کیوں کہ وہ کافر ہیں۔ اس لئے اب یہ چیزیں تمہیں نہیں مل سکتیں۔

(آیت نمبر ۵۱) یہ وہ کافر ہیں جنہوں نے دین کو ٹھٹھا مزاح بنالیا تھا۔ اور کھیل تماشہ سمجھتے تھے۔ جیسے چاہتے اپنی مرضی سے حلال کو حرام ٹھہرا لیا کرتے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو ماننے کا نام بھی نہ لیتے تھے۔ اتباع نفس اور اطاعت شیطان میں زندگی بھر رہے۔ انہیں دنیا کی زندگی اور دنیا کی زیب وزینت نے ایسا دھوکے میں رکھا۔ کہ یہ بڑی لمبی لمبی آرزوؤں میں پھنس کر رہ گئے۔ اسی لئے وہ مسلمانوں سے ٹھٹھے مزاح کیا کرتے تھے اور مسلمانوں کو کم درجہ کے انسان سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے۔

دلچسپ واقعہ: حضور ﷺ نے ایک مرتبہ جنت کی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ تو ابو جہل نے طنزاً ایک آدمی کو کہا۔ کہ جاؤ اور انہیں کہو جنت کا میوہ ہمیں کھلاؤ۔ جب اس نے سوال کیا۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ کافروں پر حرام کیا ہے۔ اس لئے فرمایا جائے گا۔ آج ہم نے انہیں چھوڑ دیا۔ کہ اب ان کی خبر لینے والا کوئی نہیں۔ جیسے انہوں نے آج کی ملاقات کو اور اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا کہ ان کے دل میں بھی کبھی یہ خیال نہ آیا کہ ایک دن انہوں نے ہمارے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور یہ ایسے منکر تھے۔ کہ یہ ہماری ہی آیات کا انکار کر دیتے تھے۔ یعنی جیسے انہوں نے قیامت کے دن کی حاضری کو کوئی چیز نہیں سمجھا۔ نہ انہوں نے قیامت کو کوئی اہمیت دی۔ لہٰذا ان کا انجام ایسا ہی ہونا تھا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ

اور البتہ تحقیق لائے ان کے پاس کتاب مفصل بیان اپنے بڑے علم پر یہ ہدایت اور رحمت ہے ایسی قوم کیلئے

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ

جو ایمان رکھتے ہیں۔ نہیں انتظار کررہے مگر اس کے انجام کی جس دن واقع ہو کر آئے گا اس کا انجام

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ

تو کہیں گے جنہوں نے بھلا رکھا اس کو پہلے سے تحقیق لائے تھے رسول ہمارے رب کی سچائی کو

لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا

تو کیا ہیں ہمارے کوئی سفارشی جو سفارش کریں ہماری یا ہم واپس جا کر عمل کریں سوائے ان کے جو تھے ہم

نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

پہلے عمل کرتے تحقیق نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو اور گم ہوگئے ان سے جو تھے وہ بہتان گھڑتے۔

(آیت نمبر۵۲) اور البتہ تحقیق ہم لائے ان کے پاس ایسی کتاب کہ جسے ہم نے بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ یعنی اس کے مفہوم و مطالب کو مفصل بیان کیا۔ اس میں عقائد۔ احکام اور مواعظ کو اپنی کتاب میں تفصیل وار بیان کیا۔ اس میں ضمیر ان کفار کی طرف راجع ہے۔ جو حضور ﷺ کے زمانے میں ہوئے۔ اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ جو کتاب علوم سے بھری ہوئی ہے۔ اور اس کی تفصیلات کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور اس کتابِ حکیم میں بے شمار حکمت کی باتیں بھی ہیں۔ اور اس میں ہدایت بھی ہے۔ اور یہ کتاب سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔ لیکن یہ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کیلئے ہے۔ جو اس کی تصدیق دل سے کرتے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں۔ کہ واقعی یہ کتاب من جانب اللہ ہے۔ اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کے نور سے فیض پاتے ہیں۔

(آیت نمبر۵۳) یہ کافر اب نہیں انتظار کر رہے۔ مگر اپنے انجام کی۔ یعنی انہیں قیامت یا عذاب کا جو وعدہ دیا گیا ہے۔ اب وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ ظاہر ہو جائے۔ اور یہ اپنے انجام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ (پھر مان جائیں

گے) لیکن جس دن ان کا وہ انجام ظاہر ہو جائیگا۔ جسے انہوں نے پہلے بھلا رکھا تھا۔ تو اس وقت کہیں گے۔ تحقیق لائے تھے ہمارے رب کے رسول حق بات۔ یعنی اس وقت وہ اس بات کا اعتراف کرلیں گے۔ کہ انبیاء کرام علیہم جو اخبار واحکام لائے تھے۔ جن میں قیامت کو اٹھنے اور حساب و کتاب اور جزاء وسزا کے بارے میں سب کچھ لکھا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ تو بالکل برحق تھا۔ اب وہ دوڑ بھاگ کرکے کئی قسم کی آرزوئیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کریں گے۔ تا کہ کوئی ایک ادھ تو پوری ہو جائے۔ اور وہ عذاب سے بچ جائیں۔ پھر کوئی سفارشی تلاش کریں گے۔ کہیں گے کہ کوئی ہے سفارش کرنے والا جو ہماری سفارش کرے۔ کہ ہمیں اس سخت عذاب سے نجات ملے۔ یا ہمیں واپس دنیا میں جانا مل جائے۔ تو ہم پہلے والے اعمال کے برعکس عمل کریں گے۔ یعنی اب ہم رسولوں کے حکم کی تصدیق کریں گے۔ اور نیک اعمال ہمیشہ بجالائیں گے۔ ہم نے اب سب دیکھ لیا۔ لہذا برے اعمال سے دور رہیں گے۔

تو اب انہیں واضح طور پر بتادیا جائیگا۔ کہ وہاں تمہاری کوئی بھی آرزو پوری نہیں ہوگی۔ تحقیق انہوں نے اس خسارے میں اپنے آپ کو خود ہی ڈالا تھا۔ اپنی پوری زندگی گناہوں میں لگا کر سارا وقت ضائع کر دیا۔ ان کی زندگی کی اصل پونجی ان کی عمریں تھیں۔ وہ انہوں نے کفر اور گناہوں میں ضائع کر دیں۔ تو جو اپنی اصل پونجی ہی ضائع کر دے۔ اسے سوائے گھاٹے اور خسارے اور کف افسوس ملنے کے کیا ملتا ہے۔ ان کا بھی وہی حال ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اب ان سے وہ بھی گم ہو گئے۔ جو یہ گھڑتے تھے۔ یعنی جنہیں معبود اور خدا کا شریک اور اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ اب ان کا تو نام ونشان بھی نظر نہیں آئے گا۔

فائدہ: کافر کہیں گے۔ ہمیں واپس دنیا میں بھیجا جائے۔ تو اب ہم مانیں گے۔ نیک عمل کریں گے وغیرہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اگر انہیں بالفرض دنیا میں بھیج بھی دیا جائے۔ تو یہ دنیا میں جا کر وہی کریں گے جو پہلے کرتے رہے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دنوں میں پھر استوی فرمایا

عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

اوپر عرش کے۔ ڈھانکتی ہے رات دن کو جو پیچھے چلا آتا ہے اس کے جلدی اور سورج اور چاند

وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۵۴﴾

اور ستارے پابند ہیں اس کے حکم کے۔ خبردار مخلوق بھی اس کی اور حکم بھی۔ برکت والا اللہ جو رب ہے سب جہانوں کا

(آیت نمبر ۵۴) بے شک اے کفار مکہ تمہارا رب وہی ہے۔ جس نے تمام آسمان اور زمینیں چھ دنوں میں بنائے۔ تمہارے معبودان باطلہ بے کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جو ہے۔ وہ تو تمام کمالات وصفات کی جامع ہے۔ اور اتنی بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اگر چاہتا تو ایک ساعت میں تمام زمین وآسمان بنالیتا وہ لفظ ''کن'' کہہ کر سب کچھ کرسکتا ہے۔ لیکن اس نے اپنے بندوں کو بتایا کہ ہر کام آرام اور تسلی سے کرنا زیادہ اچھا ہے۔ البتہ چھ کاموں میں دیر نہیں کرنی چاہئے:

۱۔ قرض سر پہ ہو تو ادا کرنے میں۔
۲۔ گناہ ہو جائے تو توبہ کرنے میں۔
۳۔ مہمان آئے تو خاطر داری میں۔
۴۔ بچی بالغ ہو جائے۔ تو نکاح کر دینے میں۔
۵۔ میت کو دفنانے میں۔
۶۔ جنبی ہو جائے تو غسل کرنے میں۔

زمین وآسمان کی تخلیق کے بعد جس طرح چاہا۔ عرش پر مستوی ہوا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

فائدہ: علامہ بیضاوی نے مستوی عرش کا معنی کیا ہے۔ اپنی حکمت کاملہ کے تقاضا سے اپنی مصنوعات کی تدبیر فرمائی۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میرے شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ یہاں استوی لغوی معنی میں نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ معنی مراد لینا ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ ذات ایسے معانی سے منزہ اور مبرا ہے۔ البتہ اس سے امر ایجادی اور تجلی احدی مراد لی جائے۔ تو زیادہ موزوں ہے۔ جسے قرآن مجید نے حق سے تعبیر کیا ہے۔ اور اگلی کلام بھی اسی معنی کو مزید ظاہر کر رہی ہے۔ فرمایا کہ وہ دن کو لا کر رات کو پوشیدہ کر دیتا ہے۔ گویا وہ ایک حجاب تھا جسے ہٹا دیا۔ اور اس کے بعد جلد ہی رات کی تاریکی دن کیلئے حجاب بن جاتی ہے۔ گویا وہ اسے طلب کر رہی ہی۔ پھر سورج چاند ستارے دیکھو۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور تصرف اور اس کی قضا وقدر کے تابع ہیں۔ لہذا معلوم ہو گیا۔ کہ بابرکت ہے اللہ کی ذات جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ اس آیت میں کفار کا رد ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۚ ﴿۵۵﴾

دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑا کر اور بہت آہستہ بے شک وہ نہیں پسند کرتا حد سے بڑھنے والوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۵۴) جنہوں نے بے شمار مفت کے نکمے خدا بنا رکھے تھے۔ جنہوں نے لیا دیا کچھ نہیں اور مفت میں خدا سمجھے گئے۔ تو گویا اس آیت کریمہ میں نہایت پختہ دلائل اور مضبوط حجت کے ساتھ انہیں توحید کی دعوت دی گئی۔ کہ یہ سب کچھ ایک ہی ذات وحدہ لاشریک نے بنایا۔

(آیت نمبر ۵۵) اپنے رب سے مانگو۔ یا اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر اور پوشیدہ۔ یعنی رب سے مانگتے وقت عجز وانکساری اور بہت ہی آہستہ آواز سے مانگو۔ کیونکہ اس میں اخلاص ہے اور ریا کاری سے بچاؤ ہے۔

دعا کے آداب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا ختم فرما کر ہاتھ منہ پر پھیرتے تا کہ جو رحمت ہاتھوں پر اتری وہ چہرے پر لگ جائے۔ **مسئلہ**: سنت یہ ہے۔ کہ دعا مانگتے وقت ہاتھوں کو آسمان کی طرف خود اٹھائے۔ اور گریبان سے ہاتھوں کو پوری طرح باہر نکالے۔ یہ بھی سنت ہے۔

مسئلہ: آسمان کی طرف ہاتھ اس لئے اٹھاتے ہیں۔ کہ آسمان دعا کا قبلہ اور نزول برکات کا مرکز ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں فرماتا۔ یعنی دعا میں وہ باتیں نہ کہے جو مانگنے کے لائق نہیں۔ مثلاً کہے یا اللہ مجھے نبی بنا دے۔ یا آسمانوں پر بلا لے وغیرہ۔ (اس آیت سے ثابت ہوا۔ کہ نماز میں آمین آہستہ کہے کیونکہ وہ بھی دعا ہے اور اس آیت میں دعا خفیہ مانگنے کا حکم ہے)۔ چونکہ اس آیت کریمہ سے دعا کا خفیہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خفیہ بمعنی سر کیا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ یہ دعا ہے اور دعا کے متعلق احادیث میں آیا: "خیر الدعا الخفی" یعنی بہترین دعا وہ ہے جو پوشیدہ ہو اور قرآن مجید میں زکریا علیہ السلام کی دعا کے متعلق فرمایا: "نادی ربہ نداء خفیا" کہ انہوں نے اپنے رب کو آہستہ آواز سے پکارا۔ ترمذی شریف میں **حدیث** ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "غیر المغضوب علیھم ولاالضآلین" کی تلاوت فرمائی۔ تو پھر آمین آہستہ کہا۔ اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ امام پانچ چیزوں کو آہستہ کہے: (۱) ثناء۔ (۲) تعوذ۔ (۳) تسمیہ۔ (۴) آمین۔ (۵) ربنا لک الحمد۔ اور طحاوی میں ابووائل کی روایت میں ہے کہ ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما۔ بسم اللہ۔ تعوذ اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔ مزید دلائل ضرورت ہوں تو میری تصنیف صلوٰۃ الاحناف من احادیث الصحاح کا مطالعہ کریں۔



وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط

اور نہ فساد کرو زمین میں بعد اس کے سنورنے کے اور مانگو اس سے ڈرتے اور طمع رکھتے

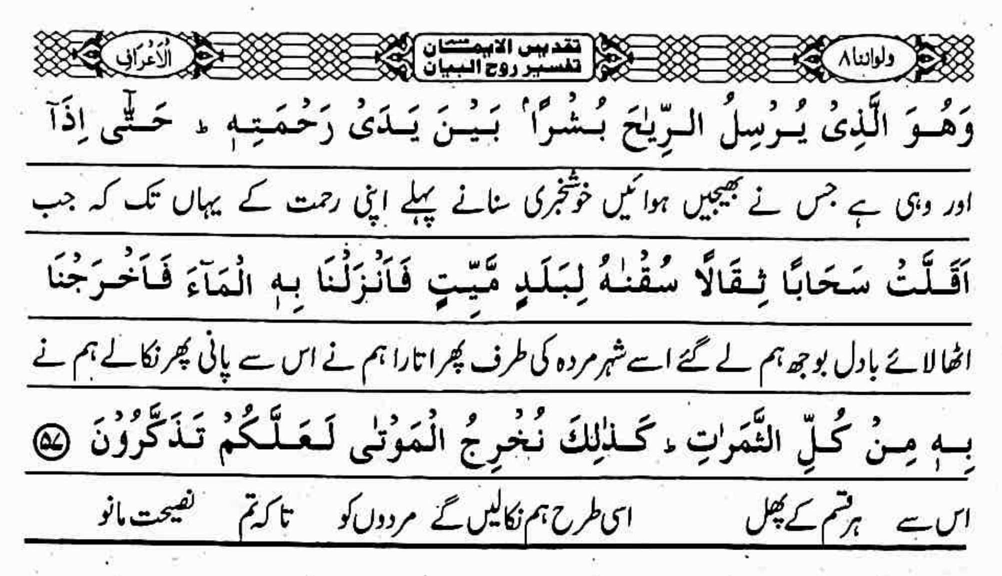
اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

بے شک رحمت اللہ کی قریب ہے نیک لوگوں کے

(آیت نمبر ۵۶) اور نہ فساد کرو زمین میں اصلاح کے بعد۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام نے احکام الٰہی جاری کر کے جو زمین میں اصلاح کی اب تم کفر و شرک کر کے اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔

فائدہ : حدادی فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں نہ کرو کیونکہ تمہارے گناہوں کی نحوست سے کہیں بارش بند نہ ہو جائے۔ اور فصل تباہ نہ ہو جائیں۔ انسان اور حیوان بغیر پانی کے ہلاک نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مانگو اس حال میں کہ تمہارے دلوں میں خوف بھی ہو کہ دعا رد نہ ہو جائے۔ اور طمع بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہماری دعائیں قبول فرمائے گا۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک لوگوں کے بہت قریب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان لوگوں کے قریب ہے۔ جن کی زبان ذکر و شکر سے تر ہو۔ اور دل حاضر ہو۔ اور رحمت الٰہی کے طمع سے بھرپور ہو۔ اور رحمت ایزدی سے پرامید بھی ہو۔ دعا کی قبولیت کا سب سے بڑا وسیلہ یہی مذکور باتیں ہیں۔ **حدیث** میں ہے کہ دعا کے وقت بندے کو یقین ہو کہ میری دعا قبول ہو گی۔

سبق : دعا میں حضور قلب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے نیک گمان ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ ضرور کرم فرمائے گا۔ تاکہ دعا جلد قبول ہو۔ **تنبیہ** : دعا نہ مانگنا مذموم ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ ہے۔ لہذا چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ **نکتہ** : عوام کی دعا اقوال سے اور زاہد لوگوں کی افعال سے اور عارف لوگوں کی احوال سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری ناقص دعائیں بھی قبول فرما کر ہماری دعاؤں کو کامل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔ یعنی ان کے منہ سے دعا نکلتے ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچ بھی جاتی ہے اور شرف قبولیت بھی حاصل کر لیتی ہے۔ بلکہ کسی مسلمان کی دعا رد نہیں جاتی یا تو جو مانگا ہے وہی اسے مل جاتا ہے یا آنے والی مصیبت ٹالنے کیلئے جمع رکھی جاتی ہے اور یا پھر بروز قیامت اس کا بہت بڑا اجر مل جائیگا لیکن جب بروز قیامت اجر ملے گا پھر بندہ کہے گا کہ کاش میری دنیا میں کوئی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی۔ اور آج میں بے حساب اجر پاتا۔



وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ

اور وہی ہے جس نے بھیجیں ہوائیں خوشخبری سنانے پہلے اپنی رحمت کے یہاں تک کہ جب

اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا

اٹھالائے بادل بوجھ ہم لے گئے اسے شہر مردہ کی طرف پھر اتارا ہم نے اس سے پانی پھر نکالے ہم نے

بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

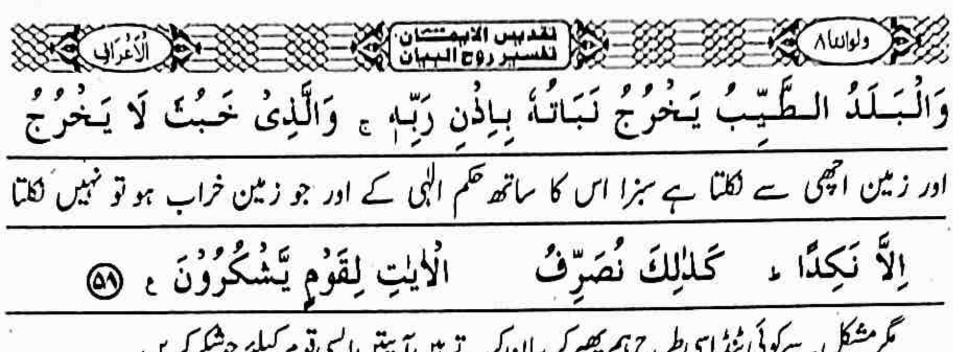
اس سے ہر قسم کے پھل اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم نصیحت مانو

(آیت نمبر ۵۷) اور وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے کہ جس نے ہواؤں کو چلایا خوش خبری کے طور پر۔

ریح اور ریاح ہوائیں ہیں۔ جن میں سے ایک رحمت ہوتی ہے۔ جسے ریاح کہتے ہیں اور ریح وہ ہوا ہے۔ جو زیادہ تر عذاب کیلئے چلتی ہے۔ **حدیث شریف:** میں ہے۔ کہ جب بھی ہوا چلتی دیکھتے تو حضور ﷺ فرماتے یا اللہ اسے ریاح بنا نا ریح نہ بنانا۔ آگے فرمایا۔ کہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی بارش سے پہلے بطور خوش خبری کے چلتی ہیں۔ **فائدہ:** عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوا اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔ تو وہ بادلوں کو ایسے ہانکتی ہیں۔ جیسے تم میں سے کوئی بکریوں کو ہانک کر لے جاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ یہاں تک جب ہوائیں بادلوں کو نہایت ہلکا اور کم محسوس کرتی ہیں۔ اگر چہ بادل پانی سے بھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے نہایت وزنی ہوتے ہیں۔ لیکن جب ان کے پیچھے ہوا لگ جاتی ہے۔ تو ہلکی چیز کی طرح تیزی سے اڑاتے ہوئے لئے جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ہم ان بادلوں کو چلا کر لے جاتے ہیں۔ ایسے شہر کی طرف جو مردہ یعنی ویران اور خشک ہو چکا ہوتا ہے۔ سبزے اور تری نہ ہونے کی وجہ سے۔

فائدہ: بلد اس مقام کو کہا جاتا ہے۔ جہاں لوگ آباد ہوں اس کی جمع بلاد ہے۔

پھر اتارا ہم نے اس جگہ پانی۔ پھر نکالا ہم نے اس پانی کے سبب سے ہر قسم کا پھل یوں ہی بروز قیامت انسانی بکھرے ہوئے اعضاء کو اکٹھا کر کے اس کے قوی اور حواس کو بحال کر کے اور ان میں دوبارہ روح ڈالنے کیلئے قبروں سے زندہ کر کے نکالیں گے۔ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور یقین کر لو کہ جو ذات ویران شہر آباد کرنے اور خشک زمین کو آباد کر کے اس میں ہر قسم کے پھل اور پھول لگا سکتی ہے۔ اس ذات کو یہ بھی قدرت حاصل ہے۔ کہ بروز قیامت تمام مردوں کو زندہ کر کے انہیں قبروں سے نکال دے گا۔ بغیر کسی شک وشبہ کے۔ (سبحان اللہ کتنی خوبصورت مثال ہے)



وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ

اور زمین اچھی سے نکلتا ہے سبزا اس کا ساتھ حکم الٰہی کے اور جو زمین خراب ہو تو نہیں نکلتا

إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾

مگر مشکل سے کوئی ٹنڈ اسی طرح ہم پھیر کر بیان کرتے ہیں آیتیں ایسی قوم کیلئے جو شکر کریں

(بقیہ آیت نمبر ۵۷) **مزید تفصیل**: ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ پہلی دفعہ صور پھونکنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرنا چاہے گا۔ تو چالیس روز تک مادہ منی کی طرح بارش ہوگی جو عرش کے نیچے سے برسے گی پھر جیسے بارش کے بعد زمین سے پودے نکلتے ہیں۔ اسی طرح انسان زمین سے باہر آجائیں گے۔ جب پورے جسم باہر آجائیں گے۔ تو ان میں روح دوبارہ آجائے گی چونکہ تمام ارواح صور اسرافیل میں اس وقت بند ہوں گے۔ جب اسرافیل علیہ السلام دوبارہ صور میں پھونکیں گے تو تمام ارواح صور اسرافیل سے نکل کر انسانی جسموں میں آجائیں گے۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ قبروں کے اندر ہی زندہ ہوں گے۔ صور پھونکنے کے بعد وہ قبروں سے باہر نکل آئیں گے۔

(آیت نمبر ۵۸) اور پاکیزہ زمین یعنی جو نہ پتھریلی ہو۔ نہ ریتلی اور وہ قابل کاشت ہو۔ وہ زمین رب تعالیٰ کے حکم سے اپنے پودے باہر نکالے اور (اس سے پھل وغیرہ لگے) اور بہت ہی فائدہ حاصل ہو۔ اور ایک وہ زمین جس کی مٹی ہی خبیث ہو۔ مثلاً پتھریلی۔ یا کلر والی یا شور والی یا دلدل والی کہ جہاں کھیتی باڑی نہ ہو سکے۔ تو ایسی خبیث زمین سے سوائے ٹنڈ کے کچھ نہیں نکلتا۔ یعنی اس زمین سے کوئی نفع نہیں پہنچتا۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ رب العالمین کے کلام مبارک کے وقت انوار کی جب بارش اترتی ہے۔ تو نیک لوگوں کے دل جگمگا اٹھتے ہیں۔ جس کا اثر مومن کامل اپنے جسم سے محسوس کر لیتے ہیں۔ لیکن بدقسمت کافر وغیرہ جب کلام الٰہی سنتے ہیں۔ تو ان کے دل انوار الٰہی کو قبول نہیں کرتے۔ اس وجہ سے ان پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ آگے فرمایا۔ اسی طرح عجیب وغریب مثالیں دے کر اللہ تعالیٰ آیات کو بار بار بیان کرتے ہیں۔ ایسی قوم کیلئے جو شکر گزار ہیں۔

حکایت: مولا علی کرم اللہ وجہہ سے ایک یہودی نے کہا۔ (جس کی داڑھی میں بہت کم بال تھے) کہ آپ کہتے ہیں۔ کہ قرآن میں سب کچھ ہے۔ تو کیا میری ڈاڑھی کا بھی ذکر ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ بالکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ خبیث زمین سے کوئی کوئی کہیں ٹنڈ ہی نکلتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح طرف ان کی قوم کے تو فرمایا اے میری قوم پوجو اللہ کو نہیں تمہارا کوئی خدا

غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ

اس کے سوا بے شک مجھے ڈر ہے تم پر عذاب کا دن بڑے میں۔ بولے سردار

مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ

ان کی قوم کے بے شک ہم دیکھتے ہیں تجھے گمراہی کھلی میں۔ فرمایا اے میری قوم نہیں

بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾

مجھ میں گمراہی لیکن میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے

(آیت نمبر ۵۹) البتہ تحقیق ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے پاس۔

نوح علیہ السلام ادریس علیہ السلام کے پڑپوتے تھے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ عمر کے چالیسویں سال اعلان نبوۃ کیا۔ ایک ہزار دو سو چالیس سال دنیا میں رہے۔ آپ کی قوم بت پرست تھی۔ تو آپ نے اپنی قوم کو فرمایا۔ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ یعنی شرک چھوڑ کر صرف اللہ اکیلے کو پوجو۔ کیونکہ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کہ جسے تم عبادت کے لائق سمجھو۔ یاد رکھو اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے۔ تو مجھے تم پر ڈر ہے۔ ایک بہت بڑے دن کے عذاب کا۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے جو دنیا کے دنوں کے حساب سے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

(آیت نمبر ۶۰) نوح علیہ السلام کی قوم میں سے ان کے لیڈروں نے کہا۔ جو اس قوم کے سردار تھے۔ جرم وقصور کی محفلوں کے بانی تھے۔ ان ہی کی زیر سرپرستی گناہوں کی محفل ہوتی تھی۔ ہر فساد کی جڑ تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اے نوح ہم تو تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ کہ آپ ہر معاملے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے۔ آپ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ تو نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اے میری قوم یہ کلمہ آپ نے انہیں اپنی طرف مانوس کرنے کیلئے فرمایا۔ کہ مجھ میں تو گمراہی والی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن میں تو رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔ رسول جو ہوتا ہے۔ وہ مکمل ہدایت ہوتا ہے۔ اس میں گمراہی کا نام ونشان تک نہیں ہوتا۔ گویا آپ نے انہیں لفظ رسول فرما کر بتا دیا۔ کہ میں تو ہدایت کے کمال درجے پر ہوں۔ تبھی تو رب تبارک وتعالیٰ نے مجھے اپنا رسول منتخب کیا۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

میں پہنچاتا ہوں پیغامات اپنے رب کے اور میں بھلا چاہتا ہوں تمہارا اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو نہیں تم جانتے

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا تعجب کرتے ہو کہ آ گیا تمہارے پاس ذکر تمہارے رب کی طرف سے اوپر ایک مرد کے جو تم میں سے ہے

لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

کہ تمہیں ڈرائے اب چاہئے کہ تم ڈرو تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔

(آیت نمبر۶۲) میری ڈیوٹی ہی یہ ہے۔ کہ میں اپنے رب کریم کے پیغامات تم تک پہنچاؤں۔ اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں تمہارا مخالف نہیں ہوں۔ **فائدہ:** اس میں اشارہ ہے۔ کہ نوح علیہ السلام نے انہیں بتایا۔ کہ میں تو تمہیں خالص نصیحت کر رہا ہوں۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ بہت سارے ناصحین بے شک ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ ان کی نصیحت میں ان کا اپنا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ کچھ ان کی اپنی مصلحتیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن میں جو تمہیں نصیحت کر رہا ہوں۔ اس میں میرا اپنا کوئی فائدہ مضمر نہیں۔ اس لئے فرمایا۔ کہ میں تو تمہاری خیر خواہی کیلئے یہ باتیں کر رہا ہوں۔ میری اپنی اس میں کوئی غرض و منفعت نہیں اور یہ بھی میں تمہیں بتا تا ہوں۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں۔ جو تم نہیں جانتے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کتنی بڑی قدرتوں کا مالک ہے۔ جب تم اس پر ایمان لے آ ؤ گے تو تم دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

(آیت نمبر۶۳) کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے۔ کہ تمہارے پاس جو نصیحت آئی۔ تمہارے رب کی طرف سے وحی کی صورت میں اس مرد پر کیوں آ گئی جو تم میں سے ہے۔ انہیں اصل میں اس پر تعجب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کو رسول بنا کر کیسے بھیج دیا۔ وہ اس بات کو نہیں سمجھ رہے تھے۔ کہ جسے رسول بنایا جاتا ہے۔ وہ عام انسانوں کی طرح نہیں رہتا وہ اللہ سے فیض لیتا ہے۔ اور مخلوق کو فیض دیتا ہے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ رسول کا مقصد یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کے عذاب کا ڈر تمہیں سنائے تا کہ تم اس سے بچ سکو۔ اور پھر تم رحم بھی کئے جاؤ۔

مشرکین کا پاگل پن: خدا ماننے پہ آئے تو پتھروں کو خدا مان لیا لیکن ایک انسان کو رسول نہیں مانا۔

فائدہ: لفظ لعل امید کیلئے آتا ہے۔ تا کہ معلوم ہو کہ فضل الٰہی تقوے کا محتاج نہیں۔ یہ سب اس کی مہربانی سے معاملات چل رہے ہیں۔ جس پر چاہے وہ مہربان ہو جاتا ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پس جھٹلایا انہوں نے اسے پھر نجات دی ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور غرق کیا ہم نے ان کو جنہوں نے

بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۧ ﴿٦٤﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ

جھٹلایا ہماری آیتوں کو بے شک تھی وہ قوم اندھی۔ اور طرف عاد کے ان کی برادری سے ہود کو بھیجا

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾

فرمایا اے میری قوم پوجو اللہ کو نہیں تمہارا کوئی خدا سوائے اس کے کیا نہیں تم ڈرتے

(آیت نمبر ۶۴) تو انہوں نے نوح علیہ السلام کی بات ماننے کے بجائے ان کو جھٹلا دیا۔ اور اپنی سرکشی پر ڈٹے رہے۔

فائدہ :نوح علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ اب کوئی بھی ان میں سے ایمان نہیں لائے گا۔ تو آپ نے بددعا کردی۔ کہ یا اللہ ان کافروں کا ایک گھر بھی نہ چھوڑ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ایک کشتی تیار کریں۔ جب کشتی تیار ہوگئی۔ تو آپ بمعہ مسلمانوں کے اس میں سوار ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان پانی کی شکل میں بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر ہم نے نوح کو اور ایمان والوں کو نجات بخشی ایمان والے چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ اس طوفان میں تمام کفار و مشرکین تباہ و برباد ہوگئے۔ جنہوں ہماری آیات کو جھٹلایا۔ خواہ وہ ان کے لیڈر تھے یا ان کے تابعدار آگے فرمایا۔ کہ بے شک وہ اندھی قوم تھی۔ اگرچہ ظاہری بصارت کے اندھے نہ تھے۔ لیکن بصیرۃ کے اندھے ضرور تھے۔ کہ وہ نہ اللہ کو جان سکے نہ نبوۃ کے اسرار کو سمجھ سکے۔ نہ ہی آخرت پر انہیں یقین ہوسکا۔ جن لوگوں پر اتنی بڑی ظلمت اور تاریکی چھا جائے۔ ان کا یہی حال ہونا چاہئے۔ **سبق**: عقل مند وہ ہوتا ہے۔ جو دوسروں کی نصیحت کو مانتا ہے۔ اگرچہ نصیحت کرنا آسان ہے۔ مگر نصیحت قبول کرنا مشکل ہے۔

(آیت نمبر ۶۵) اور قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ قوم عاد نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد سے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی لئے فرمایا۔ کہ قوم عاد کی طرف ان کے قومی کے بھائی جناب ہود علیہ السلام کو بھیجا تو اس سے مراد قومی بھائی ہے۔ دینی بھائی نہیں تھے۔ ان کے قبیلے سے نبی چن کر بھیجے۔ تاکہ وہ ان کی بات کو اچھی طرح سمجھ جائیں۔ اور قبیلے والے حضرات ہود علیہ السلام کی دیانت و امانت کو اچھی طرح جانتے تھے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ

کہا سرداروں نے جو کافر تھے ان کی قوم کے بے شک ہم دیکھتے ہیں تجھے بے وقوف اور بے شک ہم گمان کرتے ہیں تجھے

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

جھوٹوں سے ۔ فرمایا اے میری قوم نہیں ہے مجھ میں بے وقوفی لیکن میں تو رسول ہوں رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾

العالمین کا۔ میں پہنچاتا ہوں تم تک پیغامات اپنے رب کے اور میں تمہیں نصیحت کرنے والا امانت دار ہوں

(بقیہ آیت نمبر ٦٥) **فائدہ**: قوم عاد نہایت موٹے تازے طاقتور قدآور یعنی بہت لمبے تلنگے۔ ان کے پاس مال کی کثرت تھی۔ بت پرستی میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھے۔ جب جناب ہود علیہ السلام ان کے پاس نبی بن کر آئے۔ تاکہ انہیں ہدایت کا راستہ دکھائیں۔ تو آتے ہی فرمایا۔ اے میری قوم صرف اللہ تعالیٰ کی پوجا کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ کیا تم غور وفکر نہیں کرتے کہ یہ بت بیکار پتھر ہیں۔ کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

ا (آیت نمبر ٦٦) ہود علیہ السلام کی قوم کے کافر کہنے لگے۔ جو بڑے لیڈر بنے تھے اے ہود ہم تجھے بے وقوفوں میں دیکھتے ہیں۔ کیونکہ تم نے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ اور بے شک ہمارے گمان کے مطابق آپ جھوٹوں میں سے ہیں (معاذ اللہ) اصل بات یہ ہے۔ آدمی دوسرے کو اپنے پر قیاس کرتا ہے۔ چونکہ وہ خود جھوٹے تھے۔ تو پیغمبر کو بھی معاذ اللہ یہی کہا اور برتن میں جو ہوتا ہے۔ وہی باہر آتا ہے۔ چونکہ ان کے اندر کھوٹ تھا خبث تھا تو ان کے منہ سے بھی وہ خبث ہی نکلا۔ اگرچہ ان کی اس غلیظ گفتگو پر غصہ آنا چاہئے تھا۔ مگر پیغمبر اخلاق کا مجسمہ ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ٦٧) آپ نے ناصحانہ انداز میں فرمایا۔ اے میری قوم مجھ میں تو بے وقوفی کا ذرہ بھی نہیں۔ لیکن میں تو رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔ اور رسول دین ودنیا میں عقل مند تر اور ذہین وفطین انسان ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ٦٨) کیا تم دیکھتے نہیں۔ کہ میں تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغام سنا رہا ہوں۔ اور میں تمہارا خیر خواہ اور اعلیٰ درجے کا امانت دار ہوں۔ ہر نبی اور رسول میں یہ صفات موجود ہوتی ہیں۔ اے میری قوم تم تو مجھے عرصہ سے جانتے ہو۔ بلکہ سب لوگ جانتے ہیں۔ میری امانت ودیانت کو۔ نبی اور رسول میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔ کہ وہ رشد وہدایت لیکر آتا ہے۔ اور سچائی پر قائم رہتا ہے۔ پوری قوم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے۔

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیاتم تعجب میں ہو کہ آئی تمہاری پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے بمعرفت ایک آدمی کے جو تم سے ہے

لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ

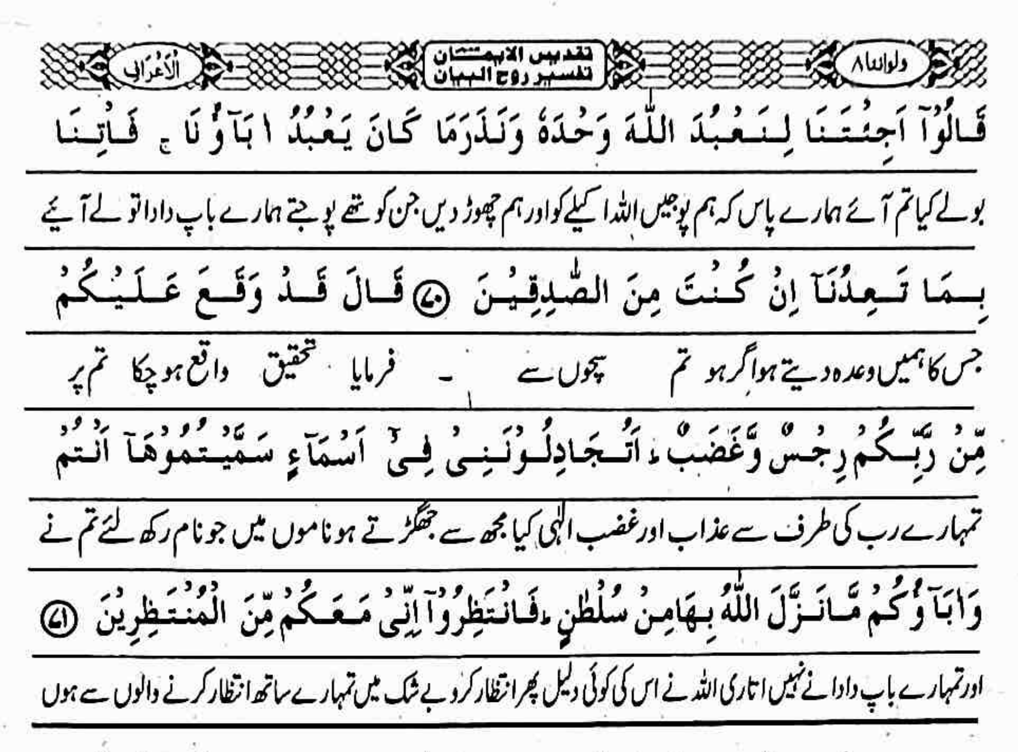
کہ وہ تمہیں ڈرائے یاد کرو جب بنایا تمہیں جانشین بعد قوم نوح کے اور بڑھایا تمہارا جسم

فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾

کو اور پھیلایا خلقت میں پھر یاد کرو نعمتیں اللہ کی تاکہ تم کامیاب ہو۔

(آیت نمبر ٦٩) کیا تمہیں اب یہ تعجب ہے۔ کہ تمہارے پاس جو نصیحت آئی ہے تمہارے رب کی طرف سے بطور وحی کے وہ ایک آدمی تمہارے ہم جنس پر کیوں آ گئی ہے۔ اس کی وجہ میں تمہیں بتاتا ہوں وہ یہ ہے۔ تاکہ وہ تمہیں کفر وشرک اور گناہوں پر ملنے والی سزا سے ڈرائے۔ (عجیب لوگ تھے وہ کہ اپنے جیسے کو نبی ماننے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ اور پتھروں کو خدا ماننے کیلئے تیار ہو گئے۔ واہ بھئی واہ۔) ع: خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے مزید انہیں اپنے انعامات بھی یاد کرائے۔ کہ تمہیں یاد ہونا چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں اگلوں کا جانشین بنایا۔ یعنی جب نوح علیہ السلام کی قوم غرق ہوگئی تو اس کے بعد اس زمین پر تم لوگ ہی آباد ہوئے ہو۔ اور ان گھروں اور زمینوں کا مالک تمہیں بنایا گیا۔ تمہارا بادشاہ شداد جو پوری زمین پر بادشاہ ہوا۔ عمان جس کا دار الخلافہ تھا۔ آگے فرمایا۔ کہ تمہاری خلقت میں بھی کثرت کی۔ یعنی تم کہاں تک پھیل گئے، کشادگی کے لحاظ سے۔ قد وقامت کے لحاظ سے کہ سوسو گز کا ایک ایک آدمی تھا۔ چھوٹے سے چھوٹے قد والا ساٹھ گز کا ہوتا تھا۔ آنکھ اتنی بڑی کہ بھیڑ کا بچہ اس میں سما جائے۔ یہی حال ان کے ناک کا تھا۔ اس سے اندازا کرلیں باقی جسم کتنا بڑا ہوگا۔ اس قد کاٹھ کے لوگ بعد میں نہیں ہوئے۔ حضرت وہب فرماتے ہیں۔ کہ ان کے سر اتنے اتنے بڑے تھے۔ کہ آج کل کے دو آدمی اپنے ہاتھ پھیلا کر ملائیں۔ تو ان کا سر درمیان میں آ جائے۔ اور قوت وہمت کے لحاظ بھی وہ بڑے طاقت ور تھے کہ بڑی بڑی چٹانیں اٹھا کر دور دور تک لے جاتے تھے۔ آگے فرمایا کہ ہود علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ تاکہ تمہیں نعمتوں کو یاد کر کے رب کا شکر یاد آئے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے تم دنیا اور آخرت کی تکالیف سے نجات پانے کے مستحق ہو جاؤ گے اور آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔



قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا

بولے کیا تم آئے ہمارے پاس کہ ہم پوجیں اللہ اکیلے کو اور ہم چھوڑ دیں جن کو تھے پوجتے ہمارے باپ دادا تو لے آئیے

بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ

جس کا ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر ہو تم سچوں سے ۔ فرمایا تحقیق واقع ہو چکا تم پر

مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ

تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب الٰہی کیا مجھ سے جھگڑتے ہو ناموں میں جو نام رکھ لئے تم نے

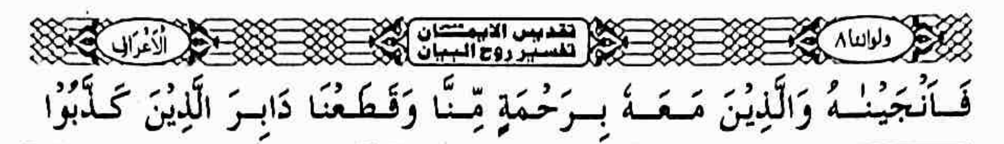
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ نے اس کی کوئی دلیل پھر انتظار کرو بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں

(آیت نمبر ۷۰) قوم ہود نے کہا۔ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو۔ کہ ہم ایک خدا کی پوجا کریں۔ اور چھوڑ دیں۔ انہیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد پوجا کرتے رہے۔

فائدہ :اجئتنا: کا لفظ انہوں نے یا تو اس لئے کہا۔ کہ آپ کہیں عبادت کرتے تھے۔ جیسے ہمارے حضور ﷺ غار حرا میں محو عبادت رہا کرتے تھے۔ تو وہاں ہی وحی آئی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنانے قوم کے پاس آگئے۔ اور انہیں اللہ کا حکم سنایا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ وہاں سے یہاں اس لئے آئے۔ یا مزاحا یہ کہا۔ مزید ہٹ دھرمی سے انہوں نے کہا۔ کہ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو وہ لے آؤ۔ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ عذاب آئیگا۔

(آیت نمبر ۷۱) تو ہود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اب تم پر عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ تمہارے رب کی طرف سے۔ جو تم پر غضب بن کر نازل ہوگا۔ کیا تم میرے ساتھ چند ناموں کی وجہ سے جھگڑا کرتے ہو۔ جو صرف تمہارے بتوں کے نام ہی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ صرف پتھر ہیں۔ تم نے انہیں عبادت کے لائق سمجھا ہوا ہے۔ اور ان کے یہ نام بھی تم نے رکھے یا تمہارے باپ دادا نے رکھے ہیں۔ تو صرف ان ناموں پر میرے ساتھ تم جھگڑا کرتے ہو۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل بھی نہیں اتاری۔ **فائدہ** : پہلی آسمانی کتب میں اس کے بارے کوئی بھی حکم نہیں آیا۔ تم نے خود ہی یہ بت بنائے اور پھر یہ نام گھڑ لئے۔ اور پھر شیطان کے کہنے پر تم نے ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔



فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

پھر بچایا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے اور کاٹ دی ہم نے جڑ ان کی جنہوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ع ﴿۷۲﴾

ہماری آیتوں کو اور نہیں تھے مومن

(بقیہ آیت نمبر ۷۱) **بتوں کے نام اور ان کے کام:**

قوم ہود نے ہر بت کیلئے الگ الگ کام مقرر کئے ہوئے تھے۔ ان کے ایک بت کا نام سائفہ تھا۔ اس کے متعلق ان کا خیال تھا۔ کہ بارش یہ برساتا ہے۔ ایک کا نام حافظہ تھا۔ اس کے متعلق ان کی سوچ تھی۔ کہ سفر وغیرہ میں یہ ہماری نگرانی رکھتا ہے۔ ایک کا نام رازقہ تھا۔ جو معاذ اللہ رزق دیتا ہے اور ایک کا نام سالمہ تھا۔ اس کے متعلق گمان یہ رکھتے کہ یہ ہمارے مختلف اوقات میں مصائب و آلام میں کام آتے ہیں۔ تو ہود علیہ السلام نے انہیں سمجھایا۔ کہ یہ صرف نام ہیں۔ اور پتھر ہیں۔ ان کو کسی لائق سمجھنا تمہاری جہالت ہے۔ اب تم نے عذاب بھی مانگ لیا۔ لہٰذا تم انتظار کرو۔ بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

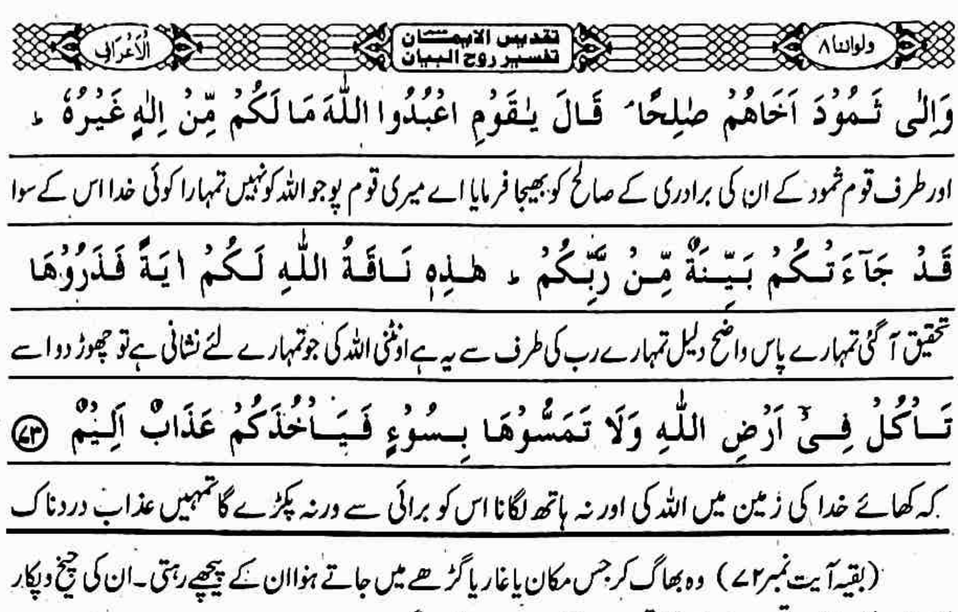
(آیت نمبر ۷۲) پھر ہم نے ہود کو نجات دی۔ اور جتنے بھی ان کے ساتھی تھے۔ ان کو بھی اپنی رحمت سے بچایا۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ ان کی جڑ کاٹ کے رکھ دی۔ یعنی ان کا نام و نشان تک ختم کر دیا۔ اس لئے کہ وہ ماننے والے تھے ہی نہیں۔ تو ان کو باقی رکھ کر کیا کرنا تھا۔ کئی صدیاں انہیں سمجھایا گیا۔ اور سچے خدا کی طرف انہیں بلایا۔ اور ان کے شرک کی وجہ سے عذاب سے ڈرایا بھی گیا۔ مگر نہ مانے۔ تو پھر ان پر عذاب آیا۔

مسئلہ: معلوم ہوا۔ کہ نجات کا دارومدار ایمان پر ہے۔ اور آیات الٰہی کی تصدیق کرنے پر ہے۔ کفر کرنے اور آیات کو جھٹلانے کا انجام تباہی اور بربادی ہے۔

قوم ہود پر عذاب: یہ قوم یمن میں ایک علاقے احقاف میں رہتے تھے۔ یہ عمان اور حضر موت کے درمیان واقع ہے۔ بت پرستی کے علاوہ ہر طرف فتنہ و فساد پھیلا رکھا تھا۔ اپنی قوت کے بل بوتے پر باقی لوگوں کیلئے عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ حضرت ہود نے جب انہیں دعوت تبلیغ کی اور سمجھایا۔ کہ تم مخلوق کے ساتھ جو ظلم کرتے ہو۔ اس سے بھی باز آؤ۔ اور جو بت پرستی کر رہے ہو اسے بھی چھوڑ دو ورنہ عذاب الٰہی کا انتظار کرو۔ تو انہوں نے ہود علیہ السلام کو بھی سختی سے

جواب دیا۔ سرکشی اور بغاوت میں اور بھی تیز ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان پر سے اپنی رحمت (بارش) بند کر دی۔ تاکہ اس سے کچھ سبق حاصل کریں۔ ان کی یہ عادت تھی۔ کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو وہ کعبہ میں جا کر دعا کرتے۔ وہ مصیبت ٹل جاتی۔ (لیکن اب عذاب آ رہا تھا۔ چاہئے تھا۔ کہ ہود علیہ السلام کے پاؤں پکڑ لیتے۔ مگر ان کے نخرے نے انہیں وہاں جھکنے نہ دیا) اور چند (تقریباً ستر کے قریب) افراد مکہ مکرمہ بھیجے۔ کہ وہاں جا کر دعا کریں۔ تاکہ بارش ہو جائے۔ اس زمانے میں کعبہ پر قبضہ قوم عمالقہ کا تھا۔ ان کا امیر معاویہ بن بکر تھا۔ اس کی والدہ چونکہ قوم عاد سے تھی۔ لہذا قوم ہود کا قافلہ مکہ مکرمہ میں معاویہ کے پاس ہی آ کر ٹھہرا۔ اس نے ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ اور حد درجے کی ان کی خاطر داری کی۔ ننھیالی رشتہ کا خاص خیال رکھا۔ تو ایسا عیش و عشرت کا انہیں وہاں مزہ آیا۔ کہ وہ آنے کا مقصد ہی بھول گئے۔ کیونکہ ہمہ وقت گانے والی رنڈیاں۔ اور شراب کی بوتلیں مل رہی تھیں۔ اب معاویہ صاحب بھی مہمانیاں کر کر کے تنگ آ گئے تھے۔ اندر سے کڑ رہے تھے۔ کہ یہ بدبخت آئے کس مقصد کیلئے تھے۔ پچھلے قحط سالی سے مر رہے ہیں اور یہ یہاں مزے لوٹ رہے ہیں۔ تو اس نے گانے والوں سے کہا۔ ایسا گانا گاؤ کہ انہیں پچھلوں کی مصیبت یاد دلا دو۔ تاکہ یہ جس مقصد کیلئے آئے ہیں وہ کریں پچھلوں پر مصیبت آئی ہوئی ہے۔ اور یہ عیش و نشاط کی محفلوں میں سرمست ہو گئے ہیں۔ اب جو اگلے دن محفل میں گئے۔ اور رنڈیوں نے اشعار میں پچھلوں کے حالات بتائے تو پھر انہیں ہوش آ گیا۔ تو پھر کعبہ کی طرف چل پڑے۔

شان خداوندی: اس قافلے کے امیر مرشد نامی شخص جو اندر سے مسلمان تھا۔ اس نے کہا۔ میرا خیال ہے ہم واپس جا کر ہود علیہ السلام کی بات مان لیں۔ ورنہ یہ بارش کی بندش عذاب کا پیغام ہے۔ اگر ہم سچے دل سے توبہ کر لیں گے۔ تو بارش خود بخود ہو جائے گی۔ ساتھ ہی کہہ دیا۔ کہ میں ان کا کلمہ پڑھتا ہوں۔ تو انہوں نے معاویہ کو کہہ کر مرشد کو قید کرا دیا۔ اور باقی کعبہ شریف کے پاس جا کر دعا کرنے لگے۔ تین قسم کے بادل: (۱) سفید۔ (۲) سرخ۔ (۳) سیاہ۔ ظاہر ہوئے۔ اور آواز آئی ان میں سے کون سا بادل چاہئے۔ انہوں نے سیاہ بادل پسند کیا۔ کہ اس میں بارش زیادہ ہو گی۔ آواز آئی کہ تم نے وہ پسند کیا۔ جس میں تمہاری ہلاکت اور تباہی ہے۔ اس کے بعد سیاہ بادل ان کی آبادی کی طرف چل پڑا۔ یہاں تک کہ بالکل جب ان کے سر پر آ گیا۔ تو سب سے پہلے تیز و تند سیاہ ہوا ان پر چلی۔ پھر ان پر پتھر برسنا شروع ہو گئے۔ اسی تیز ہوا میں جو انتہائی ٹھنڈی بھی تھی۔ سب تباہ و برباد ہو گئے۔ ان میں سے ایک آدمی بھی نہ بچا۔ ہوا سے بھاگ کر وہ جس غار میں بھی گئے۔ ہوا نے وہیں انہیں ہلاک کیا۔ **سبق:** اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب میں ہلاکت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کامیابی ہے۔



وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ

اور طرف قوم ثمود کے ان کی برادری کے صالح کو بھیجا فرمایا اے میری قوم پوجو اللہ کو نہیں تمہارا کوئی خدا اس کے سوا

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا

تحقیق آ گئی تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے یہ ہے اونٹنی اللہ کی جو تمہارے لئے نشانی ہے تو چھوڑ دو اسے

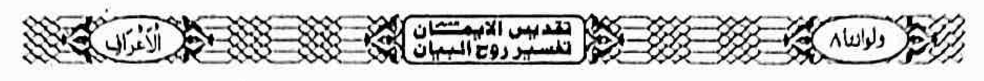
تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾

کہ کھائے خدا کی زمین میں اللہ کی اور نہ ہاتھ لگانا اس کو برائی سے ورنہ پکڑے گا تمہیں عذاب دردناک

(بقیہ آیت نمبر۷۲) وہ بھاگ کر جس مکان یا غار یا گڑھے میں جاتے ہوا ان کے پیچھے رہتی۔ ان کی چیخ وپکار آسمانوں تک سنی جاتی۔ یہاں تک کہ تین دن کے اندر وہ تباہ وفنا ہو گئے۔

جناب ہود مکہ شریف میں: جب قوم پر عذاب آ گیا۔ تو آپ اپنے ساتھ ماننے والوں کو لیکر مکہ مکرمہ میں چلے گئے۔ پھر وہیں قیام رہا۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال مبارک وہیں ہوا۔ اکثر قوموں پر جب عذاب آتا۔ تو انبیاء کرام علیہم السلام وہاں سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے آتے۔ مطاف شریف میں تقریباً ستر انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات ہیں۔ **مسئلہ**: جو لوگ کہتے ہیں۔ جہاں قبریں ہوں۔ وہاں نماز نہیں ہوتی۔ تو وہ برائے مہربانی خانہ کعبہ کے گرد نماز نہ پڑھا کریں۔ کیونکہ وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی قبریں ہیں۔ بلکہ بہتر ہے۔ کہ مسجد حرام میں بھی نماز پڑھنے نہ جائیں۔ کیونکہ وہاں ہر طرف انبیاء کرام علیہم السلام کی قبریں ہی قبریں ہیں۔ خصوصاً میزاب رحمت کے نیچے اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے۔ **مسئلہ**: جب کسی جگہ لوگوں کے کفر وطغیان اور گناہوں کی وجہ سے عذاب آئے۔ تو وہاں سے ہجرت کر جانا چاہیئے۔ کیونکہ اس جگہ سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے۔ غضب الٰہی سے ڈر کر امن وامان والی جگہ میں چلے جانا چاہیئے۔ اور سب سے بڑی امن والی جگہ بیت اللہ شریف ہے۔

(آیت نمبر۷۳) اور قوم ثمود کی طرف ان کے قومی بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ **فائدہ**: عرب کے ایک قبیلے کے سردار کا نام ثمود تھا۔ یہ نوح علیہ السلام کی پوتی کا پوتہ تھا۔ یہ شام اور حجاز کے درمیان وادی قوئی میں رہنے والے تھے۔ صالح علیہ السلام ان کے رشتہ داروں میں تھے۔ ان کا اصل نام صالح علیہ السلام تھا۔ آپ نے بھی اپنی قوم سے فرمایا۔ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو جو اکیلا ہے۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی خدا نہیں۔



قوم ثمود:

قوم عاد کے بعد قوم ثمود نے ان کی جگہ شہروں کو آباد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مال واولاد میں بہت زیادہ کشادگی عطا کی۔ تو وہ بھی باغی ہو گئے۔ فتنہ وفساد برپا کیا۔ اور بت پرستی میں لگ گئے۔ صالح علیہ السلام نے انہیں سمجھایا۔ اور توحید کی دعوت دی۔ اور ایک زمانہ تک ان کو سمجھاتے رہے مگر سوائے چند ایک حضرات کے کسی نے ان کی بات نہ مانی۔ امیر لوگ اپنے غرور وتکبر میں تھے۔ وہ ایمان لانے میں اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ اور غریب ان کے ماتحت تھے۔ وہ بڑوں کے ڈر سے ایمان نہیں لاتے تھے۔ ان غریبوں میں سے چند لوگ ایمان لائے۔ بالآخر انہوں نے صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا اور کہا کہ فلاں دن ہماری عید کا دن ہے۔ (اس دن سب لوگ ایک جگہ جمع ہو کر شان وشوکت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔) اس دن ہم اپنے خداؤں سے نشانی طلب کریں گے۔ اور تم اپنے خدا سے طلب کرنا۔ اگر ہمارے خداؤں نے مطالبہ پورا کر دیا۔ تو تم ہماری اتباع کرنا۔ اور اگر تمہارے خدا نے دعا قبول کر لی۔ ہم تمہاری اتباع کریں گے۔ چنانچہ عید کے دن بہت بڑا اکٹھ ہو گیا۔ تو پہلے انہوں نے اپنے بتوں سے مانگنا شروع کیا۔ وہ تو بت ہی تھے وہ انہیں کیا دیتے۔ انتہائی مایوس ہو کر صالح علیہ السلام سے کہا اب تم اپنے معبود سے سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ پتھر سے اونٹنی نکال دے۔ آپ نے ان سے وعدہ لیا۔ کہ اگر مطالبہ پورا ہوا۔ تو تم ضرور ایمان لاؤ گے۔ تو آپ نے دو نفل ادا کر کے اللہ سے دست سوال دراز کیا۔ کہ وہ پتھر حرکت کرنے لگا۔ جیسے اونٹنیاں بچہ جنتے وقت حرکت کرتی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ان کے مطالبہ کے مطابق اونٹنی باہر آ گئی۔ اس موقع پر بھی ان کا صرف ایک سردار مانا۔ باقی منکر ہی رہے۔ اونٹنی کے ساتھ بچہ بھی تھا۔ اور وہ گھاس چرتی۔ اور ان کے کنویں سے پانی پیتی تھی۔ تو صالح علیہ السلام نے ان کو فرمایا۔ تحقیق آ گئی تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح نشانی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اونٹنی بطور معجزہ کے آئی ہے۔ اسے اضافت تشریفی کہتے ہیں۔ جیسے بیت اللہ کی اضافت ہے۔ اونٹنی کی عظمت اور شان ظاہر کرنے کیلئے۔ اور لکم کہہ کے فرمایا۔ صرف تمہارے فائدہ کیلئے یا تمہارے ہی کہنے پر آئی ہے۔ لہذا اب اسے کچھ نہ کہنا۔ اسے چھوڑ رکھو تا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین سے خوب کھائے۔ یعنی جہاں سے کھائے اور جو بھی کھائے۔ تمہیں روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بلکہ اسے کوئی برائی بھی تم سے نہ پہنچے یعنی نہ مارو۔ نہ دھتکارو۔ نہ دھمکاؤ۔ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ

اور یاد کرو جب کہ بنایا تمہیں جانشین قوم عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تمہیں زمین میں

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا

تم بناتے ہو نرم زمین میں محل اور نکالتے ہو پہاڑوں میں بھی گھر پھر یاد کرو

اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ

انعام خداوندی اور نہ پھرو زمین میں فسادی بن کر ۔ کہا سرداروں نے جو

اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ

بڑے متکبر تھے ان کی قوم میں ان لوگوں سے جو کمزور تھے جو ایمان لائے ان میں سے کیا تم جانتے ہو

اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

کہ بے شک صالح رسول ہے اپنے رب کا انہوں نے کہا بے شک ہم جو دیکر بھیجے گئے اس پر ایمان رکھتے ہیں ۔

(آیت نمبر ۷۴) اور یاد کرو۔ کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے بعد ان کے علاقے کا جانشین بنایا۔ یعنی ان کی تباہی کے بعد سب کچھ تمہیں ملا۔ اس زمین میں تمہیں ٹھہرایا۔ اور یہاں کی نرم جگہ پر تم نے بلند و بالا محل بنائے۔ اور دوسری طرف پہاڑوں کو کرید کر وہاں بھی الگ مکان بنائے۔ علیحدہ علیحدہ دو جگہ مکان بنائے گرمیوں اور سردیوں میں ٹھہرنے کیلئے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تم پر نعمتیں ہیں تم انہیں یاد رکھو۔ اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ اور سرکشی نہ کرو۔

(آیت نمبر ۷۵) اس قوم کے متکبر سرداروں نے کہا۔ ان سے جو صالح علیہ السلام پر ایمان لائے۔ جو مالی لحاظ سے بہت کمزور تھے۔ کہ تمہیں پتہ ہے۔ کہ صالح (علیہ السلام) اپنے رب کی طرف سے رسول ہونے کے دعویدار ہیں۔ یہ انہوں نے مزاحا کہا۔ تو اہل ایمان نے کہا۔ کہ ہم ان پر بھی اور ان کے لائے ہوئے احکام پر بھی ایمان لائے۔ اس لئے کہ اب تو ان کی رسالت سورج کی طرح واضح ہوگئی ہے۔ ان کے رسول ہونے میں اب کیا شک رہ گیا ہے۔ (تم سارا دن خداؤں سے التجائیں کرتے رہے۔ انہوں نے کچھ نہ دیا۔ اور صالح علیہ السلام نے تمہارے کہنے پر اونٹنی خاص پتھر سے مانگی صالح علیہ السلام کے کہنے پر اسی وقت اللہ تعالیٰ نے پتھر سے اونٹنی نکال دی) اب نہ ماننے کی وجہ صرف عناد ہی ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا

کہنے لگے متکبر ہمیں جس پر تم ایمان لائے انکار ہے ۔ پھر کاٹ دیں کوچیں

النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

اونٹنی کی اور سرکشی کی حکم خداوندی سے اور کہا اے صالح لے آ جس کا تو نے ہمیں وعدہ دیا

اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾

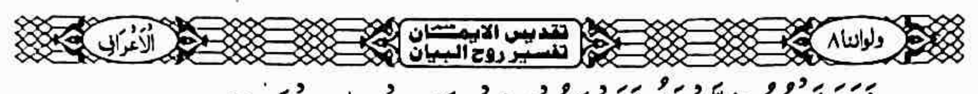
اگر ہے تو رسولوں میں سے

(آیت نمبر۷۶) تو ان متکبروں نے کہا بے شک ہم تو جس پر تم ایمان لائے اس کے منکر ہیں۔ کفار کی مذمت دو طریقوں سے فرمائی: (۱) تکبر سے حق کا انکار کرنا۔ (۲) مسلمانوں کو ناکارہ اور آوارہ سمجھنا۔

(آیت نمبر۷۷) پھر انہوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔

اونٹنی کا واقعہ: مروی ہے۔ کہ اونٹنی ایک دن کنویں سے پانی پیتی۔ اور پورے کنویں کا پانی پی جاتی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جتنا پانی پیتی اس سے زیادہ دودھ دیتی۔ لوگ اپنے تمام برتن دودھ سے بھر لیتے۔ اور دوسرے دن قوم ثمود کے لوگ جانوروں کو بھی پلاتے اور اپنی ضرورت کیلئے بھی اتنا پانی بھر لیتے جو انہیں دو دن تک کافی ہو جاتا۔

اونٹنی کا قتل: قوم ثمود کیلئے باعث تشویش یہ بات تھی۔ کہ اونٹنی کا جسم اتنا بڑا تھا۔ کہ جس طرف جاتی باقی جانور بھاری بھرکم جسم دیکھ کر بھاگ جاتے۔ جس چراگاہ کی طرف منہ کرتی۔ وہاں سے تمام جانور بھاگ جاتے۔ قوم ثمود کیلئے یہ مسئلہ پریشان کن تھا۔ ان کی ایک عورت کے جانور بہت زیادہ تھے۔ جب وہ بھاگ جاتے۔ تو اسے واپس لانے میں مشکل بنتی۔ اس کا نام صدوقہ تھا۔ نہایت حسین جمیل اور مال دار تھی۔ اس نے چچازاد کو کہا کہ اگر تو اس اونٹنی کو قتل کر دے۔ تو میں تیرے ساتھ نکاح کر لوں گی۔ اس کے بعد اس نے قدار نامی شخص کو بلایا اور کہا اگر تو اس اونٹنی کو قتل کرے تو میں اپنی ایک لڑکی تیرے نکاح میں دوں گی۔ اسی اثناء میں صالح علیہ السلام کو بذریعہ وحی معلوم ہوا۔ کہ اونٹنی کے قتل کا منصوبہ تیار ہو گیا ہے۔ تو آپ نے لوگوں کو ڈرایا۔ کہ اگر تم نے یہ کرتوت کیا۔ تو تمہاری خیر نہیں۔ تم عذاب الٰہی میں گھر کر ہلاک ہو جاؤ گے۔



فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾

پھر پکڑا انہیں زلزلہ نے تو ہو گئے اپنے گھروں میں اوندھے

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) آپ نے قوم سے پوچھا تو انہوں نے قسمیں کھا کر تسلی دی۔ کہ ایسا کوئی ہمارا پروگرام نہیں۔ لیکن اندر سے بے ایمانوں نے پکا پروگرام بنالیا تھا۔ صالح علیہ السلام کی عادت مبارک تھی۔ کہ آپ نے شہر سے باہر ایک مسجد بنا رکھی تھی۔ جس میں آپ ساری رات عبادت کرتے تھے۔ صبح گاؤں میں آ کر لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے تھے۔ ان میں نو آدمی انتہائی شریر اور فسادی تھے۔ انہوں نے پروگرام بنایا۔ کہ رات کو جب صالح علیہ السلام عبادت کرنے جائیں گے۔ تو ہم اونٹنی کو قتل کر دیں گے۔ وہ دن کے وقت صالح علیہ السلام کے سامنے گاؤں سے نکل گئے۔ اور ایک غار میں چھپ رہے۔ رات کے وقت واپس آ گئے۔ پھر اکٹھے ہو کر انہوں نے ونٹنی کو قتل کر دیا۔ اور اس کا گوشت بھی تقسیم کر کے کھالیا۔ اور اونٹنی کا بچہ بھاگ کر اس پتھر کے پاس پہنچا جہاں سے اونٹنی نکلی تھی۔ پتھر نے منہ کھولا۔ اور اونٹنی کا بچہ اس کے منہ میں چلا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ انہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔ اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔ اور صالح علیہ السلام سے کہنے لگے۔ کہ لائیے وہ عذاب۔ جس کا آپ ہمیں وعدہ دیتے رہے۔ اور ڈراتے رہے۔ اگر آپ واقعی رسولوں میں سے ہیں۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی کی انتہاء تھی۔ اور عذاب الٰہی کو کھلا مکھلا دعوت دی۔ پھر ان کے ساتھ وہی ہوا۔ جو وہ چاہتے تھے۔

(آیت نمبر ۷۸) پھر پکڑ لیا ان کو زلزلے نے۔

قوم ثمود پر عذاب: جب باغیوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔ اس کی اطلاع صالح علیہ السلام کو ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ فوراً اس کے بچے کو قابو کر لو۔ شاید یہ لوگ عذاب سے بچ جائیں۔ انہوں نے بتایا۔ کہ اونٹنی کو جب قتل کیا گیا۔ تو وہ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ تین دفعہ بلبلانے کے بعد پتھر میں چلا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ تین دفعہ بلبلانے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں صرف تین دن کی مہلت ہے۔ لہٰذا اب تم عذاب کیلئے تیار ہو جاؤ۔

عذاب کا انداز: صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ آج بدھ کا دن ہے آج کچھ نہیں ہوگا۔ کل صبح کو ہی تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔ جمعہ کے دن صبح ہی کو تمہارے چہرے سخت سرخ ہو جائیں گے۔ اور ہفتہ کے دن چہرے سیاہ کالے ہو جائیں گے۔ اور اتوار کو تمہیں عذاب گھیر لے گا۔ بدھ کے دن تو واقعی انہیں کچھ نہ ہوا۔ لیکن جمعرات کی صبح کو

ہی ہر مرد وعورت اور ہر چھوٹے بڑے کا چہرہ زعفران کی طرح زرد تھا۔ اب انہوں نے یقین کرلیا۔ کہ جو کچھ صالح علیہ السلام نے کہا بالکل صحیح تھا۔ (اب بجائے اس کے کہ ان کی بارگاہ میں جا کر سفارش کراتے کہ ہم توبہ کرتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کریں۔ کہ عذاب ٹل جائے)۔ الٹا صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے ارادے سے ادھر ادھر بھاگے۔ ان کے غلاموں کو پکڑ کر بہت اذیتیں دیں۔ کہ بتاؤ صالح علیہ السلام کدھر ہیں۔ اگلا دن جمعہ کا تھا آج ان کے چہرے سرخ ہوگئے۔ جیسے ان کے چہروں پر خون مل دیا گیا ہے۔ اب وہ رونے چیخنے چلانے لگے۔ اب تو اور بھی یقین ہوگیا۔ کہ اب تو عذاب بالکل قریب آ گیا ہے۔ پورا دن ایک دوسرے کے حالات ہی معلوم کرتے رہے۔ اگلے روز ہفتے کے دن چہرے سیاہ کالے جیسے چہروں پر تارکول مل دیا گیا ہو۔ اب تو ہر طرف سے ہائے عذاب ہائے عذاب کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ مگر ان بے ایمانوں نے توبہ واستغفار پھر بھی نہیں کی۔

صالح علیہ السلام کی ہجرت: صالح علیہ السلام اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر شام فلسطین کو چلے گئے۔ (اور دوسری روایت کے مطابق مکہ مکرمہ تشریف لے گئے)۔ صالح علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اب عذاب کے آنے کی انتظار میں وہ سب لیٹ گئے۔ کبھی آسمان کو دیکھتے۔ کبھی ادھر ادھر دیکھتے۔ کہ عذاب کہاں سے آتا ہے۔ اور کیسے آتا ہے۔ چنانچہ آسمان سے ایک زوردار کڑک اٹھی۔ جس میں کئی قسم کی آوازیں تھیں۔ ڈراؤنی قسم کی پھر ایک زلزلہ آیا جس سے ان کی جانیں لبوں پر آ گئیں۔ اور پھر وہ تباہ و برباد ہوگئے۔ جس کا ذکر اس آیت میں یوں فرمایا کہ ایک زلزلہ نے انہیں پکڑ لیا۔ بعض جگہ قرآن میں رجفہ۔ اور بعض جگہ صیحہ کے الفاظ آئے ہیں۔ لیکن ان میں تناقض نہیں ہے۔ یکے بعد دیگرے دونوں کام ہوئے۔

فائدہ: حدادی فرماتے ہیں۔ پہلے زلزلہ آیا۔ پھر جبریل کی چیخ سے وہ مر گئے۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ موت کے منہ میں چلے گئے۔ کہ وہ کوئی حس وحرکت نہ کر سکے۔



فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ

تو منہ موڑ لیا ان سے صالح نے اور کہا اے میری قوم البتہ تحقیق میں نے پہنچا دیا پیغام اپنے رب کا اور میں نے بھلا چاہا

لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٧٩﴾

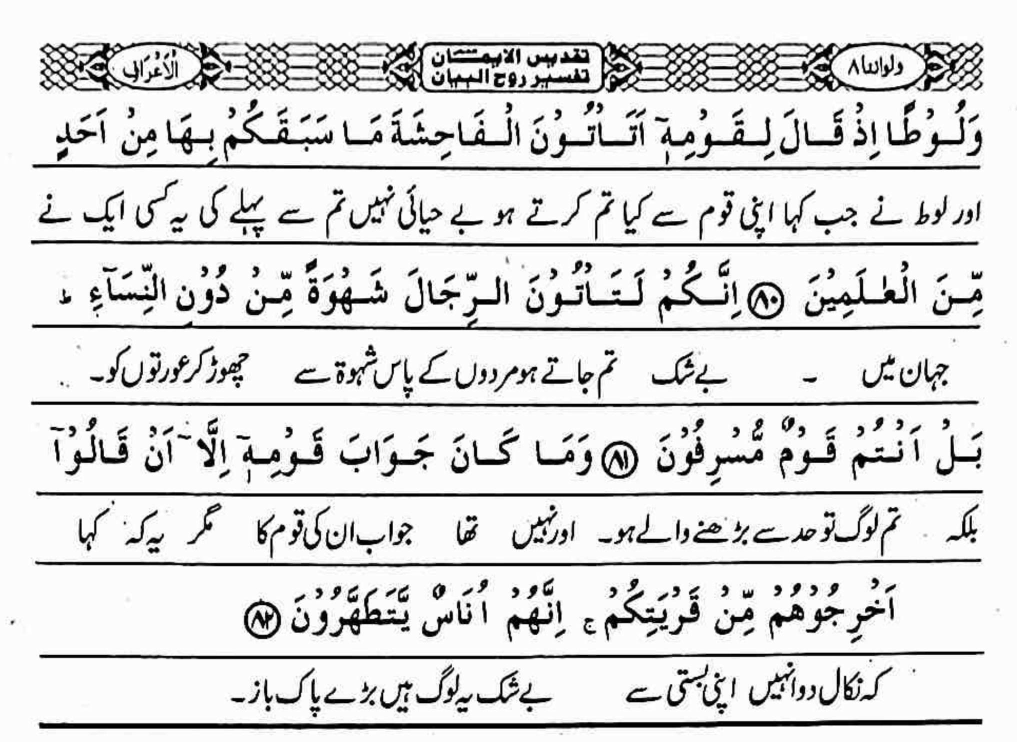
تمہارا لیکن نہیں تم پسند کرتے تھے خیر خواہوں کو

(آیت نمبر ۷۹) جب ان پر عذاب کی علامات ظاہر ہو گئیں۔ تو صالح علیہ السلام وہاں سے تشریف لے گئے۔ اور فرما رہے تھے۔ اے میری قوم میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچانے میں کوئی کمی نہ کی جن پیغامات کے پہنچانے پر میں مامور تھا۔ وہ میں نے پہنچا دیئے۔ اور میں نے تمہیں نصیحت کرنے میں ترغیب و ترہیب سے کام لیا۔ یعنی بخشش اور جنت کی رغبت بھی دلائی اور قیامت کی ہولناکی اور جہنم کی سزا سے ڈرایا۔ لیکن تم نے خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کیا۔ تم خیر خواہ کے ساتھ ٹھٹھا مزاخ ہی کرتے رہے۔ چونکہ ناصح کی بات کڑوی ہوتی ہے۔ اس لئے تم سے بغض و عداوت کے سوا کچھ نہ ہو سکا۔

اس وادی سے ہمارے حضور کا گذر: تبوک کی طرف جاتے ہوئے حضور ﷺ کا بمعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثمود کے علاقہ حجر سے گذر ہوا۔ تو فرمایا نہ یہاں کوئی رکے اور نہ کوئی تم میں سے کسی گھر میں داخل ہو۔ نہ یہاں کے کنویں کا پانی پیئیں۔ بلکہ یہاں سے عبرت کے طور پر روتے ہوئے گذرو۔ یہ ثمود کی بستی ہے۔ جنہوں نے سے نبی سے معجزہ مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی دی۔ انہوں نے اس کی قدر نہ کی اور اسے قتل کیا۔ تو ان پر عذاب آیا۔ تم بھی کسی قسم کا معجزہ طلب نہ کرنا۔

نبی ﷺ کا غیب بتانا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے فرمایا۔ دنیا میں سب سے بڑے بد بخت دو شخص ہوئے ہیں۔ ایک وہ کمینہ جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا۔ پھر فرمایا۔ دوسرا بہت بڑا بد بخت اے علی تیرا قاتل ہوگا۔ جو سب سے بدترین انسان ہوگا۔ اس بد بخت نے بھی ایک عورت کے عشق میں حضور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور ان دونوں بد بختوں کو اپنی خواہشات پوری کرنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو مارنے والے نے بھی عورت کی محبت میں وہ برا کام کیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل نے بھی ایک عورت کے عشق میں یہ ظلم کیا لیکن دونوں اپنے مقصد کو پانے سے پہلے ہی فنا ہو گئے۔

ع رہیں دل کی دل ہی میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا



وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ

اور لوط نے جب کہا اپنی قوم سے کیا تم کرتے ہو بے حیائی نہیں تم سے پہلے کی یہ کسی ایک نے

مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ

جہان میں ۔ بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوۃ سے چھوڑ کر عورتوں کو۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا

بلکہ تم لوگ تو حد سے بڑھنے والے ہو۔ اور نہیں تھا جواب ان کی قوم کا مگر یہ کہ کہا

اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

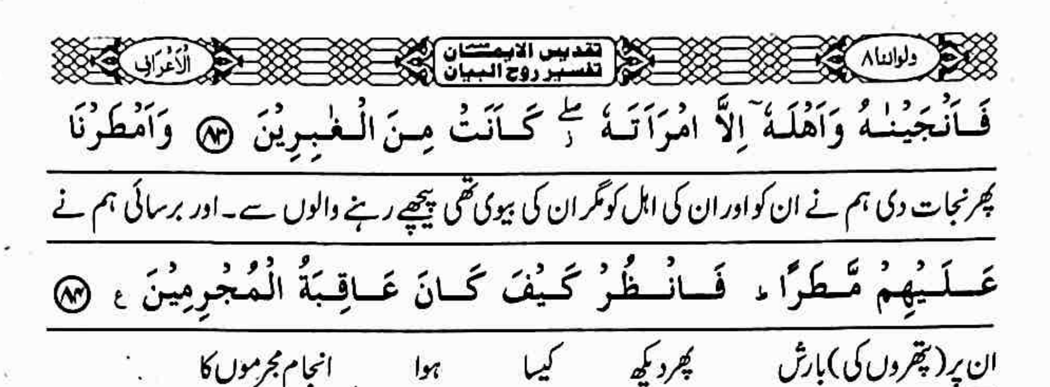
کہ نکال دو انہیں اپنی بستی سے بے شک یہ لوگ ہیں بڑے پاک باز۔

(آیت نمبر ۸۰) لوط علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا۔ کہ تم بے حیائی کرتے ہو۔ جو تم سے پہلے نہیں ہوئی۔

فائدہ: لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اردن میں مقیم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سدوم میں رسول بنا کر بھیجا۔ یہ تقریباً پانچ شہر تھے۔ جن میں بڑا سدوم ہی تھا۔ اس قوم کی برائیاں تو بہت تھیں۔ لیکن سب سے بڑی برائی لواطت کرنا تھی۔ چھوٹے چھوٹے لڑکوں سے بدفعلی کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۸۱) تو آپ نے ان کو فرمایا۔ کیا تم فحش کام کا ارتکاب کرتے ہو۔ تم سے پہلے تو یہ برا کام کسی نے نہیں کیا۔ اتنے جہاں گذرے۔ تم نے ہی یہ برا کام شروع کیا۔ کہ تم مرد مردوں کے پاس جا کر اپنی شہوت پوری کرتے ہو۔ تم جانوروں سے بھی گئے گذرے ہو جانوروں میں بھی یہ ہے۔ کہ کوئی نر جانور کسی نر جانور سے شہوت پوری نہیں کرتا۔ دراصل تم حد سے گذری ہوئی قوم ہو۔

(آیت نمبر ۸۲) اور تو ان کی قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا۔ کہ نکالو اس لوط کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی اس بستی سے۔ چونکہ لوط علیہ السلام کے پند ونصائح کے سامنے تو کوئی جواب ان سے نہ بن پڑتا۔ بس یہی کہ بکواسات پر اتر آئے اور لڑنے لگے۔ اور کہنے لگے اسے اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاک باز بنے ہوئے ہیں۔ ہر زمانے میں منکرین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ ناصحین کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے تھے۔



(آیت نمبر ۸۳) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے کافرو تم نے ایمان والوں کو کیا نکالنا ہے۔ ہم نے لوط اور ان کے ماننے والوں کو یا اہل و عیال کو باعزت نجات دی۔ مگر ان کی بیوی جو اندر سے کافرہ تھی۔ وہ پیچھے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ رہ گئی تھی۔ چونکہ اسے کافر رشتہ داروں سے بہت محبت تھی۔ لہذا انجام ان کے ساتھ ہوا۔

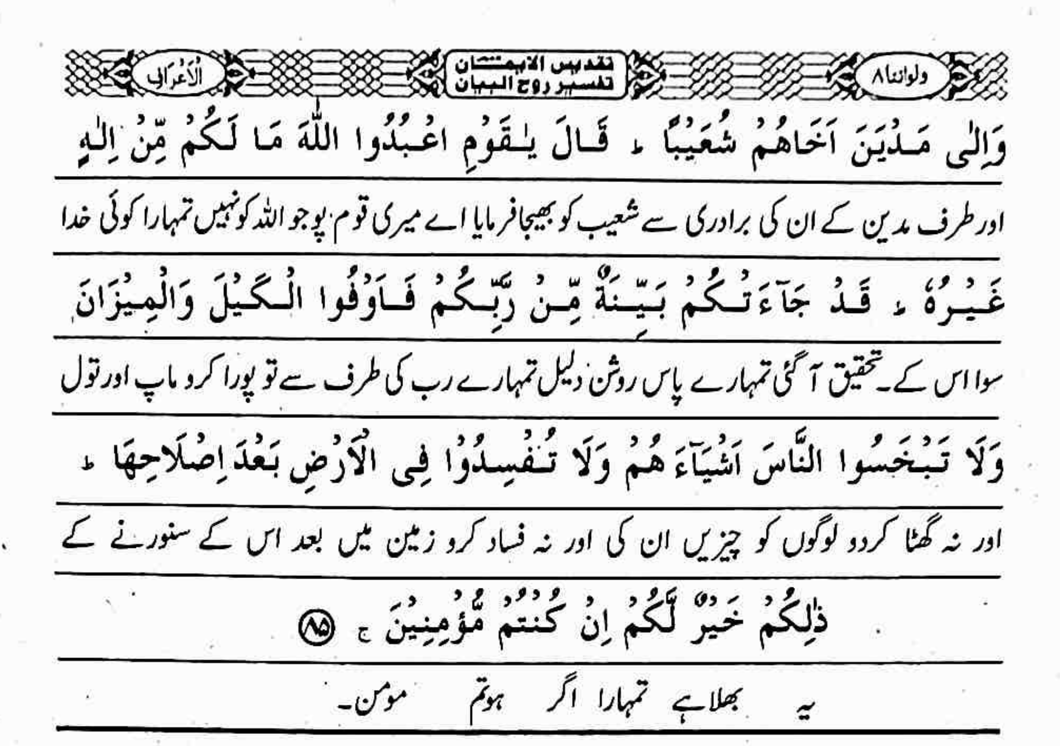
(آیت نمبر ۸۴) اور برسائی ہم نے ان پر بارش پتھروں کی پھر دیکھ کیسا ہوا انجام مجرموں کا یعنی انہیں بدکاری کی کیسی سزا ملی۔ تعجب ہے کہ قوموں نے عذاب مانگ لیا۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا۔ مگر اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آئے۔ تا کہ وہ ہلاکت سے بچ جاتے۔

لواطت کی ابتداء : ان کے بڑے بڑے باغات تھے۔ بچے میوہ جات چننے وہاں چلے جاتے تو ان لوگوں کو شیطان نے اس گندے چسکے پر ڈالا کہ تمہارا ایسے کرنے سے بچے پھر نہیں آئیں گے۔ انہیں اس برائی کا شیطان نے ایسا چسکا چڑھایا یہاں تک کہ انہوں نے عورتوں سے نکاح کرنے چھوڑ دیئے۔ اس طرح ان پلیدوں کا کافی عرصہ گذر گیا۔ حالانکہ یہ وہ برائی ہے کہ جس سے زمین بھی کانپتی ہے۔ لیکن ان کے دلوں میں رحم نہیں آیا۔

قوم لوط پر عذاب : زمین کی چیخ و پکار آسمانوں پر پہنچی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو حکم دیا۔ کہ آسمانوں سے ان پر پتھر برسیں اور زمین کو حکم دیا۔ کہ تو انہیں دھنسا دے۔ **نکتہ** :ان آیات سے معلوم ہوا۔ کہ لواطت سب سے برا فعل ہے۔ اسی لئے اس فعل پر آسمانوں سے پتھر برسے۔ کبیرہ گناہ تو اور بھی بہت ہیں۔ کسی گناہ کی وجہ سے پتھر نہیں برسے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب سے برا فعل ہے۔ حتیٰ کہ جانوروں میں بھی سوائے خنزیر کے کوئی جانور یہ عمل نہیں کرتا۔

لڑکے کو شہوت سے بوسہ دینا: لواطت تو درکنار امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کسی بے ریش لڑکے کو شہوت سے بوسہ دینا ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔ اور جس نے ماں سے زنا کیا۔ اس نے گویا ستر باکرہ لڑکیوں سے زنا کیا۔ اور جس نے باکرہ لڑکی سے زنا کیا۔ اس نے گویا ستر عورتوں سے زنا کیا۔

فائدہ :معلوم ہوا لواطت بہت بڑا گناہ ہے۔ بلکہ تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا جرم ہے۔ ضروری ہے کہ اس سے بھی اجتناب کیا جائے اور اس کے محرکات سے بھی جیسے کسی کو بوس و کنار کرنا وغیرہ۔



وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ ﴿۸۵﴾

اور طرف مدین کے ان کی برادری سے شعیب کو بھیجا فرمایا اے میری قوم پوجو اللہ کو نہیں تمہارا کوئی خدا سوا اس کے۔ تحقیق آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے تو پورا کرو ماپ اور تول اور نہ گھٹا کردو لوگوں کو چیزیں ان کی اور نہ فساد کرو زمین میں بعد اس کے سنورنے کے یہ بھلا ہے تمہارا اگر ہو تم مومن۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۴) سلیمان علیہ السلام نے شیطان سے پوچھا کہ تجھے سب سے زیادہ پیارا کون سا آدمی ہے۔ اس نے کہا۔ میرا پیارا وہی بندہ ہے۔ جو مرد کسی لڑکے سے بدکاری کرے اور عورت عورت سے ایسی بے حیائی کرے۔ چونکہ شیطان خود بھی اسی کام کا خوگر ہے۔ اسی لئے اسے یہ کام پسند ہے۔

ایک عالم کا سیاہ چہرہ: کسی نے خواب میں ایک عالم کو دیکھا۔ جس کا چہرہ سیاہ تھا دیکھ کر پوچھا کہ تمہارا چہرہ سیاہ تو نہ تھا تو اس نے بتایا کہ میں نے ایک دفعہ ایک لڑکے کو شہوت کی نظر سے دیکھا۔ تو اس کے جرم میں مجھے جہنم میں غوطہ دیا گیا۔ جس کی وجہ سے چہرہ سیاہ کالا ہو گیا۔ اسی لئے فقہاء نے بے ریش لڑکوں کے ساتھ ہم نشینی کو مکروہ لکھا ہے۔

(آیت نمبر ۸۵) اور مدین کے علاقے میں ان کے قومی بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔

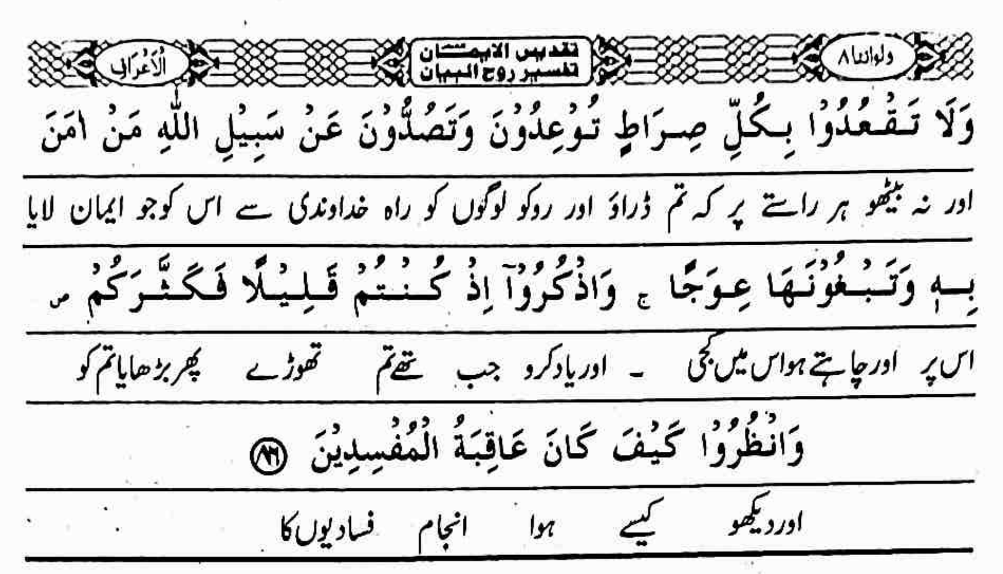
مدین: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادہ کا نام ہے۔ انہیں کی وجہ سے اس شہر کا نام مدین ہوا۔ جہاں ان کا قیام تھا۔ لوط علیہ السلام کی صاحبزادی مدین کی اہلیہ تھیں۔ ان ہی کی اولاد سے شعیب علیہ السلام بھی پیدا ہوئے۔ آپ خوف خدا میں بہت زیادہ روتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کی بینائی چلی گئی تھی۔ آپ کی قوم میں کفر و شرک کے علاوہ کاروبار تجارت کے ماپ تول میں ڈنڈی مارنے کی بیماری بھی تھی۔ تو آپ نے قوم کو پہلی بات یہ بتائی۔ اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو۔ یعنی اس کو وحدہ لاشریک مانو۔ کیونکہ اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔ تحقیق تمہارے

رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آ چکی ہے (یعنی معجزہ) اگر چہ ان کے کسی معجزے کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ لیکن عموماً قرآن مجید میں "بینۃ" کالفظ معجزہ کیلئے استعمال ہوا۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے۔ کہ شعیب علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا۔ آپ پہاڑ کو حکم دیتے۔ تو وہ نیچے آ جاتا۔ آپ اس پر بیٹھتے۔ تو وہ اونچا چلا جاتا۔

دوسرا حکم آپ نے قوم کو یہ سنایا۔ کہ تم ماپ تول پورا کرو۔ چونکہ آپ کی قوم کے دو پیمانے تھے۔ لینے کا پیمانہ بڑا تھا۔ کسی سے کوئی چیز لینی ہوتی۔ تو بڑے پیمانے سے لیتے۔ اور جب چیز دینی ہو۔ تو چھوٹے پیمانے سے دیتے۔ لہذا شعیب علیہ السلام نے انہیں بتایا۔ کہ ماپ تول میں کمی بیشی یہ تو حقوق العباد میں لوگوں کا حق مارنا ہے۔ لہذا لوگوں کو چیزیں دیتے وقت ان کی اشیاء میں کمی مت کرو۔

فائدہ: خرید وفروخت کے وقت ماپ تول میں چکر کرنا نہایت ہی گھٹیا پن ہے۔ یہ کام وہی کرتا ہے۔ جس پر حرص وہوا کا غلبہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندے میں اچھے افعال دیکھنا چاہتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ماپ تول میں متولی بنایا۔ لہذا تم ماپ تول پورا رکھنا۔ پہلی قومیں ماپ تول میں کمی بیشی کرنے کی وجہ سے ہی تباہ وبرباد ہوئیں۔ آگے فرمایا کہ زمین میں کفر وظلم کر کے فساد نہ کرو۔ اس کی اصلاح کے بعد یعنی انبیاء کرام علیہم السلام نے اس زمین پر شریعت کو جاری فرما کر اصلاح کی اور تم ظلم وزیادتی سے اس میں فساد نہ مچاؤ۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو۔ اور ماپ تول میں کمی بیشی نہ کرو۔ اگر تم مومن ہو۔ یعنی میرے حکموں کی تصدیق کرتے ہو۔

حکایت: ایک شخص تیل کا کاروبار کرتا تھا تو جب اس نے تیل لینا ہوتا تو برتن کے اوپر دو انگلیاں رکھ کر تیل خریدتا اور تیل دینا ہوتا تو برتن کے اندر دو انگلیاں رکھ کر دیتا تھا۔ اس کے نوکر نے اسے سمجھایا۔ (انگشت انگشت مبرتا خیک خیک نریزی) یعنی ایک ایک انگلی کر کے جمع نہ کر کہیں سارا ہی دریا میں نہ چلا جائے تو مالک نے کہا یہ تو تجارت کے گر ہوتے ہیں۔ یہاں کہاں دریا ہے نہ دریا یہاں آئے نہ ہم دریا پر جائیں۔ وقت گذر گیا۔ اسے معلوم ہوا کہ دریا کے پار تیل نہیں مل رہا۔ وہاں جا کر خوب پیسا کمایا جاسکتا ہے تو اس نے تمام تیل کے ڈبے اٹھائے اور کشتی میں جار کھے۔ کشتی درمیان دریا ڈوبنے لگی تو کشتی بان نے کہا صاحب وزن کم کرنا پڑے گا ورنہ تم بمعہ مال ڈوب جاؤ گے۔ اس نے ایک ایک کر کے تیل کے ٹین دریا میں گرانے شروع کر دیئے۔ جب تمام ڈبے گرا دیئے پھر کشتی بحال ہوگئی۔ اس وقت اسے نوکر کی بات یاد آئی کی انگلی انگلی جمع نہ کر کہیں سارا دریا میں نہ چلا جائے۔ **سبق**: اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مگر ہم ان سے سبق حاصل نہیں کرتے۔ عقل مند وہی ہے۔ جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔



وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

اور نہ بیٹھو ہر راستے پر کہ تم ڈراؤ اور روکو لوگوں کو راہ خداوندی سے اس کو جو ایمان لایا

بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠

اس پر اور چاہتے ہو اس میں کجی ۔ اور یاد کرو جب تھے تم تھوڑے پھر بڑھایا تم کو

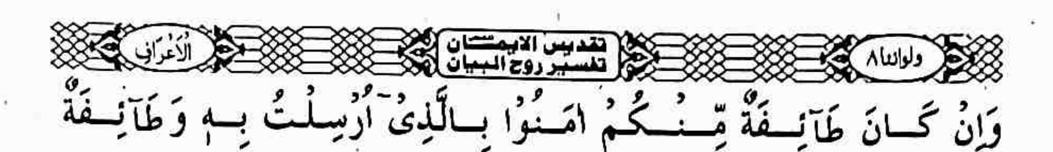
وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور دیکھو کیسے ہوا انجام فسادیوں کا

(آیت نمبر۸۶)اورتم ہرسیدھی راہ پر نہ بیٹھو۔کہ تم وہاں سے گذرنے والوں کوڈراؤ۔یعنی دہشت گردی مت کرو۔یا یہ معنی ہے۔کہ راستے میں بیٹھ کرلوگوں کودین کی طرف آنے کی وجہ سے نہ ڈراؤ۔یہ تو قرآن مجید نے شیطان کا طریقہ بتلایا ہے۔کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا۔کہ میں تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ کراس آدم کی اولاد کوگمراہ کروں گا۔بے شک اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے۔لیکن کئی روٹ مل کراس ایک راستہ پر جا پہنچتے ہیں۔مثلاً نماز،روز،حج،زکوۃ،حدوداوراحکام وغیرہ ان سب سے گذر کراللہ تعالیٰ تک آدمی پہنچتا ہے۔اس لئے (بکل صراط) فرمایا۔اوردوسرے مقام پرفرمایا۔"لنھدینھم سبلنا" ہم انہیں اپنے راستے دکھاتے ہیں۔

کفار کا طریقہ واردات: یہ تھا کہ شہر کو آنے والے خصوصاً شعیب علیہ السلام کے گھر تک جانے والے تمام راستوں پر کفار بیٹھ جاتے۔ہرراہ گیرسے پوچھتے۔کہ کہاں جارہے ہو اگر وہ شعیب علیہ السلام کے پاس جانے کا ذکر کرتا۔تو اس کو پہلے تو سمجھاتے۔کہ وہ جھوٹا ہے معاذ اللہ جادوگر ہے وہ ایسا ہے ویسا ہے۔اس کے پاس جاؤ گے۔تو تمہیں تمہارے دین سے ہٹادے گا۔جوتمہارے باپ دادا کا دین ہے اس سے چھڑادے گا۔وغیرہ وغیرہ اگر وہ مان جاتا پھر تو ٹھیک ورنہ اسے ڈراتے دھمکاتے تھے۔بلکہ جولوگ مسلمان ہوگئے۔انہیں ڈراتے اوردین حق سے پھرانے کی پوری کوشش کرتے۔اس لئے فرمایا۔کہ تم لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہو۔یعنی جولوگ مسلمان ہونے کیلئے آتے ہیں۔ان کے آگے راستہ روک کرانہیں منع کرتے اورشعیب علیہ السلام تک نہیں جانے دیتے ہو۔

دوسرامفہوم اس کا یہ ہے۔کہ وہ ڈاکو تھے۔ہرآنے جانے والے کوڈرادھمکا کر مال لوٹ لیتے تھے۔آگے فرمایا۔کہ تم اس دین میں کجی تلاش کرتے ہو۔یعنی دین حق میں شبہات پیدا کرکے لوگوں کوغلط راستہ پر ڈالتے ہو۔



وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ

اوراگر ایک گروہ تم میں ایمان لایا جودیکر میں بھیجا گیا اس پر اورایک گروہ

لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۷﴾

نہیں ایمان لایا تو صبر کرو یہاں تک فیصلہ فرمادے گااللہ ہم میں۔ اور وہ بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۸۶) یالوگوں کو یہ کہتے کہ شعیب غلط راستے پر پڑ گئے۔تم بھی پیچھے غلط راستے پر ہو جاؤ گے۔ حالانکہ وہ توصراط مستقیم پر تھے۔(لیکن ہر ٹیڑھی نظر والے کوسب کچھ ٹیڑھا ہی نظر آتا ہے) آگے فرمایا۔وہ وقت بھی یاد کرو۔ جب تم بہت تھوڑے تھے۔اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعداد میں اضافہ فرمایا۔یعنی تمہاری نسل کو بڑھایا۔اور تمہیں وافر دولت بھی عطافرمائی۔یاتم ضعیف تھے۔اور تمہیں قوت عطافرمائی۔یاتمہاری غربت کو دولتمندی میں بدل دیا۔اب تم آگے پیچھے چل کر دیکھو۔کہ فساد کرنے والوں کا کیاانجام ہوا۔یعنی تم سے پہلے قوم نوح،قوم عاد،قوم ثمود جوگذری ہیں۔یاان جیسے اور بھی کئی سرکش قومیں ہوئیں۔ان کے حالات معلوم کرلو۔تاکہ تمہیں عبرت حاصل ہو۔غلط کاموں سے بچ جاؤ۔

(آیت نمبر۸۷)اوراگرچہ ان میں سے ایک جماعت ایمان لے آئی۔اس پر جودے کر میں بھیجا گیا ہو۔یعنی ان شرائع اوراحکام پرعمل کیا۔جوکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر تمہارے پاس آیا۔اورایک دوسرا گروہ ہے۔جواس پرایمان نہیں لایا۔**فائدہ**:تفسیر فارسی میں ہے۔کہ شعیب علیہ السلام پرایک گروہ ایمان لایا۔اوردوسرے گروہ نے ان کی نبوۃ کا انکار کر دیا۔اور کہنے لگے مال ودولت اور جاہ وثروت تو ہمارے پاس ہے۔اورشعیب خود بھی اورانہیں ماننے والے بھی انتہائی غریب اور کمزور لوگ ہیں۔اگر وہ حق والے ہوتے۔تو مال ودولت ان کے پاس ہوتا کوئی ان کا جاہ وجلال ہوتا۔حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا۔اچھا پھراب تم صبر کرو۔یعنی انتظار کرو۔اب اللہ تعالیٰ دونوں گروہوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔اوروہ حق والوں کی مدد فرمائے گا۔اور باطل والوں کونیست ونابود کردے گا۔

فائدہ :اس آیت کریمہ میں مسلمانوں سے وعدہ کریمہ ہے۔کہ ان کوآخرت میں انعامات دے گا۔اور کفار کیلئے اس آیت میں وعید ہے۔کہ ان کے کرتوتوں کی انہیں سزادے گا۔

آگے فرمایا۔کہ وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔اس لئے کہ اس کے حکم اوروعدے کے خلاف کبھی نہیں ہوتا۔ وہ کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی نہیں کرتا۔اورسب فیصلہ کرنے والوں سے اعلیٰ فیصلہ فرمانے والا ہے۔

پارہ ختم : مورخہ ۱۳دسمبر۲۰۱۴ء بمطابق ۲۰ صفر بروز ہفتہ

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ

کہا سرداروں نے جو متکبر تھے ان کی قوم سے البتہ ضرور نکالیں گے تجھے اے شعیب اور ان کو بھی جو

اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿٨٨﴾

ایمان لائے تیرے ساتھ اپنی بستی سے یا ضرور تم واپس آ ؤ گے ہمارے دین پر۔ فرمایا خواہ ہمیں ناپسند ہو تب بھی

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا

تحقیق گھڑا ہم نے اوپر اللہ کے جھوٹ اگر ہم لوٹ جائیں تمہارے دین میں بعد اس کے کہ جب بچالیا ہمیں

(آیت نمبر ۸۸) شعیب علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے کہا۔ جو انتہائی سرکش اور متکبر تھے۔ کہ اے شعیب ہم تجھے اور تیرے ماننے والوں کو ضرور اپنے شہر سے نکالیں گے۔ یعنی ان کی بغض و عداوت اب اس قدر بڑھی کہ انہیں مسلمانوں کا ان کے شہر میں رہنا بھی گوارہ نہ رہا۔ کہ انہیں شہر بدر کرنے کی دھمکی دے دی۔ **فائدہ:** متکبر اور سرکش ہمیشہ اپنے آپ کو شریف اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ اور غریب نادار لوگوں کو فسادی سمجھ کر گھروں اور شہروں سے نکال دیتے ہیں۔ چونکہ ان کے پاس مال و دولت ہوتا ہے۔ جس سے عیش و عشرت اڑاتے ہیں۔ اور ان کا تکبر اور سرکشی اور مال و دولت کا غرور دن بدن بڑھتا ہی رہتا ہے۔ اور غریبوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں۔ **نکتہ:** اصل بات یہ ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو مٹانا چاہتا ہے تو ان کے متکبروں کو کھل دے دیتا ہے اور وہ زمین میں ظلم و فساد کرتے ہیں۔ پھر ان پر عذاب آ جاتا ہے۔

مزید وہ کہنے لگے۔ یا تم ہمارے مذہب پر واپس آ جاؤ۔ یہ کلمہ انہوں نے مسلمانوں سے کہا۔ جو نبی شعیب علیہ السلام کے تابعدار تھے۔ کہ دو کاموں سے ایک ضرور ہوگا۔ یا ہمارے کفر کو قبول کرو۔ یا ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ اصل مقصد تو ان کو کفر پر لانا تھا۔ شہر سے نکالنے والی تو صرف دھمکی تھی۔ تا کہ ڈر کر اور مجبور ہو کر واپس آ جائیں۔ تو ان کے اس باطل قول کی تردید کرتے ہوئے۔ شعیب علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اگر چہ ہم تمہارے دین پر آنے کو یا تمہارے دین کو مکروہ سمجھیں۔ پھر بھی ہم تمہارے دین پر آنے کے کیا پابند ہیں؟ گویا یہ ان کے خیال کی قباحت کا انکار ہے۔

(آیت نمبر ۸۹) اگر ہم تمہارے مذہب کی طرف لوٹ جائیں۔ پھر تو تحقیق ہم نے اب تک جو کچھ کہا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ہی گھڑا ہے۔ یعنی ہم تمہاری طرح شرک کرنا شروع کر دیں۔ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات عطا کی۔

اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ

اللہ نے اس سے اور نہیں ہے مناسب ہمارے لئے کہ ہم لوٹ جائیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ جو ہمارا رب ہے

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ

کشادہ ہے ہمارے رب کا علم ہر چیز پر۔ اوپر اللہ کے بھروسہ ہے ہمارا۔ اے ہمارے رب فیصلہ فرما

بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ

ہم میں اور درمیان ہماری قوم کے ساتھ حق کے اور تو بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اور کہا سرداروں

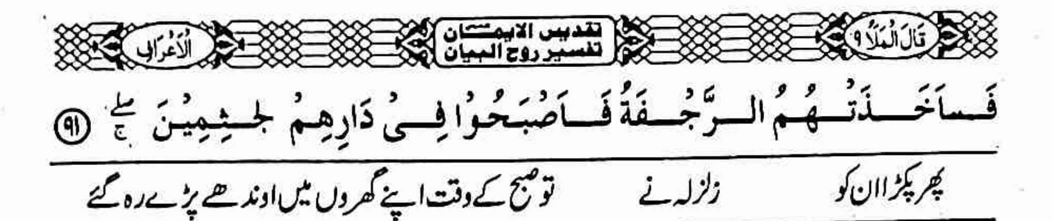
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾

جو کافر تھے ان کی قوم سے البتہ اگر پیچھے چلے شعیب کے تو بے شک تم اس وقت نقصان والے ہو۔

یعنی آج اگر ہم یہ کہیں ای کافر و تمہارا دین حق ہے۔ پھر تو اس سے بڑا افتراء کوئی بھی نہیں کہ اب تک ہم جو کچھ کہتے رہے وہ غلط تھا اور مشرک جو کہتے ہیں وہ ٹھیک ہے۔ یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا۔ مگر جو اللہ چاہئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہو۔ تو ایک الگ بات ہے۔ اس میں ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ لیکن اپنے ارادہ سے ہم تمہارے دین پر آجائیں: ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' اور ہمیں معلوم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ایسا نہیں چاہے گا۔ کیونکہ ہمارے رب کریم کا علم ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے۔ یہاں تک کہ ما کان وما یکون سے بھی وسیع ہے۔ بلکہ ساری کائنات کی ہر چیز پر وسیع ہے۔ یہاں تک کہ بندوں کے ارادوں اور نیتوں اور خیالات کو بھی وہ جانتا ہے۔ لہذا ہمارا اسی ذات پر بھروسہ ہے۔ کہ وہ ہمیں ثابت قدم رکھے گا۔ اور تمہارے شر سے بچائے گا۔

فائدہ: اب حضرت شعیب علیہ السلام معاندین کفار سے منہ پھیر کر اپنے رب کریم کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار اب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ یعنی اب واضح فرمادے۔ کہ حق پر کون ہے۔ اور باطل پر کون ہے۔ کیونکہ تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

(آیت نمبر ۹۰) تو شعیب علیہ السلام کی قوم کے ان کافروں نے کہا۔ جو اپنے کفر پر بضد تھے۔ ان خبیثوں نے جب شعیب علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کا عزم بالجزم دیکھا۔ تو انہیں ڈر ہوا۔ کہ ان کی دین پر استقامت اور لوگوں کو بھی دین حق قبول کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ تو انہوں نے اپنی کافر قوم سے کہا۔

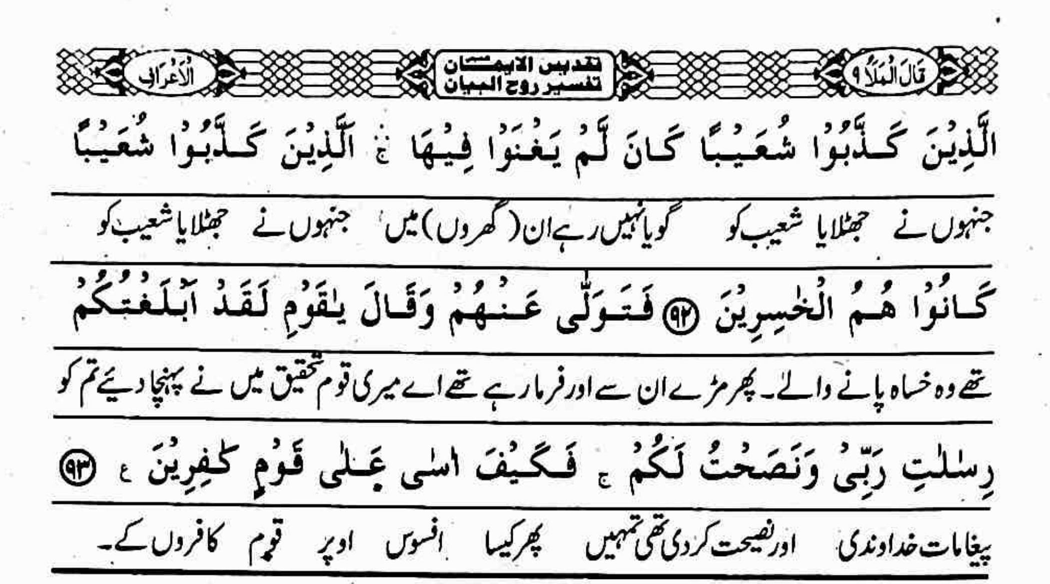


(بقیہ آیت نمبر۹۰) کہ اگر تم میں سے کسی نے شعیب علیہ السلام کی بات مانی۔ یعنی اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر شعیب کے دین میں داخل ہوئے۔ تو پھر تم بے شک بہت بڑے خسارے والے ہوگے۔ اس لحاظ سے بھی کہ تم نے باپ دادا کے دین کو چھوڑا۔ اوران کا دین قبول کیا۔ اوراس لحاظ سے بھی کہ تمہیں شعیب کے کہنے کے مطابق کاروبار میں خسارہ ہوگا۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ ناپ تول صحیح رکھو۔ ناپ تول صحیح رکھنے سے کاروبار صحیح نہیں چل سکتا۔ اس وجہ سے بھی خسارہ ہوگا۔ آخرکار جب انہوں نے بھی سابقہ قوموں کی طرح شعیب علیہ السلام کی بات نہ مانی۔

تو پھر انہیں زلزلہ نے پکڑلیا۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں صیحہ کا ذکر ہے۔ یعنی گرج نے ظالموں کو پکڑا۔ لیکن اس میں تضاد نہیں ہے۔ اس لئے کہ دونوں طرح کی پکڑ ان پر آئی ہو تو کوئی بعید نہیں ہے۔ جیسا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ ابتداءً زمین میں زلزلہ آیا۔ اورسخت گرمی پڑ گئی۔ اس کے بعد ایک طرف سے بادل ظاہر ہوا۔ تو اس کی طرف دوڑ پڑے۔ تاکہ گرمی دور ہو جائے۔ لیکن جب اس کے نیچے پہنچے۔ تو جبریل علیہ السلام نے چیخ ماری۔ تو اسی جگہ وہ اوندھے منہ گر گئے۔ اور تباہ و برباد ہو گئے۔

حدادی نے فرمایا۔ کہ وہ اپنے گھروں کے قریب اس مذکورہ بالا بادل کے سایہ میں ہلاک ہوئے۔ اسی لئے دوسرے مقام پر فرمایا۔ کہ انہیں ظلۃ کے عذاب میں پکڑ لیا گیا۔ یعنی بادل کے سائے میں اور وہ منہ کے بل زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا۔ کہ ہم ہمیشہ ان ہی گھروں میں رہیں گے۔ اوران غریب مسلمانوں کو شہر سے نکالیں گے تو رب تعالیٰ نے انہیں دنیا سے ہی نکال دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ وہ اس بادل کے نیچے جل کر مر گئے۔ اور وہ اوندھے منہ وہاں پڑے رہ گئے۔

فائدہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جہنم کا دروازہ کھولا۔ جس کی سخت گرمی نے ان کے گلے گھونٹ دیئے۔ جس سے انہیں نہ اندر سکون نہ باہر سکون ملتا۔ گرمی سے جیسے جل رہے ہوں۔ پھر آسمان سے ایک بادل نکلا۔ جس کی طرف نکل کر وہ دوڑ پڑے۔ اس بادل میں عذاب تھا۔ اسی سے ہلاک ہوئے۔ ممکن ہے کہ ڈبل عذاب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جناب شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف بھیجے گئے۔ پہلے مدین والوں کی طرف جو نافرمانی کر کے زلزلے سے ہلاک ہوئے۔ پھر جہاں اب مزار مبارک ہے۔ وہاں پر آگ کا عذاب آیا۔ جس سے وہ ہلاک ہوگئے۔



الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا

جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا نہیں رہے ان (گھروں) میں جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ

تھے وہ خسارہ پانے والے۔ پھر مڑے ان سے اور فرمارہے تھے اے میری قوم تحقیق میں نے پہنچا دیئے تم کو

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

پیغامات خداوندی اور نصیحت کردی تھی تمہیں پھر کیسا افسوس اوپر قوم کافروں کے۔

(بقیہ آیت نمبر۹۱) ایک روایت میں ہے۔ کہ جب سب مرد عورتیں وہاں جمع ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ برسائی نیچے سے زلزلے بھی جاری رہے۔ جس سے وہ جن بھن کر مکڑی کی طرح زمین پر منہ کے بل گر گئے۔ اسے عذاب یوم الظلہ سے تعبیر کیا گیا۔

(آیت نمبر۹۲) تو جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو وہ وہی لوگ تھے کہ جنہوں نے کہا تھا۔ کہ اے شعیب ہم تجھے اور تیرے ماننے والوں کو اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ ان منحوسوں کو ان کے اس قول کی سزا ملی۔ اور انہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی۔ تو پھر ان کی ایسی جڑ کاٹ دی گئی کہ وہ خود اس جہان میں ٹھہر بھی نہ سکے۔ وہ گاؤں سے کیا وہ تو اس دنیا ہی سے نکل گئے۔

نبی ولی کی دشمنی: انسان کو دونوں جہانوں میں تباہ کر دیتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ متکبرین جو انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے والے ہیں۔ انہیں وقتی طور پر غلبہ ہوتا ہے۔ لیکن ان کی یہ شان وشوکت بہت جلد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور ان کا غلبہ جلد یا بدیر ختم ہو جاتا ہے اور متکبر ہمیشہ کیلئے بے نام ونشان ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے آگے فرمایا۔ کہ شعیب اور ان کو ماننے والے فائدے میں رہے۔ اور جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا۔ وہی اصل میں گھاٹے میں رہے۔

(آیت نمبر۹۳) شعیب علیہ السلام کی قوم والے جب عذاب میں تباہ ہوگئے۔ تو آپ پلٹ کر آئے اور فرمایا۔ میں نے تو اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچا دیئے تھے۔ اور تمہیں نصیحت بھی کر دی تھی۔ (تم نے نہیں مانا تو اس کا مزہ بھی چکھ لیا اور اگر میری بات مان لیتے تو دنیا اور آخرت میں مزے کرتے۔)۔ مردار کفار کو کنویں میں پھینکوا کر فرمایا۔ کیا تم رب کا وعدہ سچا پایا۔ یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ بے جان جسموں سے بات کر رہے ہیں۔ تو فرمایا۔ اے عمر یہ تجھ سے بہتر سن رہے ہیں۔ لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر ہم نے پکڑ کی رہنے والوں پر سختی اور تکالیف میں

لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾

شاید کہ وہ گڑگڑا جائیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۹۳) **فائدہ**: یہ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں اس وقت فرمایا۔ جب وہ فنا ہو گئے۔ اور شعیب علیہ السلام بھی ان پر از حد افسوس کر رہے تھے۔ لیکن فرمایا۔ کیسا افسوس کیا جائے۔ ایسی قوم پر جو کفر کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی نہ لا سکی۔ نہ ایسے لوگوں پر غم واندوہ کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔ اس لئے۔ کہ ان پر جو عذاب آیا۔ وہ ان کے کفر نہ چھوڑنے کی وجہ سے آیا۔ کیونکہ وہ اسی کے مستحق تھے۔ یا یہ معنی ہے۔ کہ انہوں نے ہماری تبلیغ وانذار کی کوئی پرواہ ہی نہ کی نہ ایمان لائے۔ نہ میری تصدیق کی تو پھر اب ان پر غم وحزن کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہم نے انہیں نصیحت کرنے میں بھی کوئی کمی نہ کی اور انہوں نے ہٹ دھرمی میں بھی کوئی کمی نہ کی۔ تو اب افسوس کس بات کا۔

مسئلہ: محققین فرماتے ہیں۔ کہ کفار ومشرکین ہرگز رحمت خداوند کریم کے مستحق نہیں ہیں۔ اس لئے کہ انہیں باقاعدہ طور پر نبی بھیج کر سمجھایا گیا اور عذاب سے ڈرایا گیا۔ اپنے کرتوتوں پر ڈٹے رہے۔ تو اب وہ رحم کے بالکل مستحق نہیں رہے۔ جیسے زانیوں کی سزا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب تجھے ان پر ترس نہ آئے۔

مسئلہ: شرعی احکام کے خلل میں غصہ آنا اخلاق انبیاء میں سے ہیں۔ یہ وسیع النظری کے خلاف نہیں ہے۔

سبق: عقلمند کو چاہئے۔ کہ وہ حکم الٰہی کے آگے جھک جائے۔ شرع میں کیوں اور کیسا نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۹۴) ہم نے کسی شہر یا بستی میں کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا۔ مگر اس بستی والوں نے جب اس نبی اور رسول کو جھٹلایا تو پھر ہم نے اس بستی والوں کو (عذاب میں) پکڑ لیا۔ تنگیوں تکلیفوں میں اور مصائب وآلام میں نقصان اور ضرر میں۔ شاید کہ وہ گڑگڑا جائیں۔

فائدہ: لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ انبیاء کے آتے ہی ان پر مصائب وآلام شروع ہو گئے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ پکڑ ان کو انبیاء کے نہ ماننے اور ان کی عزت واحترام نہ کرنے اور کفر پر اصرار کی وجہ سے آئی۔ اور وہ بھی اس لئے کہ شاید وہ گڑگڑا جائیں۔ تضرع وزاری کریں۔ اور غرور وتکبر کو دل سے نکال دیں۔ اس لئے کہ تنگی وسختی سے دل میں عاجزی آ ہی جاتی ہے۔ یہ علاج اکثر لوگوں کیلئے بڑا موزوں رہا۔ کہ بھوک یا بیماری یا تکلیف اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مجبوراً لے ہی جاتی ہے۔ اور وہ اللہ اللہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا

پھر ہم نے بدل دیا جگہ برائی کے اچھائی کو یہاں تک کہ وہ بہت ہوگئے اور بولے تحقیق آئی تھی ہمارے باپ دادا پر

الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ

تکلیف اور آسانی پھر پکڑا ہم نے ان کو اچانک اور ان کو نہیں سمجھ آئی ۔ اور اگر بے شک

اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اہلیان بستی ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان وزمین سے

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

لیکن جھٹلایا انہوں نے پھر پکڑ لیا ان کو بوجہ اس کے جو تھے کرتے

(آیت نمبر ۹۵) پھر ہم نے برائی کے بدلے اچھائی سے معاملہ بدل دیا۔ یعنی جس دکھ یا تکلیف میں وہ مبتلا تھے۔ اس کے بجائے خوش حالی لے آئے۔ یہ اصول ہے۔ کہ تنگی اور تکلیف کے بعد نعمت ملتی ہے۔ وہ فرمانبرداری کی داعی بنتی ہے۔ اور پھر بندہ شکر گزاری میں مشغول رہتا ہے۔ بہر حال جب مال کی کثرت ہو جائے۔ یا اولاد زیادہ ہو جائے۔ تو پھر پہلی بیماری تکبر وغرور کی آجاتی ہے۔ یہی ان میں بھی ہوا۔ کہ جوں ہی نعمت اور خوش حالی بڑھی تو کہنے لگے۔ ہمارے باپ دادا کو تنگیاں اور مصائب آئے تھے۔ یہ گردش زمانہ ہے۔ کبھی دکھ تکلیف دیتا ہے۔ پھر سکھ اور آرام دے دیتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد پر تکلیفیں آئیں۔ وہ دین پر قائم رہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جب یہ دین پر قائم نہ رہ سکے تو فرمایا کہ پھر ہم نے ان کی اچانک گرفت کی۔ چونکہ اچانک آئی ہوئی تکلیف اور مصیبت بہت ہی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اتنے سخت مصائب وتکلیف کے باوجود انہیں ذرا بھی خیال نہ آیا۔ کہ یہ عذاب الٰہی ہے۔ ہمیں توبہ کر لینی چاہیے۔ انہیں اس کا شعور ہی نہ ہوا۔

(آیت نمبر ۹۶) اور اگر یہ شہروں والے (اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جن پر عذاب الٰہی آئے۔ یہ بات سیاق وسباق کے قرینے سے معلوم ہوئی) عذاب دیکھتے ہی ایمان لے آتے۔ یعنی کفر کو چھوڑ کر ایمان قبول کر لیتے۔ اور گناہوں کے ارتکاب سے سچی توبہ کر لیتے۔ تو بچ جاتے۔ اور نیک اعمال کرتے تو ہم ان پر رحمتوں اور برکتوں کے دروازے ہی ان پر کھول دیتے۔ یعنی زمین پر ہر جانب سے اور ہر کونے سے ان تک روزی پہنچتی۔ اور آسمان سے بھی رزق کا آنا ان کے لئے آسان کر دیتے اور رزق بہت آسانی سے ان تک پہنچ جاتا۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓی اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

16/16

کیا بے خوف ہو گئے بستیوں والے کہ آئے ان پر ہمارا عذاب رات کو اور وہ سو رہے ہوں

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓی اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾

یا بے خوف ہیں بستیوں والے اس سے کہ آئے پر ہمارا عذاب دوپہر کے وقت کہ وہ کھیل رہے ہوں

(بقیہ آیت نمبر ۹۶) **فائدہ**: مفسرین کی اکثریت کا خیال ہے۔ کہ آسمان کی برکتیں نازل ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ کثرت سے بارشیں بھیجتے۔ اور زمین کی برکات سے مراد یہ ہے۔ کہ ان کو پھل اور ثمرات کی ان پر فراوانی کرتے۔ لیکن انہوں نے نہ مانا نہ مانا تو در کنار انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا۔ کہ نہ تم نبی ہو نہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھیجا۔ اس بناء پر ہم نے ان کی گرفت کی۔ یعنی وہ اپنے کرتوتوں اور کفر و معاصی کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوئے۔

رزق کی کثرت کا نسخہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اطاعت و ذکر الٰہی سے رزق میں اللہ تعالیٰ اضافہ فرما دیتے ہیں۔ (کاش لوگ اس نسخہ کو استعمال کرتے) اور گھر میں حلال رزق کا ملنا یہ نیک بختی کی علامت ہے۔

فائدہ: کافر اور ناشکرے انسان کیلئے کثرت مال باعث وبال و عذاب ہو جاتا ہے۔ (جیسے مومن متقی کے مال میں کثرت اس کے ثواب اور نجات کا باعث ہوتا ہے۔) شاعر کہتا ہے: ''در زمین و آسمان درہائے جود۔۔۔۔تا کشاید از پئے اہل سجود'' یعنی آسمان و زمین والے جود و سخا کے دروازے اہل سجود کیلئے کھلتے ہیں۔

سبق: اہل سجود یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی کثرت کرنے والون کیلئے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ لہذا اے بھائیو تم بھی زمین پر عبادات کی کثرت کرو۔

(آیت نمبر ۹۷) کیا شہروں اور بستیوں والے بے خوف ہو گئے ہیں۔ یعنی پچھلی قوموں پر جو کثرت سے اور اچانک عذاب آئے۔ تو اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیا یہ آپ کی تکذیب کرنے والے اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والے اتنے ہی بے خوف ہو گئے ہیں کیا انہیں ڈر نہیں کہ ان پر بھی عذاب آ جائے۔ رات کو اور وہ اپنے گھروں میں آرام سے سو رہے ہوں۔ یعنی انہیں ایسی غفلت کے وقت اس عذاب کے آنے کا کوئی شعور بھی نہ ہو۔ اور عذاب کا شور بھی نہ سنائی دے۔

(آیت نمبر ۹۸) یا کیا ان بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں۔ کہ ان پر عذاب دوپہر کے وقت آ جائے۔ مراد چاشت کا وقت ہے۔ جب سورج اونچا ہوتا ہے۔ اور پوری زمین پر روشنی پھیل جاتی ہے۔ وہ چاشت کا وقت ہے۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۚ ﴿۹۹﴾

کیا نڈر ہو گئے خفیہ تدبیر الٰہی سے پس نہیں نڈر ہوتا خفیہ تدبیر الٰہی سے مگر وہ لوگ جو خسارہ والے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۹۸) یعنی اس وقت میں عذاب آ جائے کہ جس وقت وہ کھیل تماشے میں لگے ہوں۔ مراد یہ ہے کہ وہ عذاب آنے سے غافل ہوں۔ دنیوی معاملات میں ایسے منہمک ہوں۔ یا ایسے کاموں میں لگے ہوں کہ انہیں توبہ کرنے کا موقع بھی نہ ملے۔ اور عذاب الٰہی انہیں ہلاک کر دے۔

فائدہ: جو آخرت کی فکر سے منہ پھیر کر دنیوی معاملات میں منہمک ہو۔ وہ گویا فضول کام کرنے والوں کی طرح ہے۔ **سبق**: معلوم ہوا کہ جو رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔ اسے عذاب الٰہی اس وقت پکڑ لیتا ہے جب وہ بے خوف ہو جاتا ہے۔ پھر وہ انتظار کرے۔ کسی وقت بھی وہ ضرور گرفت میں آ جائے گا۔

(آیت نمبر ۹۹) کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے نڈر ہو گئے ہیں۔ مَکْرُ اللہ سے مراد یہاں پر اللہ تعالیٰ کی ایسی گرفت ہے۔ جس کی بندے کو خبر نہ ہو۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اگر ان مذکورہ اوقات میں سے کسی وقت بھی بندوں پر عذاب نازل کر دے۔ تو اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ اس لئے بندے کو غفلت میں نہیں پڑنا چاہئے۔

مسئلہ: مکر کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس مکر سے فریب والا مکر مراد نہیں ہے۔ کیونکہ عموماً مکر اسے کہا جاتا ہے۔ جس میں ظاہر کچھ ہو۔ اور باطن کچھ اور ہو۔ (جیسے منافق) مکر کرتے ہیں۔ ایسے مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

فائدہ: امام حدادی فرماتے ہیں۔ کہ عذاب کو مکر مجازاً کہا ہے کیونکہ جس پر مکر ہو۔ وہ بے خبر ہوتا ہے۔ یہاں مکر کا معنی۔ کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر۔ یعنی اچانک پکڑ سے نہیں بے خوف ہوتے مگر وہ لوگ جنہوں نے آخرت کا خسارہ قبول کر لیا ہو۔ یعنی تباہی کے دھانے پر بھی پہنچ کر انہیں احساس نہیں ہوتا۔ کہ ہمارا کتنا نقصان ہو گیا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا۔ کہ اس خاسرین سے مراد عاصی و مجرمین ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہیں۔

تنبیہ: یاد رہے۔ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر صرف کفار فجار کیلئے ہے۔ ورنہ اللہ والے تو اس کے لطف و کرم میں ہوتے ہیں۔ انہیں تو دنیا میں ہی "لھم البشری" کہہ کر مژدہ سنا دیا جاتا ہے۔ کہ ان کیلئے دنیا و آخرت میں خوشی ہی خوشی ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ

کیا پھر نہیں ہدایت ملی ان کو جو وارث ہوئے زمین کے بعد اس کے (پہلے) مالکوں کے کہ اگر ہم چاہیں

اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

تو آفت پہنچائیں ان کے گناہوں کے سبب اور مہر کردیں اوپر دلوں ان کے پھر وہ کچھ نہ سن سکیں

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

یہ بستیاں ہیں ہم سناتے ہیں آپ کو کچھ ان کے احوال اور البتہ تحقیق آئے ان کے پاس ان کے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ

روشن دلائل کے ساتھ پھر نہیں تھے اس لائق کہ ایمان لاتے جسے جھٹلا چکے تھے پہلے ہی سے یوں ہی

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

مہر لگاتا ہے اللہ اوپر دلوں کافروں کے

(آیت نمبر۱۰۰) کیا انہیں سبق حاصل نہ ہوا۔ جو زمین پر اس کے باسیوں کے بعد وارث ہوئے۔ یعنی زمین پر جو پہلے مالک بنے ہوئے تھے۔ پھر عذاب الٰہی سے تباہ برباد ہوئے۔ تو ان کی بربادی سے ان کے بعد آنے والے ان کے وارثوں نے یعنی مکہ اور گردونواح والوں نے سابقہ تباہ شدہ لوگوں سے سبق حاصل نہیں کیا۔ کہ یہ بھی ان ہی کی روش پر چل پڑے۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر ہم چاہیں۔ تو انہیں ان کے گناہوں کے سبب مصیبت پہنچا سکتے ہیں۔ یعنی ان کے گناہوں کی سزا اسی طرح دیں جس طرح پہلوں کو گناہوں پر سزا دی اور عذاب میں مبتلا کیا۔ اور ان کے دلوں پر مہر لگادیں۔ تاکہ ہدایت انہیں مل ہی نہ سکے۔ یہ بھی ایک سزا ہے۔ اور پھر وہ کچھ نہ سنیں۔ یعنی ہدایت کے بارے انہیں اگر کوئی معلومات دی جائیں تو ان کو مل ہی نہ سکیں نہ ہی غور وفکر کر کے عبرت حاصل کر سکیں۔ **فائدہ**: امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حق کی بات سننے کیلئے دل کا کان چاہئے۔ ان ظاہری کانوں کے ساتھ سننے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

(آیت نمبر۱۰۱) یہی وہ بستیاں ہیں۔ یعنی یہ وہ امتیں ہیں۔ جو اس سے پہلے تباہ وبرباد ہوئیں جن کا ابھی بیان گذرا۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور نہیں پایا ہم نے ان میں اکثر کو وعدہ کا پکا اور بے شک ہم نے پایا ان میں سے اکثر کو فاسق

(بقیہ آیت نمبرا۱۰) مزید بھی ہم ان کی خبریں آپ کو بتاتے ہیں۔جن میں وعظ ونصیحت ہے۔اور البتہ تحقیق یعنی قسم بہ خدا ان برباد بستیوں اور ہلاک ہونے والی امتوں کے پاس رسول تشریف لائے۔اور وہ بڑے بڑے معجزات لے کر آئے۔اور ان قوموں کو وہ معجزات انہوں نے دکھائے۔تاکہ یہ اس کی نبوت ورسالت کی تصدیق کریں۔اور وہ معجزات ان کے ایمان کی پختگی کا سبب بنیں لیکن (ان بدنصیب) لوگوں سے یہ نہ ہوسکا کہ ایمان لاتے باوجود اس کے کہ ان کے سامنے انہوں نے واضح اور روشن دلائل رکھے۔پھر چاہئے تھا کہ وہ ان پر ایمان لے آتے۔لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کردی۔پھر وہ اسی پر قائم رہے (یا اس تکذیب کی نحوست سے انہیں ایمان نصیب ہی نہ ہوا۔)

فائدہ: یعنی وہ ایسی جاہلیت میں گرفتار تھے۔کہ کلمہ توحید بھی ان کے کانوں سے آگے نہیں جاتا تھا۔بلکہ جس سے بھی توحید کی بات سنتے اس کے دشمن بن جاتے اور اس کو جھٹلا دیتے۔یا مراد یہ ہے۔کہ وہ اپنی ایسی غلط روش پر قائم تھے۔اور ان کی تکذیب پر اصرار کا یہ حال تھا۔کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ کا بھی ان پر کوئی اثر نہ پڑا۔نہ ہی آیات وبینات اور معجزات سے انہوں نے کوئی فائدہ اٹھایا۔

آگے فرمایا۔کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگاتا ہے۔کہ پھر آیات ومعجزات کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔یا ان اہل کتاب سے پہلے کافروں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ان پر مہر لگی۔اب انہوں نے تکذیب کی تو ان کے دلوں پر بھی مہر لگی۔تاکہ ان کی طرح یہ بھی دولت ایمان سے محروم رہیں۔

(آیت نمبر۱۰۲) اور ہم نے ان کی اکثریت کو وعدہ کا پابند بھی نہیں پایا۔بلکہ یہ لوگ تو دکھ اور سکھ کے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے۔وہ ایسے کہ جب انہیں کوئی دکھ پہنچتا تو کہتے۔کہ اگر ہمیں اس دکھ سے نجات مل گئی۔تو اللہ تعالیٰ کے ہم شکرگذار ہوں گے۔لیکن جوں ہی دکھ دور ہوا۔یہ اپنے وعدہ سے پھر گئے۔ اور فرمایا۔کہ بے شک ہم نے ان کی اکثریت کو فاسق پایا۔یعنی عبادت وطاعت سے نکل جانے والے اور وعدے خلافی کرنے والے۔

فائدہ: فاسقوں کا تو کام ہی وعدے توڑنا ہے۔اس پر تو کلام نہیں لیکن تعجب ان ایمان داروں پر ہوتا ہی۔جو اللہ رسول کے فرمانبردار ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔پھر وعدی ایفاء بھی نہیں کرتے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا

پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ طرف فرعون اور اس کے درباریوں کے تو زیادتی کی

بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

انہوں نے ان سے پھر دیکھ کیسا ہوا انجام فسادیوں کا ۔ اور کہا موسیٰ نے

يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ﴿۱۰۴﴾

اے فرعون بے شک میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے

(آیت نمبر۱۰۳) پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ یعنی مذکورہ رسولان عظام کے واقعات کو ختم کرنے کے بعد پیارے موسیٰ علیہ السلام کا الگ ذکر کیا کہ ہم نے ان کو بھیجا۔ جیسے نوح، ہود، صالح، شعیب اور لوط علیہم السلام کو ان کی قوموں کے پاس بھیجا تھا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر فضل و کرم رہا۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ پے در پے رہا۔ کہ ایک نبی تشریف لے جاتے پھر دوسرے نبی آ جاتے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ فرعون کی طرف ۹ نشانیاں۔ ید بیضا اور عصا وغیرہ کے ساتھ فرعون اور اس کی کابینہ کے لوگوں کے پاس بھیجا۔ جو بڑے لیڈر بنے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے معجزات کو ٹھکرا کر اپنے آپ پر ظلم کیا۔ کہ معجزات کے مقابلے میں جادوگر لے آئے۔ یا معجزات کو جادو کہہ کر ظلم کیا۔ پھر دیکھ کیسا انجام ہوا فسادیوں کا۔ یعنی ان کا کیسا حشر ہوا۔ **فائدہ**: اس میں اہل مکہ کو تنبیہ ہے۔ کہ جہاں بھی ظلم ہوگا۔ ظلم کا دوسرا نام فساد ہے۔ ظلم اور فساد لازم ملزوم ہیں۔ ظالموں اور فسادیوں کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوا۔

(آیت نمبر۱۰۴) موسیٰ علیہ السلام قبطی کو مارنے کے بعد مدین میں شعیب علیہ السلام کے پاس چلے گئے۔ وہاں دس سال رہنے کے بعد ان کی صاحبزادی سے شادی ہوئی۔ واپس مصر کی طرف آ رہے تھے۔ کہ طور پہاڑ پر اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی ملا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیج دیا۔ تو آپ سیدھے اس کے محل پر پہنچے۔ اور سب سے پہلے اسی کو اسلام کی دعوت دی۔ اور فرمایا۔ کہ اے فرعون میں رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔ اور تجھے صاف بتاتا ہوں۔ کہ اپنی خدائی کا دعویٰ چھوڑ۔ اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کر۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اپیل سے حضرت ہارون کو بھی نبوۃ سے سرفراز فرما کر ان کی تائید کیلئے ان کے ساتھ بھیجا۔

حَقِیْقٌ عَلٰۤی اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ

حق یہی ہے کہ نہ کہوں میں اوپر اللہ کے مگر سچ تحقیق لایا ہوں تمہارے پاس نشانی

مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ؕ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ

تمہارے رب کی طرف سے تو بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ بولا اگر ہے لایا

بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

تو کوئی نشانی تو لے آ اس کو اگر ہے تو سچوں سے

(آیت نمبر۱۰۵) جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو خدائی دعوے سے روکا۔ تو اسے غصہ آ گیا۔ تو کہنے لگا۔ تم جھوٹے ہو۔ تم کیسے پیغمبر ہو سکتے ہو۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ میں نہ کہوں اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچ اور حق بات۔ یعنی میں واقعی رسول ہوں۔ اور رسول کیسے جھوٹی بات کہہ سکتا ہے اور میری نبوۃ و رسالت کی باقاعدہ میرے پاس دلیل ہے۔ یعنی معجزہ ہے۔ جو میں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں۔ بلکہ دو معجزہ بڑے ہیں: (۱) عصا۔ (۲) اور ید بیضاء (اب اگر تو اپنی خیر چاہتا ہے) تو بنی اسرائیل کو میرے حوالے کر یعنی انہیں فارغ کر دے۔ تا کہ میں انہیں بیت المقدس لے جاؤں۔ **فائدہ:** چونکہ ان بنی اسرائیلیوں کا اصل وطن وہی تھا۔ ان کے آباء اجداد وہاں کے رہنے والے تھے۔ فرعونیوں نے انہیں قید کر کے اپنا غلام بنا رکھا تھا اور طرح طرح ان پر ظلم و ستم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کا مصر میں قیام:

حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے بادشاہ بنے۔ تو انہوں نے شام سے اپنے سارے خاندان کو وہیں بلا کر مقیم کر دیا۔ اور ان کی نسل کا سلسلہ بہت جلد یہاں پھیل گیا۔ لیکن آگے وہ اس طرح دین حقہ پر قائم نہ رہے۔ لہذا یوسف علیہ السلام کے بعد آنے والے فرعونیوں نے اولاد یوسف سے مصر کی حکومت واپس لے لی۔ اور بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لیا۔ اس وقت کے فرعون نے اپنی خدائی کا دعویٰ بھی کر دیا۔ بنی اسرائیل نے اسے قبول نہ کیا۔ اس پر اس نے انہیں غلام بنا کر ان سے سخت قسم کے کام لیتے تھے۔ **فائدہ:** موسیٰ علیہ السلام کا پروگرام یہ تھا۔ کہ بنی اسرائیل کو لے کر بیت المقدس چلے جائیں۔ (اگر فرعون (گدھا) بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے حوالے کر دیتا۔ تو بچ جاتا)۔

(آیت نمبر۱۰۶) مگر وہ کہنے لگا۔ کہ اگر کوئی نشانی لائے ہو۔ تو پیش کرو۔ تا کہ معلوم ہو کہ آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ کیونکہ پیغمبر کا معجزہ اس کی نبوت پر سچائی کی دلیل ہوتا ہے۔

فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ۚۖ ﴿١٠٧﴾ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ

ڈال دی لاٹھی اپنی تو اچانک وہ اژدھا بن گیا کھلا ظاہر۔ اور گریبان سے نکالا اپنا ہاتھ تو اس وقت وہ

بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

جگمگانے لگا دیکھنے والوں کیلئے ۔ کہا درباریوں نے قوم فرعون سے بے شک یہ ضرور جادوگر

عَلِیْمٌ ۙ ﴿١٠٩﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَا ذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾

علم والا ہے ۔ چاہتا ہے کہ نکالے تمہیں تمہارے ملک سے تو کیا تم مشورہ دیتے ہو۔

(آیت نمبر ١٠٧) تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی۔ لاٹھی زمین پر پہنچتے ہی اچانک وہ ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا۔ جو سانپوں میں سب سے بڑا سانپ ہوتا ہے۔ اور اس پر گھوڑے کی طرح بال ہوتے ہیں۔ یہ کھلا اور واضح قسم کا معجزہ تھا۔ کہ جس میں کسی قسم کا ابہام نہ تھا۔

بڑا سانپ دیکھ کر فرعون کی ہوا نکل گئی۔ اتنا بڑا سانپ جس نے منہ کھولا تو ایسے معلوم ہوتا تھا۔ کہ پورا محل اس کے منہ میں چلا جائیگا۔ اس کی ہیبت سے فرعون چیخا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی منت شروع کر دی۔ کہ آپ کو آپ کے خدا کی قسم جس نے تمہیں رسول بنایا۔ اس اژدھے کو پکڑ لیجئے۔ میں ایمان بھی لاؤں گا۔ اور بنی اسرائیل بھی تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی فریاد پر رحم کھایا۔ اور سانپ کو ہاتھ لگایا۔ تو پھر وہ لاٹھی کی لاٹھی تھی۔

(آیت نمبر ١٠٨) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میرے پاس صرف یہی ایک معجزہ تو نہیں میرے پاس ایک اور معجزہ بھی ہے۔ اس نے پوچھا وہ کون سا۔ تو آپ نے اپنا ہاتھ مبارک گریبان یا بغل میں ڈال کر جب اسے نکالا تو وہ انتہائی نورانی تھا۔ یعنی آپ کے ہاتھ مبارک سے نورانی شعائیں نکل رہی تھیں۔ اس عجیب وغریب منظر کو دیکھنے والوں کا بہت بڑا جم غفیر اکٹھا ہو گیا تھا۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

فائدہ: ایک روایت میں یوں ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک آستین سے نکالا۔ تو پہلے فرعون سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تو اس نے کہا۔ یہ آپ کا ہاتھ ہے۔ تو آپ اپنے ہاتھ کو گریبان میں لے گئے۔ جب باہر نکالا۔ تو وہ سورج سے زیادہ روشن تھا۔ اور اس سے نور کی لائٹیں نکل رہی تھیں۔

(آیت نمبر ١٠٩) موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ کمالات دکھائے۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے ان کمالات کو دیکھ کر پورے ہال میں سناٹا چھا گیا۔ (گویا موسیٰ علیہ السلام کی زبان حال یہ کہہ رہی تھی۔ میں نے خدا کا رسول ہو کر یہ کمال دکھائے۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ

بولے روک لے اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیج شہروں میں لوگوں کو اکٹھا کرنے والے۔ لائیں تیرے پاس ہر قسم کے جادوگر

عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

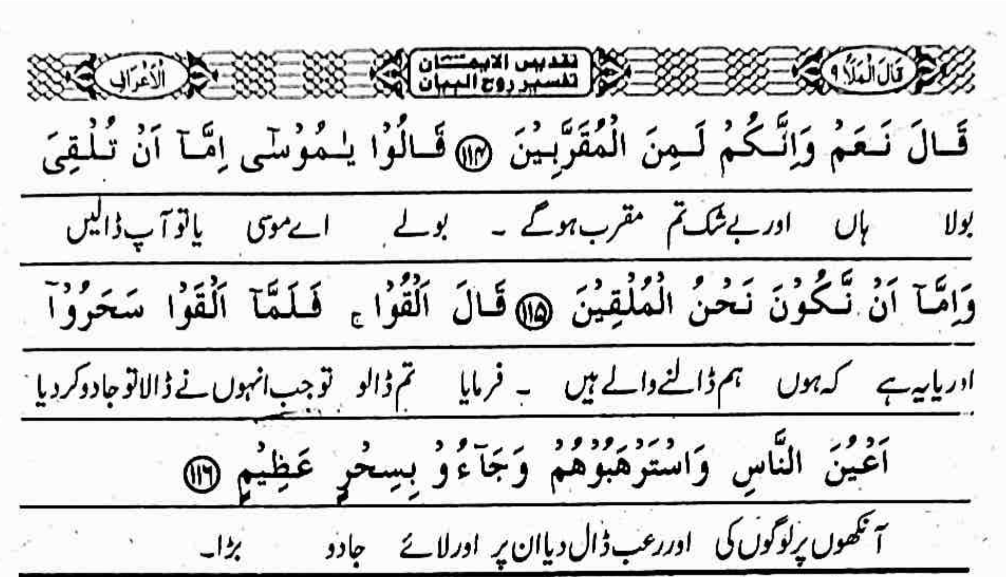
علم والے۔ اور آئے جادوگر فرعون کے پاس بولے کیا واقعی ہمیں انعام ملے گا اگر ہوئے ہم غالب

(بقیہ آیت نمبر۱۰۹) اور تو خدا بنا ہوا ہے۔ تو بھی کچھ دکھا) تو قوم فرعون کے سرداروں نے کہا۔ یہ تو بڑا جادوگر اور اپنے علم میں بڑا ماہر ہے چونکہ اس زمانے میں جادو پورے عروج پر تھا۔ تو انہوں نے سمجھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام بھی کہیں سے جادو سیکھ کر آ گئے ہیں۔ تا کہ وہ اس فن کے ذریعے فرعون سے اقتدار چھین لیں۔ اس لئے فرعون نے مشورہ کیا اپنے مشیروں سے کہ موسیٰ تو اپنے جادو کے ذریعے یہ چاہتا ہے وہ تمہیں اس زمین مصر سے نکال دے۔ اور اقتدار اپنے قبضے میں لیکر بنی اسرائیل کے حوالے کر دے۔ لہذا اب تمہارا کیا مشورہ ہے۔ یا کیا حکم کرتے ہو۔

(آیت نمبر۱۱۱) تو ان مشیروں نے کہا۔ اسے اور اس کے بھائی کو بھی روک لے۔ دونوں بھائیوں کا نام لینے کی حاجت اس لئے نہیں رہی۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے وہ کمالات دکھائے۔ کہ پورے مصر میں ہر جگہ ان دونوں بھائیوں کا ذکر ہونے لگا۔ یعنی اتنی انہیں شہرت حاصل ہوگئی۔ کہ اب نام لینے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ فرعون کے مشورہ لینے کا مقصد موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو لوگوں کی نظر میں زیر کرنے کا تھا۔ تو مشیروں نے کہا ابھی ٹھہر جا۔ اتنی جلدی اچھی نہیں۔ آپ اپنے شہر اور دوسرے شہروں میں اپنے سپاہی بھیج دیں تا کہ وہاں سے تمام جادوگروں کو اکٹھا کر کے لے آئیں۔ یعنی تمام شہروں سے جتنے بھی جادوگر ہیں۔ یا مدائن میں جہاں ان کو تربیت دی جاتی ہے۔ وہاں سے ان کو لے آئیں۔ جب وہ ماہر جادوگر تیرے پاس آ جائیں گے تو اکیلے موسیٰ ان سے مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

(آیت نمبر۱۱۲) اس زمانے میں اس قدر جادو عام تھا۔ کہ اس موقع پر ستر ہزار جادوگر جمع ہو گئے تھے۔ فرعون یہ سمجھا تھا کہ اس طریقے سے میں موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہوں گا۔ لیکن اس کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ غالب ہمیشہ حق ہی رہتا ہے۔ حق کے مقابلے میں نہ علم چلتا ہے۔ نہ فہم وذکا کام دیتا ہے۔ نہ جادو چل سکتا ہے۔

(آیت نمبر۱۱۳) جب جادوگر آ گئے تو ان جادوگروں نے فرعون کے پاس آ کر اسے اپنے غلبے کا یقین دلایا۔ (لیکن انہیں انعام ملنے کا شک تھا۔ اس لئے کہ فرعون کنجوس آدمی تھا) اس لئے جادوگر کہنے لگے۔ کہ اگر ہم غالب ہوئے۔ تو کیا کوئی انعام وغیرہ ملے گا۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے غالب آنے کا تو انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔



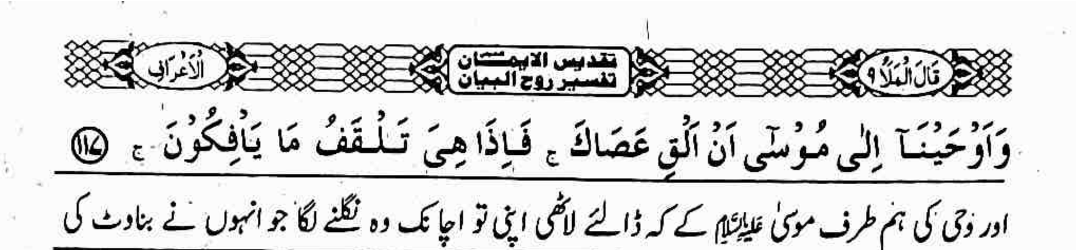
(آیت نمبر۱۱۴) تو فرعون نے کہا۔ کہ ہاں تمہیں انعام بھی ملے گا۔ اور تم میرے خاص مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔ **فائدہ:** یعنی آئندہ جب میری کچہری لگا کرے گی۔ تو تمہاری سیٹیں میرے قریب مخصوص ہوں گی اور اعلیٰ عہدے ملیں گے۔ **فائدہ:** اللہ کی شان فرعون کے مقرب تو نہ ہوئے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہو گئے۔

(آیت نمبر۱۱۵) ایک طرف جادوگر ستر ہزار اور دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام اکیلے ہیں۔ لیکن آمنا سامنا ہوتے ہی ان جادوگروں پر موسیٰ علیہ السلام کا رعب پڑ گیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے وجیہہ صورت عطا فرمائی تھی۔ فرعون پر تو پہلے ہی رعب پڑ گیا تھا جو اپنے آپ کو خدا کہلاتا تھا۔ جہاں عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ امار کر ان کی آنکھ پھوڑ دی تو جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کیا حیثیت رکھتے تھے)۔

(آیت نمبر۱۱۶) اس لئے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے باادب ہو کر عرض کی۔ کہ پہلے آپ اپنی عصا ڈالیں گے۔ یا ہم اپنی رسیاں اور ڈنڈے زمین پر ڈالیں۔

فائدہ: مفسرین فرماتے ہیں۔ اس ادب نے ہی ان کا بیڑا پار کر دیا۔ کہ انہیں دولت ایمان نصیب ہوئی۔

(آیت نمبر۱۱۷) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ پہلے تم ڈال لو۔ جو کچھ ڈالنا چاہتے ہو۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو تو پورا یقین تھا۔ کہ ان کے پاس جو بھی ہے۔ وہ باطل ہے۔ اور میرے پاس حق ہے۔ حق کے مقابل باطل کہاں ٹھہرے گا۔ تو جب انہوں نے اپنی رسیاں اور ڈنڈے زمین پر پھینکے۔ تو گویا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ یعنی اپنا پورا زور لگا کر لوگوں پر رعب ڈال کر انہیں ڈرایا۔ گویا وہ اپنے حساب سے بہت بڑا جادو کر کے لائے۔ اتنی بڑی تعداد تھی۔ کہ پورا میدان گویا سانپوں سے بھرا ہوا نظر آنے لگا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ چونکہ تماشہ دیکھنے آئے تھے۔ ان سے بھی میلوں تک میدان بھرا ہوا تھا اور جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں سے بھی میدان بھر گیا۔ جو سانپوں کی شکل دکھائی دیتی تھیں۔



وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۚ ﴿١١٧﴾

اور وحی کی ہم طرف موسیٰ علیہ السلام کے کہ ڈالئے لاٹھی اپنی تو اچانک وہ نگلنے لگا جو انہوں نے بناوٹ کی

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

پھر ثابت ہوگیا حق اور باطل ہوگیا جو تھا ان کا کیا کرتا ۔ تو مغلوب ہوگئے یہاں اور مڑے

صٰغِرِيْنَ ۚ ﴿١١٩﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۚ ﴿١٢٠﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ﴿١٢١﴾

ذلیل ہوکر ۔ اور گرادیئے گئے جادوگر سجدے میں ۔ بولے ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔

(آیت نمبر ١١٧) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ کہ آپ بھی اپنا عصا زمین پر ڈال دیں تو جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینک دیا۔ تو اچانک وہ نگلنے لگا۔ اس کو جو انہوں نے بناوٹ بنائی۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کا عصا جادوگروں کے تمام کرتب کو سب ڈنڈوں اور رسیوں کو نگل لیا۔ **فائدہ:** مروی ہے۔ کہ عصاءِ موسیٰ جادوگرون کی رسیوں کو نگلنے کے بعد تماشائیوں اور جادوگروں کی طرف متوجہ ہوا۔ تو سب دوڑے بھاگے۔ اور ایک دوسرے پر گرے ہزاروں آدمی اس طرح مرگئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے جوں ہی ہاتھ لگایا۔ تو پھر عصا اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

(آیت نمبر ١١٨) جادوگر سمجھ گئے کہ جو ہم نے کیا وہ جادو ہے۔ اور جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے کیا ہے۔ وہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ اب حق تو ثابت ہوگیا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ رسالت میں سچے ہیں۔ اور جو کچھ فرعونیوں اور جادوگروں نے کیا وہ سراسر باطل ہے۔ لیکن فرعون بدبخت اس بات کو نہ سمجھ سکا۔

(آیت نمبر ١١٩) اب فرعون اور اس کے ماننے والے اور جادوگر سب مغلوب ہوگئے۔ اسی جگہ یعنی تماشہ گاہ سے ہی ذلیل وخوار ہوکر لوٹے۔ (کیونکہ حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے۔ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے) ہزاروں جادوگروں کی ہار سے فرعون اور تمام فرعونی ککے بکے رہ گئے اور انتہائی ذلیل ہوگئے۔

(آیت نمبر ١٢٠) جب حق واضح ہوگیا۔ تو جادوگر (خوش نصیب) فوراً سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی توفیق سے سجدے میں گرادیا۔ اس لئے کہ وہ حق کو دیکھ کر نہ صرف حیران ہوئے۔ بلکہ فوراً ایمان لائے اور سجدہ میں چلے گئے۔ اور حق بات کا اعلان کردیا۔

(آیت نمبر ١٢١) اور بہ یک زبان سجدہ میں کہہ رہے تھے۔ کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔ پھر ساتھ ہی رب کی تشریح بھی کردی۔ کہ رب سے مراد وہ رب ہے۔

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ

جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا ۔ بولا فرعون تم ایمان لے آئے اس پر پہلے اس کے کہ میں اجازت دیتا تمہیں

اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ

بے شک یہ تو بڑا فریب ہے جو تم نے فریب کیا شہر میں کہ تم نکالو اس سے رہنے والوں کو۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

تو جلد ہی تم جان لو گے۔

(آیت نمبر ۱۲۲) جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔ کیونکہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب کہلاتا تھا۔ اس لئے اس وہم کو بھی ختم کر دیا۔ اور واضح کر دیا کہ ہمارا رب رب العالمین ہے اور کوئی نہیں۔ **فائدہ:** اسی تاریخ جادوگر ایمان لائے۔ اور اسی دن بنی اسرائیل نے بھی موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔ جو تقریباً چھ لاکھ تھے۔ اس بات نے فرعون کو اور بھی زیادہ بھڑکا دیا۔

(آیت نمبر ۱۲۳) جادوگروں کے ایمان لانے پر فرعون کو غصہ آیا اور جل بھن گیا کیونکہ اس نے سوچا کچھ تھا اور بن کچھ اور گیا تو انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا۔ کہ کیا تم اس موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے۔ اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ یعنی بغیر میری اجازت کے تم ایمان لے آئے۔ اگرچہ فرعون انہیں ویسے بھی ایمان لانے کی اجازت نہ دیتا۔ (یہ تو ڈکٹیٹر قسم کے لوگوں کا انداز گفتگو ہے) تو وہ بے ایمان کہنے لگا۔ بے شک یہ سب ایک مکر تھا۔ جو مکر تم سب نے مل کر کیا ہے۔ کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام سے مل کر یہ حیلہ کیا۔ یوں لگتا ہے کہ آپس میں ساز باز پہلے کی تم نے کی ہوئی تھی۔

ایک ضعیف روایت میں ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے سردار سے پہلے ہی ملے۔ اور اس کو اسلام پیش کیا۔ اور اس نے وعدہ کیا۔ کہ اگر آپ غالب آ گئے۔ تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور اس بات کا فرعون کو علم ہو گیا تھا۔ (لیکن یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی) تو فرعون کہنے لگا۔ کہ یہ سب تم نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف ایک مکر کیا۔ کہ تم یہاں مصر پر قبضہ کر لو اور یہاں سے اس کے شہریوں کو نکال دو اور اسرائیلیوں کو یہاں آباد کرو۔ اب تم جلد ہی اپنے انجام کو جان لو گے۔ کہ میں اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ **فائدہ:** چاہئے تو یہ تھا کہ فرعون ایمان لے آتا۔ مگر وہ اتنا نصیب کہاں سے لاتا۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾

میں ضرور کاٹوں گا ہاتھ تمہارے اور پاؤں تمہارے برعکس پھر ضرور سولی دونگا تمہیں سب کو

قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾ ج

بولے بے شک ہم طرف اپنے رب کے لوٹنے والے ہیں۔

(آیت نمبر۱۲۴) البتہ ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں برعکس کاٹ دونگا۔ یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری سائیڈ کا پاؤں کاٹوں گا۔ (چونکہ جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام سے مناظرے میں ہار جانا بھی فرعون کی ذلت تھی اور پھر ان کا مسلمان ہو جانا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جانا۔ یہ تو اس کیلئے موت سے کم نہ تھی۔ اور پھر اس فرعون کی ربوبیت سے کھلا انکار پوری دنیا کے سامنے اللہ وحدہ لاشریک کی ربوبیت کا اقرار یہ تو اور بھی اس کیلئے سخت ذلت کا باعث تھی۔ اگر فرعون میں ذرا سی غیرت کا مادہ ہوتا۔ تو اسے جادوگروں سے پہلے مسلمان ہو جانا چاہئے تھا۔ یا چھوٹی پلیٹ میں پانی لیتا اور ڈوب کر مر جاتا۔ مگر وہ بدنصیب ڈھیٹ تھا۔ جو سب کچھ برداشت کر گیا۔) تو کہنے لگا۔ کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں برعکس کاٹنے پر ہی اکتفا نہیں کروں گا۔ بلکہ پھر میں تمہیں ضرور بہ ضرور سولی بھی دے دونگا۔ یعنی دریائے نیل کے کنارے کھجور کے ٹنڈوں پر تم سب کو سولی کے لئے چڑھا دونگا۔ تا کہ تمہارے لئے یہ میرا عذاب باعث ذلت ہو۔ اور باقی لوگوں کیلئے باعث عبرت ہو۔ (کہیں وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے سے متاثر ہو کر مسلمان نہ ہو جائیں)۔ **فائدہ**: مفسرین فرماتے ہیں کہ صولی دینے کا کام۔ سب سے پہلے فرعون نے ہی کیا۔ پھر اس سزا کو ڈاکوؤں کیلئے شریعتوں میں بھی روا رکھا گیا۔ تا کہ لوگوں کو معلوم ہو۔ کہ ڈاکہ مارنا بہت بڑا گھناؤنا جرم ہے۔ اسی لئے ڈاکہ زنی کو اللہ رسول سے جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا گیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو جب فرعون نے یہ کڑی سزا سنائی۔ تو انہوں نے کہا۔

(آیت نمبر۱۲۵) اپنے ایمان پر پختگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ کہ بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی موت تو دیر یا سویر سے ضرور آنی ہے۔ پھر لوٹ کر اپنے رب کے پاس ہی جانا ہے۔ اس لئے ہمیں اب اس بات کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ اس حالت میں اگر اپنے رب کی بارگاہ میں جائیں گے تو اور زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ثواب کی امید ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی دیدار کے اور ہی زیادہ مشتاق تھے۔ اس لئے وہ اس طرح کی موت سے خوف زدہ ہونے کے بجائے خوش ہونے لگے۔ اس لئے کہ ایک تو انہیں شہادت کا اعلیٰ مرتبہ مل رہا تھا۔ اور دوسرا دیدار الٰہی کا شوق ان کے جذبے کو بڑھا رہا تھا۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ

اور نہیں برالگا تجھے ہم سے مگر یہ کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیات پر جب آئیں ہمارے پاس۔اے ہمارے رب

اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ؏ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ

ڈال ہم پر صبر اور موت دے ہمیں مسلمانی پر۔ اور کہا درباریوں نے جو قوم فرعون سے تھے

(آیت نمبر ۱۲۶) اور کہنے لگے۔ کہ تجھے ہم سے اور تو کوئی بری بات نہ لگی مگر صرف یہ کہ ہمیں اللہ کی طرف سے آیات اور دلائل حاصل ہو گئے۔ اور ہم اپنے رب کی آیات پر ایمان لے آئے۔ یہ تو سارے اعمال سے اچھا عمل ہے۔ اب اس کو چھوڑنا اور تجھے خوش کرنا ہم سے نہیں ہوگا۔ انہوں نے فرعون کو منہ پر ڈٹ کر جواب دیا۔ جس بے ایمان کے سامنے کوئی بول بھی نہیں سکتا تھا۔ (لیکن ایمان کامل اندر آ جائے۔ تو جرأت خود بخود آ جاتی ہے۔) اب انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہوئے۔ عرض کیا۔ کہ اے ہمارے رب کریم اس موذی نے جو کہا وہ کر دے گا اور تو ہم پر صبر انڈیل دینا۔ یعنی جب فرعون اپنی مرضی پوری کرتے ہوئے ہمیں سزا دے۔ اور صولی چڑھائے۔ تو ہمیں صبر کی توفیق عطا فرمانا۔ صبر انڈیلنا۔ اسے استعارہ بالکنایہ کہا جاتا ہے۔ یعنی بہت زیادہ صبر عطا فرمانا تا کہ ہم اس ظالم کے ظلم کو سہہ سکیں اور مسلمانی حالت میں ہمیں موت دے۔ جو ایمانی دولت ملی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں آخرت میں جانا نصیب فرما۔ اس فرعون خبیث کی دھمکیاں کہیں ہمیں ڈگمگا نہ دیں۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ اس کے فوراً بعد اس لعین نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوائے۔ اور نیل کے کنارے صولی پر چڑھا دیا۔ (اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوں ان پر جو ایک جابر ظالم بادشاہ کے سامنے حق پر ڈٹ گئے)

(آیت نمبر ۱۲۷) فرعونی لیڈروں نے کہا۔ کہ تو موسیٰ اور اس کی قوم کو کھلا چھوڑ رہا ہے۔

تشریح: مروی ہے۔ کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات عصا کا اژدھا بننا اور ہاتھ کا روشن ہونا اور جادوگروں کا مغلوب ہونا دیکھا۔ تو موسیٰ علیہ السلام کو کچھ نہ کہا (پتہ تھا۔ کہ کچھ کہا۔ تو اژدھے سے میں بچ نہیں سکتا۔) تو قوم کے لیڈر اس کے پاس جمع ہوئے۔ اور کہا کہ تو نے موسیٰ اور اس کی قوم کو کھلا چھوڑ دیا۔ تو وہ پھر زمین مصر میں اپنا دین پھیلا کر فساد کریں گے۔ پھر تیری پیروی سے لوگوں کو پھرالیں گے۔ تجھے اور تیرے خداؤں کو چھوڑ دیں گے۔

فائدہ: فرعون نے اپنے مجسمے بنا کر عوام کو پرستش کیلئے دیئے ہوئے تھے۔ اور کہا ہوا تھا۔ کہ ان کی پوجا پاٹ سے تم میرا قرب حاصل کرو گے۔ ان سب میں اعلیٰ میں ہی ہوں۔ تو فرعون نے ان لیڈروں کو تسلی دی۔ کہ فکر نہ کرو۔

اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ

کیا تو چھوڑتا ہے موسیٰ اور اس کی قوم کو کہ فساد کریں زمین میں اور چھوڑ دے تجھے اور تیرے خدا کو

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

بولا اب ہم قتل کریں گے ان کے بیٹے اور زندہ رکھیں گے عورتیں ان کی اور بے شک ہم اوپر ان کے غالب ہیں۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۬

فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم سے مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو بے شک زمین اللہ کی ہے

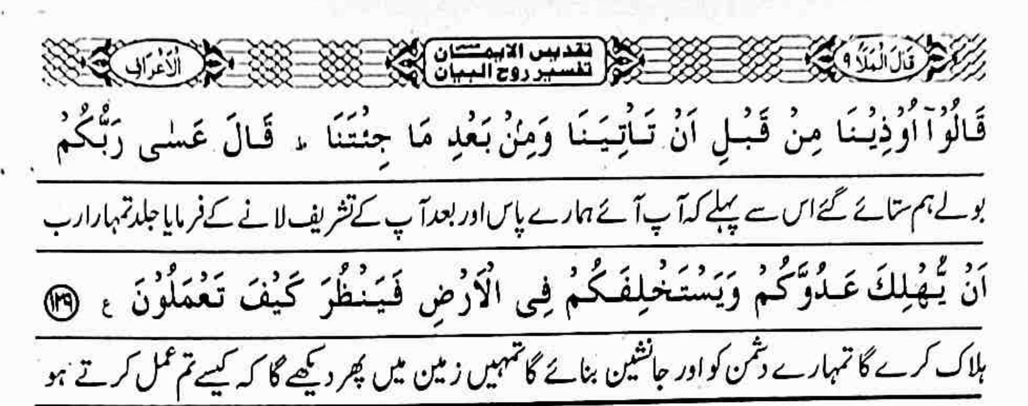
يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

وہ وارث بناتا ہے جسے چاہے اپنے بندوں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کیلئے

میں ان کے بیٹوں کو عنقریب قتل کروں گا۔ اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑ دیں گے۔ تاکہ بڑی ہو کر ہمارے گھروں میں کام کریں۔ بے شک ہم ان پر غالب ہیں۔ اور رہیں گے۔ ہم نے پہلے بھی ان کے ہزاروں بچے مارے (کیا ہوا کہ موسیٰ بچ نکلے) موسیٰ کا جادو سے مقابلہ کیا۔ (کیا ہوا ہار گئے کوئی فکر نہیں) یہ موسیٰ بے شک وہی ہے۔ جس کے متعلق جادوگروں اور کاہنوں نے بتایا تھا۔ پھر ہم نے اس کو روکنے کیلئے ہزار جتن کئے۔ (کیا ہوا۔ ہمارا کوئی حیلہ کامیاب نہ ہوا۔ ہم جیسا جھوٹا اور ڈھیٹ بھی دنیا میں اور کوئی نہیں ہوا نہ ہوگا)۔

(آیت نمبر ۱۲۸) اب فرعونیوں نے دوبارہ بنی اسرائیلیوں کو تختہ مشق بنا کر ظلم وستم شروع کر دیئے۔ تو قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی۔ تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے مدد اور دستگیری حاصل کرو۔ کہ وہی اس فرعون کے شر سے تمہیں بچائے گا۔ اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ دو۔ بے شک یہ زمین ساری نہ فرعون کی ہے نہ اس کے باپ کی۔ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔ اس زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھو اچھا انجام یا فتح ونصرت تو متقیوں کیلئے ہے۔

فائدہ: مروی ہے۔ کہ جب جادوگر مغلوب ہوئے۔ (اور فرعون اور فرعونیوں کو ذلت ہوئی) تو اکثر لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر یقین ہو گیا تھا۔ اور ان پر چونکہ دلائل و براہین واضح ہو چکے تھے۔ اس لئے بنی اسرائیل کے تمام افراد موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اور شرک وگناہ سے توبہ کی۔



قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ

بولے ہم ستائے گئے اس سے پہلے کہ آپ آئے ہمارے پاس اور بعد آپ کے تشریف لانے کے فرمایا جلد تمہارا رب

اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ع ﴿۱۲۹﴾

ہلاک کرے گا تمہارے دشمن کو اور جانشین بنائے گا تمہیں زمین میں پھر دیکھے گا کہ کیسے تم عمل کرتے ہو

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۸) **مسئلہ**: اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ ہر کام میں مدد اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے۔ اور تکالیف پر صبر کرنا بھی تقویٰ کی قسم سے ہے۔

(آیت نمبر ۱۲۹) بنی اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو سابقہ اذیتوں کے بارے میں بتایا۔ کہ جو انہیں فرعونیوں کی طرف سے پہنچتی رہیں۔ کہنے لگے۔ کہ فرعون کی طرف سے ہمیں ایذائیں دی گئیں۔ آپ کے تشریف لانے سے پہلے۔ اور اب پھر وہی تکالیف دی جائیں گی۔

تشریح: یعنی اے موسیٰ آپ کی ولادت کے وقت انہوں نے بے حساب ہمیں تکلیفیں پہنچائیں۔ بچوں کو قتل کیا۔ ہر طرح کی مشکلات میں مبتلا کیا۔ اور پھر آپ کے اعلان نبوت کے وقت بھی ہمیں بڑی تکلیفیں دی گئیں۔ آپ کے تشریف لانے کے بعد بھی یہ فرعون جو کچھ بھونک رہا ہے۔ یہ کر کے دکھائے گا۔ اس لئے کہ انہیں یقین تھا۔ کہ اب موسیٰ علیہ السلام کی عداوت میں پاگل ہو رہا ہے۔ لہذا اس طرح کے ظلم وستم کرنا اور عذاب میں مبتلاء کرنا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا۔ کہ یہ فرعون کی دھمکی سے انتہائی پریشان ہو گئے ہیں۔ تو آپ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں نے تمہیں پہلے بھی مختصراً بتایا تھا۔ کہ زمین فرعون کے باپ کی نہیں۔ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بناتا ہے۔ لیکن اب میں تمہیں کھلے الفاظ میں بتاتا ہوں۔ کہ اب وہ وقت دور نہیں ہے۔ عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو تباہ وبرباد کرے گا۔ جو ظلم وستم کرنے تھے کر لئے۔ اب اس کی ہلاکت کا وقت بہت قریب آ گیا ہے۔

قانون ہے۔ کہ عسیٰ کی نسبت بندے کی طرف ہو۔ تو خبر میں طمع دلانی مقصود ہوتی ہے۔ اور اگر عسیٰ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا واقع ہونا یقینی ہوتا ہے۔ کیونکہ کریم وعدے کو پورا کر کے چھوڑتا ہے۔ گویا اس نے وہ کام اپنے ذمہ واجب کر لیا ہے۔ اور فرمایا کہ تمہیں خوش خبری سناتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس زمین مصر کا اور بیت المقدس کا جانشین بنانے والا ہے۔ ابھی تو وہ دیکھ رہا ہے۔ کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ یا آئندہ کیسے عمل کرو گے۔ اچھے عمل کرو گے یا برے۔ اگر اچھے عمل کرو گے۔ تو وہ تمہیں زمین کا وارث بنائے گا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور البتہ تحقیق پکڑا ہم نے فرعونیوں کو کئی سال قحط اور نقصان پھلوں میں کہ شاید وہ نصیحت مانیں

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى

توجب ملتی انہیں اچھائی تو کہتے ہمارے لئے ہے یہ اور اگر پہنچتی انہیں کوئی برائی تو بدشگونی لیتے ساتھ موسیٰ کے

وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور جو ان کے ساتھی ہیں خبردار بے شک بدشگونی ان کی اپنی ہے اللہ کے نزدیک لیکن زیادہ تر ان میں نہیں جانتے

(بقیہ آیت نمبر۱۲۹) تاکہ تمہیں عمل کے مطابق جزا وسزا دے۔ اور یہ بھی دکھاتا ہے۔ کہ شکر گزار کون اور ناشکرہ کون ہے۔ اور اطاعت والا کون اور نافرمان کون ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کسی کو زمین میں خلافت دے کر دیکھتا ہے۔ کہ تم اس میں کیسا تصرف کرتے ہو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ پہلوں کو موت دے کر دوسروں کو خلیفہ بناتا ہے۔ تو وہ دیکھتا ہے۔ کہ تم اپنے سابقہ خلیفہ کے حالات سے عبرت حاصل کرتے ہو یا نہیں۔ اور خلیفہ بنانے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ تم اب زمین کی ہر چیز کے مالک ہو گئے ہو۔ خلیفہ حقیقی مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ مالک کی طرف سے کچھ دیر کیلئے عارضی مالک ہوتا ہے۔ حقیقی مالک ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(آیت نمبر۱۳۰) اور البتہ تحقیق ہم نے فرعونیوں کو پکڑا قحط سالی میں کئی سالوں تک یعنی ان کے فصلوں اور باغوں پر آفات بھیج کر یہ ان کے لئے بہت بڑی مصیبت تھی۔ کیونکہ قحط سالی میں زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ تو فرعونیوں پر اس لئے قحط سالی بھیجی کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور انہیں پتہ ہو۔ کہ یہ قحط ہمارے شامت اعمال کی وجہ سے ہوا۔ لہذا اچاہئے کہ وہ برے اعمال چھوڑ دیں۔ سرکشی اور عناد سے باز آ جائیں۔

(آیت نمبر۱۳۱) تو جب انہیں کوئی اچھی چیز مل جاتی ہے۔ یعنی رزق کی فراوانی۔ اور وسائل کی کثرت اور آسائش وسکون میسر ہوتا۔ تو کہتے کہ یہ تو ہمارا حق ہے۔ ہم اس کے مستحق تھے۔ یعنی اللہ کا تو نام بھی نہ لیتے۔ اور اگر انہیں کوئی برائی آتی۔ کوئی قحط سالی وغیرہ تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی مسلمانوں سے بدفالی لیتے کہ یہ مصیبت ان کی وجہ سے آئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ تم جھوٹ بکتے ہو۔ خبردار موسیٰ کا نام نہ لو۔ یہ بدفالی تمہاری اپنی شامت اعمال سے ہے۔ اللہ کے نزدیک قحط سالی یا خوش حالی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

17/17

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ

اور کہتے جتنی بھی لے آ ہمارے پاس نشانیاں کہ تو جادو کرے ہم پر ان سے تو نہیں ہم تجھ پر

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ

ایمان لانے والے۔ پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک

وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور خون جو نشانیاں جدا جدا تھیں۔ پھر تکبر کیا انہوں نے اور تھی وہ قوم مجرموں کی

(بقیہ آیت نمبر۱۳۱) **فائدہ:** کہ بندہ جب اعمال سیئہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے برے اعمال کی وجہ سے مصائب وشدائد میں مبتلا فرماتا ہے۔ تکالیف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے اپنے اعمال بد کی نحوست کی وجہ سے۔ آگے فرمایا۔ اور لیکن اکثر لوگ ان میں سے نہیں جانتے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان پر مصائب اتارے ہیں۔ وہ ان کے اپنے ہی اعمال کی نحوست ہے۔ لوگ برے اعمال کر کے بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ ہم نے تو کوئی غلط کام نہیں کیا۔

نکتہ: یہاں اکثر کی قید اس لئے لگائی۔ کہ ان میں سے کچھ وہ تھے۔ کہ جنہیں معلوم بھی تھا۔ کہ یہ ہماری بداعمالی کی وجہ سے ہے۔ لیکن ضد عناد اور تکبر انہیں اچھے کام نہیں کرنے دیتا تھا۔

(آیت نمبر۱۳۲) جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے کئی قسم کے معجزات انہیں دکھائے۔ تو وہ کہنے لگے۔ اے موسیٰ تم جو بھی ہمارے پاس لاؤ گے۔ معجزے وغیرہ۔ یا جو بھی ہماری مشکل حل کرو۔ ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ خواہ جتنا بھی آپ ہم پر جادو کریں۔ ہم نہ تو تمہاری نبوت کی تصدیق کریں گے۔ نہ تم پر ایمان لائیں گے۔

(آیت نمبر۱۳۳) پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان۔

فائدہ: مروی ہے۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کو اپنے چند معجزات عصا، ید بیضا، جادوگروں پر غلبہ۔ قحط سالی وغیرہ کے دکھائے۔ پھر بھی وہ نہ مانے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ کہ آپ جتنے مرضی ہے۔ ہمیں جادو دکھائیں۔ یا نشانیاں لائیں۔ ہم نہیں مانیں گے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ اس فرعون خبیث نے تیری ہی زمین پر قبضہ بھی کر رکھا ہے۔ اور تیرا سرکش بھی ہوگیا ہے۔ اور اس کی قوم بھی اس کے کہنے پر چلتی ہے۔ لہذا اب ان پر کوئی ایسا عذاب نازل فرما۔ کہ انہیں نصیحت ہو جائے۔ اور ان کے بعد آنے والوں کو عبرت ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ

علیہ السلام کی دعا کوقبول فرمالیا۔اوران پر بارش برسی جس سے ایسا طوفان آیا۔کہ جس نے سیلاب بن کر پورے ملک میں تباہی مچادی۔وہ ابھی تھما ہی تھا۔کہ اس کے فوراً بعد ٹڈیوں کا عذاب آ گیا۔اوراس قدر ٹڈیاں آئیں کہ نہ کوئی گھر خالی۔نہ کوئی کمرہ خالی بلکہ بستروں پر ٹڈیاں ہی ٹڈیاں ہوگئیں اور منہ کھولتے تو منہ میں ٹڈی چلی جاتی۔توان کی زندگی اجیرن ہوکررہ گئی تھی۔**حدیث شریف**:حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ ٹڈیوں کومت قتل کرنا۔یہ اللہ تعالیٰ کالشکر ہے۔(تفسیرابن کثیرومرقاۃ شرح مشکوۃ وبیہقی)۔**مسئلہ**:اس حدیث کی بناء پراگروہ کھیت اجاڑیں۔پھرتم ان کو قتل کرو۔اگروہ کوئی نقصان نہ کریں۔تو پھران کونہ مارو۔

مسئلہ:تمام مسلمان اس پرمتفق ہیں۔کہ ٹڈی حلال ہے۔اوراس کا کھانا جائز ہے۔بلکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ مردہ ملے یازندہ اس کا کھانا جائز ہے۔کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ ہمارے لئے دومرداراوردوخون حلال ہیں۔دومردار سے مراد(۱) مچھلی۔(۲) ٹڈی۔اوردوخون سے مرادجگراورتلی کاخون ہے۔

ٹڈی سے علاج:

۱۔ سلسل بول یعنی خودبخود پیشاب کے قطرے نکل جاتے ہوں۔تو ٹڈی کی دھونی سے فرق پڑسکتا ہے۔

۲۔ ابن سینا کا قول ہے۔کہ استسقاء کی بیماری والے کیلئے بھی مجرب ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے۔کہ ۱۲ عدد ٹڈی کے سراور پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔اس کے ساتھ موردخشک (پنساریوں سے مل جاتی ہے) ملاکر پیا جائے۔ تواس بیماری کیلئے مفید ہے۔

۳۔ بحری ٹڈی کا گوشت کوڑھ کی بیماری کیلئے بھی مفید ہے۔

اس کے بعد فرمایا۔اگلا عذاب ان پرقمل کا آیا۔کہ ہر چیز میں جوئیں پڑگئیں کوئی کپڑا کوئی برتن ایسا نہ ہوتا۔ جس میں جوئیں نہ بھرگئی ہوں۔

فائدہ:جوں انسان کے جسم کی میل کچیل سے پیداہوتی ہے۔اس کی وجہ سے نسیان بھی پیداہوتا ہے۔

شان نبوت: امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ حضور ﷺ کے جسم مقدس پرنہ مکھی بیٹھی نہ جوں دیکھی گئی۔ اس کے بعدفرعونیوں پرمینڈکوں کاعذاب آیا۔کہ ہرطرف مینڈک ہی مینڈک پھیل گئے۔حتیٰ کہ بستروں میں۔کپڑوں میں اورجوتوں میں کھانے کی برتنوں میں الغرض اس قدرمینڈک کی کثرت ہوئی۔کہ ان سے جان بچانے سے وہ عاجز آ گئے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

اور جب آپڑا ان پر عذاب تو بولے اے موسیٰ دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے

بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ

بہ سبب اس کے جو وعدہ ہے تیرے پاس البتہ اگر دور کر دیا تو نے ہم سے عذاب تو ضرور ہم ایمان لے آئیں گے تجھ پر

وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ ﴿١٣٤﴾

اور ضرور بھیج دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۳) **فائدہ:** سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مینڈک سب سے زیادہ ذکر الٰہی کرنے والا ہے۔ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ اس کی تسبیح ہے: "سبحان الملك القدوس" ہے۔ **حدیث** میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مینڈک کو مت مارو۔ اس لئے کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے کیلئے منہ میں پانی لا کر اس میں ڈالا (ابن کثیر)۔ اس کے بعد ان فرعونیوں پر خون کی بارش ہوئی۔ ہر طرف خون ہی خون پانی کے برتن خون سے بھرے ہوئے تھے نہ کہیں بیٹھ سکتے تھے۔ نہ لیٹ سکتے تھے جو کچھ کھاتے یا پیتے تھے وہ بھی خون بن جاتا تھا۔ بلکہ جو پانی بنی اسرائیل منہ میں ڈالتے وہ پانی ہوتا جب فرعونی منہ میں ڈالتے تو وہ خون بن جاتا تھا۔

عذاب الٰہی کا گھراؤ: ہر عذاب صرف قبطیوں کے گھروں تک تھا۔ بنی اسرائیلیوں کے گھروں میں ان چیزوں کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ یعنی ان عذابوں میں سے جب بھی ان پر عذاب آتا وہ صرف قبطیوں پر ہی آتا رہا۔ تو فرمایا۔ کہ یہ جدا جدا نشانیاں تھیں۔ جن میں اکثر عذاب کی شکل میں تھیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے تکبر کیا۔ کیونکہ وہ قوم ہی مجرموں کی تھ

(آیت نمبر ۱۳۴) جب بھی عذاب وغیرہ آتا۔ تو ہر بار یہی کہتے۔ کہ اے موسیٰ! ہمارے لئے دعا کرو۔ چونکہ تیرا تو اپنے رب سے معاہدہ ہے۔ کہ وہ تیری ہر بات مانتا ہے۔ اس کے سبب گویا اس معاہدے کا وسیلہ پیش کیجئے۔ **فائدہ:** قوموں پر جب بھی مصیبت آئی تو نبی کے وسیلہ سے ہی دعا کی گئی۔ تفسیر فارسی میں ہے۔ کہ نبی کا رب سے معاہدہ یہ ہے کہ نبی رب کے احکام لوگوں تک پہنچائے اور رب تعالیٰ ان کی حاجات کو پورا فرمائے۔ تو فرعونیوں نے کہا۔ اے موسیٰ اگر تو نے ہمارے عذاب کو دور کر دیا۔ تو ہم تجھ پر ضرور بہ ضرور ایمان لائیں گے۔ اور ضرور بہ ضرور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھی روانہ کر دیں گے۔ لیکن جب بھی عذاب ٹل جاتا۔ وہ وعدے کے منکر ہو جاتے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿١٣٥﴾

پھر جب ہٹا دیا ہم نے ان سے عذاب ایک مدت تک جہاں انہیں پہنچنا ہے اسی وقت وہ پھر جاتے

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

پھر ہم نے انتقام لیا ان سے تو غرق کیا ان کو دریا میں کہ بے شک انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو

وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾

اور تھے اس سے بے خبر۔

(آیت نمبر ۱۳۵) کہ پھر جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب کو ایک مدت تک کیلئے جس تک انہیں پہنچنا تھا۔ تو عذاب ہٹتے ہی وہ وعدہ توڑ گئے۔ یعنی وہ کہنے لگے۔ اس میں موسیٰ کا کیا کمال ہے۔ کچھ دنوں کیلئے تکلیف آئی تھی پھر وہ خود بخود ہی ٹل گئی۔ یعنی تکالیف اور امن آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایسا ایک دفعہ نہیں بلکہ نو دفعہ ہوا کہ عذاب آتا تو موسیٰ علیہ السلام کی منت کر کے دعا کرا لیتے جب عذاب ٹل جاتا تو وعدے سے پھر جاتے۔

(آیت نمبر ۱۳۶) پھر جب کسی طرح نہ مانے۔ تو پھر ہم نے ان سے انتقام لیا۔ کہ اتنی بار عہد شکنی کرنے کا یہی نتیجہ ہے۔ تو فرمایا کہ پھر ہم نے انہیں دریائے قلزم کے پانی میں غرق کیا۔

واقعہ: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ بنی اسرائیل کو رات ورات لے کر مصر سے نکل جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ رات بھر چلتے رہے۔ صبح کے وقت بحر قلزم کے کنارے پہنچے۔ پیچھے فرعون بھی اپنا لشکر لیکر پہنچ گیا۔ بنی اسرائیل بہت ہی ڈرے کہ آگے دریا کی موج پیچھے فرعون کی فوج اب کدھر جائیں گے، ہم تو پکڑے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے دریا میں لاٹھی ماری۔ دریا میں بارہ راستے خشک بن گئے۔ اور بنی اسرائیل وہاں سے گذر گئے۔ اور پیچھے فرعون کا لشکر بھی داخل ہو گیا۔ جب درمیان میں پہنچے تو دریا آپس میں مل گیا تو فرمایا کہ ہم نے فرعونیوں کو دریا میں غرق کر دیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری تمام آیات کو جھٹلایا۔ کیونکہ وہ ہماری نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود وہ غافلوں کی طرح ہو گئے تھے۔ انہوں نے ان میں کوئی غور وفکر ہی نہ کیا۔

فائدہ: یہ واقعہ سنانے کا مقصد مکہ والوں کو بتلانا مقصود ہے کہ قوم موسیٰ کی ہلاکت کا دار ومدار آیات الٰہیہ کی تکذیب اور ان سے روگردانی اور نقض عہد ہے۔ اگر تم بھی یہ کرو گے۔ تو تمہارا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ

اور ہم نے وارث بنایا اس قوم کو جو تھے کمزور زمین کے مشرقوں اور مغربوں کا جس میں

بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا

برکت رکھی ہم نے اور پورا ہوا وعدہ تیرے رب کا بہت اچھا اوپر بنی اسرائیل کے بوجہ اس کے جو

صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

صبر کیا اور تباہ کر دیا جو تھا بنایا فرعون اور اس کی قوم نے اور جو تھے چنائیاں اٹھاتے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ

اور پار کیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پھر آئے اوپر ایک قوم کے جو چوپڑ مار کر بیٹھے تھے

(آیت نمبر ۱۳۷) پھر ہم نے مصر کی زمین کا وارث بنایا انہیں جن کو کمزور بنایا گیا تھا۔ یعنی بنی اسرائیل کو۔ چونکہ ان پر ظلم وستم اور تشدد کیا گیا اور ان کے بچوں کو ذبح کیا۔ اور طرح طرح کے ان سے کام لئے۔ اور انہیں ذلیل کیا انہیں ہم نے مشرقوں یعنی شام کے علاقوں اور فراعنہ اور عمالقہ کے علاقوں کا وارث بنایا۔ جن زمینوں میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ تو پھر تیرے رب کی بات بھی پوری ہوگئی۔ یعنی جو فتح ونصرت کا وعدہ تھا۔ وہ بھی پورا ہوا۔ جو بہت اچھا کلمہ تھا۔ بنی اسرائیل پر بہ سبب اس کے جو انہوں نے فرعونیوں کے شدائد پر صبر کیا۔ اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے جو کچھ بنایا تھا۔ ہم نے اسے بھی تباہ کیا۔ اور جو کچھ انگوروں کے چھتے یا کھجوروں کے درخت لگائے تھے۔ وہ سب ختم ہوگئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عزیز وہی ہے جسے اللہ عزت دے۔ اور ذلیل وہ ہے۔ جسے اللہ ذلیل کرے۔ تو جو مصائب وآلام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے صبر کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے ضرور عزت نصیب فرماتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۳۸) اور بنی اسرائیل کو دریا عبور کرا دیا۔ یعنی دریائے قلزم سے صحیح سلامت نکل گئے۔

فائدہ: وہ دن دس محرم کا تھا۔ اس دن یہود روزہ رکھتے تھے حضور ﷺ نے فرمایا ہمارا زیادہ حق بنتا ہے کہ ہم روزہ رکھیں۔ لہٰذا امت کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ تو بنی اسرائیل دریا عبور کر کے ایک قوم کے پاس سے گذرے۔ غالباً قوم عمالقہ تھی یا کوئی اور تھے۔ جو بتوں کی پوجا کرنے کیلئے ان کے اردگرد چوپڑ مار کر بیٹھے تھے۔

عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ

اوپر بتوں اپنے کے انہوں نے کہا اے موسیٰ بنا دے ہمارے لئے بھی کوئی خدا جیسے ان کے خدا ہیں

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا

فرمایا بے شک تم لوگ جاہل ہو۔ بے شک یہ تو حال بربادی کا ہے جس میں یہ ہیں اور باطل ہے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

ہیں یہ کررہے ہیں فرمایا کیا سوا اللہ کے تلاش کروں کوئی خدا حالانکہ اس نے فضیلت دی تمہیں اوپر تمام جہانوں کے

(آیت نمبر ۱۳۸) تو بنی اسرائیلئے انہیں دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے۔ کہ ایسے مجسمے ہمارے لئے بھی بنادیں جیسے انہوں نے بتوں کے مجسمے بنائے ہیں۔ ان کی بات سن کر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بڑی جاہل قوم ہو۔ یعنی بدھو ہی ہو کہ اتنے معجزات اور مفصل آیات دیکھنے کے باوجود تم نے اتنا جاہلانہ سوال کر دیا۔

(آیت نمبر ۱۳۹) فرمایا۔ کہ یہ لوگ جو بتوں کے آگے جھک کر بیٹھے ہیں اور پوجا کر رہے یہ تو برباد ہونے والے لوگ ہیں۔ اور جس میں پڑے ہیں وہ دین باطل ہے۔ یہ عنقریب ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ اور جو کچھ یہ پرستش وغیرہ کر رہے ہیں بالکل باطل ہے۔ کیونکہ حکم شرعیہ کے بغیر کر رہے ہیں جو واضح کفر و شرک ہے۔

(آیت نمبر ۱۴۰) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا رب بنالوں۔ جو عبادت کے لائق بھی نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔ جو بزرگی تمہارے علاوہ کسی قوم کو نہیں ملی۔ پھر تمہارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو ایسے ایسے معجزات ملے۔ ایسی آیات مفصلات ملیں۔ جو پہلے کسی کو نہیں نصیب ہوئیں۔ ان بتوں کے پاس کیا۔ بس وہ صرف پتھر ہی تو ہیں۔ اور ان کے پاس بیٹھنے والے جاہل ہیں۔

فائدہ: امام حدادی فرماتے ہیں۔ کہ اس سے مراد قبطی ہیں۔ کہ اے بنی اسرائیل تم اگرچہ قبطیوں کے غلام بنے رہے۔ انہوں نے تمہیں ذلیل بنا کر رکھا۔ ہم تمہیں ان پر فضیلت دیتے ہیں۔ تم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

سبق: اس شخص پر بڑا افسوس ہے۔ جو نعمت کی قدر نہیں کرتا اور دینے والے کا شکر گزار نہیں ہوتا۔ اور جس نے انعام و احسان کیا ہو۔ اسے چھوڑ دے۔ اور جس نے کچھ دیا ہی نہیں۔ ان کا شکر گزار بنے۔

وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ

اور یاد کرو جب نجات دی ہم نے تمہیں فرعونیوں سے جو چکھاتے تمہیں برا عذاب کہ قتل کرتے

اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

بیٹے تمہارے اور زندہ چھوڑتے عورتیں تمہاری اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے

عَظِیْمٌ ۠ (۱۴۱) وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ

بڑی۔ اور وعدہ فرمایا ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا اور پوری کیں ہم نے وہ ساتھ دس کے پھر پورا ہوا

مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ

وعدہ اس کے رب کا چالیس راتوں کا اور فرمایا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے میرا نائب بن

قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ (۱۴۲)

میری قوم میں اور اصلاح کرنا اور نہ چلنا ان کی راہ جو فساد کرنے والے ہیں

(آیت نمبر ۱۴۱) اے بنی اسرائیلیو وہ وقت یاد کرو۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کرم نوازی سے تمہیں فرعونیوں کے ظلم وستم سے نجات دی۔ کہ وہ تمہیں انتہائی سخت اور اذیت ناک اور ہولناک مصائب وآلام دیتے تھے۔ اور خاص کر وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے۔ اور بیٹوں کو اپنی خدمات کیلئے زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس میں تم پر تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ کہ ہم تمہیں اچھائیوں اور برائیوں میں ہر طرح سے آزمائیں گے۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کا امتحان ہے۔

(آیت نمبر ۱۴۲) اور وعدہ دیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کا۔

فائدہ: آیت میں ظاہر تورات کا نام لیا۔ لیکن دن بھی اس میں شامل تھے۔ چونکہ عرب میں مہینے چاند کے حساب سے ہوتے ہیں۔ اور چاند رات کو ہوتا ہے۔ اس لئے لفظ لیلۃ بولا ہے۔ مگر اس سے مراد دن رات دونوں ہیں۔

یاد رہے: وعدہ کا ایفاء یہ ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام اتنے دن رات وہاں گذار لیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے موعودہ کتاب توراۃ عطا فرمائے گا۔ صراحۃً وعدہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لیکن اس میں ضمناً موسیٰ علیہ السلام

کے ایفائے وعدہ کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ کہ وہ طور پر تشریف لاکر معینہ مدت گذاریں گے۔ جس پر انہوں نے سر تسلیم خم کیا۔ اور اتنی مدت وہ وہاں رہے، آگے فرمایا کہ پھر ہم نے اسے مزید دس راتوں سے مکمل کیا۔ یعنی تیس دنوں میں دس راتیں اور بھی بڑھا دیئے۔ تو پھر چالیس دن کے بعد ان کے رب کا عطا کردہ وقت پورا ہو گیا۔

وقت اور میقات میں فرق:

میقات اس ٹائم کو کہتے ہیں۔ جس میں وہ عمل کیا جائے۔ اور وقت یہ ہے۔ کہ جس میں اس شیء کا وقوع ہو۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وقت چالیس راتوں میں مکمل فرما دیا۔

موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا: جناب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو پہلے سے ہی بتا رکھا تھا۔ کہ ایک دن آنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فرعونیوں کو تباہ فرمائے گا۔ اور اس کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ مجھے ایک کتاب عطا فرمائے گا۔ جس میں ہمارا زندگی کا ضابطہ حیات اور واضح دستور العمل ہوگا۔ کہ کن کن کاموں سے قرب خداوندی نصیب ہوگا۔ اور کن باتوں سے وہ راضی اور خوش نہیں ہوتا۔ بالآخر وہ وقت آیا۔ کہ جب فرعون تباہ برباد ہوا۔ اور اس کے ماننے والے بھی غرق ہوئے۔ اور بنی اسرائیل صحیح سلامت پار کنارے جا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے۔ کہ آپ نے کہا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر کتاب لاؤں گا۔ تو ابھی آپ گئے نہیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا۔ کہ ہمارے پاس طور پر آ کر تیس روزے رکھیں۔ یعنی ذی قعد کا پورا مہینہ روزہ رکھیں تو آپ نے پورے ماہ میں نہ کھایا۔ نہ پیا چونکہ کوہ طور پر حاضری۔ اور دیدار الٰہی کا شوق اور ذات حق کی قربت کا نشہ ایسا چڑھا تھا۔ کہ وہاں بھوک اور پیاس کا تصور بھی ذہن سے نکل گیا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ قرب الٰہی میں کھانے پینے کی حاجت ہی نہ رہی ہو۔

مزید دس راتوں کی وجہ: یہ ہوئی کہ لگاتار ایک ماہ نہ کھانے اور نہ پینے کی وجہ سے سے آپ نے منہ سے کچھ بو محسوس کی۔ آپ کو خیال آیا۔ کہ آج کلام ہونی ہے۔ اور میرے منہ سے بو آ رہی ہے۔ بہتر ہے مسواک کر لیا جائے۔ تا کہ بو دور ہو جائے۔ آپ نے مسواک کر لیا۔ تو فرشتوں نے کہا۔ کہ ہم آپ کے منہ سے کستوری کی طرح کی خوش بو پا رہے تھے۔ آج وہ محسوس نہیں ہو رہی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ آج میں نے مسواک کر لیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اسی وجہ سے وہ بو ضائع ہو گئی (اسی وجہ سے شافعی حضرات روزے کے دوران مسواک سے منع کرتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اب آپ ذوالحج کے دس روزے مزید رکھیں۔ اور یہاں ہی رہیں۔ پھر آپ سے کلام ہوگی۔ اس طرح تیس کے بجائے چالیس دنوں تک وہاں رہنا پڑا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف بھی ملا اور توراۃ بھی ملی۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ

اور جب آئے موسیٰ اپنے وعدے کے مطابق اور کلام کی اس سے اس کے رب نے کہا اے میرے رب دیدار کرا کہ میں دیکھوں

اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ

تیری طرف فرمایا ہرگز نہیں تو دیکھے گا مجھے۔ لیکن دیکھ طرف پہاڑ کے اگر وہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ

فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى

تو عنقریب تو دیکھ لے گا مجھے۔ پھر جب تجلی پڑی اس کے رب کی پہاڑ پر تو کر دیا اس کو پاش پاش اور گر گئے موسیٰ

صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

بے ہوش جب ہوش آیا تو کہا پاکی ہے تجھے میں رجوع لایا تیری طرف اور میں پہلا مسلمان ہوں

(بقیہ آیت نمبر۱۴۲) تاکہ اتنے دنوں میں وہ بو پھر لوٹ آئے۔ تاکہ ہمکلامی کا آپ کو شرف حاصل ہو۔ چنانچہ آپ نے دس روزے مزید رکھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ یا اللہ میں نے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین بنایا۔ یعنی وہ میرے قائم مقام کام کرے گا تاکہ تیرے اوامر ونواہی میں وہ میری قوم کا خیال رکھے۔ اور ان تمام کاموں میں ہماری اصلاح بھی فرمائیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام جب بھی کہیں جاتے۔ تو اپنے بھائی کو قوم پر نگران چھوڑ کر جاتے تھے۔ اور ان کو تنبیہ کرتے۔ جو جو امور قابل اصلاح ہیں۔ ان میں ان کی اصلاح فرماتے۔ اور ان کو موسیٰ علیہ السلام تاکید کرتے کہ جن جن معاملات میں تمہیں جانشین بنا کر جا رہا ہوں۔ ان کو درست رکھنے میں کوشش کریں۔ اور عبادت میں اخلاص کی تلقین فرماتے تھے اور فرماتے۔ کہ فسادیوں کے پیچھے نہ چلنا۔ یعنی جو آپ کو فسادی کی طرف دعوت دے اس کی بات نہ ماننا۔ چونکہ آپ نبی ہیں اور نبوی فراست سے اور سابقہ تجربہ سے فسادیوں کو جان چکے تھے۔ اس لئے انہیں اس بات کی تاکید کر دی۔

(آیت نمبر۱۴۳) اور جب حاضر ہو گئے موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کردہ وقت کے مطابق جو وقت انہیں دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف: حضرت وہب فرماتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لائے۔ تو جبریل امین بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ تو سب سے پہلے آپ نے غسل فرمایا۔ پاک اور صاف کپڑے پہنے۔ اس کے بعد پورے پہاڑ پر تاریکی چھا گئی۔ جس نے پہاڑ کو ڈھانپ لیا۔ تقریباً ایک فرسخ تک کے ایریا میں کوئی جن وانس اور

کوئی پرندحتی کہ کوئی کیڑا مکوڑہ نہیں رہا۔ موسیٰ علیہ السلام فرشتوں کے گھیرے میں تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام آسمانی ملائکہ کو بھی اس وقت دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہاں سے کھڑے کھڑے آپ نے عرش کو بھی دیکھ لیا۔ قضاء وقدر لکھنے والے فرشتوں کی قلموں کی آواز بھی سنی۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا۔ جو بلا واسطہ اور بلا کیف کلام تھا۔ وہ کلام صرف موسیٰ علیہ السلام ہی سن رہے تھے۔ پاس کھڑے جبریل بھی اس کلام کو نہیں سن رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کی وجہ سے کلیم اللہ کا لقب پایا۔

سوال: رہی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہوا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام جس سے ہمکلام ہیں۔ واقعی وہ اللہ ہی ہے۔

جواب: (۱) یہ کہ اس سلسلہ کلام میں انقطاع نہیں تھا۔ جیسے انسان کلام کے دوران رکتا ہے۔ کہ سانس ختم ہو جاتی ہے۔ نئی سانس لینے کیلئے سانس لینا پڑتا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہوگیا تھا۔ کہ میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں۔ جواب (۲): یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ آواز شش جہات سے آرہی تھی۔ اور صرف کان ہی نہیں۔ بلکہ جسم کا لوں لوں وہ آواز سن رہا تھا۔ یعنی ہمہ تن گوش ہوگئے تھے۔ تمام جسم کے اعضاء گویا کان ہوگئے۔ اور سن رہے تھے۔ اور کلام کی لذات پا رہے تھے۔ ایسی کلام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں کرسکتا۔

کلیم وحبیب کا فرق: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کی سختی اور مخالفت کے زور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بطور انعام کلام کی نعمت سے نوازا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون اور فرعونی تو دشمن تھے ہی ان کی قوم اور رشتہ داروں میں بھی قارون جیسے لوگ مخالفت کرتے تھے۔ اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن فرعون سے بھی زیادہ سخت تھے۔ جو آپ کے قتل کے بھی درپے تھے۔ فرعون نے مرتے وقت تو کلمہ پڑھ لیا۔ خواہ قبول نہیں ہوا۔ لیکن ابوجہل تو اس وقت بھی اکڑا رہا۔ جب وہ مر رہا تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر انعام ڈبل ہوا۔ کہ کلام بھی ہوا اور دیدار بھی ہوا۔

دیدار کی آرزو: موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ تو اس کلام کی لذت نے دیدار کے شوق کا طالب بنا دیا۔ سوچا کہ جس کی کلام میں اتنی لذت ہے۔ اس کے دیدار میں کتنا سرور ہوگا۔ اس لئے دیدار کی آرزو ظاہر کردی۔ (۲) دوسری بات یہ ہے۔ کہ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ کہ جب بہتر چیز پالیتا ہے۔ پھر اس سے بہتر کی تلاش میں ہوجاتا ہے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ اے میرے رب مجھے اپنا آپ دکھا تاکہ میں تجھے دیکھوں۔

مسئلہ: موسیٰ علیہ السلام کے سوال سے اہل سنت نے یہ عقیدہ قائم کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس جہاں میں بھی محال نہیں ہے۔ ورنہ موسیٰ علیہ السلام یہ سوال نہ فرماتے آگے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے موسیٰ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

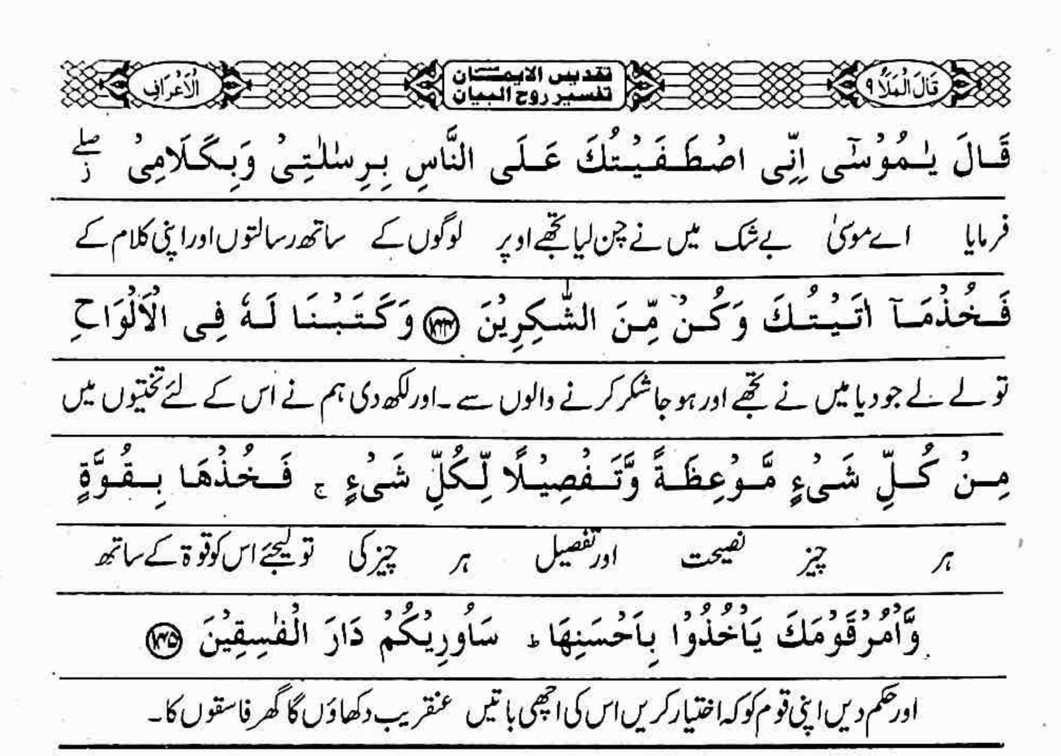
مسئلہ: اس کلمہ میں بھی اہل سنت کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے کوئی

بھی نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ یہ فرمایا۔ کہ اے موسیٰ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ یعنی کوئی ایسا بھی ہے جو دیکھ سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ لن ترانی کہنے میں رویت کی نفی نہیں۔ یہاں اصل میں استعداد کی نفی ہے۔ کیونکہ دیدار کا تحقق حصول استعداد پر موقوف ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے شیخ کامل قدس سرہ کے سامنے لن ترانی کی تفسیر کے متعلق مفسرین کے حوالہ جات پیش کرنے کے بعد ان کی اپنی تحقیق چاہی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق رویت کا انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ آپ اپنی بشریت کے پردے میں مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے کہ بشریت میرے دیدار کیلئے حجاب ہے۔ دیدار کا حصول صرف اس وقت ہو سکتا ہے۔ جب بشریت و انائیت مٹ جائے۔ اور فناء کلی نصیب ہو۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ چونکہ وہ محبوب ہیں۔ محبوبوں کا معاملہ جدا ہوتا ہے۔ ان کو ایک امتیازی شان ملی ہے۔ وہاں کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کو رسائی نصیب نہیں ہوئی۔ دنیا میں دیدار الٰہی کی نعمت سے صرف ہمارے حضور نوازے گئے۔ کیونکہ یہ نعمت سب نعمتوں سے اعلیٰ ہے۔ اور یہ نعمت اسی کو نصیب ہوئی۔ جو ساری کائنات میں سب سے مکرم و معظم ہستی ہے۔ مقام محمود کے مالک بھی وہی ہیں۔ اس لئے آپ نے معراج کی رات اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

نکتہ: موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کا سوال کیا۔ تو جواب ملا لن ترانی اور ہمارے حضور کو بغیر مانگے دیدار سے نوازا گیا۔ بن مانگے کی قیمت مانگ کر ملی ہوئی چیز سے زیادہ ہوتی ہے۔ آگے فرمایا۔ لیکن اے موسیٰ پہاڑ کی طرف دیکھ۔ یعنی مجھے دیکھنے کیلئے پہاڑ کو وسیلہ بنائیے۔ اگر پہاڑ جلوہ برداشت کر گیا۔ تو آپ بھی دیکھ لیں گے۔ اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہا۔ تو پھر آپ بھی مجھے دیکھ لیں گے۔ یعنی آپ کو بھی پھر دیدار کی ہمت ہو جائے گی۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے اپنا جلوہ پہاڑ پر ظاہر فرمایا۔ **فائدہ**: تفسیر فارسی میں ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور یا عرش کے نور سے سوئی کے ناک کے برابر ظاہر فرمایا۔ تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کواشی میں ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بے ہوش نہ ہوتے۔ تو ان کا بھی وہی حال ہوتا جو پہاڑ کا ہوا۔ اور آپ ایک دن رات بے ہوش ہی رہے۔ اور یہ دن بھی یوم عرفہ یعنی نانویں ذوالحج کا تھا۔



قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ

فرمایا اے موسیٰ بے شک میں نے چن لیا تجھے اوپر لوگوں کے ساتھ رسالتوں اور اپنی کلام کے

فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ

تو لے لے جو دیا میں نے تجھے اور ہو جا شکر کرنے والوں سے ۔ اور لکھ دی ہم نے اس کے لئے تختیوں میں

مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ

ہر چیز نصیحت اور تفصیل ہر چیز کی تو لیجئے اس کو قوت کے ساتھ

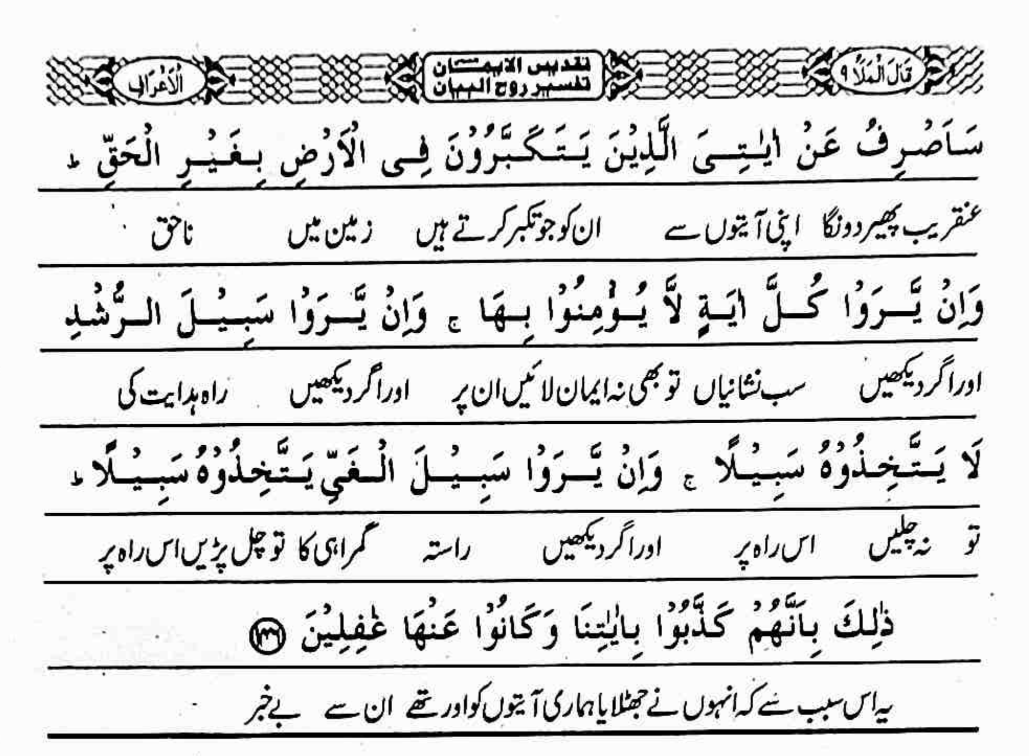
وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور حکم دیں اپنی قوم کو کہ اختیار کریں اس کی اچھی باتیں عنقریب دکھاؤں گا گھر فاسقوں کا۔

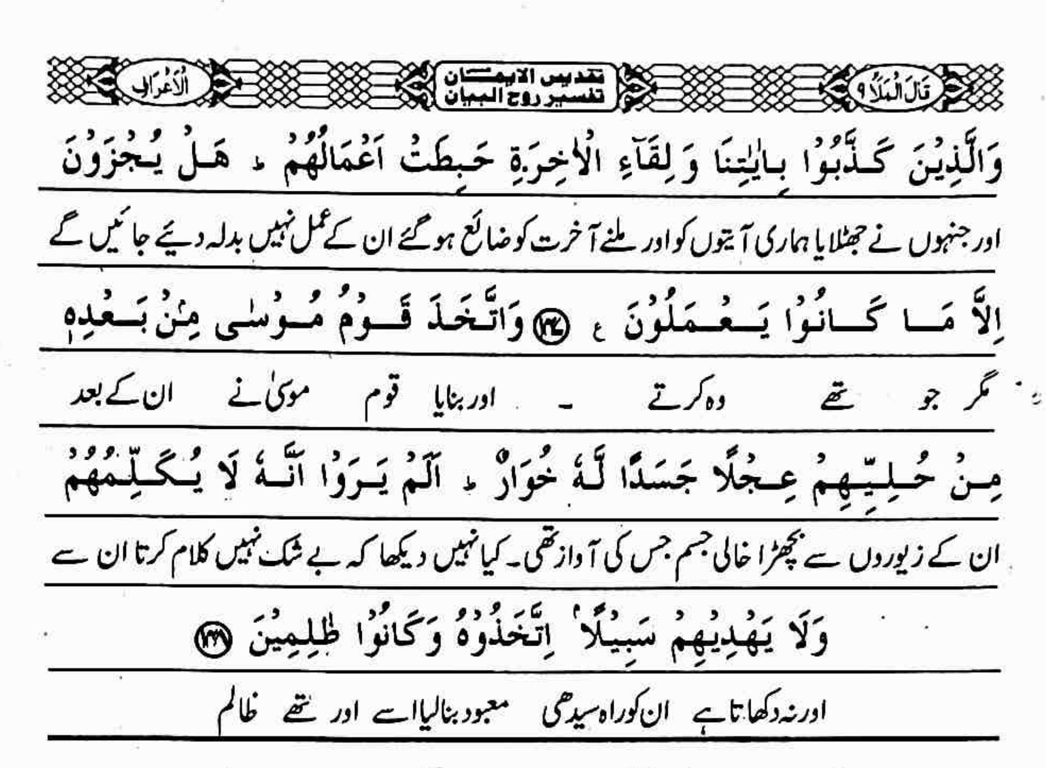
(بقیہ آیت نمبر ۱۴۳) تجلیات الٰہیہ پڑنے کی وجہ سے یہ پہاڑ بھی جنت میں جائیگا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوشی سے افاقہ ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تعظیماً عرض کیا۔ یا اللہ تیری ذات پاک ہے۔ میں نے جو سوال کرنے کی جرات کی اس پر تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔ اور میں تیری عظمت وجلال پر سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔

(آیت نمبر ۱۴۴) جب موسیٰ علیہ السلام تائب ہو گئے۔ اور پہلا مومن ہونے کا اقرار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے تجھے تیرے ہم عصر لوگوں پر چن لیا۔ حضرت ہارون اگر چہ عمر میں بڑے تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبع ۔ تو فرمایا کہ میں نے تجھے اپنی رسالت اور کلام کیلئے چن لیا۔ لہذا میں نے جو کچھ آپ کو دیا۔ شرف نبوۃ اور بزرگی یا حکمت وغیرہ اسے لیں اور میری نعمتوں پر شکر کرنے والوں سے ہو جائیں۔

(آیت نمبر ۱۴۵) اور ہم نے ان کیلئے تختیوں میں ان کی ضرورت کے تمام مسائل لکھ دیئے۔ جن باتوں کی نصیحت کی تھی اور ہر چیز کی اس میں تفصیل تھی۔ لہذا انہیں مضبوط ارادہ سے لے لیں۔ اور اپنی قوم کو جا کر حکم دیں کہ وہ اس میں سے احسن یعنی وہ امور لے لیں۔ کہ جن پر عمل کرنے سے ثواب زیادہ ملتا ہے۔ کتاب الٰہی میں غیر احسن تو کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہاں مراد ہے کہ بعض امور میں ثواب کم اور بعض میں زیادہ ہوتا ہے۔ تو جسے لینا چاہیں لے لیں۔ آگے فرمایا کہ عنقریب ہم تمہیں فاسقوں کے گھر دکھائیں گے۔ یعنی مصر میں فرعونیوں کے گھر تباہ ہو چکے ان کے کھنڈرات تمہیں دکھائیں گے یا تمہیں ان کا وارث بنائیں گے۔



(آیت نمبر۱۴۶) ہم ان منکروں کے دلوں پر ایسی مہر لگادیں گے۔ جو زمین میں اپنے آپ کو ہی بڑا سمجھتے ہیں۔ پھر وہ میری آیتوں میں نہ غور وفکر کرسکیں گے۔ نہ ان سے عبرت حاصل کرسکیں گے۔ نہ ان آیات سے نفع اٹھا سکیں گے۔ **فائدہ:** یہاں آیات سے وہ نشانیاں مراد ہیں جوان کے نفسوں اور دنیا کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کے آثار سے جو فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ ان کے حاصل کرنے کا فائدہ نہیں پاسکیں گے۔ جو ناحق تکبر کرتے ہیں۔ **فائدہ:** معلوم ہوا۔ کہ تکبر انسان کو آیات خداوندی سے نفع اٹھانے سے بھی روکتا ہے۔ بلکہ ان کے ضائع ہونے تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے بنی اسرائیل کو تکبر سے ڈرایا جارہا ہے۔ کہ اگر تم میں تکبر ہوا۔ تو ہدایت سے محروم ہوجاؤ گے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ متکبرین کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی فہم دانی سے محروم کردیتا ہے۔ اور انہیں قرآن میں تدبر کرنے کا موقع ہی نہیں دیتا۔ **فائدہ:** یہ خدائی اٹل فیصلہ ہے۔ کہ ظالموں جابروں کے دل حکمت قرآن کے فہم سے محروم رہیں گے۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر وہ کوئی نشانی (معجزہ) دیکھ بھی لیں۔ تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یعنی انکار ہی کریں گے۔ اور اگر ہدایت کا صحیح راستہ بھی دیکھ لیں۔ تب بھی سیدھا حق والا راستہ جان بوجھ کر بھی نہیں اپنائیں گے۔ اس لئے کہ ان پر شیطنت سوار ہے۔ اور وہ راہ حق سے انحراف پر اس کی وجہ سے اتنے پختہ ہوگئے ہیں کہ سچے راستے کی طرف آنے کیلئے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔ بلکہ ان کے تکبر اور آیات کے انکار کی نحوست نے انہیں حق کی راہ سے بہت دور کردیا۔



وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ

اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ملنے آخرت کو ضائع ہو گئے ان کے عمل نہیں بدلہ دیئے جائیں گے

اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۠ ﴿۱۴۷﴾ وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ

مگر جو تھے وہ کرتے ۔ اور بنایا قوم موسیٰ نے ان کے بعد

مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ

ان کے زیوروں سے بچھڑا خالی جسم جس کی آواز تھی۔ کیا نہیں دیکھا کہ بے شک نہیں کلام کرتا ان سے

وَ لَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾

اور نہ دکھاتا ہے ان کو راہ سیدھی معبود بنالیا اسے اور تھے ظالم

(بقیہ آیت نمبر ۱۴۶) اور یہی لوگ اگر گمراہوں والے راستے کو صحیح راستہ جان کر اختیار کر لیں اور اس سے پیچھے ہرگز نہیں ہٹیں گے۔ اس لئے کہ وہ راستہ ان کی خواہش کے مطابق ہوگا اور یہ ان کا تکبر اور آیات پر ایمان نہ لانا اور راہ حق سے منہ پھیرنا اس وجہ سے ہے۔ کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ **فائدہ:** آیات سے مراد یا تو وہ اوصاف ہیں۔ جو موسیٰ علیہ السلام میں پائے جاتے ہیں۔ جو حق اور بہتر ہیں۔ یا آیات سے معجزات مراد ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات ہیں۔ کہ جن سے وہ لوگ غافل تھے۔ کیونکہ ان میں وہ غور و فکر نہیں کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۴۷) اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ اور قیامت کے دن کی ہماری ملاقات کو بھی جھٹلایا۔ ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے۔ یعنی جو بھی کوئی پہلے کے نیک عمل کئے ہوئے تھے۔ صلہ رحمی یا مظلوم کی فریاد رسی وغیرہ وہ سب کچھ ضائع ہو گیا۔ بروز قیامت ان کو اس سے کوئی نفع نہ ہوگا۔ وہ سزا پائیں گے۔ اس کی جو وہ برے عمل کرتے رہے یعنی کفر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کرتے رہے۔

فائدہ: سابقہ آیات میں تکبر کی مذمت بیان ہوئی۔ کیونکہ شیطان بھی مردود ہوا تو تکبر کی وجہ سے۔ (تکبر عزازیل را خوار کرد۔۔۔ بہ زندان لعنت گرفتار کرد)

(آیت نمبر ۱۴۸) موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد ان کی قوم نے زیورات کو ڈھال کر اس سے ایک بچھڑا

بنایا۔اور موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے سے پہلے اس بچھڑے کی پوجا بھی شروع کردی۔حالانکہ وہ صرف ایک جسم ہی تھا۔ جوسونے کا بنایا گیا۔اور اس میں روح بھی نہیں تھی۔البتہ اس سے آوازیں آتی تھیں۔یا اس وجہ سے کہ اندر سے خالی تھا۔ہوا ایک طرف سے جاتی اور دوسری طرف سے نکلتی تو اس سے آواز پیدا ہوتی۔

بچھڑے کی کہانی: بنی اسرائیل کی عورتوں نے مصر سے نکلتے وقت فرعونی عورتوں سے ادھار زیورات لے لئے تھے کہ ہم شادی کی رسم کے بعد واپس کردینگی۔جب دریا کو عبور کرلیا۔تو اب واپسی ناممکن تھی زیورات ان کے پاس ہی تھے۔تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام سے پوچھا۔کہ ہم ان زیورات کا کیا کریں۔انہوں نے فرمایا کہ اسے پھینک دو۔انہوں نے سارا زیور پھینک دیا۔تو سامری زرگر نے اٹھالیا۔اور اسے پگھلا کر سونے کا ایک بچھڑا تیار کرلیا۔ چونکہ سونے چاندی کے کام کا ماہر تھا۔(فرعون بمعہ لشکر جب دریا کے کنارے آیا۔تو اس کا گھوڑا دریا میں نہیں داخل ہورہا تھا۔جبریل علیہ السلام گھوڑی پر بیٹھ کر فرعون سے پہلے داخل ہوئے پیچھے گھوڑا بھی داخل ہوگیا۔) سامری نے گھوڑی کے قدم رکھنے سے پہچان لیا۔کہ یہ دنیا کی گھوڑی نہیں۔کیونکہ وہ جہاں قدم رکھتی وہاں سے سبزا اگ آتا ہے۔تو سامری سنیار نے گھوڑی کے پاؤں سے لگنے والی مٹی کو اپنے پاس رکھ لیا۔جب سونے کا بچھڑا تیار کیا۔تو وہ مٹی اس میں ڈال دی۔اسی وقت اس سے آوازیں آنا شروع ہوگئیں تو سامری نے بتایا۔کہ موسیٰ علیہ السلام تیس راتوں کا کہہ کر گئے۔ابھی نہیں آئے۔اصل میں خدا اس بچھڑے میں آگیا ہے۔اور موسیٰ علیہ السلام تو بھول کر وہاں تلاش کررہے ہیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کی اکثریت بچھڑے کی پوجا میں لگ گئی۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ ان بے وقوفوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ بے شک وہ نہ تو ان سے کوئی گفتگو کرتا ہے نہ ان کو فائدہ دیتا ہے۔وہ خالی ڈھول کا ڈھول تھا جسے ہوا کے سامنے رکھا گیا۔تو اس سے آوازیں نکلنے لگیں۔آگے فرمایا کہ وہ سیدھے راہ کی ہدایت بھی نہیں دے سکتا تھا۔اس میں تو یہ صلاحیت ہی نہ تھی کہ وہ کسی کو بھلائی والا راستہ دکھائے۔یعنی انہوں نے اسے معبود بنایا۔جس میں معبود ہونے کی کوئی علامت نہ تھی۔اس لئے وہ ظالم تھے۔کہ غیر خدا کو خدا جان لیا۔یعنی جس چیز میں بات کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔اور یہ بھی صلاحیت نہ تھی۔کہ وہ کسی کو سیدھی راہ دکھا سکے۔یا کسی کو بھلائی کے راستے پر لگا سکے۔تاکہ لوگ اس کی بات سن کر کوئی نیکی کرسکیں۔نہ وہ کسی کو برائی کرنے سے روک سکتا تھا۔کہ لوگ اس کے کہنے پر برائی سے رک جائیں۔ایسی شیء کو خدا بنالیا۔اور اس کی عبادت شروع کردی۔معبود تو وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتا بھی ہے۔اور اس پر چلاتا بھی ہے۔وہ اپنے پوجنے والوں کو بے کار نہیں چھوڑتا۔انہیں فائدے کی بات بتاتا اور نقصان سے بچاتا ہے۔مگر انہوں نے ایک بے کار چیز کو خدا بنالیا تھا تو ان جیسا کون ظالم ہوسکتا ہے۔**فائدہ:** بنی اسرائیل کے ساٹھ ہزار میں سے صرف بارہ ہزار اس بچھڑے کو پوجنے سے بچ گئے۔باقی سب اس کی پوجا میں لگ گئے تھے۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا

اور جب گرے ہاتھوں میں (پچھتائے) اور سمجھے کہ بے شک وہ گمراہ ہوگئے کہنے لگے اگر نہیں رحم فرمائے گا

رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى

ہمارا رب اور نہ بخشا ہمیں تو ضرور ہم ہوں گے خسارہ والوں میں ۔ اور جب مڑے موسیٰ طرف

اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ

اپنی قوم کے غصے میں افسوس کرتے فرمایا کتنی بری جانشینی کی تم نے میرے بعد

(آیت نمبر ۱۴۹) اور جب گرے اپنے ہاتھوں میں یعنی پشیمان ہو کر سخت پریشان ہوگئے۔ جب آدمی کسی غلطی پر سخت نادم ہو۔ تو ہاتھوں کو چباتا ہے۔ یہ محاورہ ہے سخت پشیمان ہونے کا کہ وہ سخت نادم ہوئے۔ اور انہوں نے سمجھ لیا۔ کہ وہ بچھڑے کو پوج کر سخت گمراہ ہوگئے۔ یہ علم ان کو یقینی حاصل ہوگیا۔ اسے رؤیت سے اس لئے تعبیر کیا۔ کہ انہیں عین الیقین حاصل ہوگیا تھا۔ کہ انہوں نے بہت بڑی غلطی کرلی۔ اب وہ کہنے لگے کہ اگر ہم پر ہمارے رب نے رحم نہ کیا۔ اور ہمیں نہ بخشا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے۔ کہ توراۃ نازل فرما کے اللہ تعالیٰ ہم پر رحم بھی فرمائے گا۔ اور گناہ بھی بخش دے گا۔ اگر ایسا نہ ہوا۔ تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں اور ہلاک ہونے والوں میں سے ہوجائیں گے۔

فائدہ :اگر چہ ان کی پشیمانی موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپس آنے کے بعد ہے۔ قرآن مجید میں بعض واقعات کو مقدم ومؤخر کرکے کسی حکمت کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔ (تاکہ معلوم ہو کہ یہ ناول یا سٹوری نہیں ہے۔ بلکہ یہ قرآن حقائق بیان کرتا ہے)۔

(آیت نمبر ۱۵۰) اور جب موسیٰ علیہ السلام طور سے اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ تو انتہائی غصے میں افسوس کرتے ہوئے آئے۔ چونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام کو وہاں طور سے معلوم ہوگیا تھا۔ کہ قوم بچھڑا پرستی میں مبتلا ہوگئی ہے۔ اس بناء پر آپ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ میرے پیچھے تم نے بہت برا کیا۔ یعنی میری عدم موجودگی میں بچھڑا پوج کر تم نے از حد برا کام کیا۔ کیا تم نے اپنے رب کے حکم کے خلاف کرنے میں بھی اتنی جلد بازی کی۔ کہ اس کے حکم کی تم نے نافرمانی کردی۔ مراد یہ ہے۔ کہ بنی اسرائیلوں کو موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا ضرور انتظار کرنا چاہیے تھا۔ ان کی واپسی تک کا جو انہوں نے وعدہ کیا ہوا تھا۔ اس پر قائم رہتے آگے فرمایا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان تختیوں کو نیچے رکھ دیا۔ جن پر توراۃ لکھی تھی۔ اور غصے کے عالم میں اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا۔ اور غصے سے اپنی طرف کھینچنے لگے۔

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ؕ

کیا جلدی کر دی تم نے حکم ربی پر اور رکھ دی تختیاں اور پکڑ لئے سر کے بال اپنے بھائی کے کھینچا اسے اپنی طرف

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ

بھائی نے کہا اے ماں کے بیٹے بے شک قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مار دیتے مجھے تو نہ خوش کریں

بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ

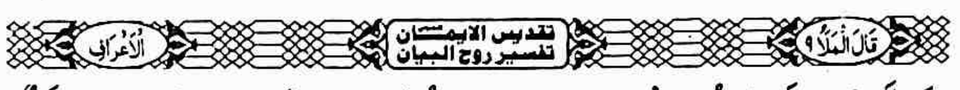
مجھ سے دشمنوں کو اور نہ کریں مجھے شامل قوم ظالم سے ۔ فرمایا میرے رب بخش مجھے

وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع

اور میرے بھائی کو اور داخل فرما ہمیں اپنی رحمت میں اور تو بڑا مہربان ہے رحم کرنے والوں پر

موسیٰ علیہ السلام اس خیال میں تھے۔ کہ شاید ہارون بھائی نے ان کو ہدایت دینے میں کوئی سستی کی۔ حالانکہ انہوں نے بنی اسرائیلیوں کو گمراہی سے بچانے میں پوری کوشش کی۔ لیکن حضرت ہارون انتہائی حلیم الطبع اور بہت نرم دل تھے۔ اگر چہ موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں سال بھر بڑے تھے۔ تو جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے بالوں سے پکڑا۔ تو جناب ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ اور میری ماں جائے (بھائی) ماں کا نام اس لئے لیا۔ تا کہ بھائی کا دل ماں کا نام سن کر نرم ہو جائے۔ کہا بے شک میری قوم نے مجھے عاجز بنا دیا قریب تھا کہ وہ مجھے قتل بھی کر دیتے۔ یعنی میں نے انہیں اس برائی سے روکنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن مخالفت میں وہ اس قدر مجھ پر غالب آ گئے۔ قریب تھا کہ مزید میرے روکنے پر وہ مجھے قتل بھی کر دیتے۔ لہذا آپ مجھ پر ناراض ہو کر دشمنوں کو خوش نہ کریں۔ آپ کا اس طرح مجھے غصے ہونا۔ ان کی خوشی کا باعث ہوگا۔ وہ تو پہلے ہی یہی چاہتے تھے۔ کہ میری اہانت ہو۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے۔ کہ آپ مجھے بھی ان ظالموں کے ساتھ نہ ملائیے یعنی گناہ گار اور قصور وار تو پوجنے والے ہیں۔ میں انہیں روکنے والا ہوں۔ دونوں کو ایک جیسا نہ سمجھئے۔

(آیت نمبر ۱۵۱) اب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا تو فرمایا اے میرے رب جو میں نے بلا وجہ بھائی کو تکلیف دی تو مجھے بخش دے اور میرے بھائی نے قوم کو بچھڑے کی پوجا سے روکنے میں کمزوری کی ہو۔ تو تو اسے بھی بخش دے۔



اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ

بے شک جنہوں نے بنایا (معبود) بچھڑے کو جلد پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور ذلت

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

زندگی دنیا میں اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں بہتان گھڑنے والوں کو

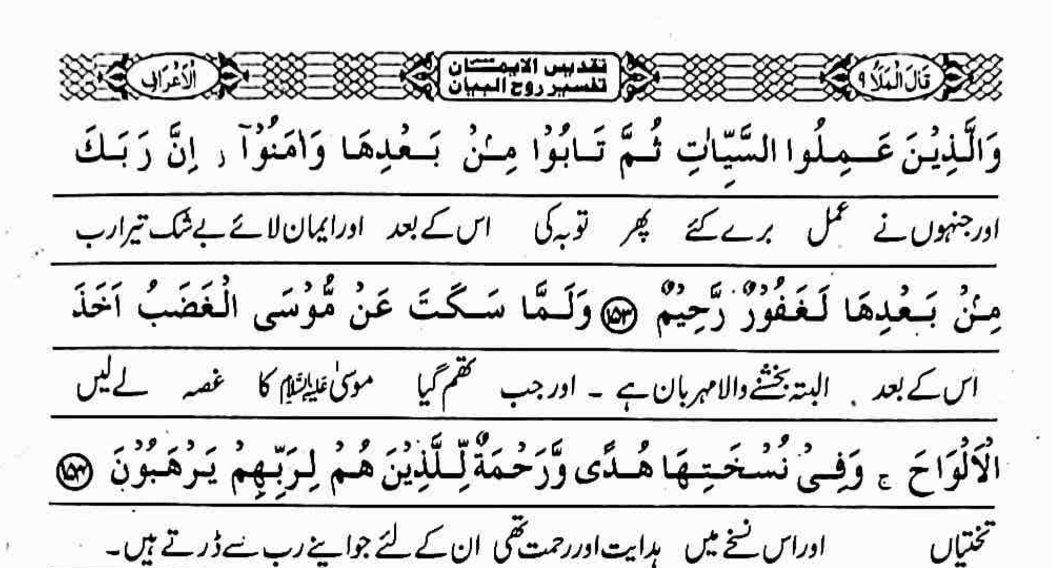
(بقیہ آیت نمبر ۱۵۱) **نکتہ**: انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود استغفار کرتے ہیں۔ اور عرض کیا کہ اے اللہ ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما۔ یعنی مزید بھی ہم پر انعامات فرما۔ اس لئے۔ کہ تو ارحم الراحمین ہے۔ یہاں رحمت سے مراد جنت الفردوس ہے۔

(آیت نمبر ۱۵۲) بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا۔ (جیسے سامری وغیرہ) عنقریب ان پر غضب الٰہی ہونے والا ہے ان کے رب کی طرف سے۔ اس لئے کہ ان کا یہ جرم اور گناہ تمام گناہوں سے بڑا ہے۔

فائدہ: یہاں غضب سے مراد انتقام خداوندی اور عذاب ہے۔ یہ تو آخرت میں ہوگا۔ اور دنیوی زندگی میں بھی ان کیلئے ذلت اور رسوائی ہے۔ یعنی غریبی مفلسی اور مسکینی میں زندگی گذاریں گے یہ بھی اور ان کی نسل بھی۔ اور پھر سامری کو بہت بڑی ذلت اور خواری اٹھانی پڑی۔ اور زندگی کے آخر تک کئی قسم کے مصائب میں گھرا رہا۔

سامری کا قصہ: مروی ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے چاہا۔ کہ سامری کو قتل کروں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کر دیا۔ اس لئے کہ وہ سخی بھی تھا۔ اس لئے فرمایا کہ اسے وطن بدر کر دو۔ یہ زندگی بھر مصائب میں گھرا رہے گا۔ اور جو اس کے قریب ہوگا اس کو بھی وہ تکلیف چمٹ جائے گی۔ اور یہ دور سے ہی کہے گا۔ (لامساس) میرے قریب نہ آنا۔ نہ میں تیرے قریب ہو کر تجھے ہاتھ لگاؤں گا۔ جس کا ہاتھ اسے غلطی سے لگ جاتا۔ اسے بھی وہی تکلیف شروع ہو جاتی اور یہ مصیبت اس کی اولاد پر بھی اس لئے پڑی تا کہ انہیں عبرت ہو اور آئندہ وہ ایسا کام نہ کریں۔

آگے فرمایا۔ اسی طرح افتراء والوں کو ہم سزا دیتے ہیں۔ افتراء بمعنی جھوٹ گھڑنا۔ جیسا سامری نے بچھڑا بنا کر لوگوں کو کہا۔ کہ یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے۔ یہ جرم بہت بڑا کیا۔ لہذا اس کی سزا بھی بڑی دی گئی۔ کیونکہ ایسا افتراء اور کسی نے بھی نہیں کیا۔



(آیت نمبر۱۵۳) اور وہ لوگ جنہوں نے برے عمل کئے۔ پھر ان سے توبہ تائب ہو گئے۔ ان برائیوں کے ارتکاب کرنے کے بعد مخلص ہو کر خالص ایمان لائے۔ اور پھر اس کے مطابق نیک اعمال بھی کئے۔ اور برے اعمال کے قریب بھی نہ ہوئے۔ بے شک تیرا رب ان کی سچی توبہ کے بعد ان کے گناہوں کو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

مسئلہ: توبہ کا لغوی معنی رجوع ہے۔ اگر اس رجوع کا تعلق اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ تو پھر معنی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو عذاب سے پھرا کر رحمت سے نوازا۔ اور رجوع کی نسبت بندے کی طرف ہو۔ تو معنی ہے۔ کہ اس نے گناہوں سے رجوع کر لیا مغفرت کی طرف۔

فائدہ: جب بندہ گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے حالات کو درست فرما دیتا ہے۔

سبق: لہذا بندے پر لازم ہے۔ کہ وہ توبہ میں دیر نہ کرے۔ اور عمل صالح میں جلدی کرے۔ اس لئے کہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

(آیت نمبر۱۵۴) جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ختم ہوا۔ یعنی حضرت ہارون کا معذرت کرنے اور قوم کے توبہ کرنے سے موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ تو آپ نے تختیوں کو دوبارہ ہاتھ میں لے لیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا۔ کہ کوئی تختی آسمان کی طرف نہیں اٹھائی گئی۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے غصے میں تختیاں نیچے پھینکیں تو ان میں سے کچھ آسمان پر اٹھالی گئیں۔ ان تختیوں میں ہدایت کا بیان تھا۔ اور اس میں مخلوق کیلئے رحمت تھی۔ اس لئے کہ توراۃ انہیں خیر اور بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والی ہے۔ ان لوگوں کو جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔ **فائدہ**: توراۃ اگرچہ سب کیلئے ہدایت اور رحمت تھی۔ لیکن اس سے فائدہ ان لوگوں نے پایا۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور چنے موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی ہمارے وعدے کیلئے پھر جب پکڑلیاان کوزلزلہ نے

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

تو کہااے میرے رب اگرتو چاہتاتو ہلاک کرسکتا تھا پہلے بھی ان کواور مجھے بھی۔کیاتو ہلاک ہمیں کریگابوجہ اس کے جوکیا

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ

بےوقوفوں نے ہم سے۔نہیں ہے یہ مگر تیری طرف سے آزمائش۔گمراہ کرسکتا ہے توجسے تو چاہےاورتوہدایت دیتا ہے

مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

جسے چاہے توہی ہمارا مولیٰ ہے پس بخش دے ہمیں اور رحم کر ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۵۴) **فائدہ:** بندہ جب سچی طلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہواوراچھے عمل کر کے جنت کی رغبت کرتا ہے۔اوردردناک عذاب سے ڈرتا ہے۔تواسے خوف اوررجانصیب ہوجاتے ہیں۔اس وقت بندہ جو چاہتا ہے۔اسےمل جاتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔جواللہ تعالیٰ سےنہیں ڈرتا۔تم اس سے ڈرو۔امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے۔کہ جوخداتعالیٰ سےنہیں ڈرتا۔وہ ساتھیوں کوبھی دکھاور تکلیف پہنچانے میں دیرنہیں لگائے گا۔لہذااس سے دورہی رہنا بہتر ہے۔

(آیت نمبر۱۵۵)اورچن لئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں ستر آدمی ہمارے معین کردہ وقت کیلئے۔

فائدہ: یادرہے۔میقات دو تھے۔ایک میقات ہمکلامی کیلئے۔اس کیلئے بھی ستر آدمیوں کا چناؤ ہوا۔وہ اور ہے۔اور یہ دوسرامیقات توبہ ہے کہ بچھڑاپوجنے والوں سے ستر آدمی ساتھ لے جاکرطور پراللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اپنی خطا کا عذر پیش کریں۔جب ان ستر آدمیوں کولے کرآپ طور کی طرف جارہے تھے۔توراستے میں ہی ان کوزلزلے نے پکڑلیا۔یعنی طور پہاڑ پر ایسازلزلہ آیا۔کہ سب کے سب بےہوش ہوگئے۔اوروہیں موت واقع ہوگئی۔

فائدہ: بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں۔کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ کرمحوکلام تھے۔اوراس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔کہ جنہوں نے بچھڑاپوجاان کی سزاقتل ہے۔تواس کلام کی ہیبت سے وہ مرگئے۔بعض کا خیال ہے۔کہ یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کوبےحجاب دیکھنے کی تمناتھی۔اس لئے ان کوبطور سزاموت دی گئی۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ط قَالَ

اور لکھ ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بے شک ہم نے رجوع کیا تیری طرف ۔فرمایا

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط فَسَاَكْتُبُهَا

میرا عذاب پہنچے گا جسے میں چاہوں گا اور میری رحمت نے گھیرا ہے ہر ایک چیز کو ۔تو عنقریب لکھوں گا اسے

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ج ﴿۱۵۶﴾

ان کیلئے جو متقی ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۵) یہی صاحب تیسیر کا بھی مذہب ہے ۔بہر حال جب وہ زلزلے سے مر گئے ۔تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی ۔کہ اے میرے رب اگر تو چاہتا ۔تو اس سے پہلے بھی تو انہیں ہلاک کر سکتا تھا ۔کہ جب انہوں نے تیرے حکم کی خلاف ورزی کر کے بچھڑے کو پوجا تھا ۔اور مجھے بھی مارنا چاہتا ۔تو اس سے پہلے مار دیتا ۔اس سے موسیٰ علیہ السلام یہ کہنا چاہتے ہیں ۔کہ یا اللہ پہلے بھی تو نے ہی معاف کیا ۔اب بھی تو ہی معاف فرما دے ۔کیا تو ہمیں ہلاک فرماتا ہے بے وقوفی کی ۔بے وقوفی کے سبب جو ہم ہی میں سے ہیں ۔یعنی بے وقوف تو کچھ ہیں ۔اور ہلاک سب کو کر دیا ۔یہ تو تیری شان کریمہ کے لائق بھی نہیں اور یہ بے وقوفوں کا فتنہ ہے ۔جو تیری طرف سے آزمائش ہے ۔اور جسے چاہے اسے تو گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت بھی دے دیتا ہے ۔اور جسے تو ہدایت دیدے پھر وہ ایسی باتوں سے متزلزل نہیں ہوتا ۔بلکہ ان کا ایمان اور زیادہ محکم ہو جاتا ہے ۔اور تو ہی ہمارے سارے دینی معاملات کا کفیل ہے اور ہمارا حامی و ناصر ہے ۔لہذا ہماری غلطیوں کو بخش دے اور ہمارے حال پر رحم فرما ۔اور سب بخشنے والوں میں تو بہتر بخشنے والا ہے اور اگر تیرا دریائے رحمت جوش میں آ جائے ۔تو برائیوں کو نیکیوں سے بھی تبدیل کر دیتا ہے ۔بہر حال بندے کو معافی مانگنے میں بھی طمع اور بخشش کی امید ہوتی ہے ۔اور تو اس سے بھی غنی ہے تو جو بھی کرتا ہے ۔اس میں فضل و کرم ہی ہوتا ہے ۔اس لئے تو خیر الغافرین بھی ہے اور ارحم الراحمین بھی ۔

(آیت نمبر ۱۵۶) اور ہمارے لئے لکھ دے یا مقرر فرما دے اس دنیا کی بھلائیاں (اچھی معاش اور توفیق اطاعت) اور آخرت کی بھلائیاں بھی یعنی ثواب اور جنت میں داخلہ ۔یہ تھی آرزو موسیٰ علیہ السلام کی ۔کہ دنیا اور آخرت کی بھلائیاں میری امت کیلئے لکھ دے ۔ہم تیری ہی طرف لوٹتے ہیں ۔یعنی جو بھی بڑے یا چھوٹے گناہ کئے اب ہم توبہ کرتے ہیں ۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں ۔کہ جب زلزلہ سے طور پر آنے والوں کی موت واقع ہو گئی ۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ

وہ جو اتباع کرتے ہیں رسول کی جو نبی ہے امی ہے وہ جسے پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس

فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ز يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

توراۃ میں اور انجیل میں حکم دیگا انہیں نیکی کا اور منع کرے گا انہیں برائی سے

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ

اور حلال کرے گا ان کیلئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرے گا ان پر پلید چیزیں اور اتارے گا ان سے بوجھ ان کے

وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ

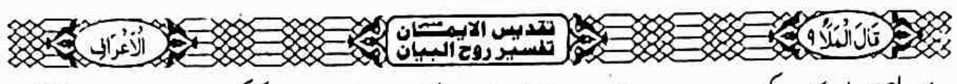
اور پھندے جو تھے ان کے گلے پر۔ پھر جو ایمان لائے اس پر اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ع ﴿۱۵۷﴾

اور پیروی کریں اس نور کی جو اتارا گیا اس کے ساتھ وہ ہی کامیاب ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۶) تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔ تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے جو تمنا پیش کی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ایک تو میرا عذاب ہے وہ تو میں جسے چاہوں گا اسے دونگا مجھے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ لیکن میری رحمت کی چادر کل کائنات پر پھیلی ہوئی ہے۔ جس سے مسلمان اور کافر سب مکلف اور غیر مکلف میری رحمتوں اور نعمتوں سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ جہاں تک دنیا وآخرت کی بھلائیاں لکھنے کا تعلق ہے۔ وہ تو میں ان کے لئے خاص کرونگا۔ جو متقی ہوں گے۔ زکوٰۃ دیتے ہوں گے۔ اور ہماری آیتوں پر ایمان بھی لاتے ہوں۔ کسی ایک آیت کے بھی منکر نہیں ہوں گے۔ **فائدہ:** مذکورہ آیت کے نزول کے بعد شیطن نے کہا۔ کہ رحمت وسیع ہے ہر چیز پر۔ تو میں بھی تو چیز ہوں۔ تو اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ وہ متقین کیلئے ہے۔ اور تو متقین میں سے نہیں ہے۔ پھر یہود ونصاریٰ بولے۔ کہ ہم میں متقی بھی ہیں اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم میں نہیں۔

(آیت نمبر ۱۵۷) بلکہ وہ ہیں۔ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی بھی ہے۔ اور امی بھی۔ اس سے مراد نبی آخر الزمان جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان پر بھی اور ان کی کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ رسول امی



ہوگا۔یعنی اللہ کے سوا کسی سے پڑھا نہ ہوگا۔اور حضور کا امی ہونا بھی ان کا معجزہ ہے۔اگر کسی سے پڑھتے۔تو کافر کہتے کہ پڑھا لکھا آدمی ہے ہم ان پڑھ ہیں۔کفار کو بھی اس بات کا یقین تھا۔کہ یہ پڑھے کسی مدرسے میں نہیں۔لیکن خبریں اولین وآخرین کی دیتے ہیں۔اس بات نے ان کے عقل وفہم کو حیرت میں ڈال دیا۔اس سے اہل ایمان کو حضور ﷺ کے معجزے کا یقین ہو گیا اور مخالفین کورے ہی رہ گئے۔**نکتہ** : اللہ تعالیٰ نے پہلے رسول کہا پھر نبی کہا۔پھر امی کہا۔تو جو رسول بھی ہو۔اور نبی بھی ہو۔تو کیا رسول اور نبی ان پڑھ ہی ہوتا ہے؟ رسول تو ساری امت میں سب سے زیادہ علم والا ہوتا ہے۔یہ جواب ہے۔ان کا جو حضور کو بھی ان پڑھوں میں شامل کرتے ہیں۔بھلا جس کا استاد اللہ تعالیٰ ہو۔اس کے علم کا اندازا کون لگا سکتا ہے۔

شانِ مصطفےٰ ﷺ: لوح محفوظ ہمہ وقت جس کے سامنے ہو۔اسے کسی اور علم کے حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔:"امی ودقیقه دان عالم —— بے سائیه وسائبان عالم "۔یعنی امی ہو کر پورے جہان کی باریکیوں کو جاننے والا ہے۔

فائدہ :ام اصل کو بھی کہتے ہیں جیسے ماں کو ام کہا جاتا ہے کہ وہ اولاد کیلئے اصل ہے۔اسی طرح حضور ﷺ اس کائنات کی اصل ہین۔آگے فرمایا۔کہ یہ یہود ونصاریٰ اس نبی امی کا نام مبارک اپنی اپنی کتابوں یعنی توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔یہ دونوں کتابیں ان کے پاس اب بھی موجود ہیں۔اور ان کی کتابوں میں حضور ﷺ کے اوصاف وکمالات،مناقب ومحامد لکھے ہوئے ہیں۔

فائدہ :اللہ تعالیٰ نے تو حضور ﷺ کی صفات سابقہ کتب میں لکھ دیں۔تاکہ ان کے زمانے والے یہود ونصاریٰ ان صفات کو پڑھ کر فوراً ایمان لے آئیں۔لیکن وائے ناکامی وہ بدنصیب ہی رہے۔آگے فرمایا کہ وہ رسول لوگوں کو نیکی کا حکم دے گا۔اور برائی سے منع کرے گا۔اور پاکیزہ چیزیں ان پر حلال کرے گا۔جو ان کے شامت اعمال سے ان پر حرام کی گئی تھیں۔اور تمام خبیث اور پلید چیزیں ان پر حرام فرمائیں گے۔جیسے خون۔اور خنزیر کا گوشت وغیرہ۔(**فائدہ**: معلوم ہوا۔نبی جسے حلال کہے وہ حلال ہے اور جسے حرام کہے وہ حرام ہے۔)

فائدہ :طیبات سے وہ چیزیں مراد ہیں جو طبیعت کو پسند ہوں۔اور لوگ ان سے لذت پائیں۔اور خبیث اور پلید وہ چیزیں ہیں۔جن سے تبیعت نفرت اور کراہت کرے۔**مسئلہ** :جس چیز کو شرع حلال کہے۔وہ حلال ہے۔جسے شرع حرام اور پلید کہے وہ حرام ہی ہے۔اس میں پھر طبع اور لذت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

مسئلہ :جس چیز کے حرام ہونے کا ذکر شرع میں نہیں۔وہ بہر حال حلال ہی ہے۔اس لئے کہ ہر چیز کی اصل مباح ہے۔حرام وہی ہے۔جسے قرآن وحدیث میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اور اتار دے ان کے بوجھ اور ہٹا دیں طوق گلے کا جو ان پر تھے۔ یعنی جو جو مشکل کام ان کے ذمہ تھے۔ وہ معاف کرا دے۔ مثلاً قتل خطا پر بھی سزا مثل قتل عمد کے تھی۔ حضور ﷺ کے طفیل قتل خطا والے کیلئے دیت مقرر ہوگئی۔ اسی طرح جس چیز کے ساتھ پیشاب وغیرہ لگ جاتا یا کوئی پلیدی لگ جاتی وہ قابل استعمال نہ ہوتا۔ لیکن ہمارے حضور ﷺ کے طفیل پانی کے استعمال سے اسے قابل استعمال بنایا گیا۔ کاٹنے کی ضرورت نہ رہی۔ اسی طرح مال غنیمت کو آگ کھالیتی مگر انسان نہیں کھا سکتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کے طفیل مسلمانوں پر حلال ہوگئی۔ اسی طرح ہفتہ کے دن کاروبار حرام تھا۔ حضور ﷺ کے طفیل حلال ہوگیا۔ یہی وہ تکالیف تھیں۔ جنہیں اصرار اور اغلال کہا گیا۔ تو آگے فرمایا۔ وہ لوگ جو ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے۔ اور ان کے حکموں پر چلے۔ اور ان کی تعظیم و توقیر کی۔ اور دشمنوں پر غلبہ پانے کیلئے ان کی مدد کی۔ اور دین کے دشمنوں سے لڑے۔ اور پیروی کی اس نور کی جو اس نبی پر نازل ہوا۔ (انزل معہ) کا مطلب ہے۔ کہ دونوں کام کرنے کا وقت ایک ہی ہے۔ آگے فرمایا۔ یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔ یعنی دنیا و آخرت کی کامیابی پانے والے صرف یہی لوگ ہیں۔ باقی لوگوں کو یہ درجات و مقامات نصیب نہیں (نہ پہلوں میں نہ پچھلوں میں)۔ **مسئلہ**: اس آیت سے ثابت ہوا۔ ایمان کے بعد حضور ﷺ کی تعظیم اور قرآن پر عمل کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضور ﷺ کی شان: مقصود بالذات اس کائنات میں صرف حضور ﷺ کی ذات تھی۔ باقی انبیاء کرام علیہم السلام بطور مقدمہ اور تمہید کے تھے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ وجہ سے فضیلت حاصل ہے (بخاری، مسلم، ترمذی):

۱۔ میں جوامع الکلم دیا گیا۔ ۲۔ مجھے رعب عطا ہوا۔
۳۔ میرے لئے مال غنیمت حلال ہوا۔ ۴۔ میرے لئے پوری زمین مسجد اور پاک بنا دی گئی۔
۵۔ مجھے تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا۔ ۶۔ میں خاتم النبیین بن کر آیا۔ (بخاری و مسلم)

امی لقب کی شان: حضور ﷺ امی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ام الموجودات والکائنات ہیں۔ یعنی سب سے اول اسی لئے فرمایا: ''اول ما خلق اللہ نوری'' یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ میری روح بنائی۔ ایک **حدیث** میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لولاک لما خلقت الخلق'' یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو میں مخلوق میں کسی کو نہ بناتا (رواہ ابن اجوزی، والسیوطی)۔ معلوم ہوگیا۔ کہ آپ مبدا کائنات اور اصل مخلوقات ہیں۔ اسی لئے آپ کا لقب مبارک امی ہے۔ جیسے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہا گیا۔ اس لئے کہ وہ تمام شہروں اور بستیوں کا اصل ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کو ام الکتاب کہا۔ کہ وہ تمام آسمانی کتابوں کی اصل ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۙ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ

فرمادو اے لوگو بے شک میں رسول خدا ہوں تمہاری طرف سب کیلئے وہ خدا کہ اس کی بادشاہی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ

آسمانوں اور زمین میں ہے نہیں کوئی معبود مگر وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے تو تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر

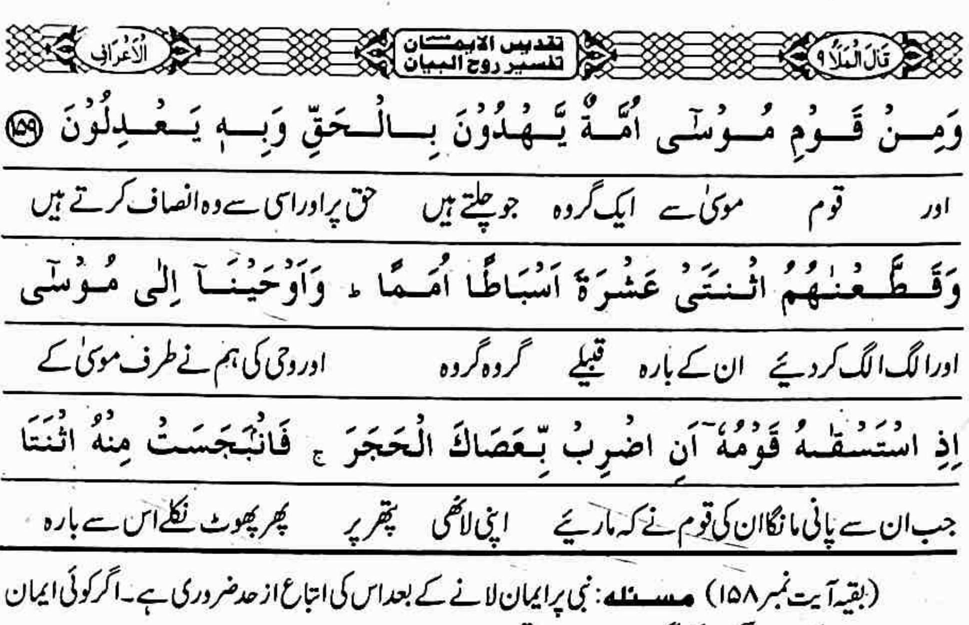
النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

جو نبی امی ہے جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کی باتوں پر اور تم اس کے پیچھے چلو تا کہ تم ہدایت پاؤ

(آیت نمبر ۱۵۸) محبوب فرمادو۔ اے لوگو بے شک میں اللہ کا رسول بن کر تم سب کی طرف تشریف لایا ہوں۔ یہ خطاب اس وقت کے لوگوں سے لیکر قیامت تک آنے والے تمام جن وانس کیلئے ہے۔ پہلے رسول محدود جگہ اور قوموں کیلئے آئے۔ اور دنیا سے جانے کے بعد ان کی شریعت کا اجراء ختم ہو جاتا۔ پھر دوسرا نبی یا رسول آ جاتا۔

فائدہ: بے شک سلیمان علیہ السلام بھی جنوں اور انسانوں کے رسول تھے۔ مگر ان کی رسالت ان کی حکومت تک محدود تھی۔ (مگر ہمارے حضور ﷺ کی رسالت لامحدود ہے) اور یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ سلیمان علیہ السلام جنوں کیلئے نبی بن کر نہیں آئے تھے۔ ان سے خدمت ہر طرح سے لیتے اور ان پر حکومت کرتے تھے۔

الناس کا دائرہ: "الناس" کا معنی انسان ہی ہے۔ لیکن یہاں صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں جن بھی آتے ہیں۔ جوہری اور قاموس نے یہی کہا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔ کہ جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہر چیز پر ہے۔ دونوں جہانوں میں اسی کا تصرف اور قبضہ وقدرت اور اختیار ہے۔ اور اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس لئے عبادت کے لائق بھی صرف وہی ذات ہے۔ اور کوئی نہیں۔ اور آخرت میں بھی وہی زندہ کرے گا۔ اس لئے اللہ پر بھی ایمان لاؤ۔ اور اس رسول پر بھی ایمان لاؤ جو نبی امی ہے۔ امی حضور کی مدح ہے۔ یعنی کسی انسان سے نہ پڑھنے کے باوجود تمام کتابوں کے علم سے بہرہ ور ہیں۔ اور گذشتہ اور آئندہ کے حالات بھی جانتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ کا سرچشمہ علم وحی الٰہی ہے۔ خوش نصیب ہے جو شان والے نبی اللہ پر اور اس پر اترنے والے کلمات پر ایمان رکھتا ہے۔ **فائدہ**: کلمات سے مراد وحی کے ذریعے ان پر اترنے والے واقعات وحالات ہیں۔ لہٰذا اس نبی کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔



وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور قوم موسیٰ سے ایک گروہ جو چلتے ہیں حق پر اور اسی سے وہ انصاف کرتے ہیں

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى

اور الگ الگ کر دیئے ان کے بارہ قبیلے گروہ گروہ اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کے

اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

جب ان سے پانی مانگا ان کی قوم نے کہ ماریئے اپنی لاٹھی پتھر پر پھر پھوٹ نکلے اس سے بارہ

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۸) **مسئلہ:** نبی پر ایمان لانے کے بعد اس کی اتباع از حد ضروری ہے۔ اگر کوئی ایمان لائے اور اتباع نہ کرے تو سمجھو ابھی گمراہی اس میں باقی ہے۔

(آیت نمبر ۱۵۹) موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک ایسی جماعت تھی۔ جو لوگوں کی راہنمائی کرتی تھی۔ جو حق والے تھے۔ اور اسی حق کے ذریعے وہ انصاف کے ساتھ لوگوں میں احکام جاری کرتے تھے۔

فائدہ: سدی نے فرمایا۔ کہ وہ آپس میں اس قدر اتفاق کرتے ہیں۔ کہ گویا وہ ایک باپ کی اولاد ہیں۔ اور ایک دوسرے کا مال اپنا سمجھتے ہیں۔ یعنی اسے ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ اور وہ انصاف سے کام لیتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۶۰) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے بارہ گروہ نکالے۔ جو ایک دوسرے سے الگ الگ حیثیت رکھتے تھے۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سبط کہلاتی تھی۔ اور وہ بارہ اسباط حضرت یعقوب علیہ السلام کے ۱۲ بیٹوں کی اولاد تھے۔ وہ سب الگ الگ بارہ گروہ بن گئے۔ پھر ان میں سخت جھگڑے پیدا ہوئے۔ اور آپس میں سخت بغض وحسد کرنے لگے۔ اسی لئے انہیں سزا کے طور پر شہر کے بجائے جنگل میں رکھا گیا۔ جہاں انہیں سخت پیاس لگی۔ تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پانی مانگا۔ تو فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اس وقت کہ جب ان کی قوم نے ان سے پانی طلب کیا۔ تو ہم نے کہا اے موسیٰ آپ کے پاس جو لاٹھی ہے۔ یہ وہی ہے جو آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے۔ یہ لاٹھی تمام انبیاء علیہم السلام سے ہوتی ہوئی حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آ گئی۔ انہوں نے آپ کو دی اس لاٹھی کو پتھر پر ماریں۔ تو پتھر پر لاٹھی پڑتے ہی اس میں بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ کیونکہ کہ بارہ قبیلے تھے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ وہ اتفاق بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ہر قبیلے والے نے اپنا چشمہ الگ کر لیا۔ چونکہ ہر قبیلہ ہزاروں کی تعداد پر مشتمل تھا۔ تو ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے چشمہ اور اپنے گھاٹ سے پانی لے لیتا تھا۔

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ

چشمے تحقیق جان لیا ہر گروہ نے اپنا گھاٹ کو اور سایہ کیا ہم ان پر

الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

بادلوں سے اور اتارا ہم نے ان پر من اور بٹیر کھاؤ پاکیزہ

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٠﴾

جو دیا ہم نے تم کو اور نہیں زیادتی کی انہوں نے ہم پر لیکن تھے اپنے آپ پر ظلم کرتے

کیا مجال کہ وہ دوسرے چشمے سے پانی لے یا دوسرے کو ایک اپنے چشمے کے قریب آنے دے۔ یعنی ان کا آپس میں ایک دوسرے سے اتنا بڑا تعصب تھا۔ کہ اپنے گروہ کے علاوہ کسی دوسرے کو برداشت ہی نہیں کرتے تھے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس پتھر میں بارہ سوراخ ہوگئے تھے۔ اور جدھر جاتے پتھر ساتھ ہی ہوتا تھا۔ جو قبیلہ پانی چاہتا۔ اپنے والے سوراخ میں انگلی مارتا۔ تو وہاں سے پانی جاری ہو جاتا۔ اور وہ اپنے برتن بھر کر لے جاتے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ ہر ایک نے اپنا گھاٹ جان لیا تھا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ان بنی اسرائیلیوں پر ہم نے بادلوں کا سایہ کیا۔ یعنی گرمی میں دن کے وقت وہ جدھر جاتے۔ بادل ان پر ہر وقت سائیہ کناں رہتے تھے۔ تاکہ سورج کی گرمی سے تکلیف نہ ہو اور رات کو وہی بادل ان کو روشنی پہنچاتے۔ تاکہ تاریکی میں کوئی دقت نہ ہو۔ آگے فرمایا۔ ہم نے ان پر من (مٹھیائی) اور سلویٰ (بھنے ہوئے بٹیر) اتارے۔ جو کبوتر سے چھوٹا اور چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ اور فرمایا۔ کہ کھاؤ۔ جو ہم نے تمہیں پاکیزہ رزق عطا کیا۔ تفسیر فارسی میں ہے۔ کہ جو کچھ ہم نے تمہیں اپنے فضل و کرم سے عطا کیا۔ اسے خوشی سے کھاؤ۔ لیکن اس کو ذخیرہ (جمع کرکے) نہ رکھو۔ یعنی وقت پر جتنا کھا سکتے ہو کھاؤ۔ مگر اگلے وقت کیلئے چھپا کر نہ رکھو۔ لیکن انہوں نے حکم خدا کے خلاف کیا۔ اور من سلوی کو چھپا کر الگ رکھ دیا۔ تو وہ جوں ہی چھپا کر رکھتے وہ بدبودار ہو جاتا۔ اور کھانے کے قابل نہ رہتا تھا۔ اس لئے فرمایا۔ کہ انہوں نے اتنی بڑی نعمتوں کے استعمال کے بعد بجائے شکر کے ناشکری کی۔ اور ماننے کے بجائے انکار کیا۔ تو انہوں نے کوئی ہم پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے تھے۔ یعنی اس ظلم کی تکلیف سے وہ کبھی بھی بچ نہیں سکتے۔

فائدہ: حدادی فرماتے ہیں۔ کہ وہ ظلم کرکے خود ہی اللہ کے عذاب کو دعوت دے رہے تھے۔ جو بلا تکلف اور بغیر مشقت انہیں دنیا میں مل رہا تھا۔ اس میں بھی حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرکے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا۔ مزے کی بات یہ کہ آخرت میں اس کا ان پر حساب بھی کوئی نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے کبھی شکر نہیں کیا۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

اور جب کہا گیا ان کو بسواس بستی میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ

اور کہو اے اللہ گناہ اتار اور داخل ہو دروازے سے سجدہ کرتے ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں

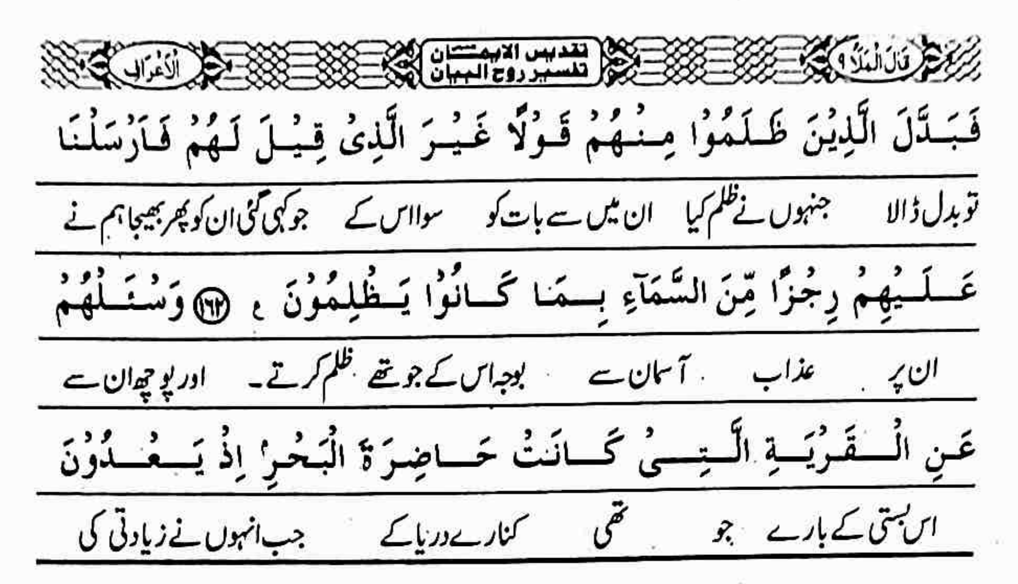
سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

عنقریب زیادہ دیں گے نیکوں کو

(آیت نمبر۱۶۱) اور جب انہیں کہا گیا۔ ایک خاص شہر میں ٹھہرنے اور اس میں سکونت اختیار کرنے کا یعنی یہ قریہ تمہارا ہے۔ اب تم اس بستی میں رہو گے۔ جہاں تمہارے لئے وہ سب ہوگا جو تم چاہتے ہو۔

فائدہ: بستی سے مراد یا بیت المقدس یا اریحا ہے۔ جہاں قریب ہی جبارین بھی رہتے تھے۔ جو قوم عاد کے بقایا تھے۔ انہیں عمالقہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا سردار عوج بن عنق تھا۔ جب انہیں اس بستی میں رہنے کا کہا گیا چوں کہ اس بستی میں کثرت سے باغات تھے جن میں بہت زیادہ ثمرات اور کھانے کی اشیاء تھیں انہیں کہا گیا انہیں خوب کھاؤ۔ جہاں سے چاہو تمہارے ساتھ کسی قسم کی رکاوٹ یا مزاحمت نہیں ہوگی۔ صرف اتنا کرنا کہ اس بستی میں داخل ہوتے وقت سجدہ کرتے ہوئے اور کہو حطہ۔ کہ یا اللہ گناہ معاف فرما۔ حطہ کا معنی کسی چیز کا اوپر سے نیچے گرانا۔ یہاں مراد ہے گناہوں کی بخشش یا ان کا جھڑ جانا اور یہ بھی ہے کہ جب دروازے سے داخل ہو تو سجدہ ضرور کرنا یعنی سر کو جھکا کر۔ اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے شہر میں داخل ہونا اور شکریہ ادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگل سے نجات عطا فرمائی۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ الباب سے مراد وہ قبہ ہے۔ جہاں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نماز پڑھتے تھے۔ (کمافی الارشاد) آگے فرمایا۔ کہ تمہاری استغفار سے ہم تمہاری سب خطائیں معاف فرما دیں گے۔ یعنی اگلے پچھلے سب گناہ بھی معاف کریں گے۔ اور عنقریب نیکی کرنے والوں کے ثواب میں اور احسان میں اور بھی اضافہ کریں گے۔ **فائدہ:** تمہاری مغفرت ہوگی فرمان خدا کی تعمیل پر اور مزید ثواب محض فضل الٰہی پر ملے گا۔ فائدہ: اتنے انعامات کا تقاضا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھک جاتے۔ اور اس کا شکریہ ادا کرتے اور جہاں جانے کا حکم ملا۔ بلا تامل وہاں چلے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت ان کا ساتھ دیتی۔



(آیت نمبر۱۶۲) پھران میں سے ظالموں نے بات کو بدل ڈالا۔یعنی جب انہیں سجدہ کرنے اورتوبہ استغفار کرنے کا حکم ہوا۔توانہوں نے روگردانی کی اوراس کے بجائے انہوں نے وہ بات کی جس میں انہیں کوئی فائدہ نہ تھا۔

فائدہ: مروی ہے۔کہ سجدہ کے بجائے انہوں نے پہلے ٹانگیں اندر کیں پھرسر داخل کیا۔اور حطۃ کا لفظ کہنے کے بجائے کہا۔حطۃ۔یعنی ہمیں گندم چاہئے۔گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول کو بھی حقیر سمجھا۔اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی مزاح اڑایا۔اس لئے فرمایا۔کہ انہیں جو بات کہی گئی تھی اس کا الٹ کیا۔اور حکم خدا ورسول کے خلاف کیا۔تو پھر ہم نے ان پر بلا تاخیر آسمان سے عذاب نازل کیا۔طاعون کی شکل میں کہ تھوڑی دیر میں چوبیس ہزار بنی اسرائیلی مرگئے اور یہ سزا بوجہ ظلم کے ان پر آئی۔**سبق**:معلوم ہوا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی اس طرح نافرمانی کرے گا۔وہ عذاب الٰہی میں ضرور گرفتار ہوگا۔

دعا: اے اللہ ہمیں مرنے سے پہلے جاگنے والوں میں بنا۔امور ظاہری اور باطنی کی اہمیت سے بھی غافل لوگوں میں نہ بنا۔اور ہمہ وقت تسبیح وذکر وفکر میں مشغول رہنے کی توفیق عطا فرما۔تو ہی ہمارے حال سے باخبر ہے۔

(آیت نمبر۱۶۳) اوراے محبوب آپ ان یہودیوں سے پوچھیں۔اس سے مراد حضور ﷺ کے زمانے میں جو یہود تھے وہ ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور ﷺ کو علم نہیں تھا۔اس لئے کہا گیا کہ ان سے پوچھ لیں۔حضور ﷺ کو تو بذریعہ وحی ان کے تمام حالات سے آگاہی تھی۔بلکہ اس سے مقصود ان سے اقرار لینا ہے۔کہ واقعی ان کے آباء کے حالات بگڑے ہوئے تھے۔وہ کفر کے گڑھے میں پڑے تھے۔اورانہوں نے حدود الٰہی سے تجاوز کیا۔اورانبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کی۔اور حضور ﷺ کے زمانے والے یہود بھی اس بات کا تو اعتراف کرتے تھے۔کہ ہم غلطی پر رہے ہیں۔لیکن کلمہ نہیں پڑھتے تھے۔کہ کہیں مال ودولت جو ملتا ہے۔اس سے محروم نہ ہوجائیں۔

فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ

ہفتے کے دن میں جب آتیں ان کے سامنے مچھلیاں بروز ہفتہ کو تیرتی ہوئی اور جب دن نہ ہوتا ہفتے کا

لَا تَاْتِیْهِمْ ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

تو نہ آتیں ان کے سامنے اس طرح ہم نے آزمایا ان کو بوجہ اس کے جو تھے گناہ کرتے

اور ہمارے نبی پاک ﷺ کا معجزہ مانیں کہ باوجود امی ہونے کے ان کے تمام حالات سے باخبر ہیں۔ اور قریہ سے مراد ایلہ کی بستی ہے۔ جو مدین اور طور کے درمیان واقع ہے۔ اور وہ بستی دریا کے کنارے پر تھی۔ اس بستی والوں نے ہفتہ کے دن میں حد سے تجاوز کیا۔ یعنی جب اس بستی والوں کو کہا گیا کہ ہفتہ والے دن عبادت کے سوا کوئی کام نہیں کرنا۔ اور ادھر بے حساب مچھلیاں ہفتہ والے دن کی تعظیم کی خاطر یا یونس علیہ السلام کو پیٹ میں رکھنے والی مچھلی کی زیارت کیلئے دریا کی گہرائی سے نکل کر باہر (اوپر) آجاتی تھیں۔ چونکہ یہود کیلئے ہفتہ کا دن عبادت کیلئے مختص تھا۔ اور اس کی تعظیم کی خاطر ہر قسم کے کام کاج کرنے کی انہیں ممانعت تھی۔ تو وہ لوگ اتنی زیادہ مچھلیاں دیکھ کر بجائے ہفتے کے دن کی تعظیم اور عبادت کے وہ مچھلیاں پکڑنے کی فکر میں لگ جاتے۔ چونکہ باقی دنوں میں مچھلیاں ان کو نظر بھی نہ آتیں۔ تو فرمایا۔ اس طرح ہم نے انہیں آزمایا۔ تاکہ ان کی عداوت وسرکشی کھل جائے۔ اور ان کا مواخذہ کیا جائے۔ ان کے فسق و فجور کی وجہ سے جو وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اوامر ونواہی میں خلاف ورزی کرتے تھے۔ لالچ میں آکر انہوں نے اپنی آخرت تباہ کر لی۔

واقعہ عجیبہ: انسان اکثر لالچ میں مار کھا جاتا ہے۔ دو بھائی سفر میں تھے۔ کچھ دیر کیلئے ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے۔ ایک سانپ برآمد ہوا۔ اور اس کے منہ میں دینار تھا۔ جو ان کے قریب رکھ کر چلا گیا۔ انہوں نے سمجھا کہ یہاں ضرور کوئی خزانہ ہے۔ ایک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ سانپ کو مار دیا جائے۔ اور خزانہ نکال لیا جائے۔ دوسرے بھائی نے سمجھایا۔ کہ اس نے دینار دیا ہم اسے قتل کریں۔ یہ تو احسان کے خلاف ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ نیچے خزانہ بھی نہ ہو۔ اور ہم خواہ مخواہ مشقت اٹھائیں۔ لیکن دوسرے پر لالچ سوار تھی۔ اس نے سانپ کے نکلتے ہی کلہاڑا مارا۔ لیکن سانپ بچ نکلا پھر سانپ نے اس پر حملہ کر کے اسے ڈس دیا اور وہ مر گیا۔ بھائی نے اسے دفنایا۔ پھر جب سانپ باہر آیا تو دوسرے نے کہا۔ بھئی سانپ میرے بھائی نے زیادتی کی۔ میں نے منع بھی کیا مگر وہ باز نہ آیا۔ اب میں چاہتا ہوں۔ کہ ہم آپس میں صلح کر لیں۔ ہم ایک دوسرے کو نقصان دیئے بغیر اکٹھی زندگی گذاریں۔ سانپ نے کہا بھائی اب ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اس لئے کہ مجھے اپنا زخم نہیں بھولے گا۔ تجھے بھائی کی جدائی نہیں بھولے گی۔ لہٰذا اب تیرا یہاں سے چلے جانا بہتر ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ

اور جب کہاایک جماعت نے ان سے کیوں نصیحت کرتے ہواس قوم کو کہ اللہ ہلاک کرنے والا ہے ان کو یا عذاب دینے والا ہے ان کو

عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوْا

عذاب سخت سے۔ کہنے لگے عذر پورا کرنے اپنے رب کے سامنے اور شاید وہ ڈر جائیں۔ پھر جب بھلا دیا

مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

جو وہ نصیحت دیئے گئے اس کی تو نجات دی ہم نے ان کو جو روکتے تھے برائی سے اور پکڑا ہم نے ان کو جو ظالم تھے

بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾

عذاب برے میں بوجہ اس کے جو تھے گناہ کرتے

(آیت نمبر۱۶۴) اور جب ان کی جماعت میں سے نیک لوگوں نے انہیں کہا۔ یعنی جو لوگ ان کو نصیحت کرتے تھے۔ تو وہ انہیں آگے سے ذلیل کرتے۔ برا بھلا کہتے۔ ان پر وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ تو وہ بھی ناامید ہو گئے۔ اور یقین کر لیا۔ کہ یہ لوگ اب بالکل ماننے والے نہیں ہیں۔ اب سمجھانا یا ڈرانا بالکل بے سود ہے۔ تو پھر انہوں نے باقی نصیحت کرنے والوں کو بھی کہا۔ ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو۔ کہ جنہیں اللہ تعالیٰ جلد ہلاک کرنے والا ہے۔ اور انہیں جڑ سے اکھیڑ کر اپنی زمین کو پاک کرے گا۔ یا انہیں سخت ترین عذاب دے گا۔ **فائدہ:** یعنی جب دیکھا کہ انہیں کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی تو انہوں نے نصیحت کرنے والوں سے کہا۔ انہیں وعظ و نصیحت کا کیا فائدہ۔ تو ان واعظین نے کہا۔ کہ ہم انہیں سمجھا کر اپنا عذر اپنے رب کی بارگاہ میں پورا کرتے ہیں۔ تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہیں تم نے ہمیں سمجھایا نہیں تھا اگر تم ہمیں سمجھاتے تو ہم اس عذاب سے بچ جاتے۔ یاد رہے۔ معذرۃ بھی ایک قسم کی توبہ ہے۔ لیکن ہر عذر توبہ نہیں ہے۔ البتہ ہر توبہ عذر ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم عذر پورا کرتے ہیں۔ شاید یہ غلطیوں سے باز آ کر اس گناہ کو چھوڑ ہی دیں۔ اور ہمیں بھی ثواب ملے۔

(آیت نمبر۱۶۵) پھر جب بالکل ہی وہ بات بھول گئے۔ جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی۔ یعنی انہیں جو نیک لوگوں نے نصیحتیں کی تھیں۔ وہ بالکل ہی ان کے ذہنوں سے محو ہو گئیں۔ گویا انہیں کسی نے نصیحت کی ہی نہیں تھی۔ **فائدہ:** اللہ تعالیٰ کسی گناہ گار کو فوراً نہیں پکڑتا۔ بلکہ موقع دیتا ہے کہ شاید باز آ جائے۔ جب بندہ حد سے نکل جائے پھر پکڑتا ہے۔ اسی طرح وہ بھی حد سے باہر ہو گئے تھے۔

18

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا

اور جب گرے ہاتھوں میں (پچھتائے) اور سمجھے کہ بے شک وہ گمراہ ہوگئے کہنے لگے اگر نہیں رحم فرمائے گا

رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى

ہمارا رب اور نہ بخشا ہمیں تو ضرور ہم ہوں گے خسارہ والوں میں ۔ اور جب مڑے موسیٰ طرف

اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ

اپنی قوم کے غصے میں افسوس کرتے فرمایا کتنی بری . جانشینی کی تم نے میرے بعد

(آیت نمبر ۱۴۹) اور جب گرے اپنے ہاتھوں میں یعنی پشیمان ہو کر سخت پریشان ہوگئے ۔ جب آدمی کسی غلطی پر سخت نادم ہو ۔ تو ہاتھوں کو چباتا ہے ۔ یہ محاورہ ہے سخت پشیمان ہونے کا کہ وہ سخت نادم ہوئے ۔ اور انہوں نے سمجھ لیا ۔ کہ وہ بچھڑے کو پوج کر سخت گمراہ ہوگئے ۔ یہ علم ان کو یقینی حاصل ہوگیا ۔ اسے رؤیت سے اس لئے تعبیر کیا ۔ کہ انہیں عین الیقین حاصل ہوگیا تھا ۔ کہ انہوں نے بہت بڑی غلطی کر لی ۔ اب وہ کہنے لگے کہ اگر ہم پر ہمارے رب نے رحم نہ کیا ۔ اور ہمیں نہ بخشا ۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے ۔ کہ توراۃ نازل فرما کے اللہ تعالیٰ ہم پر رحم بھی فرمائے گا ۔ اور گناہ بھی بخش دے گا ۔ اگر ایسا نہ ہوا ۔ تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں اور ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے ۔

فائدہ : اگرچہ ان کی پشیمانی موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپس آنے کے بعد ہے ۔ قرآن مجید میں بعض واقعات کو مقدم و مؤخر کر کے کسی حکمت کے تحت بیان کیا جاتا ہے ۔ (تاکہ معلوم ہو کہ یہ ناول یا سٹوری نہیں ہے ۔ بلکہ یہ قرآن حقائق بیان کرتا ہے) ۔

(آیت نمبر ۱۵۰) اور جب موسیٰ علیہ السلام طور سے اپنی قوم کی طرف لوٹے ۔ تو انتہائی غصے میں افسوس کرتے ہوئے آئے ۔ چونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام کو وہاں طور سے معلوم ہوگیا تھا ۔ کہ قوم بچھڑا پرستی میں مبتلا ہوگئی ہے ۔ اس بناء پر آپ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ میرے پیچھے تم نے بہت برا کیا ۔ یعنی میری عدم موجودگی میں بچھڑا پوج کر تم نے از حد برا کام کیا ۔ کیا تم نے اپنے رب کے حکم کے خلاف کرنے میں بھی اتنی جلد بازی کی ۔ کہ اس کے حکم کی تم نے نافرمانی کر دی ۔ مراد یہ ہے ۔ کہ بنی اسرائیلیوں کو موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا ضرور انتظار کرنا چاہئے تھا ۔ ان کی واپسی تک کا جو انہوں نے وعدہ کیا ہوا تھا ۔ اس پر قائم رہتے آگے فرمایا ۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان تختیوں کو نیچے رکھ دیا ۔ جن پر توراۃ لکھی تھی ۔ اور غصے کے عالم میں اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا ۔ اور غصے سے اپنی طرف کھینچنے لگے ۔

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ

کیا جلدی کر دی تم نے حکم ربی پر اور رکھ دی تختیاں اور پکڑ لئے سر کے بال اپنے بھائی کے کھینچا اسے اپنی طرف

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ

بھائی نے کہا اے ماں کے بیٹے بے شک قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مار دیتے مجھے تو نہ خوش کریں

بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ

مجھ سے دشمنوں کو اور نہ کریں مجھے شامل قوم ظالم سے ۔ فرمایا میرے رب بخش مجھے

وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۫ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ع ﴿۱۵۱﴾

اور میرے بھائی کو اور داخل فرما ہمیں اپنی رحمت میں اور تو بڑا مہربان ہے رحم کرنے والوں پر

موسیٰ علیہ السلام اس خیال میں تھے۔ کہ شاید ہارون بھائی نے ان کو ہدایت دینے میں کوئی سستی کی۔ حالانکہ انہوں نے بنی اسرائیلیوں کو گمراہی سے بچانے میں پوری کوشش کی۔ لیکن حضرت ہارون انتہائی حلیم الطبع اور بہت نرم دل تھے۔ اگر چہ موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں سال بھر بڑے تھے۔ تو جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے بالوں سے پکڑا۔ تو جناب ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ اور میری ماں جائے (بھائی) ماں کا نام اس لئے لیا۔ تاکہ بھائی کا دل ماں کا نام سن کر نرم ہو جائے۔ کہا بے شک میری قوم نے مجھے عاجز بنا دیا قریب تھا کہ وہ مجھے قتل بھی کر دیتے۔ یعنی میں نے انہیں اس برائی سے روکنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن مخالفت میں وہ اس قدر مجھ پر غالب آ گئے۔ قریب تھا کہ مزید میرے روکنے پر وہ مجھے قتل بھی کر دیتے۔ لہذا آپ مجھ پر ناراض ہو کر دشمنوں کو خوش نہ کریں۔ آپ کا اس طرح مجھے غصے ہونا۔ ان کی خوشی کا باعث ہوگا۔ وہ تو پہلے ہی یہی چاہتے تھے۔ کہ میری اہانت ہو۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے۔ کہ آپ مجھے بھی ان ظالموں کے ساتھ نہ ملائیے یعنی گناہ گار اور قصوروار تو پوجنے والے ہیں۔ میں انہیں روکنے والا ہوں۔ دونوں کو ایک جیسا نہ سمجھئے۔

(آیت نمبر ۱۵۱) اب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا تو فرمایا اے میرے رب جو میں نے بلا وجہ بھائی کو تکلیف دی تو مجھے بخش دے اور میرے بھائی نے قوم کو بچھڑے کی پوجا سے روکنے میں کمزوری کی ہو۔ تو تو اسے بھی بخش دے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ

بے شک جنہوں نے بنایا (معبود) بچھڑے کو جلد پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور ذلت

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

زندگی دنیا میں اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں بہتان گھڑنے والوں کو

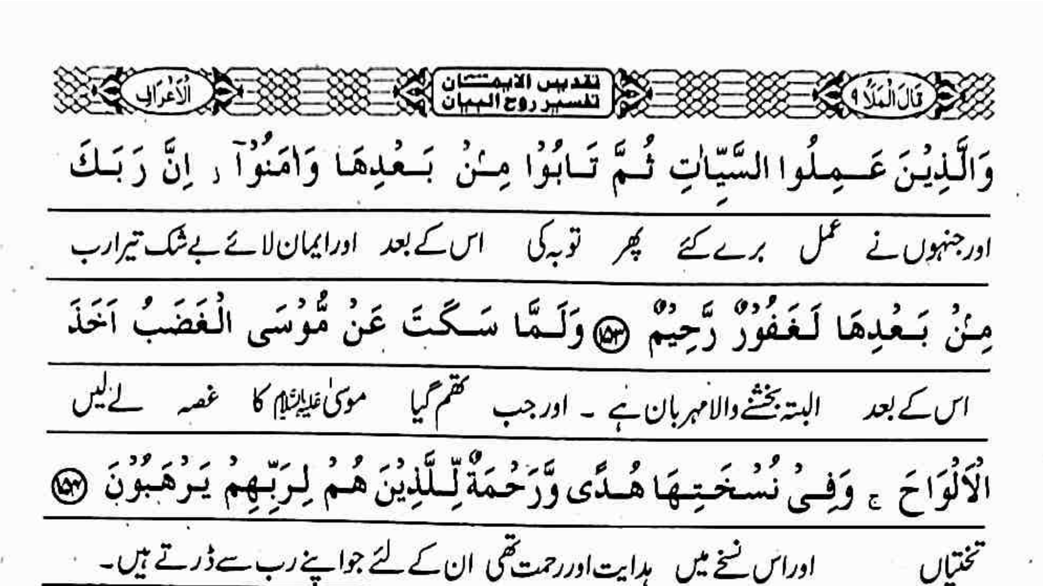
(بقیہ آیت نمبر ۱۵۱) **نکتہ**: انبیاء کرام علیہم السلام اگر چہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود استغفار کرتے ہیں۔ اور عرض کیا کہ اے اللہ ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما۔ یعنی مزید بھی ہم پر انعامات فرما۔ اس لئے۔ کہ تو ارحم الراحمین ہے۔ یہاں رحمت سے مراد جنت الفردوس ہے۔

(آیت نمبر ۱۵۲) بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا۔ (جیسے سامری وغیرہ) عنقریب ان پر غضب الٰہی ہونے والا ہے ان کے رب کی طرف سے۔ اس لئے کہ ان کا یہ جرم اور گناہ تمام گناہوں سے بڑا ہے۔

فائدہ: یہاں غضب سے مراد انتقام خداوندی اور عذاب ہے۔ یہ تو آخرت میں ہوگا۔ اور دنیوی زندگی میں بھی ان کیلئے ذلت اور رسوائی ہے۔ یعنی غریبی مفلسی اور مسکینی میں زندگی گذاریں گے یہ بھی اور ان کی نسل بھی۔ اور پھر سامری کو بہت بڑی ذلت اور خواری اٹھانی پڑی۔ اور زندگی کے آخر تک کئی قسم کے مصائب میں گھرا رہا۔

سامری کا قصہ: مروی ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے چاہا۔ کہ سامری کو قتل کروں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کر دیا۔ اس لئے کہ وہ سخی بھی تھا۔ اس لئے فرمایا کہ اسے وطن بدر کردو۔ یہ زندگی بھر مصائب میں گھرا رہے گا۔ اور جو اس کے قریب ہوگا اس کو بھی وہ تکلیف چمٹ جائے گی۔ اور یہ دور سے ہی کہے گا۔ (لامساس) میرے قریب نہ آنا۔ نہ میں تیرے قریب ہوکر تجھے ہاتھ لگاؤں گا۔ جس کا ہاتھ اسے غلطی سے لگ جاتا۔ اسے بھی وہی تکلیف شروع ہو جاتی اور یہ مصیبت اس کی اولاد پر بھی اس لئے پڑی تا کہ انہیں عبرت ہو اور آئندہ وہ ایسا کام نہ کریں۔

آگے فرمایا۔ اسی طرح افتراء والوں کو ہم سزا دیتے ہیں۔ افتراء بمعنی جھوٹ گھڑنا۔ جیسا سامری نے بچھڑا بنا کر لوگوں کو کہا۔ کہ یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے۔ یہ جرم بہت بڑا کیا۔ لہذا اس کی سزا بھی بڑی دی گئی۔ کیونکہ ایسا افتراء اور کسی نے بھی نہیں کیا۔



(آیت نمبر ۱۵۳) اور وہ لوگ جنہوں نے برے عمل کئے۔ پھر ان سے توبہ تائب ہو گئے۔ ان برائیوں کے ارتکاب کرنے کے بعد مخلص ہو کر خالص ایمان لائے۔ اور پھر اس کے مطابق نیک اعمال بھی کئے۔ اور برے اعمال کے قریب بھی نہ ہوئے۔ بے شک تیرا رب ان کی سچی توبہ کے بعد ان کے گناہوں کو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

مسئلہ: توبہ کا لغوی معنی رجوع ہے۔ اگر اس رجوع کا تعلق اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ تو پھر معنی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو عذاب سے پھرا کر رحمت سے نوازا۔ اور رجوع کی نسبت بندے کی طرف ہو۔ تو معنی ہے۔ کہ اس نے گناہوں سے رجوع کر لیا مغفرت کی طرف۔

فائدہ: جب بندہ گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے حالات کو درست فرما دیتا ہے۔

سبق: لہذا بندے پر لازم ہے۔ کہ وہ توبہ میں دیر نہ کرے۔ اور عمل صالح میں جلدی کرے۔ اس لئے کہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

(آیت نمبر ۱۵۴) جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ختم ہوا۔ یعنی حضرت ہارون کا معذرت کرنے اور قوم کے توبہ کرنے سے موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ تو آپ نے تختیوں کو دوبارہ ہاتھ میں لے لیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا۔ کہ کوئی تختی آسمان کی طرف نہیں اٹھائی گئی۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے غصے میں تختیاں نیچے پھینکیں تو ان میں سے کچھ آسمان پر اٹھا لی گئیں۔ ان تختیوں میں ہدایت کا بیان تھا۔ اور اس میں مخلوق کیلئے رحمت تھی۔ اس لئے کہ توراۃ انہیں خیر اور بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والی ہے۔ ان لوگوں کو جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔ **فائدہ**: توراۃ اگرچہ سب کیلئے ہدایت اور رحمت تھی۔ لیکن اس سے فائدہ ان لوگوں نے پایا۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور چنے موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی ہمارے وعدے کیلئے پھر جب پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

تو کہا اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ہلاک کر سکتا تھا پہلے بھی ان کو اور مجھے بھی۔ کیا تو ہلاک ہمیں کریگا بوجہ اس کے جو کیا

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ

بے وقوفوں نے ہم سے۔ نہیں ہے یہ مگر تیری طرف سے آزمائش۔ گمراہ کر سکتا ہے تو جسے تو چاہے اور تو ہدایت دیتا ہے

مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

جسے چاہے تو ہی ہمارا مولیٰ ہے پس بخش دے ہمیں اور رحم کر ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۴) **فائدہ**: بندہ جب سچی طلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اچھے عمل کر کے جنت کی رغبت کرتا ہے۔ اور دردناک عذاب سے ڈرتا ہے۔ تو اسے خوف اور رجا نصیب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت بندہ جو چاہتا ہے۔ اسے مل جاتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ تم اس سے ڈرو۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ وہ ساتھیوں کو بھی دکھ اور تکلیف پہنچانے میں دیر نہیں لگائے گا۔ لہٰذا اس سے دور ہی رہنا بہتر ہے۔

(آیت نمبر ۱۵۵) اور چن لئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں ستر آدمی ہمارے معین کردہ وقت کیلئے۔

فائدہ: یاد رہے۔ میقات دو تھے۔ ایک میقات ہمکلامی کیلئے۔ اس کیلئے بھی ستر آدمیوں کا چناؤ ہوا۔ وہ اور ہے۔ اور یہ دوسرا میقات توبہ ہے کہ بچھڑا پوجنے والوں سے ستر آدمی ساتھ لے جا کر طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اپنی خطا کا عذر پیش کریں۔ جب ان ستر آدمیوں کو لے کر آپ طور کی طرف جا رہے تھے۔ تو راستے میں ہی ان کو زلزلے نے پکڑ لیا۔ یعنی طور پہاڑ پر ایسا زلزلہ آیا۔ کہ سب کے سب بے ہوش ہو گئے۔ اور وہیں موت واقع ہو گئی۔

فائدہ: بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ کر محو کلام تھے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ جنہوں نے بچھڑا پوجا ان کی سزا قتل ہے۔ تو اس کلام کی ہیبت سے وہ مر گئے۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھنے کی تمنا تھی۔ اس لئے ان کو بطور سزا موت دی گئی۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ

اور لکھ ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بے شک ہم نے رجوع کیا تیری طرف ۔ فرمایا

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا

میرا عذاب پہنچے گا جسے میں چاہوں گا اور میری رحمت نے گھیرا ہے ہر ایک چیز کو۔ تو عنقریب لکھوں گا اسے

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۚ ﴿١٥٦﴾

ان کیلئے جو متقی ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۵) یہی صاحب تیسیر کا بھی مذہب ہے۔ بہر حال جب وہ زلزلے سے مر گئے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ کہ اے میرے رب اگر تو چاہتا۔ تو اس سے پہلے بھی تو انہیں ہلاک کر سکتا تھا۔ کہ جب انہوں نے تیرے حکم کی خلاف ورزی کر کے بچھڑے کو پوجا تھا۔ اور مجھے بھی مارنا چاہتا۔ تو اس سے پہلے مار دیتا۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ یا اللہ پہلے بھی تو نے ہی معاف کیا۔ اب بھی تو ہی معاف فرما دے۔ کیا تو ہمیں ہلاک فرماتا ہے بے وقوفی کی۔ بے وقوفی کے سبب جو ہم ہی میں سے ہیں۔ یعنی بے وقوف تو کچھ ہیں۔ اور ہلاک سب کو کر دیا۔ یہ تو تیری شان کریمہ کے لائق بھی نہیں اور یہ بے وقوفوں کا فتنہ ہے۔ جو تیری طرف سے آزمائش ہے۔ اور جسے چاہے اسے تو گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت بھی دے دیتا ہے۔ اور جسے تو ہدایت دیدے پھر وہ ایسی باتوں سے متزلزل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا ایمان اور زیادہ محکم ہو جاتا ہے۔ اور تو ہی ہمارے سارے دینی معاملات کا کفیل ہے اور ہمارا حامی وناصر ہے۔ لہذا ہماری غلطیوں کو بخش دے اور ہمارے حال پر رحم فرما۔ اور سب بخشنے والوں میں تو بہتر بخشنے والا ہے اور اگر تیرا دریائے رحمت جوش میں آ جائے۔ تو برائیوں کو نیکیوں سے بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ بہر حال بندے کو معافی مانگنے میں بھی طمع اور بخشش کی امید ہوتی ہے۔ اور تو اس سے بھی غنی ہے تو جو بھی کرتا ہے۔ اس میں فضل وکرم ہی ہوتا ہے۔ اس لئے تو خیر الغافرین بھی ہے اور ارحم الراحمین بھی۔

(آیت نمبر ۱۵۶) اور ہمارے لئے لکھ دے یا مقرر فرما دے اس دنیا کی بھلائیاں (اچھی معاش اور توفیق اطاعت) اور آخرت کی بھلائیاں بھی یعنی ثواب اور جنت میں داخلہ۔ یہ تھی آرزو موسیٰ علیہ السلام کی۔ کہ دنیا اور آخرت کی بھلائیاں میری امت کیلئے لکھ دے۔ ہم تیری ہی طرف لوٹتے ہیں۔ یعنی جو بھی بڑے یا چھوٹے گناہ کئے اب ہم توبہ کرتے ہیں۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ جب زلزلہ سے طور پر آنے والوں کی موت واقع ہو گئی۔



الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ

وہ جواتباع کرتے ہیں رسول کی جو نبی ہے امی ہے وہ جسے پاتے ہیں لکھاہوا اپنے پاس

فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

توراۃ میں اورانجیل میں حکم دیگاانہیں نیکی کا اورمنع کرے گاانہیں برائی سے

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ

اورحلال کرے گاان کیلئے پاکیزہ چیزیں اورحرام کرے گاان پر پلید چیزیں اوراتارے گاان سے بوجھ ان کے

وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ

اور پھندے جو تھے ان کے گلے پر۔ پھر جوایمان لائے اس پراوراس کی تعظیم کریں اوراس کی مدد کریں

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ ع ﴿۱۵۷﴾

اور پیروی کریں اس نور کی جواتاراگیااس کے ساتھ وہ ہی کامیاب ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۱۵۶) تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کی۔تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔تواس وقت موسیٰ علیہ السلام نے جوتمنا پیش کی۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ ایک تو میرا عذاب ہے وہ تو میں جسے چاہوں گا اسے دونگا مجھے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔لیکن میری رحمت کی چادر کل کائنات پر پھیلی ہوئی ہے۔جس سے مسلمان اور کافر سب مکلّف اور غیر مکلّف میری رحمتوں اور نعمتوں سے مستفیض ہورہے ہیں۔جہاں تک دنیا وآخرت کی بھلائیاں لکھنے کا تعلق ہے۔وہ تو میں ان کے لئے خاص کرونگا۔جو متقی ہوں گے۔زکوٰۃ دیتے ہوں گے۔اور ہماری آیتوں پر ایمان بھی لاتے ہوں۔کسی ایک آیت کے بھی منکر نہیں ہوں گے۔**فائدہ**: مذکورہ آیت کے نزول کے بعد شیطن نے کہا۔کہ رحمت وسیع ہے ہر چیز پر۔تو میں بھی تو چیز ہوں۔تو اس کے جواب میں فرمایا۔کہ وہ متقین کیلئے ہے۔اور تو متقین میں سے نہیں ہے۔پھر یہود ونصاریٰ بولے۔کہ ہم میں متقی بھی ہیں اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم میں نہیں۔

(آیت نمبر۱۵۷) بلکہ وہ ہیں۔جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی بھی ہے۔اور امی بھی۔اس سے مراد نبی آخر الزمان جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ان پر بھی اور ان کی کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں۔اور وہ رسول امی

ہوگا۔یعنی اللہ کے سوا کسی سے پڑھا نہ ہوگا۔اور حضور کا امی ہونا بھی ان کا معجزہ ہے۔اگر کسی سے پڑھتے۔تو کافر کہتے کہ پڑھا لکھا آدمی ہے ہم ان پڑھ ہیں۔کفار کو بھی اس بات کا یقین تھا۔کہ یہ پڑھے کسی مدرسے میں نہیں۔لیکن خبریں اولین وآخرین کی دیتے ہیں۔اس بات نے ان کے عقل وفہم کو حیرت میں ڈال دیا۔اس سے اہل ایمان کو حضور ﷺ کے معجزے کا یقین ہوگیا اور مخالفین کورے ہی رہ گئے۔**نکتہ** : اللہ تعالیٰ نے پہلے رسول کہا پھر نبی کہا۔پھر امی کہا۔تو جو رسول بھی ہو۔اور نبی بھی ہو۔تو کیا رسول اور نبی ان پڑھ ہی ہوتا ہے؟ رسول تو ساری امت میں سب سے زیادہ علم والا ہوتا ہے۔یہ جواب ہے۔ان کا جو حضور کو بھی ان پڑھوں میں شامل کرتے ہیں۔بھلا جس کا استاد اللہ تعالیٰ ہو۔اس کے علم کا اندازا کون لگا سکتا ہے۔

شانِ مصطفیٰ ﷺ:لوح محفوظ ہمہ وقت جس کے سامنے ہو۔اسے کسی اور علم کے حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔:"امی ودقیقہ دان عالم ـــــ بے سائیہ وسائبان عالم"۔یعنی امی ہو کر پورے جہان کی باریکیوں کو جاننے والا ہے۔

فائدہ :ام اصل کو بھی کہتے ہیں جیسے ماں کو ام کہا جاتا ہے کہ وہ اولاد کیلئے اصل ہے۔اسی طرح حضور ﷺ اس کائنات کی اصل ہین۔آگے فرمایا۔کہ یہ یہود ونصاریٰ اس نبی امی کا نام مبارک اپنی اپنی کتابوں یعنی توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔یہ دونوں کتابیں ان کے پاس اب بھی موجود ہیں۔اور ان کی کتابوں میں حضور ﷺ کے اوصاف وکمالات،مناقب ومحامد لکھے ہوئے ہیں۔

فائدہ :اللہ تعالیٰ نے تو حضور ﷺ کی صفات سابقہ کتب میں لکھ دیں۔تاکہ ان کے زمانے والے یہود ونصاریٰ ان صفات کو پڑھ کر فوراً ایمان لے آئیں۔لیکن وائے ناکامی وہ بدنصیب ہی رہے۔آگے فرمایا کہ وہ رسول لوگوں کو نیکی کا حکم دے گا۔اور برائی سے منع کرے گا۔اور پاکیزہ چیزیں ان پر حلال کرے گا۔جو ان کے شامت اعمال سے ان پر حرام کی گئی تھیں۔اور تمام خبیث اور پلید چیزیں ان پر حرام فرمائیں گے۔جیسے خون۔اور خنزیر کا گوشت وغیرہ۔(**فائدہ**: معلوم ہوا۔نبی جسے حلال کہے وہ حلال ہے اور جسے حرام کہے وہ حرام ہے۔)

فائدہ :طیبات سے وہ چیزیں مراد ہیں جو طبیعت کو پسند ہوں۔اور لوگ ان سے لذت پائیں۔اور خبیث اور پلید وہ چیزیں ہیں۔جن سے تبیعت نفرت اور کراہت کرے۔**مسئلہ**:جس چیز کو شرع حلال کہے۔وہ حلال ہے۔جسے شرع حرام اور پلید کہے وہ حرام ہی ہے۔اس میں پھر طبع اور لذت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

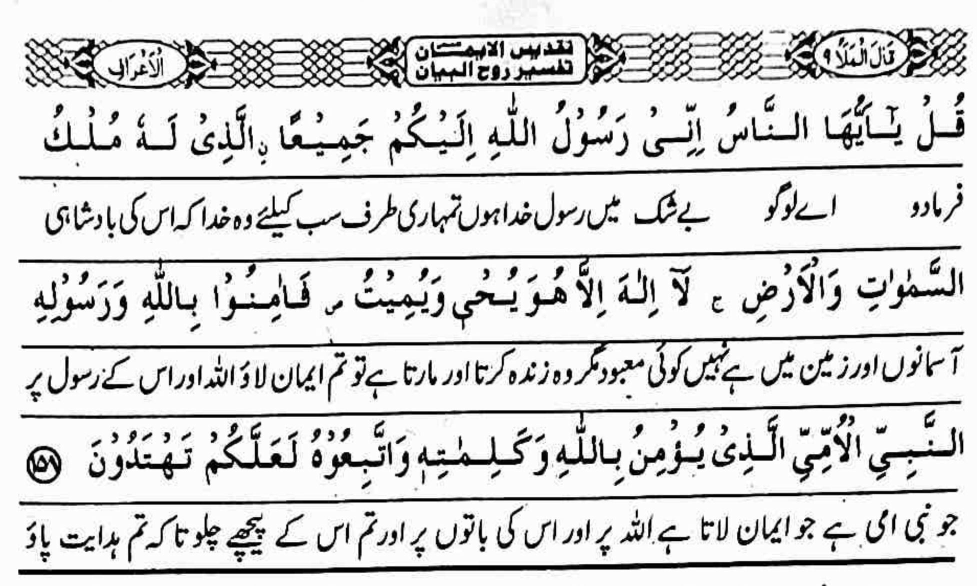
مسئلہ :جس چیز کے حرام ہونے کا ذکر شرع میں نہیں۔وہ بہر حال حلال ہی ہے۔اس لئے کہ ہر چیز کی اصل مباح ہے۔حرام وہی ہے۔جسے قرآن وحدیث میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اور اتار دے ان کے بوجھ اور ہٹا دیں طوق گلے کا جو ان پر تھے۔ یعنی جو جو مشکل کام ان کے ذمہ تھے۔ وہ معاف کرا دے۔ مثلاً قتل خطا پر بھی سزا مثل قتل عمد کے تھی۔ حضور ﷺ کے طفیل قتل خطا والے کیلئے دیت مقرر ہوگئی۔ اسی طرح جس چیز کے ساتھ پیشاب وغیرہ لگ جاتا یا کوئی پلیدی لگ جاتی وہ قابل استعمال نہ ہوتا۔ لیکن ہمارے حضور ﷺ کے طفیل پانی کے استعمال سے اسے قابل استعمال بنایا گیا۔ کاٹنے کی ضرورت نہ رہی۔ اسی طرح مال غنیمت کو آگ کھا لیتی مگر انسان نہیں کھا سکتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کے طفیل مسلمانوں پر حلال ہوگئی۔ اسی طرح ہفتہ کے دن کاروبار حرام تھا۔ حضور ﷺ کے طفیل حلال ہوگیا۔ یہی وہ تکالیف تھیں۔ جنہیں اصرار اور اغلال کہا گیا۔ تو آگے فرمایا۔ وہ لوگ جو ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے۔ اور ان کے حکموں پر چلے۔ اور ان کی تعظیم و توقیر کی۔ اور دشمنوں پر غلبہ پانے کیلئے ان کی مدد کی۔ اور دین کے دشمنوں سے لڑے۔ اور پیروی کی اس نور کی جو اس نبی پر نازل ہوا۔ (انزل معہ) کا مطلب ہے۔ کہ دونوں کام کرنے کا وقت ایک ہی ہے۔ آگے فرمایا۔ یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔ یعنی دنیا و آخرت کی کامیابی پانے والے صرف یہی لوگ ہیں۔ باقی لوگوں کو یہ درجات و مقامات نصیب نہیں (نہ پہلوں میں نہ پچھلوں میں)۔ **مسئلہ**: اس آیت سے ثابت ہوا۔ ایمان کے بعد حضور ﷺ کی تعظیم اور قرآن پر عمل کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضور ﷺ کی شان: مقصود بالذات اس کائنات میں صرف حضور ﷺ کی ذات تھی۔ باقی انبیاء کرام علیہم السلام بطور مقدمہ اور تمہید کے تھے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ وجہ سے فضیلت حاصل ہے (بخاری، مسلم، ترمذی):

۱۔ میں جوامع الکلم دیا گیا۔ ۲۔ مجھے رعب عطا ہوا۔
۳۔ میرے لئے مال غنیمت حلال ہوا۔ ۴۔ میرے لئے پوری زمین مسجد اور پاک بنا دی گئی۔
۵۔ مجھے تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا۔ ۶۔ میں خاتم النبیین بن کر آیا۔ (بخاری و مسلم)

امی لقب کی شان: حضور ﷺ امی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ام الموجودات والکائنات ہیں۔ یعنی سب سے اول اسی لئے فرمایا: ''اول ما خلق اللہ نوری'' یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ میری روح بنائی۔ ایک **حدیث** میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لولاک لما خلقت الخلق'' یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو میں مخلوق میں کسی کو نہ بناتا (رواہ ابن الجوزی، والسیوطی)۔ معلوم ہوگیا۔ کہ آپ مبدا کائنات اور اصل مخلوقات ہیں۔ اسی لئے آپ کا لقب مبارک امی ہے۔ جیسے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہا گیا۔ اس لئے کہ وہ تمام شہروں اور بستیوں کا اصل ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کو ام الکتاب کہا۔ کہ وہ تمام آسمانی کتابوں کی اصل ہے۔



قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

فرمادو اے لوگو بے شک میں رسول خدا ہوں تمہاری طرف سب کیلئے وہ خدا کہ اس کی بادشاہی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ

آسمانوں اور زمین میں ہے نہیں کوئی معبود مگر وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے تو تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر

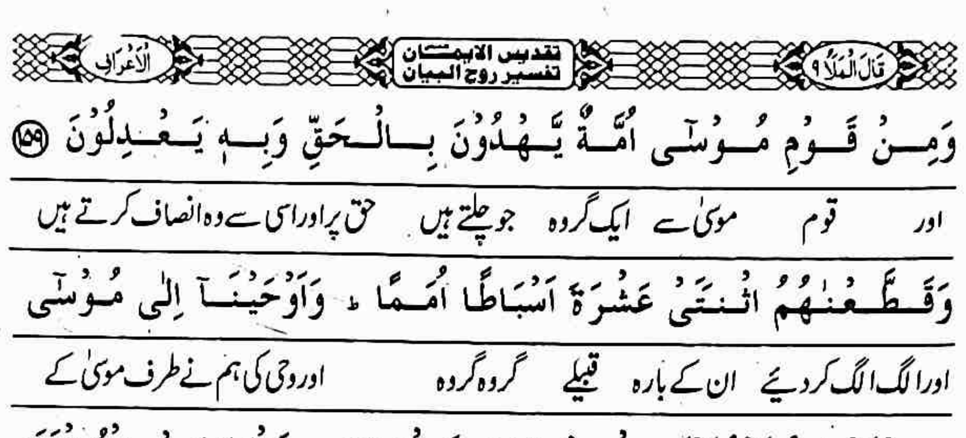
النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

جو نبی امی ہے جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کی باتوں پر اور تم اس کے پیچھے چلو تا کہ تم ہدایت پاؤ

(آیت نمبر ۱۵۸) محبوب فرمادو۔ اے لوگو بے شک میں اللہ کا رسول بن کر تم سب کی طرف تشریف لایا ہوں۔ یہ خطاب اس وقت کے لوگوں سے لیکر قیامت تک آنے والے تمام جن وانس کیلئے ہے۔ پہلے رسول محدود جگہ اور قوموں کیلئے آئے۔ اور دنیا سے جانے کے بعد ان کی شریعت کا اجراء ختم ہو جاتا۔ پھر دوسرا نبی یا رسول آ جاتا۔

فائدہ: بے شک سلیمان علیہ السلام بھی جنوں اور انسانوں کے رسول تھے۔ مگر ان کی رسالت ان کی حکومت تک محدود تھی۔ (مگر ہمارے حضور ﷺ کی رسالت لامحدود ہے) اور یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ سلیمان علیہ السلام جنوں کیلئے نبی بن کر نہیں آئے تھے۔ ان سے خدمت ہر طرح سے لیتے اور ان پر حکومت کرتے تھے۔

الناس کا دائرہ: "الناس" کا معنی انسان ہی ہے۔ لیکن یہاں صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں جن بھی آتے ہیں۔ جوہری اور قاموس نے یہی کہا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔ کہ جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہر چیز پر ہے۔ دونوں جہانوں میں اسی کا تصرف اور قبضہ وقدرت اور اختیار ہے۔ اور اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس لئے عبادت کے لائق بھی صرف وہی ذات ہے۔ اور کوئی نہیں۔ اور آخرت میں بھی وہی زندہ کرے گا۔ اس لئے اللہ پر بھی ایمان لاؤ۔ اور اس رسول پر بھی ایمان لاؤ جو نبی امی ہے۔ امی حضور کی مدح ہے۔ یعنی کسی انسان سے نہ پڑھنے کے باوجود تمام کتابوں کے علم سے بہرہ ور ہیں۔ اور گذشتہ اور آئندہ کے حالات بھی جانتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ کا سرچشمہ علم وحی الٰہی ہے۔ خوش نصیب ہے جو شان والے نبی اللہ پر اور اس پر اترنے والے کلمات پر ایمان رکھتا ہے۔ **فائدہ**: کلمات سے مراد وحی کے ذریعے ان پر اترنے والے واقعات وحالات ہیں۔ لہذا اس نبی کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔



وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور قوم موسیٰ سے ایک گروہ جو چلتے ہیں حق پر اور اسی سے وہ انصاف کرتے ہیں

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی

اور الگ الگ کردیئے ان کے بارہ قبیلے گروہ گروہ اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کے

اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

جب ان سے پانی مانگا ان کی قوم نے کہ ماریئے اپنی لاٹھی پتھر پر پھر پھوٹ نکلے اس سے بارہ

(بقیہ آیت نمبر ۱۵۸) **مسئلہ**: نبی پر ایمان لانے کے بعد اس کی اتباع ازحد ضروری ہے۔ اگر کوئی ایمان لائے اور اتباع نہ کرے تو سمجھو ابھی گمراہی اس میں باقی ہے۔

(آیت نمبر ۱۵۹) موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک ایسی جماعت تھی۔ جو لوگوں کی راہنمائی کرتی تھی۔ جو حق والے تھے۔ اور اسی حق کے ذریعے وہ انصاف کے ساتھ لوگوں میں احکام جاری کرتے تھے۔

فائدہ: سدی نے فرمایا۔ کہ وہ آپس میں اس قدر اتفاق کرتے ہیں۔ کہ گویا وہ ایک باپ کی اولاد ہیں۔ اور ایک دوسرے کا مال اپنا سمجھتے ہیں۔ یعنی اسے ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ اور وہ انصاف سے کام لیتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۶۰) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے بارہ گروہ نکالے۔ جو ایک دوسرے سے الگ الگ حیثیت رکھتے تھے۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سبط کہلاتی تھی۔ اور وہ بارہ اسباط حضرت یعقوب علیہ السلام کے ۱۲ بیٹوں کی اولاد تھے۔ وہ سب الگ الگ بارہ گروہ بن گئے۔ پھر ان میں سخت جھگڑے پیدا ہوئے۔ اور آپس میں سخت بغض وحسد کرنے لگے۔ اسی لئے انہیں سزا کے طور پر شہر کے بجائے جنگل میں رکھا گیا۔ جہاں انہیں سخت پیاس لگی۔ تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پانی مانگا۔ تو فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اس وقت کہ جب ان کی قوم نے ان سے پانی طلب کیا۔ تو ہم نے کہا اے موسیٰ آپ کے پاس جو لاٹھی ہے۔ یہ وہی ہے جو آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے۔ یہ لاٹھی تمام انبیاء علیہم السلام سے ہوتی ہوئی حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آ گئی۔ انہوں نے آپ کو دی اس لاٹھی کو پتھر پر ماریں۔ تو پتھر پر لاٹھی پڑتے ہی اس میں بارہ چشمے جاری ہوگئے۔ کیونکہ کہ بارہ قبیلے تھے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ وہ اتفاق بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ہر قبیلے والے نے اپنا چشمہ الگ کرلیا۔ چونکہ ہر قبیلہ ہزاروں کی تعداد پر مشتمل تھا۔ تو ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے چشمہ اور اپنے گھاٹ سے پانی لے لیتا تھا۔

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ

چشمے تحقیق جان لیا ہر گروہ نے اپنا گھاٹ کو اور سایہ کیا ہم ان پر

الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

بادلوں سے اور اتارا ہم نے ان پر من اور بٹیر کھاؤ پاکیزہ

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

جو دیا ہم نے تم کو اور نہیں زیادتی کی انہوں نے ہم پر لیکن تھے اپنے آپ پر ظلم کرتے

کیا مجال کہ وہ دوسرے چشمے سے پانی لے یا دوسرے کو ایک اپنے چشمے کے قریب آنے دے۔ یعنی ان کا آپس میں ایک دوسرے سے اتنا بڑا تعصب تھا۔ کہ اپنے گروہ کے علاوہ کسی دوسرے کو برداشت ہی نہیں کرتے تھے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس پتھر میں بارہ سوراخ ہو گئے تھے۔ اور جدھر جاتے پتھر ساتھ ہی ہوتا تھا۔ جو قبیلہ پانی چاہتا۔ اپنے والے سوراخ میں انگلی مارتا۔ تو وہاں سے پانی جاری ہو جاتا۔ اور وہ اپنے برتن بھر کر لے جاتے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ ہر ایک نے اپنا گھاٹ جان لیا تھا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ان بنی اسرائیلیوں پر ہم نے بادلوں کا سایہ کیا۔ یعنی گرمی میں دن کے وقت وہ جدھر جاتے۔ بادل ان پر ہر وقت سائیہ کناں رہتے تھے۔ تا کہ سورج کی گرمی سے تکلیف نہ ہو اور رات کو وہی بادل ان کو روشنی پہنچاتے۔ تا کہ تاریکی میں کوئی دقت نہ ہو۔ آگے فرمایا۔ ہم نے ان پر من (مٹھائی) اور سلویٰ (بھنے ہوئے بٹیر) اتارے۔ جو کبوتر سے چھوٹا اور چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ اور فرمایا۔ کہ کھاؤ۔ جو ہم نے تمہیں پاکیزہ رزق عطا کیا۔ تفسیر فارسی میں ہے۔ کہ جو کچھ ہم نے تمہیں اپنے فضل و کرم سے عطا کیا۔ اسے خوشی سے کھاؤ۔ لیکن اس کو ذخیرہ (جمع کر کے) نہ رکھو۔ یعنی وقت پر جتنا کھا سکتے ہو کھاؤ۔ مگر اگلے وقت کیلئے چھپا کر نہ رکھو۔ لیکن انہوں نے حکم خدا کے خلاف کیا۔ اور من سلویٰ کو چھپا کر الگ رکھ دیا۔ تو وہ جوں ہی چھپا کر رکھتے وہ بدبودار ہو جاتا۔ اور کھانے کے قابل نہ رہتا تھا۔ اس لئے فرمایا۔ کہ انہوں نے اتنی بڑی نعمتوں کے استعمال کے بعد بجائے شکر کے ناشکری کی۔ اور ماننے کے بجائے انکار کیا۔ تو انہوں نے کوئی ہم پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے تھے۔ یعنی اس ظلم کی تکلیف سے وہ کبھی بھی بچ نہیں سکتے۔

فائدہ: حدادی فرماتے ہیں۔ کہ وہ ظلم کر کے خود ہی اللہ کے عذاب کو دعوت دے رہے تھے۔ جو بلا تکلف اور بغیر مشقت انہیں دنیا میں مل رہا تھا۔ اس میں بھی حکم الٰہی کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا۔ مزے کی بات یہ کہ آخرت میں اس کا ان پر حساب بھی کوئی نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے کبھی شکر نہیں کیا۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

اور جب کہا گیا ان کو بسواس بستی میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ

اور کہو اے اللہ گناہ اتار اور داخل ہو دروازے سے سجدہ کرتے ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں

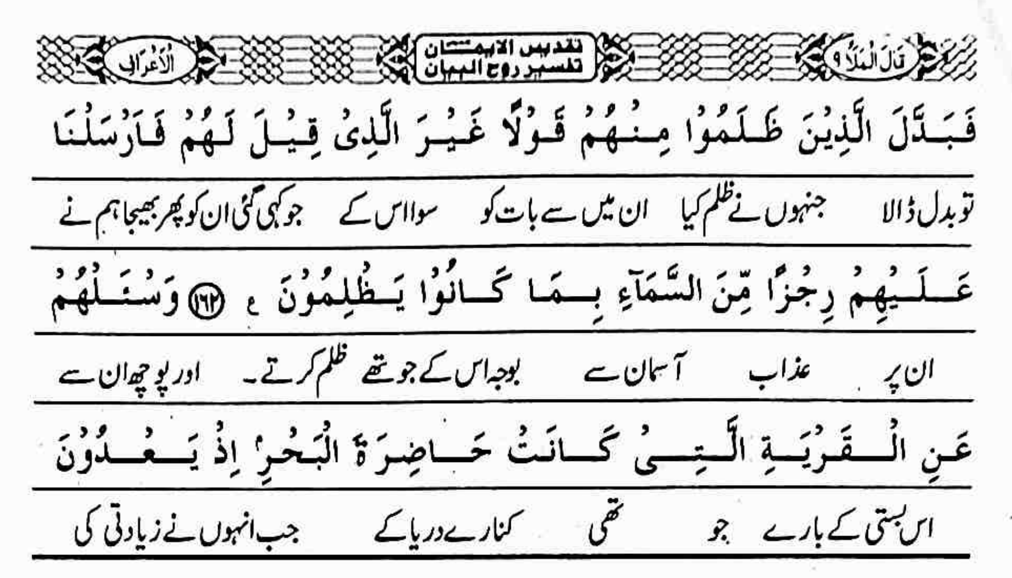
سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

عنقریب زیادہ دیں گے نیکوں کو

(آیت نمبر ۱۶۱) اور جب انہیں کہا گیا۔ ایک خاص شہر میں ٹھہرنے اور اس میں سکونت اختیار کرنے کا یعنی یہ قریہ تمہارا ہے۔ اب تم اس بستی میں رہو گے۔ جہاں تمہارے لئے وہ سب ہو گا جو تم چاہتے ہو۔

فائدہ: بستی سے مراد یا بیت المقدس یا اریحا ہے۔ جہاں قریب ہی جبارین بھی رہتے تھے۔ جو قوم عاد کے بقایا تھے۔ انہیں عمالقہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا سردار عوج بن عنق تھا۔ جب انہیں اس بستی میں رہنے کا کہا گیا چوں کہ اس بستی میں کثرت سے باغات تھے جن میں بہت زیادہ ثمرات اور کھانے کی اشیاء تھیں انہیں کہا گیا انہیں خوب کھاؤ۔ جہاں سے چاہو تمہارے ساتھ کسی قسم کی رکاوٹ یا مزاحمت نہیں ہوگی۔ صرف اتنا کرنا کہ اس بستی میں داخل ہوتے وقت سجدہ کرتے ہوئے اور کہو خطہ۔ کہ یا اللہ گناہ معاف فرما۔ خطہ کا معنی کسی چیز کا اوپر سے نیچے گرانا۔ یہاں مراد ہے گناہوں کی بخشش یا ان کا جھڑ جانا اور یہ بھی ہے کہ جب دروازے سے داخل ہو تو سجدہ ضرور کرنا یعنی سر کو جھکا کر۔ اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے شہر میں داخل ہونا اور شکریہ ادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگل سے نجات عطا فرمائی۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ الباب سے مراد وہ قبہ ہے۔ جہاں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نماز پڑھتے تھے۔ (کمافی الارشاد) آگے فرمایا۔ کہ تمہاری استغفار سے ہم تمہاری سب خطائیں معاف فرمادیں گے۔ یعنی اگلے پچھلے سب گناہ بھی معاف کریں گے۔ اور عنقریب نیکی کرنے والوں کے ثواب میں اور احسان میں اور بھی اضافہ کریں گے۔ **فائدہ:** تمہاری مغفرت ہوگی فرمان خدا کی تعمیل پر اور مزید ثواب محض فضل الٰہی پر ملے گا۔ فائدہ: اتنے انعامات کا تقاضا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھک جاتے۔ اور اس کا شکریہ ادا کرتے اور جہاں جانے کا حکم ملا۔ بلا تامل وہاں چلے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت ان کا ساتھ دیتی۔

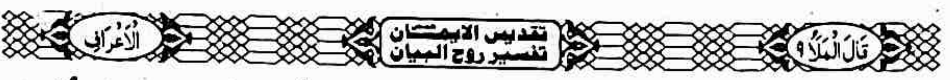


(آیت نمبر۱۶۲) پھر ان میں سے ظالموں نے بات کو بدل ڈالا۔ یعنی جب انہیں سجدہ کرنے اور توبہ استغفار کرنے کا حکم ہوا۔ تو انہوں نے روگردانی کی اور اس کے بجائے انہوں نے وہ بات کی جس میں انہیں کوئی فائدہ نہ تھا۔

فائدہ: مروی ہے۔ کہ سجدہ کے بجائے انہوں نے پہلے ٹانگیں اندر کیں پھر سر داخل کیا۔ اور حطۃ کا لفظ کہنے کے بجائے کہا۔ حنطۃ۔ یعنی ہمیں گندم چاہئے۔ گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول کو بھی حقیر سمجھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی مزاح اڑایا۔ اس لئے فرمایا۔ کہ انہیں جو بات کہی گئی تھی اس کا الٹ کیا۔ اور حکم خدا اور رسول کے خلاف کیا۔ تو پھر ہم نے ان پر بلاتاخیر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ طاعون کی شکل میں کہ تھوڑی دیر میں چوبیس ہزار بنی اسرائیلی مر گئے اور یہ سزا بوجہ ظلم کے ان پر آئی۔ **سبق**: معلوم ہوا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی اس طرح نافرمانی کرے گا۔ وہ عذاب الٰہی میں ضرور گرفتار ہوگا۔

دعا: اے اللہ ہمیں مرنے سے پہلے جاگنے والوں میں بنا۔ امور ظاہری اور باطنی کی اہمیت سے بھی غافل لوگوں میں نہ بنا۔ اور ہمہ وقت تسبیح وذکر وفکر میں مشغول رہنے کی توفیق عطا فرما۔ تو ہی ہمارے حال سے باخبر ہے۔

(آیت نمبر۱۶۳) اور اے محبوب آپ ان یہودیوں سے پوچھیں۔ اس سے مراد حضور ﷺ کے زمانے میں جو یہود تھے وہ ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور ﷺ کو علم نہیں تھا۔ اس لئے کہا گیا کہ ان سے پوچھ لیں۔ حضور ﷺ کو تو بذریعہ وحی ان کے تمام حالات سے آگاہی تھی۔ بلکہ اس سے مقصود ان سے اقرار لینا ہے۔ کہ واقعی ان کے آباء کے حالات بگڑے ہوئے تھے۔ وہ کفر کے گڑھے میں پڑے تھے۔ اور انہوں نے حدود الٰہی سے تجاوز کیا۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کی۔ اور حضور ﷺ کے زمانے والے یہود بھی اس بات کا تو اعتراف کرتے تھے۔ کہ ہم غلطی پر رہے ہیں۔ لیکن کلمہ نہیں پڑھتے تھے۔ کہ کہیں مال و دولت جو ملتا ہے۔ اس سے محروم نہ ہو جائیں۔



فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ

ہفتے کے دن میں جب آتیں ان کے سامنے مچھلیاں بروز ہفتہ کو تیرتی ہوئی اور جب دن نہ ہوتا ہفتے کا

لَا تَأْتِيهِمْ ۛ ۚ كَذَٰلِكَ ۛ ۚ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾

تو نہ آتیں ان کے سامنے اس طرح ہم نے آزمایا ان کو بوجہ اس کے جو تھے گناہ کرتے

اور ہمارے نبی پاک ﷺ کا معجزہ مانیں کہ باوجود امی ہونے کے ان کے تمام حالات سے باخبر ہیں۔اور قریہ سے مراد ایلہ کی بستی ہے۔جو مدین اور طور کے درمیان واقع ہے۔اور وہ بستی دریا کے کنارے پر تھی۔اس بستی والوں نے ہفتہ کے دن میں حد سے تجاوز کیا۔یعنی جب اس بستی والوں کو کہا گیا کہ ہفتہ والے دن عبادت کے سوا کوئی کام نہیں کرنا۔اور ادھر بے حساب مچھلیاں ہفتہ والے دن کی تعظیم کی خاطر یا یونس علیہ السلام کو پیٹ میں رکھنے والی مچھلی کی زیارت کیلئے دریا کی گہرائی سے نکل کر باہر (اوپر) آجاتی تھیں۔چونکہ یہود کیلئے ہفتہ کا دن عبادت کیلئے مختص تھا۔اور اس کی تعظیم کی خاطر ہر قسم کے کام کاج کرنے کی انہیں ممانعت تھی۔تو وہ لوگ اتنی زیادہ مچھلیاں دیکھ کر بجائے ہفتے کے دن کی تعظیم اور عبادت کے وہ مچھلیاں پکڑنے کی فکر میں لگ جاتے۔چونکہ باقی دنوں میں مچھلیاں ان کو نظر بھی نہ آتیں۔تو فرمایا۔اس طرح ہم نے انہیں آزمایا۔تاکہ ان کی عداوت وسرکشی کھل جائے۔اور ان کا مواخذہ کیا جائے۔ان کے فسق وفجور کی وجہ سے جو وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اوامر ونواہی میں خلاف ورزی کرتے تھے۔لالچ میں آکر انہوں نے اپنی آخرت تباہ کرلی۔

واقعہ عجیبہ: انسان اکثر لالچ میں مارکھا جاتا ہے۔دو بھائی سفر میں تھے۔کچھ دیر کیلئے ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے۔ایک سانپ برآمد ہوا۔اور اس کے منہ میں دینار تھا۔جو ان کے قریب رکھ کر چلا گیا۔انہوں نے سمجھا کہ یہاں ضرور کوئی خزانہ ہے۔ایک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ سانپ کو ماردیا جائے۔اور خزانہ نکال لیا جائے۔دوسرے بھائی نے سمجھایا۔کہ اس نے دینار دیا ہم اسے قتل کریں۔یہ تو احسان کے خلاف ہے۔اور ہوسکتا ہے۔نیچے خزانہ بھی نہ ہو۔اور ہم خواہ مخواہ مشقت اٹھائیں۔لیکن دوسرے پر لالچ سوار تھی۔اس نے سانپ کے نکلتے ہی کلہاڑا مارا۔لیکن سانپ بچ نکلا پھر سانپ نے اس پر حملہ کرکے اسے ڈس دیا اور وہ مرگیا۔بھائی نے اسے دفنایا۔پھر جب سانپ باہر آیا تو دوسرے نے کہا۔بھئی سانپ میرے بھائی نے زیادتی کی۔میں نے منع بھی کیا مگر وہ باز نہ آیا۔اب میں چاہتا ہوں۔کہ ہم آپس میں صلح کرلیں۔ہم ایک دوسرے کو نقصان دیئے بغیر اکٹھی زندگی گذاریں۔سانپ نے کہا بھائی اب ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے۔اس لئے کہ مجھے اپنا زخم نہیں بھولے گا۔تجھے بھائی کی جدائی نہیں بھولے گی۔لہذا اب تیرا یہاں سے چلے جانا بہتر ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ

اور جب کہا ایک جماعت نے ان سے کیوں نصیحت کرتے ہو اس قوم کو کہ اللہ ہلاک کرنے والا ہے ان کو یا عذاب دینے والا ہے ان کو

عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا

عذاب سخت سے۔ کہنے لگے عذر پورا کرنے اپنے رب کے سامنے اور شاید وہ ڈر جائیں۔ پھر جب بھلا دیا

مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

جو وہ نصیحت دیئے گئے اس کی تو نجات دی ہم نے ان کو جو روکتے تھے برائی سے اور پکڑا ہم نے ان کو جو ظالم تھے

بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

عذاب برے میں بوجہ اس کے جو تھے گناہ کرتے

(آیت نمبر ۱۶۴) اور جب ان کی جماعت میں سے نیک لوگوں نے انہیں کہا۔ یعنی جو لوگ ان کو نصیحت کرتے تھے۔ تو وہ انہیں آگے سے ذلیل کرتے۔ برا بھلا کہتے۔ ان پر وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ تو وہ بھی ناامید ہو گئے۔ اور یقین کر لیا۔ کہ یہ لوگ اب بالکل ماننے والے نہیں ہیں۔ اب سمجھانا یا ڈرانا بالکل بے سود ہے۔ تو پھر انہوں نے باقی نصیحت کرنے والوں کو بھی کہا۔ ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو۔ کہ جنہیں اللہ تعالیٰ جلد ہلاک کرنے والا ہے۔ اور انہیں جڑ سے اکھیڑ کر اپنی زمین کو پاک کرے گا۔ یا انہیں سخت ترین عذاب دے گا۔ **فائدہ:** یعنی جب دیکھا کہ انہیں کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی تو انہوں نے نصیحت کرنے والوں سے کہا۔ انہیں وعظ و نصیحت کا کیا فائدہ۔ تو ان واعظین نے کہا۔ کہ ہم انہیں سمجھا کر اپنا عذر اپنے رب کی بارگاہ میں پورا کرتے ہیں۔ تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہیں تم نے ہمیں سمجھایا نہیں تھا اگر تم ہمیں سمجھاتے تو ہم اس عذاب سے بچ جاتے۔ یاد رہے۔ معذرۃ بھی ایک قسم کی توبہ ہے۔ لیکن ہر عذر توبہ نہیں ہے۔ البتہ ہر توبہ عذر ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم عذر پورا کرتے ہیں۔ شاید یہ غلطیوں سے باز آ کر اس گناہ کو چھوڑ ہی دیں۔ اور ہمیں بھی ثواب ملے۔

(آیت نمبر ۱۶۵) پھر جب بالکل ہی وہ بات بھول گئے۔ جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی۔ یعنی انہیں جو نیک لوگوں نے نصیحتیں کی تھیں۔ وہ بالکل ہی ان کے ذہنوں سے محو ہو گئیں۔ گویا انہیں کسی نے نصیحت کی ہی نہیں تھی۔ **فائدہ:** اللہ تعالیٰ کسی گناہ گار کو فوراً نہیں پکڑتا۔ بلکہ موقع دیتا ہے کہ شاید باز آ جائے۔ جب بندہ حد سے نکل جائے، پھر پکڑتا ہے۔ اسی طرح وہ بھی حد سے باہر ہو گئے تھے۔



فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

پھر جب سرکش ہوئے جس سے روکے تو کہا ہم نے ان کو ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے

(بقیہ آیت نمبر ۱۶۵) **فائدہ**: اب ایک فرقہ نجات پا گیا۔ اور دو فرقے تباہ اور ہلاک ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برائیوں سے روکتے تھے۔ یعنی ہم نے انہیں اس برائی سے بھی بچایا۔ اور عذاب سے بھی بچایا۔ کہ وہ جو کہ اس برائی سے خود بھی بچتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور ظالموں کو ہم نے پکڑ لیا۔ عذاب میں یہ دوسرا فرقہ ہی۔ یہ ظالم ہی حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ جو حکم ربانی کی مخالفت کرتے تھے۔ اس لئے برے عذاب میں گرفتار ہوئے اس سبب سے کہ جو وہ گناہ کرتے تھے۔

فائدہ: فسق اطاعت سے نکل جانے کا نام ہے۔ یہ بھی ظلم اور عدوان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جتنی مہلت دی وہ اتنے ہی گمراہی اور سرکشی میں اور بغاوت میں آگے بڑھتے گئے۔

(آیت نمبر ۱۶۶) پھر جب اس قدر روکنے کے باوجود سرکشی اور تکبر میں بہت آگے بڑھ گئے۔ کہ جس بات سے انہیں روکا گیا تھا۔ انہوں نے اس میں سرکشی کی۔ عاتی وہ سرکش ہوتا ہے جو فساد پھیلائے۔ اور کسی کی نصیحت ماننے کیلئے تیار نہ ہو۔ تو پھر ہم نے کہا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل و خوار کئے ہوئے۔

واقعہ: مروی ہے۔ کہ انہیں جمعہ کا دن عبادت کیلئے دیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے ہفتے کے دن کو پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے وہی دن انہیں عبادت کیلئے دیدیا۔ لیکن ساتھ ہی انہیں حکم دیا کہ اس دن اب اور کوئی کاروبار نہیں کرنا۔ اس دن کی تعظیم کرنا۔ اس دن خصوصاً مچھلی کا شکار ہرگز نہ کرنا۔ لیکن اللہ کی شان ہفتے کے دن بے حساب مچھلیاں پانی کے اوپر ظاہر ہوتیں۔ باقی دنوں میں نظر نہیں آتی تھیں۔ اب شیطان نے انہیں کہا۔ کہ دریا کے باہر حوض بناؤ۔ اور دریا سے حوض تک ایک چھوٹی نالی لے جاؤ۔ ہفتہ کے دن شکار منع ہے۔ تو اس دن نہ کرو۔ جمعہ کی شام کو نالی کا منہ کھول دو تا کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں تمہارے حوضوں تک چلی جائیں۔ جو حوض میں پہنچ جائیں گی۔ وہ واپس نہیں آ سکیں گی۔ اتوار کو پکڑ داور کھاؤ۔ اب یہ کام پہلے ایک آدمی نے کیا پھر دوسروں نے دیکھا۔ کہ عذاب کوئی نہیں آیا۔ تو آہستہ آہستہ باقی لوگ بھی مچھلیوں کے شکار میں لگ گئے یہ سوچ کر کہ ابھی تک کچھ نہیں ہوا۔ آگے بھی کچھ نہیں ہوگا۔

ان کے تین گروہ ہو گئے: ۱۔ وہ جو حکم الٰہی کے آخر تک پابند رہے۔ خود بھی شکار نہ کیا اور دوسروں کو بھی روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ اسی گروہ کو عذاب سے نجات ملی۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ

اور جب حکم سنادیا تیرے رب نے کہ ضرور بھیجے گا ان پر تاروز قیامت جو چکھاتا رہے ان کو برا

الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٧﴾

عذاب بے شک تیرا رب جلد ہی سزا دینے والا ہے اور بے شک شان یہ ہے کہ بخشنے والا مہربان بھی ہے

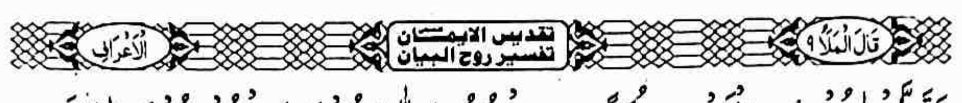
(بقیہ آیت نمبر۱۶۶) ۲۔ وہ جوشکار تو نہیں کرتے تھے۔لیکن شکار کرنے والوں کو منع بھی نہیں کرتے تھے۔بلکہ جو انہیں منع کرتے۔انہیں بھی روکتے تھے۔کہ چھوڑو ان کو اپنے حال پر رہنے دو۔

۳۔ یہ گروہ بڑا تھا۔تقریباً ستر ہزار افراد تھے جو سرکش ہوگئے۔اور کسی کی بات نہیں مانتے تھے۔جب پہلے گروہ نے دیکھا۔کہ یہ تیسرا گروہ بالکل باغی ہوگیا ہے۔تو انہوں نے اپنی بستی الگ بنالی۔اور درمیان میں دیوار بنالی۔ تاکہ ایک دوسرے سے مل جول ختم کردیں۔اب داؤد علیہ السلام کے زمانے تک یہی عمل رہا۔وہ بھی سمجھا سمجھا کر تنگ آگئے۔تو انہوں نے بددعا کردی۔اگلے دن صبح اہل ایمان تو یہ سلامت تھے۔اور دوسرے دونوں گروہوں کی شکلیں بدل کر جوان بندر بنے ہوئے تھے۔اور بوڑھے خنزیر کی شکل بن گئے تھے۔اگلی صبح ان کے گھروں سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔تو جب یہ لوگ ان کی طرف گئے۔تو وہ بندر اور خنزیر بن گئے تھے وہ ان اپنے رشتہ داروں کو پہچان رہے تھے۔دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے تمہیں سمجھایا تھا مگر تم نہ سمجھے تین دن کے اندر ہی سب مر گئے۔

تنبیہ: یہ جو کہا جاتا ہے۔کہ یہ موجودہ بندر ان کی نسل ہیں۔یہ غلط ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو عذاب دے کر ہلاک کیا۔اس کی نسل کو تین دن سے آگے نہیں بڑھایا۔

موجودہ امت میں مسخ: موجودہ امت میں مسخ ہوگا۔کہ جب وہ ریشم کے کپڑے پہنیں گے۔زنا کو جائز سمجھیں گے۔شراب کھلے عام پئیں گے۔ماپ تول میں کمی کریں گے۔گانے بجانے میں مشغول ہوں گے۔ڈھول باجے بجائیں گے حرم میں شکار کریں گے۔ان کی شکلیں تو مسخ نہیں ہوں گی۔البتہ ان کے دل مسخ ہونگے۔اس کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ حرام چیزیں زیادہ پسند کر کے کھائیں گے۔

(آیت نمبر۱۶۷) اور جب حکم سنایا تیرے رب نے یہودیوں کو۔کہ ان پر بھیجتا رہے گا۔قیامت تک ان کو جو انہیں رنج پہنچاتے رہیں گے۔یعنی برا عذاب دیکر ان کو ذلیل وخوار کریں گے۔



وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫

اور ہم نے جدا جدا کیا ان کو زمین میں گروہ گروہ۔ کچھ ان میں نیک ہیں اور کچھ ان میں سوا اس کے

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

اورآزمایا ہم نے انہیں بھلائیوں اور برائیوں میں شاید وہ لوٹ آئیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۶۷) جیسے سلیمان علیہ السلام کے بعد بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا۔ جس نے ان کی آبادیاں برباد کر کے رکھ دیں۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کا زمانہ آ گیا۔ آپ نے بھی ان پر جزیہ مقرر فرمادیا۔ اسی طرح انہیں کفر وشرک کی وجہ سے قیامت تک عزت نہیں ملے گی۔ آگے فرمایا۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی جو لوگ توبہ کر لیں۔ اور اپنی کوتاہیوں پر استغفار کر لیں تو اللہ تعالیٰ بڑا غفور ہے۔ اور جو اس کی طرف رجوع کرے اس پر رحیم بھی ہے۔

(آیت نمبر ۱۶۸) اور ہم نے زمین میں بنی اسرائیل کے کئی گروہ بنائے۔ یعنی جب انہوں نے حق سے منہ موڑا۔ تو بطور سزا ان کو الگ الگ کر دیا۔ تا کہ نہ اکٹھے ہوں نہ ان کی کوئی شان وشوکت بنے۔ اور وہ کئی کئی جماعتوں میں بٹ گئے۔ بعض ان میں سے نیک بھی ہوئے۔ یعنی جو موسیٰ علیہ السلام کے دین کے پیروکار تھے۔ اور باقی ان کے علاوہ تھے۔ یعنی گناہ گار وبدکار رہوئے اور ہم نے انہیں آزمایا۔ جیسے کسی کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اچھائیوں میں اور برائیوں میں یعنی انہیں نعمتیں دے کر بھی آزمایا۔ اور برائیوں سے یوں آزمایا کہ ان پر سزا نازل کر دی۔ کبھی مال دیکر آزمایا کبھی زوال دے کر آزمایا کبھی صحت وتندرستی دیکر اور کبھی فقر وفاقہ دیکر آزمایا تا کہ وہ دین وایمان کی طرف لوٹ آئیں۔ اور برائیوں سے باز آ جائیں۔ کفر وگناہ چھوڑ کر نیکی کی راہ پر آ جائیں۔ کیونکہ حسنات میں طاعات کی ترغیب اور سیئات میں خوف خدا کی تذکیر ہو جاتی ہے۔ **فائدہ**: کاشفی فرماتے ہیں کہ انہیں نعمت ملی تو وہ متکبر اور سرکش ہو گئے۔ جب کہا گیا اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو تو وہ کہنے لگے اللہ تو محتاج ہے۔ ہم مالدار ہیں۔ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ اسی لئے یہودی کبھی بھی امتحان میں کامیاب نہیں ہوئے۔ **فائدہ** : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انہیں نیکیوں میں آزمایا۔ لیکن وہ شیطان کی طرح غرور میں آ گئے کہ مجھ سے بڑھ کر نیک کون ہو سکتا ہے اور برائیوں میں آزمایا کہ وہ نافرمانیوں سے باز آتے ہیں یا نہیں۔ پشیمان ہو کر توبہ کرتے ہیں۔ یا شیطان کی طرح ڈٹ جاتے ہیں۔ یا توبہ کر لیتے ہیں۔ جیسے آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی تو وہ بار بار دعا کرتے۔ اے ہمارے رب ہم سے ظلم ہو گیا اپنی جانوں پر اب اگر تو نے نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم بہت بڑے خسارے میں رہیں گے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا

پھر جانشین ہوئے ان کے بعد ناخلف جو وارث بنے کتاب کے حاصل کرتے مال اس

الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ

دنیا کا اور کہتے ہماری تو بخشش ہو جائے گی اور اگر آئے ان کے پاس مال اتنا اور بھی تو وہ بھی لے لیں

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ

کیا نہیں لیا گیا ان سے وعدہ کتاب میں کہ نہ کہو اوپر اللہ مگر حق بات

وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

اور انہوں نے پڑھا جو اس میں ہے۔ اور گھر آخرت کا بہتر ہے ان کیلئے جو ڈرتے ہیں کیا نہیں وہ سمجھتے

(آیت نمبر ۱۶۹) پھر ان کے بعد ان کے جانشین نااہل لوگ ہوئے۔ اس سے مراد حضور کے زمانہ والے یہودی ہیں۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے جانشین ہوئے۔ لیکن انہوں نے اپنے اسلاف کی مخالفت کی۔ اور حضور ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اور مختلف ملکوں میں پھیلا دیا۔ (آج بھی ذلت کے ساتھ ہیں پھر انہیں ہٹلر نے ذلیل کیا۔ کوئی روس میں ذلت اٹھا رہے ہیں۔ کوئی امریکہ کے پٹھو بنے ہیں۔ کوئی برطانیہ کے پاجامہ سے چمٹے ہیں) ان میں نیک بہت تھوڑے ہیں۔ جنہوں نے حضور ﷺ کی غلامی اختیار کی اور سچے مسلمان ہوئے۔ جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ لیکن ان میں زیادہ دین اسلام کے باغی بلکہ دین موسوی کے بھی منحرف ہو گئے۔ بہر حال وہ ناخلف جب کتاب کے وارث ہوئے۔ یعنی جب ان کے سلف سے کتاب خلف کے پاس پہنچی۔ جسے انہوں نے پڑھا اور سمجھا۔ (تو (آج کل کے مولویوں پیروں کی طرح) کمینی دنیا کے مال واسباب حاصل کرنے کا اسے سبب بنالیا۔ دنیا "دَنَـــاءَ ـــة" سے بنا ہے۔ جس کا معنی خسیس اور کمینہ ہے۔ اور بھلائی سے خالی۔ **فائدہ**: یہود کے علماء نے کتاب توراۃ کے ذریعے رشوت لینے کیلئے اس میں تحریف وتبدیلی کی۔ یعنی اللہ کی کلام کو بیچنا شروع کر دیا۔ کلام الٰہی پڑھنے پر قیمت مقرر کر کے لیتے تھے اور پھر تکبر وغرور سے کہتے تھے کہ ہم جو بھی کریں۔ ہمیں کوئی پکڑ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں کو معاف کر کے ہمیں بخش دے گا۔ کیونکہ ہم نبیوں کی اولادیں ہیں۔ اس لئے کہ ہم تو بہت بڑے مرتبہ ومقام پر پہنچ چکے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿١٧٠﴾

اور وہ جو مضبوطی سے تھامتے ہیں کتاب کو اور قائم کی نماز بے شک نہیں ہم ضائع کرتے اجر نیک لوگوں کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۶۹) (یہ بیماری آج کل کے بعض سیدوں اور ان کے صاحبزادوں کو بھی لگی ہوئی ہے۔ کہ ہمارے اندر نبی کا خون ہے ہمیں عذاب کیسے ہوگا۔ یہ سب دھوکہ اور شیطانی فریب ہے) اور اگر ان کے پاس اس جیسا حرام کا اور بھی سامان آ جائے تو وہ اسے بھی لے لیتے ہیں۔ یعنی ایک پارٹی سے پیسے لیکر ان کو فتوی دیا۔ دوسری پارٹی اس کے مخالف فتوی چاہتی ہے۔ اس سے بھی مال لیکر فتوی دے دیتے ہیں۔ (ایسے لالچی جاہل مولوی آج بھی ہیں) یعنی وہ لوگوں کی مرضی کے مطابق توراۃ میں تحریف و تبدیل کر کے رشوت لیتے ہیں اور کہتے ہیں، ہمیں اس پر کوئی گرفت نہیں ہوگی تو فرمایا کیا ان سے کتاب توراۃ میں وعدہ نہیں لیا گیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق سوائے حق بات کے کچھ نہ کہنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر تہمت درازی نہ کرنا اور جو کچھ توراۃ میں تھا۔ اسے انہوں نے باقاعدہ پڑھا۔ لیکن اس کے باوجود دھڑا دھڑ گناہوں پر گناہ کئے جا رہے ہیں۔ اس امید پر کہ ہمیں بخش دیا جائیگا لیکن یہ بات کیا انہیں معلوم نہیں۔ کہ آخرت (جنت) والا گھر اس دنیا سے (کروڑھا درجے) بہتر ہے۔ (لیکن وہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو متقی ہیں جو حرام خوری سے اور اللہ پر جھوٹ گھڑنے سے بچتے ہیں۔ کیا وہ اتنا بھی عقل نہیں رکھتے۔ **سبق:** اب ان پر لازم ہے۔ کہ دائمی نعمت کے بدلے میں یہ دنیا کا گھٹیا مال نہ لیں۔

(آیت نمبر ۱۷۰) اور البتہ وہ لوگ جو کتاب سے تمسک کرتے ہیں۔ یعنی اس کو صحیح سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ نہ اس میں تحریف کی نہ اس کے احکام کو چھپایا۔ نہ اس کتاب کو کھانے پینے اور لوگوں سے مال بٹورنے کا سبب اور وسیلہ بنایا۔

فائدہ: عطا فرماتے ہیں۔ کہ اس سے حضور ﷺ کی امت مراد ہے۔ اور الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ تو فرمایا۔ کہ انہوں نے نماز قائم کی۔ یعنی کتاب میں نماز کی تاکید تھی اور قبول ایمان کے بعد نماز کی پابندی تمام عبادات سے افضل عبادت ہے۔ باقی احکام کو چھوڑ کر صرف نماز کا ذکر اس لئے کیا تا کہ اس کی اہمیت و بزرگی معلوم ہو۔ اور نماز سارے دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا۔ اس کا دین قائم ہے۔ اور فرمایا کہ بے شک ہم نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ یعنی ان کے قول و عمل پر ان کو پورا پورا اجر دیں گے۔

درس عبرت: افسوس ہے کہ آج قرآن پر عمل نہ کرنے کی عادت بن گئی۔ بڑے بڑے بزرگوں کی اولاد بداعمالی کا شکار ہو گئی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بخشش تو ویسے بھی ہو جانی ہے۔ عبادات ریاضات کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کام تو وہ کریں جو امتی ہیں یا جن کے پیچھے کوئی بزرگ نہیں ہے۔ ایسی باتیں شیطانی دھوکہ ہیں۔ کیا امام زین العابدین کے آباء کے مقابلے میں کسی کے آباء و اجداد ہیں؟ اس کے باوجود وہ روزانہ ہزار رکعات نفل پڑھتے تھے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا

اور جب اٹھایا ہم نے طور پہاڑ اوپر ان کے گویا وہ سائبان ہے اور سمجھے کہ بے شک وہ گرنے والا ہے ان پر پکڑو

مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ

جو دیا ہم نے تم کو پوری طاقت سے اور یاد کرو جو اس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار ہو۔ اور جب نکالی

رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ

تیرے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد اور گواہ بنایا ان کو خود ان ہی پر

(آیت نمبر ۱۷۱) یاد کرو جب ہم نے طور پہاڑ اکھیڑ کر ان کے سروں پر لا کھڑا کیا۔ گویا کہ وہ ایک سایہ بان ہے اور یہودیوں نے دیکھ کر یقین کر لیا۔ کہ وہ ابھی گرا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ پہاڑ کو فضا میں ٹھہرنے کی عادت نہیں ہے۔ بلکہ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ اگر تم توراۃ کو نہیں مانو گے۔ تو پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا۔

واقعہ: یہ ہے۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے توراۃ لے کر آئے اور انہیں پڑھ کر سنائی تو انہوں نے اس کے احکام ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ اس میں ان کے لئے مشکل مسائل تھے۔ (اور یہ لوگ تو چُوری کے مجنوں تھے) تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان کے سروں پر طور پہاڑ رکھو۔ اب وہ ان پر سائبان کی طرح ایسا چھایا کہ کوئی آدمی اس سے باہر نہ تھا۔ اور حکم ہوا کہ توراۃ کو قبول کرو۔ ورنہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا۔ جب دیکھا کہ اب خیر نہیں تو فوراً پیشانی کی بائیں کروٹ سجدہ میں گر گئے لیکن دائیں جانب کی ترچھی نگاہ سے پہاڑ کو بھی دیکھتے رہے۔ اسی لئے اب اسی حالت میں ان پر سجدہ لازم کر دیا گیا۔ معلوم ہوا۔ یہودی اول آخر ایک ہی جیسے ہیں۔ الا ماشاء اللہ جب تک پہاڑ سر پر تھا۔ کہنے لگے ہم مان گئے مان گئے۔ لیکن جوں ہی پہاڑ ہٹ گیا۔ تو وعدے سے پھر گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ جو ہم نے تمہیں دیا۔ اور جو بھی اس میں ہے۔ اسے یاد کرو تاکہ عذاب سے بچ جاؤ۔ یا برے اعمال اور گندے اخلاق سے بچ جاؤ۔ **فائدہ**: اللہ تعالیٰ کے وصال کا ذریعہ تقویٰ اور ذکر الٰہی ہے۔

(آیت نمبر ۱۷۲) اے محبوب یاد کرو جب تیرے رب نے آدم کی پشت سے ارواح کو نکال کر ان سے وعدہ لیا یعنی جن سے اولاد کا سلسلہ جاری ہوا۔ حقیقتاً یا حکماً کہ ان کی اولاد جس ترتیب سے پیدا ہوگی۔ آخری انسان تک سب سے وعدہ لیا۔ اور انہیں ہی ایک دوسرے پر گواہ بنایا۔ یا ہر ایک کو اپنے اپنے نفسوں پر گواہ بنایا۔ یعنی سب نے اپنے طور پر اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ اور اس پر قائم رہنے کا وعدہ کیا کہ وہ اسی کے لئے عبادت کا حق سمجھیں گے۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا

کہ کیا نہیں میں تمہارا رب تو بولے کیوں نہیں ہم اس کے گواہ ہیں کہ کہیں کہنے لگو روز قیامت کہ بے شک

كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ

تھے ہم اس سے بے خبر۔ یا کہو کہ سوائے اس کے نہیں شرک کیا ہمارے باپ دادا نے اس سے پہلے

وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

اور تھے ہم اولاد ان کے بعد کیا تو ہمیں اس وجہ سے ہلاک کرتا ہے کہ جو کیا اہل باطل نے

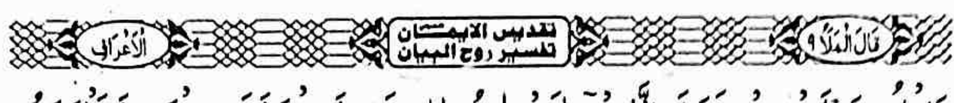
وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں تا کہ وہ لوٹ آئیں

(بقیہ آیت نمبر ۱۷۲) تو رب تعالیٰ نے سب ارواح کو جمع کر کے فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ کیا تمہارے سب معاملات کا مالک نہیں ہوں؟۔ تو تمام روحوں نے بہ یک زبان کہا۔ بلیٰ (ہاں) ہم اپنے آپ پر گواہ ہیں کہ تو ہمارا رب کریم ہے۔ تیرے سوا کوئی رب نہیں۔ یہ وعدہ اس لئے لیا گیا کہ تم بروز قیامت یہ نہ کہو کہ بے شک ہم اس بات سے بے خبر تھے۔ یعنی رب تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت پر ہم متنبہ نہ ہو سکے۔ ہمیں کسی نے بتایا نہیں۔

(آیت نمبر ۱۷۳) یا یہ تم کہو کہ شرک تو ہمارے آباؤ اجداد نے کیا۔ یہ ان کا اپنا گھڑا ہوا طریقہ تھا۔ ہم تو ان کے تابع تھے۔ ہمارے آباء ہم سے پہلے تھے انہوں شرک کیا۔ تو ہم ان کے بعد ان کی اولاد میں تھے۔ اور ہم سے حق و باطل کی تمیز نہ ہو سکی۔ اب تو ہمیں پکڑ کر ہلاک کرتا ہے۔ ان کی وجہ سے جو باطل یعنی گمراہ لوگوں نے کیا خواہ وہ ہمارے آباء و اجداد ہی تھے۔ یہ بات اس وقت کہیں گے کہ جب ان کے آباء و اجداد کی گمراہی واضح ہو جائیگی۔ اور انہیں یقین ہو جائے گا۔ کہ واقعی ہم مجرم ہیں۔ تو یہ بات بطور معذرت کے کریں گے۔ کہ ہم تدبیر اور معاملہ فہمی اور ادراک سے بالکل عاجز تھے۔ تو اس وقت انہیں کہا جائیگا کہ یہ تمہارا عذر نا معقول ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں تو تم پوری استعداد رکھتے تھے۔ تمام قسم کے دلائل و براہین تمہارے سامنے تھے۔ لہذا تمہارا یہ عذر نا قابل سماعت ہے۔

(آیت نمبر ۱۷۴) آگے فرمایا۔ کہ اسی طرح ہم نے آیات کو تفصیل سے بیان کیا تا کہ جو لوگ گناہوں میں پڑے ہیں اور اپنے باپ دادا کی باطل تقلید میں گرفتار ہیں وہ ان غلط عقائد سے رجوع کر لیں۔



وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ

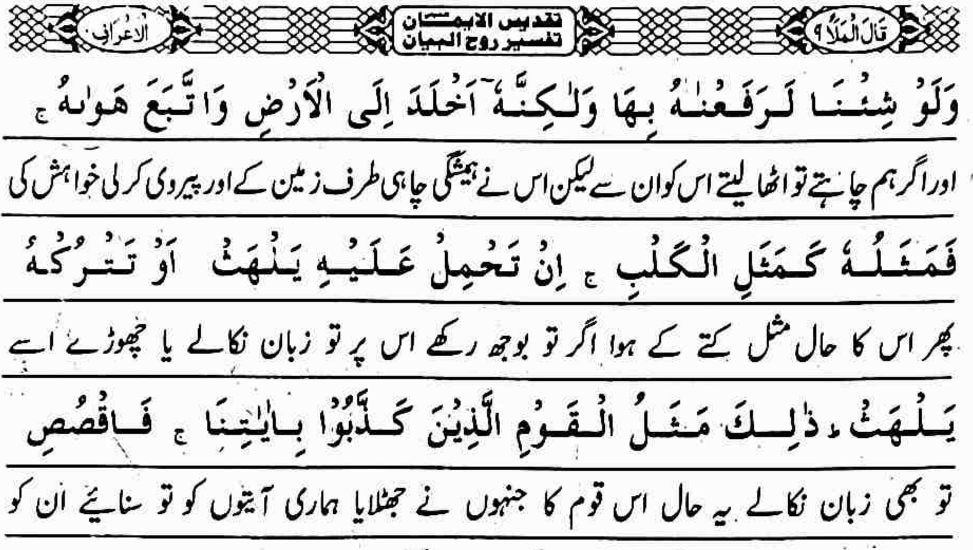
اور پڑھ سنایئے ان کو خبر اس شخص کی کہ دیں ہم نے اس کو اپنی آیتیں پھر صاف نکل گیا ان سے پھر پیچھا کیا اس کا

الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

شیطان نے تو ہو گیا گمراہوں سے

(آیت نمبر ۱۷۵) اے میرے محبوب ان یہودیوں کو اس شخص کی خبر پڑھ کر سنایئے کہ جسے ہم نے آیات عنایت فرمائیں۔ **فائدہ:** یہ شخص کون ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کرام کے کئی اقوال ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ منہاج العابدین میں فرماتے ہیں۔ کہ اس سے مراد بلعم باعور ہے اور وہ فرماتے ہیں۔ کہ وہ جبارین میں سے تھا۔

واقعہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بلعم عابد تھا۔ جس شہر میں سکونت پذیر تھا۔ اس شہر والے کافر تھے۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام اس شہر پر حملہ کرنے والے تھے۔ اس شہر کے حاکم نے بلعم باعور سے کہا۔ کہ تو اسم اعظم جانتا ہے۔ لہذا بددعا کر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہم پر حملہ نہ کر سکے اور ہم بچ جائیں۔ اس نے کہا تمہارا برا ہو وہ نبی ہیں ان کا مددگار اللہ ہے۔ اس کے فرشتے ان کے ساتھ ہیں۔ تمام مسلمان ان کے ساتھ ہیں۔ میری دعا ان کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ اگر ان کیلئے بددعا کروں گا تو میرا نقصان ہوگا۔ کہ میں نہ دین کا رہوں گا۔ نہ دنیا کا۔ لیکن اس کے حواریوں نے اسے اس قدر نذرانے اور تحائف دیئے۔ کہ وہ مجبور ہو گیا۔ اور پھر بڑی بات یہ کہ وہ اپنی عورت پر عاشق زار اور صحیح تابعدار تھا۔ اس نے اتنا مال و دولت کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے ایسی میٹھی میٹھی باتیں کیں کہ وہ اس عورت کے پھندے میں پھنس گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم پر بددعا کیلئے پہاڑ کی طرف چل دیا۔ راستے میں گدھی بیٹھی تو اسے بہت مارا۔ یہاں تک گدھی نے اللہ تعالیٰ سے قوت گویائی طلب کی۔ اس نے بتایا۔ کہ آگے سے فرشتے منع کر رہے ہیں۔ اب میرا کیا قصور ہے۔ میں آگے نہیں جا سکتی۔ پھر وہ پیدل ہی پہاڑ پر پہنچا۔ اور بددعا کرنے لگا۔ مگر جب بددعا کرنے لگتا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان اس کی اپنی قوم کی طرف کر دیتا۔ اور جب دعا خیر کرنے لگتا۔ تو زبان موسیٰ علیہ السلام کی طرف پھر جاتی۔ تو اس کی قوم نے کہا یہ کیا کر رہے ہو۔ دعا ان کے لئے اور بددعا ہمارے لئے مانگ رہے ہو تو اس نے کہا۔ قسم بہ خدا زبان تو میری ہے۔ اب اس پر قبضہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ جدھر چاہتا ہے۔ زبان ادھر ہی چلتی ہے۔ اب اس کی زبان لڑھک کر سینہ تک آ گئی۔ اور قوم سے کہا۔ میرا دین دنیا دونوں تباہ ہو گئے۔ اور میرا جوہر بھی اب چھن گیا۔ اب مکر و فریب ہی ہو سکتا ہے انہوں نے کہا۔ وہ کیسے کہنے لگا۔ اب یوں کرو۔ کہ اپنی عورتوں کو بناؤ سنگار کرا کر بنی اسرائیل میں بھیج دو۔ یعنی بجائے توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے الٹا کفر میں اور ہی آگے بڑھ گیا۔



وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ

اور اگر ہم چاہتے تو اٹھا لیتے اس کو ان سے لیکن اس نے ہمیشگی چاہی طرف زمین کے اور پیروی کر لی خواہش کی

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ

پھر اس کا حال مثل کتے کے ہوا اگر تو بوجھ رکھے اس پر تو زبان نکالے یا چھوڑے اسے

يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ

تو بھی زبان نکالے یہ حال اس قوم کا جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو سنائیے ان کو

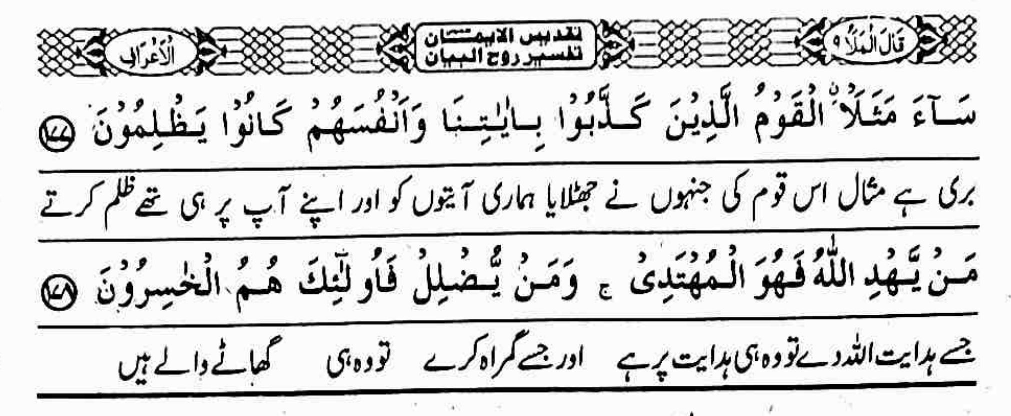
الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

یہ نصیحت تاکہ وہ فکر کریں

(بقیہ آیت نمبر ۱۷۵) اور انہیں کہو۔ کہ بنی اسرائیل جو کریں تم ان کا حکم مانو۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ خوبصورت عورتیں جب بنی اسرائیل کے لشکر میں گئیں۔ تو انہوں نے ان سے زنا کیا۔ تو اس کی وجہ سے ان میں طاعون پڑ گیا۔ ستر ہزار تو اسی عذاب میں مر گئے۔ بقایا لشکر یوشع بن نون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے اس شہر پر حملہ آور ہوا۔ تو شہر کو فتح کر لیا۔ بلعم بھی قیدیوں میں پکڑا گیا۔ اور اسے قتل کر دیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہم نے اسے ہدایت دی مگر اس سے نکل کر شیطان کے پیچھے لگ گیا۔ اور گمراہوں میں سے ہو گیا۔

ولی عرش کو دیکھ لیتا ہے: امام غزالی فرماتے ہیں: کہ بلعم اس درجے پر تھا۔ کہ زمین پر بیٹھے ہوئے عرش بریں کو دیکھ لیتا تھا۔ لیکن شیطان کے پیچھے لگ کر اس نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔ (نہ رب ہی ملا نہ وصال صنم ۔۔۔۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے)

(آیت نمبر ۱۷۶) اگر ہم چاہتے۔ تو ہم اسے اور زیادہ بلندی پر یعنی ابرار میں داخل فرماتے۔ اس اسم اعظم کے طفیل۔ لیکن وہ نیچے زمین کی طرف جھک گیا۔ اور خواہشات نفسانی سے منہ کے بل گرا۔ اور مرتد ہو کر ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اب اس کی رذالت کی مثال اور اس کا حال کتے کا سا ہے۔ اگر مار کر ہٹاؤ تو بھی جیب نکال کر ہانپتا ہے۔ یا چھوڑ دو تب بھی زبان نکالتا ہے۔



سَآءَ مَثَلًا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

بری ہے مثال اس قوم کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اپنے آپ پر ہی تھے ظلم کرتے

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

جسے ہدایت اللہ دے تو وہ ہی ہدایت پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو وہ ہی گھاٹے والے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۱۷۶) **لالچ کی مذمت:** غور کریں۔ دنیا کی لالچ نے ایک عالم اور ولی کو کہاں سے کہاں تک پہنچادیا۔ لالچ علماء اور صوفیاء کیلئے زہر قاتل ہے۔ یہ مثال اس قوم کی ہے۔ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ اس سے مراد یہود ہیں۔ جیسے بلعم کو اسم اعظم ملنے کے باوجود وہ دنیا کی لالچ میں کتے کی طرح ہوگیا۔ ایسے ہی یہودی ہیں۔ انہیں توراۃ ملی۔ جس میں حضور ﷺ کی صفات ہیں۔ اور اس نبی کی تشریف آوری سے پہلے اس کے وسیلہ سے کافروں پر فتح حاصل کرتے۔ لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو ان کے ہی خلاف ہوگئے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ انہیں وہ پورا واقعہ سنائیے۔ تاکہ وہ خوب غور وفکر کریں۔

(آیت نمبر ۱۷۷) کتنی بری مثال ہے۔ ان لوگوں کی۔ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔

فائدہ: حدادی فرماتے ہیں۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان کا فعل اتنا برا تھا۔ کہ انہیں اس قبیح وصف کے ساتھ موصوف ہونا پڑا۔ یہ مثال بھی اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ اور اس کا ہر قول اور ہر فعل مبنی بر حکمت ہوتا ہے اور بالکل درست ہوتا ہے۔ تو جن لوگوں کی بری مثال دی گئی۔ وہ وہ ہیں کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی۔ اس کے باوجود۔ کہ ان پر ہر قسم کے دلائل اور براہین قائم ہو چکے تھے۔ جنہیں وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ انہوں نے اور کسی کا نقصان نہیں کیا۔ بلکہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا۔ یہ تکذیب وغیرہ جو بھی کی اس کا نقصان اور وبال بھی ان پر ہی پڑا۔

(آیت نمبر ۱۷۸) جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ درحقیقت وہی ہدایت پانے والا ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی نہیں پاسکتا خواہ کتنے بلند مراتب پالے۔

یاد رہے۔ ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ لیکن اس ہدایت کا وسیلہ اور ذریعہ کسی بزرگ کی وعظ ونصیحت ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ہر وعظ ونصیحت میں ہدایت ہوجاتی ہے۔ البتہ اکثر ایسا ہوجاتا ہے۔ کہ وعظ ونصیحت میں

تاثیر ہوتی ہے۔اور ادھر حکم الٰہی کارفرما ہو جاتا ہے۔اور اسے ہدایت مل جاتی ہے۔لیکن اصل ہدایت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے۔یعنی جس کی قسمت میں گمراہی کر دی ہے۔بجائے ہدایت کے تو پھر وہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں نہ کوئی اور۔

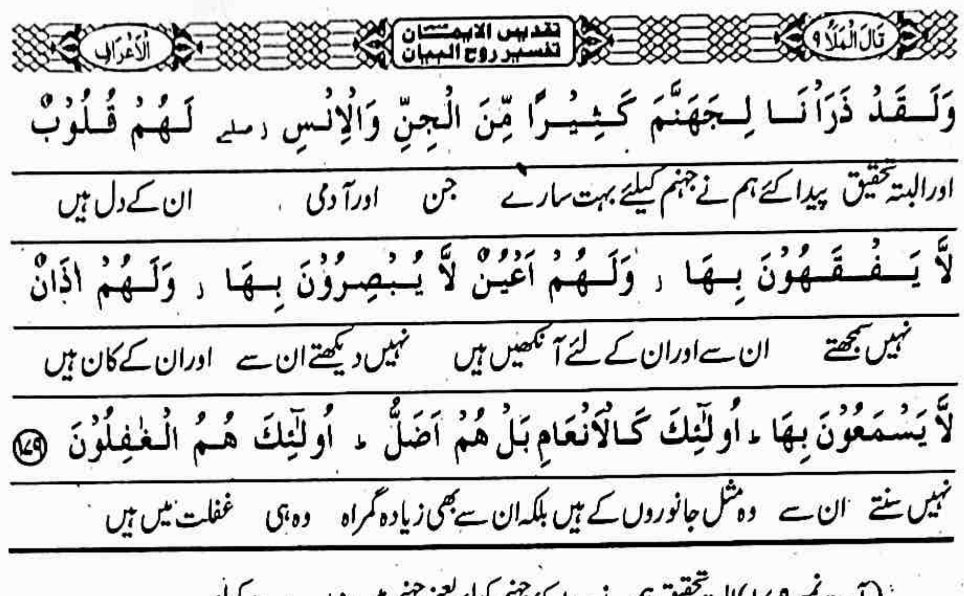
فائدہ: دراصل ہدایت والے وہ لوگ ہیں کہ جنہیں نورازلی سے چھینٹے نصیب ہوئے۔اور جو نور کے چھینٹوں سے محروم رہا۔وہی گمراہ ہوا۔اور خواہشات نفسانی میں گھر گیا۔اور صراط مستقیم سے ہٹ گیا۔

حکایت: سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے۔"اللھم سلّم اللھم سلّم" کہ اے اللہ مجھے سلامتی عطا فرما۔اس شخص کی طرح جس کی کشتی بھنور میں پھنس گئی ہو۔اور وہ اپنی سلامتی کیلئے عجز وانکساری سے عرض کرتا ہے۔

حکایت: ایک کامل ولی نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔کہ اے اللہ تو نے بلعم باعورہ کو کیوں راندۂ بارگاہ کر دیا۔تو اللہ پاک نے فرمایا کہ میں نے تو اسے بڑی بڑی نعمتوں اور کرامتوں سے نوازا۔لیکن اس نے ایک دفعہ بھی میرا شکر ادا نہ کیا۔اگر وہ شکر کرتا۔تو میں اس سے ہدایت واپس نہ لیتا۔اور میں نے اسے بلند کرنا چاہا۔لیکن وہ خود ہی ذلت کے گڑھے کو پسند کیا۔تو ہم نے بھی اسے چھوڑ دیا۔

فائدہ: بندے کو چاہئے کہ وہ ہر ہر نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔اور کہے"الحمد للہ الذی انعم علینا وھدانا الی الاسلام" یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے۔

سبق: وہ آدمی بہت بڑا غبی اور جاہل بے وقوف ہوگا۔کہ جس کے پاس کروڑوں روپے کا قیمتی گوہر ہو۔اور وہ اسے ایک کوڑی میں بیچ ڈالے تو سننے والا ہر آدمی کہے گا کہ یہ کتنا بڑا بے وقوف ہے کہ جس نے انتہائی خسارے کا سودا کیا۔ہماری دعا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔اور ہماری غلطیوں کوتاہیوں سے درگذر فرمائے۔اے مولا اپنے اس کمتر بندے کی امیدیں پوری فرما۔(آمین)



وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۝ لَهُمْ قُلُوْبٌ
اور البتہ تحقیق پیدا کئے ہم نے جہنم کیلئے بہت سارے جن اور آدمی ان کے دل ہیں
لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۝ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۝ وَلَهُمْ اٰذَانٌ
نہیں سمجھتے ان سے اور ان کے لئے آنکھیں ہیں نہیں دیکھتے ان سے اور ان کے کان ہیں
لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۝ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾
نہیں سنتے ان سے وہ مثل جانوروں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ وہ ہی غفلت میں ہیں

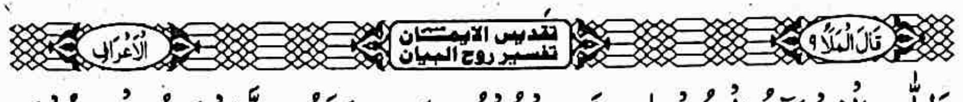
(آیت نمبر ۱۷۹) البتہ تحقیق ہم نے پیدا کئے جہنم کیلئے یعنی جہنم میں عذاب دینے کیلئے۔

فائدہ: جہنم کی گہرائی ایک سو پچھتر سال کی راہ ہے۔ اس جہنم کے لئے بہت سارے جن اور انسان جو کفر پر مرے۔ جن کی موت کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ **فائدہ**: جن کا نام انسان سے پہلے اس لئے لیا کہ جن انسانوں سے بہت پہلے پیدا ہوئے۔ اور ان کی تعداد بھی نسانوں سے بہت زیادہ ہے۔ بلکہ دس گنا انسانوں سے زیادہ ہیں۔

مسئلہ: اس بات پر امت کا اتفاق ہے۔ کہ ہمارے حضور ﷺ جن وانس کے رسول ہیں۔ لہذا اب جن بھی ہماری ہی شریعت پر عمل کرنے کے مامور ہیں۔

اشکال: ایک حدیث میں جو ہے کہ زنا سے ہونے والا بچہ جہنم میں۔ اس حدیث میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے۔ کہ زانی کا قصور ہے۔ وہ تو جہنم میں جائے۔ اولاد کا کیا قصور ہے۔ اس کا جواب۔ (۱) ولد زنا اس وقت جہنم کا مستحق ہوگا جب اس کے اپنے عقیدے اور عمل میں خرابی واقع ہوگی۔

فائدہ: البتہ ولد زنا ولایت خاصہ نہیں پا سکتا۔ اس پر سب مشائخ کا اتفاق ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ ان کے دل تو ہیں۔ مگر ان سے سمجھتے نہیں۔ جو مقصد تھا۔ اس سے فائدہ حاصل نہیں کیا۔ **فائدہ**: دل شیشہ کی طرح ہے۔ جو ایمان اور رجوع الی اللہ سے روشن ہوتا ہے اور کفر و معصیت سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ آگے فرمایا کہ ان کی آنکھیں ہیں۔ لیکن وہ خلقت الٰہی کو عبرت کی آنکھ سے نہیں دیکھتے۔ اور ان کے کان ہیں۔ مگر ان سے سنتے نہیں۔ یعنی آیات قرآنی نہیں سنتے۔ یا وہ پند و نصیحت نہیں سنتے۔ وہ لوگ مثل جانوروں کے ہیں۔ جیسے جانوروں کو نہ تدبیر کی صلاحیت ہے۔ نہ سمجھنے کی ویسے ہی ان کفار کا بھی حال ہے۔ جو جانوروں کی طرح زندگی گذارتے ہیں۔



وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ

اور اللہ کے نام ہیں بہت اچھے تو تم ان ہی سے پکارو اس کو اور چھوڑ دو انہیں جو حق سے نکلتے ہیں

فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اس کے ناموں میں عنقریب بدلہ دیئے جائیں گے جو تھے وہ کرتے

(بقیہ آیت نمبر۱۷۹) آگے فرمایا۔ بلکہ یہ تو جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ اس لئے کہ جانور سکھانے سدھانے سے کچھ تو سمجھ جاتے ہیں۔ یہ کافر تو ان سے بھی آگے نکل گئے۔ کہ انہیں سیدھی راہ بتاؤ تو یہ الٹی راہ چلتے ہیں۔ جانور اپنے نفع کو تو جانتے ہیں اور نقصان وہ چیزوں سے بچتے ہیں۔ مگر یہ کافر ہیں جو دائمی نعمتوں کو بھی حاصل نہیں کرتے۔ جہنم سے بچنے کی بھی کوئی تدبیر نہیں کرتے۔ **فائدہ:** بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ جانور اپنے مالک کو تو جانتا ہے۔ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ مگر یہ کافر نہ اپنے مالک کو جانتے ہیں نہ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ یہی لوگ غافل ہیں۔ یعنی آخرت کے معاملات سے بے خبر ہیں جو کچھ ان کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

(آیت نمبر۱۸۰) سب نام اللہ تعالیٰ کے اچھے ہیں۔ یعنی سب کے سب افضل واعلیٰ ہیں۔ لہذا تم ان ہی ناموں سے اللہ تعالیٰ کو پکارو اور یاد کرو۔ **حدیث:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مبارک ہیں۔ جو انہیں پڑھے گا۔ وہ جنت میں جائیگا اور اللہ تعالیٰ کے ہر نام مبارک میں بے حد تاثیرات ہیں۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ: متقدمین علماء فرماتے ہیں۔ اسماء حسنیٰ شروع کرنے سے پہلے "اللھم انی اسئلك یا رحمن یا رحیم" کہے اور ہر اسم مبارک کے اول میں یا حرف ندا لگائے۔ اور آخر میں درود شریف پڑھے۔

فائدہ: عبدالرحمٰن بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ترویح القلوب میں فرمایا کہ عارف لوگ اسماء مبارک کے ساتھ الف لام لگا کر الرحمٰن الرحیم کی مثل پڑھتے ہیں۔ لیکن کچھ اولیاء بغیر الف لام کے پڑھتے ہیں۔ (ہر دو طریقے سے پڑھنا جائز ہے)

اسماء الٰہی کی تعداد: صرف ننانوے ہی نہیں ہے۔ بلکہ عقیدہ یہ ہونا چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ بے حساب ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو اسم اعظم کے وسیلے سے دعا مانگے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔ اور اس کی دعا بھی قبول ہوگی۔ لفظ "اللہ، حی، قیوم" اسم اعظم ہیں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع

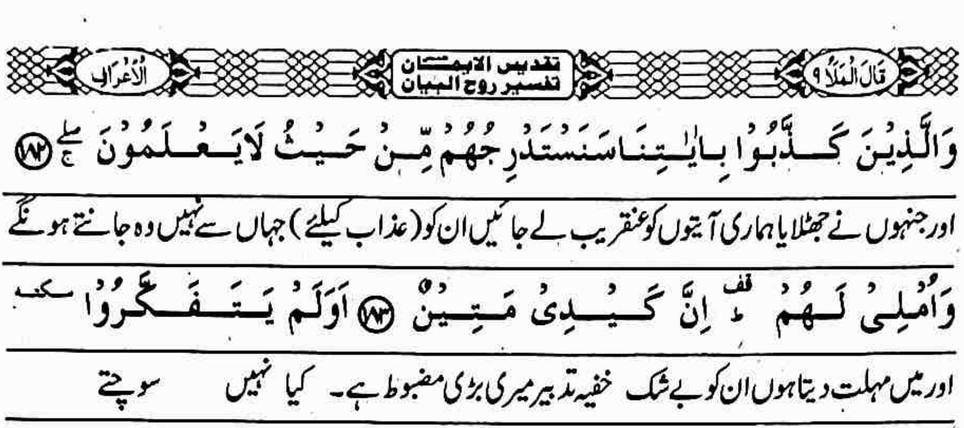
اوران میں سے جنہیں ہم نے پیدا کیا ایک جماعت ہے جوراہ دکھاتے ہیں حق والی اوراس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۱۸۰) **فائدہ:** لفظ اللہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے بولنا جائز نہیں۔ نہ حقیقتاً نہ مجازاً۔ اس کے علاوہ اسماء کو دوسروں پر بول سکتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ ان لوگوں کو چھوڑو۔ جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد (باطل معنی) کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ نام رکھنا جو نہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے۔ نہ کسی آسمانی کتاب میں ہوں۔ نہ حضور ﷺ نے حکم دیا ہو۔ یا جس نام میں فساد اور بطلان کا وہم ہو جائز نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ عنقریب اس کا بدلہ پائیں گے۔ لہذا تم بھی اس کے نام میں الحاد نہ کرو۔ ورنہ سزا کے مستحق ہو گے۔

مسئلہ: جو نام اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مقرر نہیں فرمائے اور اس کا معنی شان خداوندی کے خلاف ہے۔ وہ نام مقرر کر دینا الحاد ہے۔ بہتر یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو ان ناموں سے پکارا جائے۔ جو قرآن وحدیث سے ثابت ہوں۔

(آیت نمبر ۱۸۱) موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے بعض وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے پیدا کیا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بعض ائمہ جو ہادی اور مہدی ہوئے۔ جو لوگوں کو حق کی طرف ہدایت دیتے تھے۔ وہ بھی ایک اچھا خاصہ گروہ تھا۔ جو حق والے لوگ تھے۔ یا یہ مطلب ہے۔ کہ وہ کلمہ حق کے ساتھ لوگوں کو ہدایت دیتے تھے۔ اور انہیں استقامت کا درس دیتے تھے۔ اور اسی حق کے ساتھ ہی وہ لوگوں میں فیصلے بھی کرتے۔ یعنی عدل وانصاف سے کام لیتے۔ ان پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ میری امت میں بعض لوگ نزول عیسیٰ علیہ السلام تک حق پر قائم رہیں گے (تفسیر خازن)۔ ایک **حدیث شریف** میں ہے۔ کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی۔ جب تک زمین پر ایک آدمی بھی اللہ اللہ کرنے والا ہوگا۔ (مسلم شریف)

دنیا کا قیام اولیاء کرام سے: کثرت سے اللہ اللہ کرنے والے اولیاء کرام اور اسم اعظم کو (جو جمیع کمالات کا جامع ہے) جاننے والے ہیں۔ اور ساری مخلوق میں کامل ہر زمانے میں ہوں گے۔ وہی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوں گے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جب تک دنیا میں ایک انسان کامل بھی ہوگا۔ اس وقت قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یعنی اس سے دنیا قائم ہوگی۔ ایک **حدیث** میں ہے تین سو انسان ہر زمانہ میں ہونگے الخ۔ ان ہی کے صدقے اللہ تعالیٰ امت کے مصائب دور فرمائے گا۔ ان میں ہی ابدال۔ اور قطب ہوں گے۔ ایک اور **حدیث شریف** میں فرمایا۔ چالیس ابدال شام میں ہوں گے۔ جن کی وجہ سے بارشیں وغیرہ ہوں گی۔ (مشکوٰۃ شریف)



وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو عنقریب لے جائیں ان کو (عذاب کیلئے) جہاں سے نہیں وہ جانتے ہونگے

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا

اور میں مہلت دیتا ہوں ان کو بے شک خفیہ تدبیر میری بڑی مضبوط ہے۔ کیا نہیں سوچتے

مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

کہ نہیں ہے ان کے صاحب میں کوئی جنون نہیں ہے وہ مگر ڈر سنانے والا کھلا

(آیت نمبر ۱۸۲) اور وہ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ حالانکہ یہ آیات حق کا معیار ہیں لیکن عدل کے مطابق ہم انہیں مہلت دیتے رہے اور وہ تباہی کے کنارے تک پہنچ جاتے۔ پھر ہم انہیں تباہیوں اور ہلاکتوں کے آخری درجے کی طرف دھکیل کر لے گئے۔ تاکہ عذاب کے بھی آخری مرتبے تک پہنچ جائیں۔ اور ایسے طریقے سے لے جائیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہوگا۔ یعنی وہ یہی سمجھتے رہیں گے۔ کہ ہمارے جرموں اور گناہوں سے ہمیں کوئی سزا وغیرہ نہیں ملے گی۔ اور وہ اس مہلت کو بھی اپنی عزت افزائی سمجھیں گے۔ جوں جوں گناہ کریں گے۔ توں توں انہیں نعمتوں میں فراوانی ہوگی۔ دوسری مقام پر فرمایا۔ جب وہ بالکل بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر قسم مال و دولت کے دروازے کھول دیئے۔

(آیت نمبر ۱۸۳) میں انہیں مہلت دیتا ہوں ان کے گناہوں پر جلدی مواخذہ نہیں کرتا۔ لیکن بے شک میری خفیہ تدبیر انتہائی سخت اور مضبوط ہے۔ جو اچانک ہوگی پھر جان چھڑا نہیں سکیں گے۔ ظاہراً نعمتوں سے نوازا۔ اور باطناً انہیں رسوا کیا۔ اسے کید اس لئے کہا۔ کہ ان پر نزول عذاب ایسے طریقے سے ہوگا کہ انہیں عذاب میں پہنچ کر معلوم ہوجائیگا۔

(آیت نمبر ۱۸۴) کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا۔ کہ ان کے صاحب میں کوئی جنون نہیں ہے۔

شان نزول : حضور ﷺ رات دن ہمہ وقت مشرکین کو عذاب سے ڈراتے رہتے تھے۔ اور ان کو بتاتے تھے کہ سابقہ قوموں کا برا حشر اللہ کے انکار کی وجہ سے ہوا۔ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا۔ ایک ایک قبیلے کے پاس جا کر ان کو عذاب سے ڈرایا۔ تو ایک کافر نے بکواس کیا۔ کہ یہ تو دیوانے ہوگئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ان میں تو کوئی دیوانگی والی بات نہیں ہے۔ آگے فرمایا نہیں ہے یہ نبی مگر ڈرانے والا کھلا۔ اس آیت میں حضور ﷺ کی کمال شفقت و رافت کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ تمہاری اتنی دکھ دینے والی باتوں پر بھی وہ صبر کر جاتے ہیں۔

فائدہ: اس آیت میں حضور ﷺ سے جنون کی نفی بھی کی اور ان کفار کی بدبختی کو بھی واضح کر دیا۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ ۙ

کیا نہیں دیکھتے سلطنت آسمانوں اور زمین میں اور جو پیدا کی اللہ نے کوئی چیز

وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَىِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اور یہ ہوسکتا ہے کہ ہوگیا ہو تحقیق قریب ان کا اجل تو کون سی بات پر اس کے بعد وہ ایمان لائیں گے

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

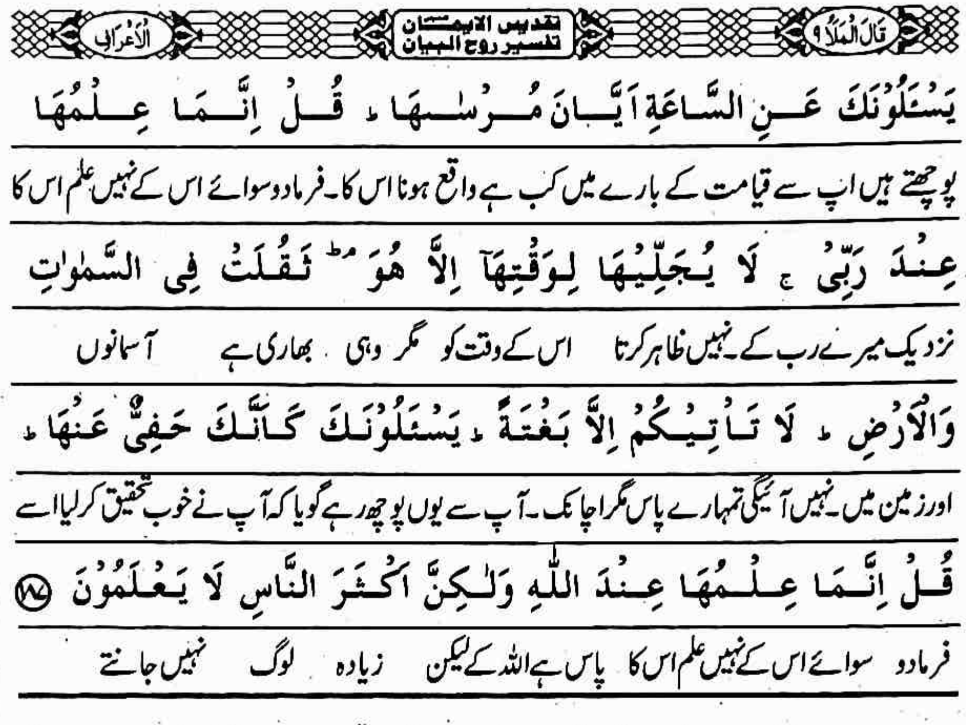
جسے گمراہ کرے اللہ نہیں کوئی راہ دکھانے والا اس کو اور چھوڑتا ہے انہیں کہ اپنی سرکشی میں وہ بھٹکتے رہیں

(آیت نمبر ۱۸۵) کیا ان لوگوں نے نظر استدلال سے نہیں دیکھا۔ کہ آسمانوں اور زمین کے بڑے بڑے ملکوت میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور ملوکیت اور قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر یہ ان میں غور وفکر کرتے۔ تو انہیں معلوم ہوتا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی چیزیں کوئی بے کار تو نہیں بنائیں۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا۔ کہ ملکوت السموات سے مراد آسمان میں سورج چاند اور ستارے ہیں۔ اور ملکوت الارض سے مراد پہاڑ اور بحار اور اشجار ہیں۔ بعض نے فرمایا۔ ملکوت سے مراد بہت بڑا ملک جو ہماری سوچ سے باہر ہے۔ آگے فرمایا کہ انہوں نے نہیں دیکھا۔ کہ اور کیا کچھ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت پر ہر بڑی اور چھوٹی چیز دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد قدرت والا ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے۔ کہ اس کائنات کی ہر چیز خواہ چھوٹی ہے یا بڑی ہے۔ وہ غور وفکر کی دعوت دیتی ہے۔ اور اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا کوئی صانع مطلق ہے۔ اور وہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اور کیا انہوں نے اس میں غور نہیں کیا ہوسکتا ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہو۔ اور وہ حق کی طلب میں جلدی نہیں کر رہے۔ تاکہ انہیں عذاب سے نجات مل جائے۔ اس قرآن مجید کے بعد اور کون سی بات ہوگی کہ جس پر وہ ایمان لائیں گے۔ اس قرآن میں تو ہر چیز کا تفصیلی بیان موجود ہے۔ اب اس کے بعد تو نہ اور کوئی کتاب آئے گی۔ نہ کوئی نیا رسول آئے گا۔

(آیت نمبر ۱۸۶) جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے۔ اور وہ قرآن سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور ان کفار کو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی کی وجہ سے گمراہ کیا یعنی وہ اپنی گمراہی میں کفر کی آخری حد تک پہنچ گئے اس لئے وہ سخت متردد اور متحیر ہیں۔ **مسئلہ**: اس آیت میں غور وفکر پر آمادہ کیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ عقل والا وہی ہے۔ جو خیالی باتیں اور حرص ولالچ اور باپ دادا کی باطل تقلید کو چھوڑے اور نبی کریم ﷺ کے اخلاق اور سیرت پر غور وفکر کرے۔



يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا

پوچھتے ہیں اپ سے قیامت کے بارے میں کب ہے واقع ہونا اس کا۔فرمادو سوائے اس کے نہیں علم اس کا

عِنْدَ رَبِّىْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِى السَّمٰوٰتِ

نزدیک میرے رب کے۔نہیں ظاہر کرتا اس کے وقت کو مگر وہی بھاری ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِىٌّ عَنْهَا ؕ

اورزمین میں۔نہیں آئیگی تمہارے پاس مگراچانک۔آپ سے یوں پوچھ رہے گویا کہ آپ نے خوب تحقیق کرلیا اسے

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

فرمادو سوائے اس کے نہیں علم اس کا پاس ہے اللہ کے لیکن زیادہ لوگ نہیں جانتے

(بقیہ آیت نمبر۱۸۶) تو پھر وہ یقین کے ساتھ کہے گا۔کہ فی الواقع آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔اور آپ کی دعوت بھی حق وصدق پر مبنی ہے۔**فائدہ:** انسان کی امتیازی شان بھی تو یہی ہے۔ورنہ انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا نوع انسانی پر فضل واحسان ہے۔کہ اس نے اپنے پیارے بندوں کو خاص راستے دکھائے۔جن پر چل کر وہ عالم شہود واعیان سے بھی گذر کر وصال الی الملک المتعال سے نوازے جاتے ہیں۔یعنی بندہ جوں جوں عبادت میں بڑھتا جاتا ہے توں توں وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے۔

(آیت نمبر۱۸۷) محبوب آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں۔

فائدہ: لفظ ساعۃ اکثر قیامت کیلئے استعمال ہوا ہے۔

شان نزول : مروی ہے۔کہ کچھ یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر آئے۔اور قیامت کے بارے میں پوچھنے لگے۔کہ کب قیامت قائم ہوگی۔حالانکہ وہ جانتے تھے۔کہ اس کا حقیقی اور تفصیلی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔یہ انہوں نے بطور آزمائش سوال کیا تھا۔کہ کب ہے اس کا واقع ہونا۔تو اے محبوب آپ ان کو بتادیں۔کہ اس کا علم میرے رب کے پاس ہے۔اس کا وقت وہ کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ابھی مخلوق سے اسے مخفی رکھا ہوا ہے۔تاکہ لوگ توبہ جلدی جلدی کر کے اطاعت وعبادت میں لگے رہیں۔ورنہ اگر اس کا علم ہو جائے تو پھر طاعت وعبادت چھوڑ دیں گے اور قیامت کے انتظار میں ہو جائیں گے۔

20/20

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ

فرمادو نہیں میں مالک خود اپنی جان کے نفع اور نہ نقصان کا مگر جو چاہے اللہ ۔ اور اگر ہوتا

اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا

خود جانتا میں غیب تو ضرور میں جمع کرتا بھلائی اور نہ پہنچتی مجھے برائی ۔ نہیں میں

اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

مگر ڈر اور خوشی سنانے والا اس قوم کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۸۷) حکمت الٰہی سے بعض چیزیں مخفی رکھی گئی ہیں۔ جیسے لیلۃ القدر کی گھڑی پوشیدہ کر دی گئی۔ تا کہ اسے پانے کیلئے مہینہ بھر کوشش کی جائے۔ اسی طرح جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی بھی چھپا دی تا کہ لوگ زیادہ وقت دعا میں لگائیں۔ آگے فرمایا اور وہ قیامت زمین اور آسمانوں پر بہت مشکل ہے۔ یعنی زمینوں اور آسمانوں میں رہنے والوں پر وہ قیامت کا دن ایک مشکل اور بوجھل ہے۔ کیونکہ قیامت کی ہولناکی اور سختی تمام تکالیف سے زیادہ سخت ہے۔ کہ سب فنا اور ہلاک ہوں گے۔ اور وہ بالکل اچانک آئے گی۔ جب لوگ غفلت میں ہونگے کوئی جانوروں کو پانی پلانے میں مشغول۔ کوئی بازار میں خرید و فروخت میں مشغول۔ کوئی گھر کی صفائی میں۔ اور کوئی کھانا کھانے میں مشغول ہوگا۔ کہ قیامت واقع ہو جائے گی۔ اے محبوب یہ لوگ آپ سے ایسے پوچھ رہے ہیں۔ گویا آپ اپنی کوشش سے جان گئے ہیں۔ اے محبوب آپ انہیں واضح کر کے بتا دیں۔ تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ بلکہ بعض تو قیامت کے بالکل ہی منکر ہیں۔ بعض قیامت کے وقوع کے قائل ہیں۔ لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ شاید نبی قیامت کے تفصیلی علم کو جانتا ہے۔ تو وہ جہالت سے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں کئی بار بتایا گیا۔ کہ قیامت کا تفصیلی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

(آیت نمبر ۱۸۸) فرمادیں۔ کہ میں خود بخود اپنی جان کے نہ نفع کا نہ نقصان کا مالک ہوں۔ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے۔ کہ جو خود بخود نفع نقصان کا مالک نہیں۔ وہ خود بخود قیامت کے بارے میں کیسے بتا سکتا ہے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ وحی یا الہام کے ذریعے مجھے بتا دے یا اس پر قدرت دیدے تو پھر میں اس پر مالک ہوں گا۔ اس لحاظ سے یہ استثناء متصل ہوگی۔ (الا ماشاء اللہ سے ان لوگوں کو سمجھ آ گئی ہوگی جو کہتے ہیں کہ نبی ایک ذرے کا بھی مالک نہیں ہے یعنی وہ ذاتی طور پر مالک نہیں عطاء الٰہی سے مالک ہیں۔

آگے فرمایا۔ اگر میں غیب جانتا ہوتا۔ تو میں بے شمار خیر جمع کر لیتا۔ یعنی بہت مال یا منافع کما لیتا۔ اور مجھے فقر وفاقہ کی کوئی برائی نہ چھوتی اور نہ کوئی دکھ مصیبت آتا۔ میں تو نہیں ہوں مگر ڈرانے اور خوش خبری سنانے والا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تا کہ تم رسالت کے متعلقہ یا دینی احکام کے متعلقہ کوئی سوال ہو تو وہ مجھ سے کر سکتے ہو۔ اور قیامت کے بارے بھی ہولنا کیوں اور سزاؤں جزاؤں کے متعلق بھی مجھ سے پوچھ سکتے ہو۔ باقی قیامت کے تعین کے بارے میں سوال مجھ سے کرنا بے سود ہے اور حماقت ہے اور میں بشیر ہوں مومنوں کیلئے کہ انہیں ایمان وعمل صالح کے بدلے جنت ملے گی۔ اور نذیر ہوں کافروں کیلئے انہیں بھی بتانا کفر کی سزا جہنم ہے۔ لہذا تم کفر چھوڑ کر ایمان لے آؤ۔

تنبیه : اس میں ان لوگوں کی تردید ہے۔ جو کہ قیامت کی عمر بتاتے ہیں۔ کہ سات یا دس ہزار سال ہے۔ بس صرف یہ ہے۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں اور قیامت اس طرح قریب ہیں۔ جس طرح سبابہ اور درمیانی انگلیاں اکٹھی ہیں۔ اور قیامت کی اکثر علامات بھی حضور ﷺ نے بتادی ہیں۔

حضور ﷺ کو قیامت کا علم : بعض مشائخ کا خیال ہے۔ کہ حضور ﷺ کو قیامت کا علم ہے۔ (جیسے **حدیث** جبریل علیہ السلام میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب ہے تو آپ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا پوچھا ہوا پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا) مسلم شریف کی **حدیث** میں ہے۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ قیامت تک آنے والے تمام واقعات بیان کر دیئے۔ اور قرب قیامت کے حالات سے تو احادیث بھری پڑی ہیں۔ **فائدہ** : اس آیت میں حضور ﷺ کو علم غیب ملنے کی نفی نہیں۔ بلکہ اس کا ثبوت ہے۔

تین قیامتیں:

۱۔ جسموں کا دوبارہ اٹھنا۔

۲۔ جزا کیلئے میدان محشر کی طرف جانا اسے قیامت کبریٰ کہتے ہیں۔

۳۔ موت: یعنی مرجانا بھی قیامت ہے۔ یہ قیامت صغریٰ ہے۔

اعتراض: بعض لوگ اس آیت سے حضور ﷺ کے علم غیب کی نفی ثابت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اگر علم غیب ہوتا تو آپ خیر کثیر جمع کر لیتے۔ **جواب**: حضور ﷺ کو تو خیر کثیر ملی ہے کیونکہ اللہ نے دوسرے مقام پر فرمایا۔ جسے حکمت ملی اس نے خیر کثیر جمع کر لی۔ تو حکمت تو حضور ﷺ کو ملی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ کو خیر کثیر بھی ملی ہے اور خیر کثیر ملی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار علم بھی عطا فرمایا ہے۔ (اضافہ از قاضی)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ

وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا جان ایک سے اور بنایا اسی سے جوڑا اس کا تاکہ سکون پائے

اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ

اس کی طرف۔ پھر جب چھایا اس پر بوجھ ہوا پیٹ میں ہلکا سا تو پھری اس کے ساتھ پھر جب بڑھا

دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾

تو پکارا اللہ کو جو رب ہے ان کا کہ اگر تو نے ہمیں دیا صالح بچہ تو ہم ضرور ہوں گے شکر کرنے والے

(آیت نمبر ۱۸۹) اللہ تعالیٰ ہی کی وہ ذات ہے۔ کہ جس نے تم سب کو ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔ اسی لئے آدم علیہ السلام ابوالبشر ہوئے۔ اور ہمارے حضور ﷺ کے نور سے سارے روح بنے تو اس لحاظ سے ہمارے حضور ﷺ ابوالارواح ہوئے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح بنائی۔

فائدہ: ہر نوع کا اصل اور مبداء تمام بعد والوں کیلئے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔

آگے فرمایا کہ اسی نفس واحد کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام نفس واحدہ تھے۔ ان کی بائیں سائیڈ کی ایک پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو بنایا۔ تاکہ اس جوڑنے سے آدم علیہ السلام کو سکون ملے۔ جو کہ ازدواجی زندگی کا تقاضا ہے۔ پھر جب اس مرد نے بیوی کو ڈھانپ لیا۔ تو وہ حاملہ ہوگئی ہلکے بوجھ کے ساتھ۔

فائدہ: چونکہ حمل کی ابتدائی ایام میں بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ چار پانچ ماہ تک حمل ابتداء میں ہلکا سا ہوتا ہے جب بوجھ ہلکا سا ہوتا ہے۔ تو اسے چلنے پھرنے کام کاج کرنے میں کوئی رکاوٹ یا دقت محسوس نہیں ہوتی۔ تو اس حمل کے ساتھ وہ چلتی پھرتی رہتی ہے۔ پھر جب بوجھل ہوگئی یعنی پیٹ میں بچہ بڑا ہونے کی وجہ سے بوجھل ہوئی۔ تو اس وقت دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ یعنی اس وحشت کے وقت عجز و انکساری کے ساتھ اپنے رب سے بچے کے طالب ہو کر یوں کہتے ہیں۔ کہ اے اللہ اگر تو نے ہمیں نیک یا تندرست بچہ عطا فرمایا۔ تو ہم تیرے نہایت شکر گذار ہوں گے۔ **فائدہ:** آیت کی ابتداء تو جناب آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ اگلے حصے سے بعد میں آنے والے ان کی اولاد سے کوئی بھی لوگ مراد ہو سکتے ہیں۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ

پھر جب دیا ان کو تندرست بچہ تو ٹھہرالئے ساجھی اس میں جو دیا ان کو۔ تو بہت بلند ہے اللہ

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

اس سے جن کو شریک کرتے ہیں کیا انہیں شریک کرتے ہیں جنہوں نے نہ پیدا کیا کچھ اور وہ خود بنائے گئے

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں ان کی مدد کی اور نہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۹۰) گزشتہ آیت میں حضرت آدم علیہ السلام یا اولاد آدم کے افراد مراد ہو سکتے ہیں۔ اب اس آیت میں عام لوگوں کو بطور زجر و توبیخ ذکر فرمایا کہ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح سالم بچہ عطا فرمایا۔ تو کر لئے طرح کے کئی شریک اس میں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہوتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ فلاں بت کی وجہ سے بچہ ہوا یا کسی پیر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پھر اسے بتوں کے آگے سجدے کراتے ہیں۔ اور بتوں کے ناموں پر نام رکھتے ہیں۔ گویا نعمت دی اللہ نے اور یہ منسوب غیر اللہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ **فائدہ:** مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں مطلقاً ماں باپ کا ذکر ہے۔ حضرت آدم وحوا مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ شرک سے پاک تھے۔ اسی لئے آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ جو بلند و برتر ہے۔ اس سے جو وہ شرک کرتے یا بتوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اگر جناب آدم وحوا مراد ہوتے تو تثنیہ کے صیغہ کے بجائے جمع کا صیغہ "یشرکان" ہوتا۔

(آیت نمبر ۱۹۱) آگے فرمایا۔ کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ان کو ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا کرنے کی کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔ عبادت کے لائق اور مستحق وہی ہوتا ہے۔ جو کسی کو پیدا کرے۔ جو کسی کو پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے۔ اور جن کی یہ پوجا کرتے ہیں وہ تو خود مخلوق ہیں بلکہ پوجنے والوں کے ہاتھوں سے بنے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کے شریک کیسے ہو گئے۔ (بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا تو بالکل حماقت کی دلیل ہے)۔

(آیت نمبر ۱۹۲) آگے فرمایا۔ کہ وہ بت اپنے پوجنے والوں کی مدد بھی نہیں کر سکتے یعنی جب انہیں کوئی مصیبت یا پریشانی لاحق ہو جائے۔ تو بت ان کی کوئی بھی مدد نہیں کر سکتے۔ نہ ان کا دکھ درد دور کر سکتے ہیں۔ بلکہ کسی کا دکھ درد وہ کیا دور کریں گے۔ وہ تو اپنے آپ کی بھی مدد نہیں کر سکتے۔ یعنی جب وہ حادثات میں خود گھر جائیں۔ تو وہ ان حوادث کو دفع نہیں کر سکتے۔ مثلاً اگر کوئی ان بتوں کو توڑ پھوڑ دے۔ یا ان پر گندگی گوبر ڈال دے تو وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ

اور اگر تو بلائے انہیں طرف سیدھی راہ کے تو نہ آ سکیں تمہارے پاس۔ برابر ہے تم پر خواہ تم بلاؤ ان کو

اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ

یا تم خاموش رہو ۔ بے شک وہ جنہیں تم پوجتے ہو اللہ کے سوا بندے ہیں تمہاری طرح

فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

پھر تم پکارو انہیں تو چاہیئے کہ وہ جواب دیں تمہیں اگر ہو تم سچے

(بقیہ آیت نمبر۱۹۲) خود اٹھ کر کیسے وہ گندگی اپنے جسم سے ہٹائیں گے۔ بلکہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ کہ ان بتوں پر مکھی بیٹھ جائے۔ تو وہ ہٹا نہیں سکتے۔ اگر کوئی مکھی ان پر لگے ہوئے شہد کو منہ میں لے کر چلی جائے۔ تو یہ اس سے کبھی چھین نہیں سکتے۔ یعنی وہ دونوں انتہائی کمزور ہیں۔ یعنی مانگنے والا بھی اور دینے والا بھی۔

(آیت نمبر۱۹۳) اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ۔ کہ آؤ ہم تمہیں سیدھی راہ دکھائیں تو وہ نہیں آئیں گے وہ راہ دکھانا چاہیں تو نہیں دکھا سکیں گے کہ وہ پتھر ہیں۔ پتھر کسی کو کیا راہ دکھائے گا اور تم پتھر کو کیا دکھاؤ گے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ وہ تمہاری اطاعت اور اتباع نہیں کریں گے۔ نہ تمہارے سوالات کا جواب دے سکیں گے۔ لہذا اے مشرکو تمہارے لئے برابر ہے کہ تم ان بتوں کو بلاؤ۔ یا چپ چاپ کھڑے رہو۔ یعنی نہ تو تمہارے بلانے میں کوئی فائدہ نہ نہ بلانے میں یعنی چپ رہنے میں۔ نہ تو وہ تمہارے حالات بدل سکتے ہیں۔ اور نہ تم ان کے حالات میں تبدیلی لا سکتے ہو۔ اس لئے کہ وہ محض پتھر ہی تو ہیں۔

(آیت نمبر۱۹۴) بے شک اللہ کے سوا جن کی بھی تم پوجا کرتے ہو۔ اور انہیں اپنا معبود سمجھتے ہو۔ وہ تو تمہاری طرح بندے ہیں۔ یعنی وہ تمہاری طرح اللہ کی مخلوق اور مملوک ہیں۔ اور اسی کے حکم کے پابند ہیں۔ نفع ونقصان میں بھی عاجز ہیں۔ چونکہ بت مخلوق میں سے زیادہ تر انسان کی شکل کے تھے۔ اور کچھ جنوں کی شکلوں میں بت بنائے گئے تھے۔ اگر مراد فرشتے ہیں تو ان کو بھی قرآن میں "عباد مکرمون" کہا گیا ہے۔ لہذا ان کو عباد کہنا صحیح ہے۔ آگے فرمایا کہ انہیں بلا کر تو دیکھو۔ کیا ان سے کوئی نفع حاصل ہوگا۔ یا نقصان سے بچائیں گے۔ اگر تم سچے ہو تو بلا کر دیکھو۔ ان میں کوئی قدرت ہے کہ جو تم نہیں کر سکتے وہ کر دکھائیں۔ (لہذا اے مشرکو شرک سے باز آ جاؤ)۔ جو بول ہی نہیں سکتے وہ کسی کا کام کیا کریں گے۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ

کیاان کے پاؤں ہیں کہ چلیں جن سے یاان کے ہاتھ ہیں کہ پکڑیں ان سے یاان کی

اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ط قُلِ ادْعُوْا

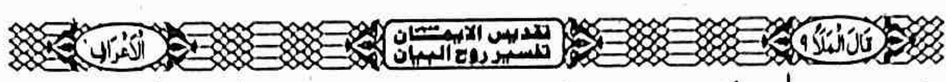
آنکھیں ہیں کہ دیکھیں ان سے ۔ یا ان کے کان ہیں کہ سنیں ان سے ۔ فرمادو بلاؤ

شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

اپنے شریکوں کو پھر چکر چلاؤ مجھ پر پھر کوئی مہلت نہ دو مجھے ۔

(آیت نمبر۱۹۵) کیاان بتوں کے پاؤں ہیں ۔ جن سے چل سکیں ۔ یعنی وہ چل کر تمہاری حاجت پوری کر سکیں ۔ اس لئے کہ بات مان وہی سکتا ہے جس میں زندگی ہو ۔ اوراس کے قویٰ حرکت کرتے ہوں ۔ اور جس میں ایسی کوئی بات نہ ہو ۔ وہ تو کسی کام کا نہیں ۔ آگے فرمایا کہ چلو پاؤں نہیں تو کیاان بتوں کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں ۔ یعنی اپنے ارادے سے کوئی چیز پکڑنا چاہیں ۔ تو کیاان میں اتنی قدرت ہے کہ وہ پکڑ لیں ۔ (جب وہ چل پھر بھی نہیں سکتے ۔ پکڑ بھی نہیں سکتے تو وہ خدا کیسے ہوگئے ۔) یا کیاان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں ۔ یاان کے کوئی کان ہیں ۔ کہ جن سے وہ سن سکیں یعنی وہ پتھر ہیں بالکل بے کار ہیں ۔ جو کسی کام نہیں آسکتے ۔

رد وھابیہ: بعض لوگ اس قسم کے مضمون والی آیات کوانبیاء اوراولیاء پر لگادیتے ہیں ۔ کہ انبیاء واولیاء بھی بتوں کی مانند ہیں ۔ یہ بالکل ان کی غلط فہمی ہے ۔ انبیاء کرام علیہم السلام اوراولیاء عظام کے عظیم مراتب کاانکار تو جہالت ہی ہے ۔ اگر چہ یہ حضرات مخلوق ہیں ۔ (لیکن مخلوق مخلوق میں بڑا فرق ہے ۔ ساری مخلوق میں انسان افضل ہیں ۔ انسانوں میں مسلمان افضل ہیں ۔ پھر مسلمانوں میں اولیاء افضل ہیں ۔ پھر انبیاء کرام تو ان سے بھی افضل ہیں) ۔ پھر انبیاء اولیاء حق تعالیٰ کی قدرت کے مظاہراوراللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کے مرکز اوراس کے کمالات کاعکس اور ظاہری باطنی طور پر وہ اس کے تابع فرمان ہیں ۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے کمالات اور مناقب کے مالک ہیں ۔ ان کو وسیلہ یا سفارشی بنانا یہ شرک نہیں ۔ بلکہ توحید ہے ۔ یہ تو خوارج کی علامات سے ہے ۔ کہ وہ بتوں والی آیات انبیاء واولیاء پر چسپاں کرتے ہیں) کہاں بت اور کہاں انبیاء واولیاء (چہ نسبت خاک را باعالم پاک) ۔ آگے فرمایا ۔ اے محبوب فرمادو کہ بلاؤ اپنے نفع یا نقصان کیلئے اپنے شریکوں کو ۔ پھر چاہئے کہ وہ تمہیں تمہارے بلانے کا جواب دیں یاتمہاری مدد کریں کہ پھر تم سب جمع ہو کر مجھ پر جوداؤ چلا سکتے ہوتو چلاؤ اور مجھے کوئی مہلت نہ دو ۔ اور جو میرا تم نقصان کر سکتے ہو کرلو ۔



اِنَّ وَلِیِّ ۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾

بے شک میرا ولی تو اللہ ہے جس نے اتاری کتاب اور وہ دوست رکھتا ہے نیکوں کو

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ

اور وہ جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا نہیں طاقت رکھتے تمہاری مدد کی اور نہ اپنی جانوں کی

یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ

مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تو بلائے ان کو طرف ہدایت کے تو نہیں سنتے۔ اور تو دیکھے گا انہیں کہ وہ دیکھتے ہیں

اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

تیری طرف اور وہ نہیں بصیرت رکھتے۔

(آیت نمبر ۱۹۶) بے شک میرا سب سے بڑا حامی تو اللہ تعالیٰ ہے۔ کہ جس نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی۔

فائدہ: یعنی جنہیں تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے۔ نہ وہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ تم (جیسے پچھلی آیت میں انہیں چیلنج کیا گیا) لہذا سوال پیدا ہوا کہ کیا کوئی تمہارا مددگار ہے تو یہاں یہ واضح کیا گیا ہے۔ کہ میرا ناصر وحامی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جس نے مکمل طور پر میری حفاظت اپنے ذمہ کرم پر لی ہے۔ اور وہ وہ ہے کہ جس نے قرآن نازل فرما کر میری عزت بڑھائی ہے۔ کتاب کا نزول رسالت کے ساتھ خاص ہے۔ اور وہ میرا ہی مددگار نہیں بلکہ وہ تمام لوگوں کا خصوصاً نیکوکاروں کا والی وناصر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ کہ وہ اپنے نیک بندوں کا ہمیشہ مددگار ہوتا ہے۔ انہیں کبھی شرمندہ نہیں کرتا۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کا تو مقام ہی نیکوں سے بہت بلند وبالا ہے۔

(آیت نمبر ۱۹۷) اور وہ جنہیں تم پکارتے ہو۔ یعنی اے مشرکو اللہ کے سوا جن بتوں کے پوجہ پاٹ تم کرتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ لہذا اس کو پوجو جو تمہاری مدد کرے۔

فائدہ: اب پھر انہیں تنبیہ کی جارہی ہے۔ اور بتوں سے لاپرواہی کی علت بتائی جارہی ہے۔ کہ جن کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو۔ تمہاری مدد کرنے کی ان میں طاقت ہی نہیں۔ اور نہ ہی یہ اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۹۸) اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ بھی۔ یا اپنی کسی غرض کیلئے بلاؤ کہ وہ کوئی تمہارا مقصد یا مطلب پورا کریں تو بلاتے رہو وہ تو تمہاری آواز اور پکار کو سن سکتے ہی نہیں۔ چہ جائے کہ وہ تمہاری مدد بھی کریں۔ اور تو

ان بتوں کی طرف دیکھے۔اس سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے۔اور یہ خطاب مشرکوں سے ہے۔کیونکہ بت خانے میں وہی جاتے ہیں۔اوران کی طرف وہ غور سے دیکھتے ہیں۔اس لئے فرمایا کہ اے دیکھنے والے جب توان بتوں کو دیکھے گا۔تو تجھے ایسے معلوم ہوگا کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں۔چونکہ بتوں کوانسانوں کا ہم شکل بنایا گیا۔(اور موٹی موٹی ان کی آنکھیں بنائی گئیں) ایسے پتہ چلتا ہے۔کہ وہ سامنے والے کو دیکھ رہے ہیں۔اس لئے فرمایا کہ تو اگر ان کی طرف دیکھے گا تو خیال ہوگا کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں چونکہ ان کی تصویریں بناتے وقت آنکھیں ایسی طرز پہ بنائی گئی ہیں۔کہ تو سمجھے گا کہ وہ بت تجھے دیکھتے ہیں۔حالانکہ وہ دیکھنے پر قادر ہی نہیں ہیں۔

فائدہ: یہ ان کی آنکھوں کا عجز ہے۔یعنی وہ دیکھنے سننے بلکہ ہر چیز میں عاجز ہیں۔

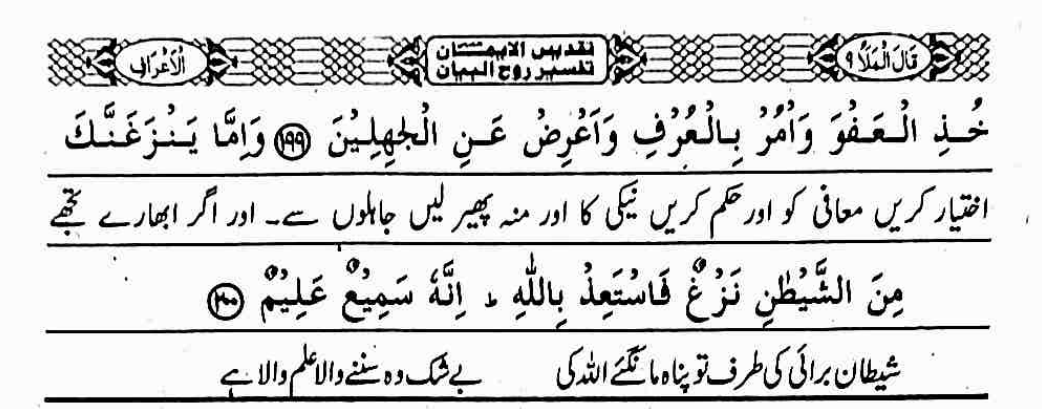
دوسری تفسیر: بعض مفسرین کے نزدیک (تَرٰهُمْ) کا خطاب حضور ﷺ سے ہے۔کہ اے محبوب آپ دیکھتے ہیں کہ یہ مشرکین اپنی آنکھوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔وہ آپ کے ظاہر کو دیکھ لیں گے۔لیکن وہ اپنی آنکھوں سے آپ کی حقیقت حقہ محمدیہ کو نہیں دیکھ سکتے۔اگر وہ آپ کی حقیقت کو دیکھ لیں تو اسی وقت توحید کا اور آپ کی رسالت کا اقرار کرلیں۔

سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی: پر تین سطریں لکھی تھیں: (۱) بسم الله الرحمن الرحیم۔(۲) لا اله الا الله۔ (۳) محمد رسول الله لکھا تھا۔جب سلیمان علیہ السلام نے پہنی تو حضور ﷺ کے مبارک نام کی چمک سے کوئی سلیمان علیہ السلام کو دیکھ نہ سکتا تھا۔تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھو جب انہوں نے کلمہ شریف پڑھا۔توان کی آنکھیں بھی روشن ہوگئیں۔پھر وہ انہیں دیکھنے لگے۔

حکایت: شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جو بایزید بسطامی قدس سرہ کو دیکھ لے وہ ہدایت پا جاتا ہے۔محمود غزنوی نے کہا۔ابوجہل نے حضور ﷺ کو دیکھا۔وہ ہدایت نہیں پایا۔تو بایزید کو دیکھنے والا کیسے ہدایت پا سکتا ہے۔تو انہوں نے فرمایا کہ ابوجہل نے محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے دیکھا۔اگر محمد رسول اللہ کی حیثیت سے دیکھتا تو بدبخت نہ رہتا۔اس کی دلیل یہی آیت ہے کہ وہ مشرک آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔لیکن حقیقت میں نہیں دیکھ سکتے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔قابل صد مبارک ہے وہ شخص جس نے مجھے دیکھا۔پھر جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔پھر جس نے دیکھنے والوں کو دیکھنے والے کو دیکھا۔(اخرجہ الحاکم)

فائدہ: اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔اس نے حقیقت میں مجھے ہی دیکھا۔ کیونکہ میری مثل بن کر شیطان نہیں آسکتا۔



(آیت نمبر۱۹۹) اے محبوب معاف کرنے کو لازم پکڑو۔

فائدہ: جب یہ حکم آیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اس سے کیا مراد ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے معلوم کر کے آتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب تم انہیں دو جو تمہیں محروم کرے۔ اور جو آپ سے رشتہ توڑے آپ اس اسے جوڑیں۔ اور جو آپ پر ظلم کرے آپ اسے معاف کریں۔ اور جو برائی کرے آپ اس پر احسان کریں۔ کیونکہ احسان کے بعد احسان کرنا بدلہ ہے۔ احسان سے پہلے احسان کرنا نیکی ہے۔

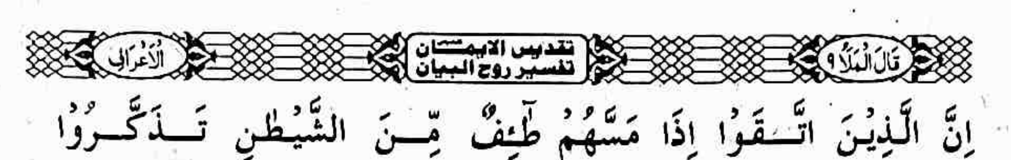
فائدہ: عفو کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ آگے فرمایا کہ آپ اچھے اعمال واخلاق کا حکم دین۔ اور جاہلوں سے کنارہ کش رہیں۔ ظاہراً حکم رسول علیہ السلام کو دیا۔ حقیقتاً امت کو بتایا گیا۔

فائدہ: چونکہ حضور ﷺ جب لوگوں کو اچھی بات کا حکم دیتے۔ تو کفار آپ سے جاہلانہ سلوک کرتے تھے۔ اور اکثر آپ کو تکالیف اور ایذائیں پہنچاتے۔ اور آپ پر ہنسی مزاخ اڑاتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حوصلہ رکھنے، صبر کرنے اور درگذر کرنے کی تلقین فرمائی۔

(آیت نمبر۲۰۰) **فطرت کا تقاضا**: حضور ﷺ نے عرض کیا یا اللہ یہ کفار ازحد پریشان کرتے ہیں۔ تو پھر انسانی فطرت کے تحت غصہ آجاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر شیطان وسوسہ ڈال کر اپنے فعل پر آپ کو برانگیختہ کرہی لے۔ یعنی ان کی کسی بات پر آپ کو غصہ آہی جائے۔ تو اس وقت اللہ کی پناہ مانگ لیں۔ شیطان کے شر سے۔ اس لئے کہ بے شک وہ وہی سننے اور جاننے والا ہے۔ کہ وہ آپ کی التجا سن کر آپ کو شیطان کے شر سے محفوظ فرمائے گا۔ **تعوذ**: غصہ ٹھنڈا کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔

فائدہ: اس سے یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ شیطان کو حضور ﷺ پر بھی کوئی تسلط ہے۔ اصل بات یہ ہے:

۱۔ شیطان حضور ﷺ کو بھی وسوسہ ڈال سکتا ہے۔ تاکہ کوئی امتی یہ نہ کہے۔ کہ حضور کو تو شیطان وسوسہ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اور ہمیں ڈالتا ہے۔ اس لئے ہم اتنی عبادت نہیں کرسکتے۔



اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا

بے شک جو ڈرتے ہیں جب پہنچے انہیں ٹھیسیں شیطان کی طرف سے تو ہوشیار ہو جاتے ہیں

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ج ﴿۲۰۱﴾

پھر اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۲۰۰)

۲۔ نیشاپوری فرماتے ہیں۔ کہ شیطان حضور ﷺ کو وسوسے ڈال سکتا ہے۔ تا کہ معلوم ہو۔ کہ قادر قدیر صرف اللہ کی ذات ہے۔ وہ جسے چاہے۔ شیطان کے حملے سے محفوظ رکھے۔ (لیکن یہ بات حدیث شریف کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا ساتھی شیطان مسلمان ہو گیا ہے اور وہ نیکی کی بات میرے دل میں ڈالتا ہے)۔

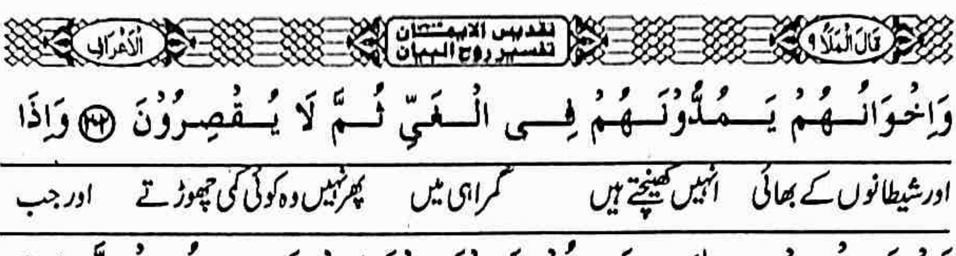
۳۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہ خطاب حضور ﷺ کو ہے ہی نہیں۔ اس سے مراد امت ہے۔ تا کہ وہ استعاذہ کیا کریں۔ یعنی جب بھی شیطان غلط وسوسہ ڈالے تو وہ فوراً ہوشیار ہو جائیں اور اس سے پناہ مانگیں۔

تنبیہ: غضب اور غصہ کے وقت شیطان پورا جوش دلا رہا ہوتا ہے۔ اس وقت اگر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ لی جائے۔ تو غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(آیت نمبر ۲۰۱) بے شک وہ لوگ متقی ہیں یعنی جو نقصان دہ امور سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچتا ہے۔ یعنی جب وہ صورت متخیلہ میں مرتسم ہو کر ذہن میں آئے۔ تو وہ فوراً ہوشیار ہو کر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں اور وہ اسی وقت اس تذکر کی وجہ سے شیطان کے مکر و فریب کو سمجھ جاتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کے کہنے پر نہیں چلتے۔

حکایت: کسی کامل سے پوچھا گیا۔ کہ شیطان کے حملہ کے وقت آپ کیا کرتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا شیطان کون ہوتا ہے جب سے رب کے ساتھ لو لگائی ہے۔ ہمیں تو اللہ کے سوا کسی کی خبر ہی نہیں۔ (۲) ابوسفیان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میرے لئے سب سے آسان کام شیطان کا قابو کرنا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم استعاذہ کا نہ ہوتا۔ تو میں کبھی اس سے استعاذہ نہ کرتا۔

سبق: یہ حال ہے خدمت گاروں کا۔ سردار کا عالم کیا ہوگا۔ یعنی اولیاء کرام سے وہ چھپا پھرتا ہے۔



وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ وَاِذَا

اور شیطانوں کے بھائی انہیں کھینچتے ہیں گمراہی میں پھر نہیں وہ کوئی کمی چھوڑتے اور جب

لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ

نہیں آپ لاتے ان کے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں کیوں نہ تم نے خود گھڑ لی فرما دو سوائے اس کے نہیں

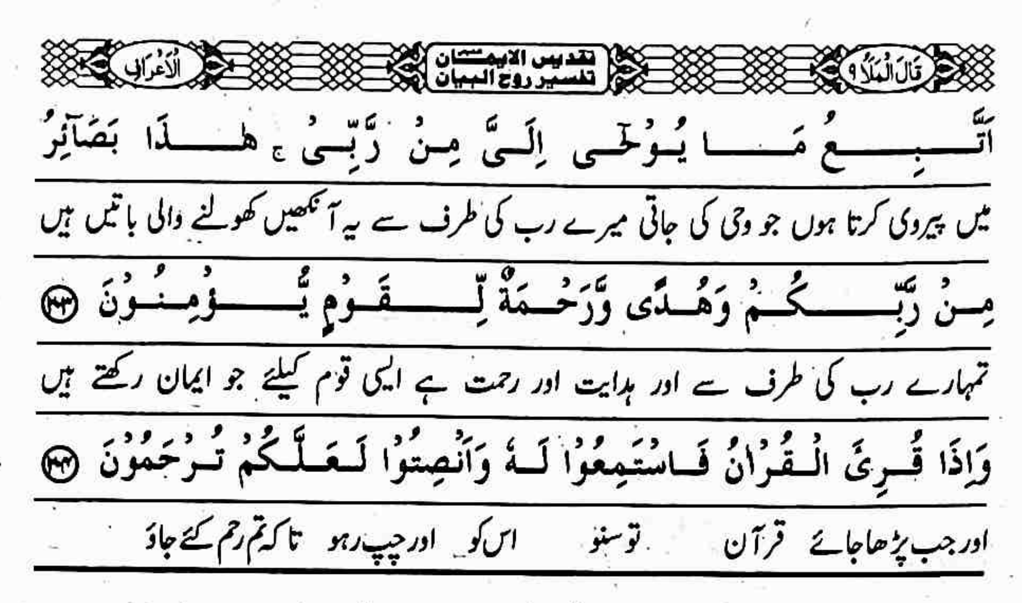
(آیت نمبر ۲۰۲) اور یہ شیطانوں کے بھائی گمراہی پھیلانے میں ان کے مددگار ہیں۔ یعنی گمراہی والی باتوں کو خوبصورت بنا کر ان کے خیال میں لاتے ہیں۔ پھر انہیں گمراہی پر ابھارتے ہیں۔ پھر وہ اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے۔ یعنی گمراہ کرنے کے جتنے بھی حربے استعمال کر سکتے ہیں۔ وہ استعمال کر کے چھوڑتے ہیں۔

شیطان وسوسہ کیسے ڈالتا ہے: ایک اللہ والے نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔ کہ مجھے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ تو انہیں شیطان خنزیر کی شکل میں دکھائی دیا۔ جو انسان کے دونوں کندھوں کے درمیان بیٹھا ہے اور اس کے آگے ہاتھی کی طرح سونڈ ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے۔ کہ اگر بندے کا دل یادِ الٰہی میں مشغول ہو تو پھر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور اگر وہ یادِ الٰہی سے غافل ہے۔ تو سونڈ داخل کر کے سیدھا دل تک لے جاتا ہے۔ پھر دل میں گندے خیالات کا انجکشن لگاتا ہے۔ اس وقت اگر بندہ رب کو یاد کر لے۔ تو فوراً وہ وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔

نکتہ: کندھوں کے درمیان پچھنے لگوانے کا بھی یہی فلسفہ ہے۔ کہ پچھنا لگوانے سے شیطان کے گھسنے کا مادہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ بلکہ اندر داخل ہونے کی راہیں ختم ہو جاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے بھی پچھنا لگوایا اور فرمایا کہ مجھے جبریل نے اس کی وصیت کی ہے۔ لہٰذا امت کو بھی اس کا حکم فرمایا۔

مہر نبوت کا فلسفہ: حضور ﷺ کے کندھے مبارک پر مہر نبوت اسی جگہ رکھ کر شیطان کے وسوسوں سے مامون و محفوظ کر دیا گیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھی شیطان کو مسلمان کر کے مجھے اس پر غالب کر دیا۔

(آیت نمبر ۲۰۳) اور جب ان اہل مکہ کے ہاں کوئی آیت قرآنی نہیں آتی۔ یعنی جب وحی آنے میں کسی مصلحت کے تحت دیر ہو جاتی ہے۔ یا آیت بمعنی معجزہ ہے۔ یعنی کوئی معجزہ دکھانے میں دیر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ معجزہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے دیکھتا ہے۔ کفار کے کہنے پر نہیں ہوتا۔ کبھی وہ حضور ﷺ سے کہتے مردہ زندہ کرو۔ جو ہمارے ساتھ باتیں کرے وغیرہ۔ اگر معجزہ میں دیر ہوتی تو کہتے کہ تو نے کیوں نہ کوئی نشانی دکھائی۔ اگر آیت اترنے میں دیر لگتی تو پھر کہتے تم خود ہی کوئی آیت باقی آیات کی طرح گھڑ لیتے۔ اس لئے کہ ان کا خیال یہ تھا۔



اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ج هٰذَا بَصَآئِرُ

میں پیروی کرتا ہوں جو وحی کی جاتی میرے رب کی طرف سے یہ آنکھیں کھولنے والی باتیں ہیں

مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ایسی قوم کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب پڑھا جائے قرآن تو سنو اس کو اور چپ رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ

کہ حضور اپنی طرف سے یہ آیات قرآنی بنالیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے محبوب آپ ان کوفرمادیں۔ سوائے اس کے نہیں۔ میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں۔ جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی اترتی ہے۔ یہ تمہارا بالکل غلط خیال ہے کہ میں آیات خود بناتا ہوں۔ یہ تو تمہارے رب کی طرف سے بصائر ہیں۔ جو دلوں کو حق کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ اور لوگوں کو راہ صواب دکھاتی ہیں۔ اور ایمان والوں کیلئے ان آیات میں ہدایت اور رحمت ہے۔ اس لئے کہ مومن ہی ان آیات کے انوار سے استفادہ کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۰۴) اور جب قرآن پڑھا جائے۔ تو اسے سنو۔ اور اس کے احکام مانو اور اس پر عمل کرو۔ قرآن پڑھنا مستحب اور سننا واجب ہے اور تلاوت قرآن کے وقت بالکل خاموش رہو۔ یہ قرآن کی عزت و احترام کے پیش نظر ہے تاکہ پورے طور پر سنا جا سکے۔ آگے فرمایا۔ قرآن کی تعظیم کرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ یعنی اس طریقے سے حصول رحمت میں کامیابی ہوگی۔

شان نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اولاً لوگ نماز میں سلام کلام اور ضروری گفتگو بھی کرلیا کرتے تھے۔ کوئی بعد میں آتا تو اسے بتادیتے کہ اتنی رکعات پڑھی جاچکی ہیں۔ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد عام گفتگو بھی بند کردی گئی اور حکم دیا کہ اب تم تلاوت بھی نہیں کرسکتے جب کہ باقاعدہ تلاوت ہورہی ہو۔ اس آیت سے استدلال امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے کہ امام بھی جب نماز میں تلاوت کررہا ہو۔ تو مقتدی کو خاموش رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اسے امام کی قرات ہی کافی ہے۔ نماز اگر جہری ہو (مغرب، عشاء یا صبح کی نماز ہو) تو اس آیت سے دلیل دی اور نماز سری ہو۔ تو **حدیث** (قراة الامام له قراة) سے دلیل لی۔ (مسلم شریف)۔ کہ امام کی قراۃ ہی مقتدی کی قراۃ ہے۔ (میری کتاب صلوٰۃ الاحناف کا مطالعہ کریں۔ قاضی)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

اور یاد کر اپنے رب کو دل میں گڑگڑا کر اور آہستہ اور نہ زیادہ اونچی آواز سے

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

صبح و شام اور نہ ہو غافلوں سے

(بقیہ آیت نمبر۲۰۴) بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت نازل ہی اس وقت ہوئی جب حضور ﷺ کے پیچھے لوگ اپنی تلاوت جاری رکھتے تھے۔ **مسئلہ**: امام کے پیچھے امام کی قراۃ کے وقت قرآن پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

مناظرہ: امام کے پیچھے قرأت کے جائز یا ناجائز ہونے کے سلسلے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ کرنے کچھ لوگ آ گئے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنی چاہئے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا تم سب بولو گے۔ تو بات نہیں ہو سکے گی بہتر ہے۔ ایک آدمی کا انتخاب کر لو وہ میرے ساتھ گفتگو کرے۔ انہوں نے ایک آدمی منتخب کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس کی ہار جیت۔ تم سب کی ہار یا جیت ہوگی۔ انہوں نے کہا بالکل ایسا ہی ہے۔ اس لئے کہ یہ بمنزلہ امام ہے۔ اس کی ہر بات ہماری ہی بات ہوگی۔ آپ نے فرمایا۔ یہی تو ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ امام کو ہم نے اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ کہ وہ بارگاہ الٰہی میں ہم سب کی طرف سے گفتگو کرتا ہے اس کی بات ہم سب کی بات ہوگی۔ لہذا نماز میں ہم امام کو اپنا نمائندہ مقرر کرتے ہیں۔ کہ وہ ہماری طرف سے رب تعالیٰ سے بات کرے اور ہم خاموش رہتے ہیں۔ جیسے جمعہ کا خطبہ لازم ہے امام پڑھتا ہے۔ اور مقتدی سنتے ہیں۔ اسی طرح نماز میں قرات فرض ہے۔ امام پڑھتا ہے اس نے فرض ادا کیا۔ مذکورہ آیت کی وجہ سے سننا اور خاموش ہونا تلاوت قرآن کے وقت واجب ہے۔ اس پر مقتدی عمل کرتا ہے۔ (یا جیسے اذان نماز با جماعت کیلئے واجب ہے لیکن سب کیلئے نہیں بلکہ ایک آدمی کی اذان اور اقامت سب کی طرف سے ہے)۔ اسی طرح نماز کیلئے ایک امام کافی اور اس کی قرأۃ سب کی طرف سے کافی ہے۔

(آیت نمبر۲۰۵) اپنے رب کو اپنے دل سے یاد کریں۔ **فائدہ**: غفلت دور کرنے کا نام ذکر ہے۔ **مسئلہ**: اس سے ہر قسم کا ذکر مراد ہے۔ کلمہ شریف یا تلاوت قرآن یا دعا وغیرہ بلکہ عبادات واطاعت کے سارے افعال بھی ذکر کے زمرے میں آئیں گے۔ آگے فرمایا کہ ذکر عاجزی اور انکساری سے کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی اور ذلت کا اظہار ہو۔ ذکر میں دعا میں نماز میں پورا پورا اخلاص ہو۔ اس آیت سے بعض لوگ یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ ذکر آہستہ کرنا چاہئے۔ حالانکہ ذکر دونوں طرح کرنا جائز ہے۔ اس سلسلے میں میری کتاب برکات ذکر کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ

بے شک جو تیرے رب کے پاس ہیں نہیں تکبر کرتے اس کی عبادت سے اور پاکی بیان کرتے ہیں اس کی

وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ السجدۃ ع ۲۰۶

اور اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۲۰۵) اخلاص صرف ذکر میں نہ ہو بلکہ ذکر کے ساتھ دیگر اعمال میں بھی ہو اور خوف غالب ہو۔ تا کہ سابقہ جو اعمال ہوئے کہیں ضائع نہ ہو جائیں۔ اور آئندہ خاتمہ کا بھی خوف دامن گیر ہو۔

نکتہ: انسان کا انتہائی مرتبہ و مقام اسی میں ہے۔ کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اپنی ذلت کا اظہار کرے۔ رب کی عظمت کو "واذکر ربك" میں بیان کیا اور اپنی ذلت کا بیان تضرعا میں بیان فرما دیا۔ آگے فرمایا۔ جَهْر سے کم ہو۔ یعنی اتنے زور سے ذکر نہ ہو۔ کہ اس میں تفکر نہ ہو سکے۔ بالقول کہہ کر بتا دیا کہ منہ سے بول کر ذکر کرے یعنی نہ بہت زور سے اور نہ بہت آہستہ۔ درمیانی آواز سے ذکر کیا جائے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ جو مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

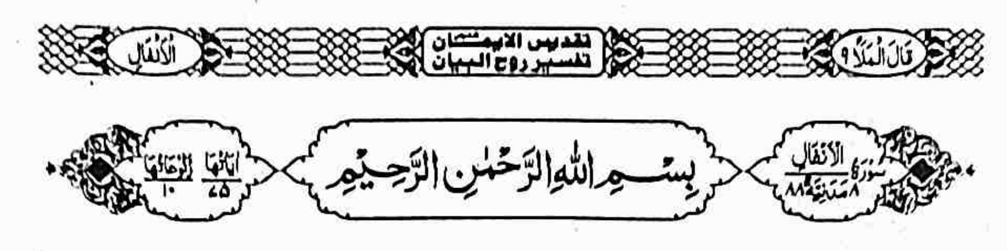
حکایت: حضور ﷺ نے دیکھا کہ فاروق اعظم اونچی آواز سے ذکر کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا اتنے زور سے کیوں پڑھ رہے ہو۔ عرض کی سونے والوں کو جگا رہا ہوں۔ اور شیطان کو بھگا رہا ہوں۔ تو فرمایا۔ تھوڑا آہستہ کر لو۔ پھر صدیق اکبر کو دیکھا کہ وہ بہت آہستہ پڑھ رہے ہیں۔ ان کو فرمایا۔ آواز ذرا اونچی کر لو۔ (مزید ذکر کی تفصیلات میری کتاب برکات ذکر میں پڑھ لیں) آگے فرمایا۔ کہ یہ ذکر صبح و شام کریں۔ یعنی صبح کی نماز سے طلوع آفتاب تک اور شام کو عصر سے مغرب تک ذکر کریں۔ اور غافل لوگوں سے نہ ہوں۔ جو اپنے رب کو بھولے ہوئے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۰۶) کفار کو چونکہ سجدہ سے بہت زیادہ نفرت تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اہل آسمان کی شان بیان کی۔ کہ بے شک جو تیرے رب کے پاس ہیں یعنی فرشتے۔ وہ اپنے رب کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ وہ اپنے رب کی تسبیح اور تقدیس بیان کرتے رہتے ہیں۔ اور اسی کیلئے اپنی عجز و انکساری ظاہر کرتے ہوئے سجدہ ریز رہتے ہیں۔

فائدہ: سجدہ میں آدمی اپنی پوری عجز و انکساری۔ اور تذلل کا اظہار کرتا ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں چودہ مقام پر سجدہ ہے۔ یہ ان میں پہلا مقام ہے۔

الحمد للہ سورۃ الاعراف **ختم**: مورخہ ۵ جنوری ۲۰۱۵ء بمطابق ۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

پوچھتے ہیں آپ سے غنیموں کے بارے میں۔ فرمادو غنیموں کا مالک اللہ اور رسول ہے پس ڈرتے رہو اللہ سے

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①

صلح رکھو آپس میں حکم مانو اللہ اور اس کے رسول کا اگر ہو تم مومن

(آیت نمبر ۱) اے محبوب آپ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

فائدہ: انفال نفل سے بنا ہے۔ فرض نماز کے علاوہ نمازوں کو نفل کہا جاتا ہے۔ اور اولاد کی اولاد کو بھی نفل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح وقت حاکم کسی کارندے کو مشکل کام سرانجام دینے پر جو انعام دیتا ہے۔ اسے بھی نفل کہتے ہیں۔ یہ مال غنیمت بھی اسی کی قسم سے ہے۔ یہاں مراد مال غنیمت ہے۔

امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر مال غنیمت حلال فرمادیا ہے۔ پہلی امتیں اس سے محروم تھیں۔ کہ وہ صدقات اور غنیمت کا مال کھلے میدان میں رکھتے تھے۔ آسمان سے آگ اتر کر اسے کھا جاتی تھی۔ انسان نہیں کھا سکتے تھے۔ اس امت پر انعام کے طور پر اسے حلال کردیا گیا۔ اس لئے اسے انفال سے تعبیر کیا گیا۔

شان نزول: بدر کی جنگ سے جو مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس کی تقسیم کے سلسلے میں اختلاف ہوگیا۔ کہ کہاں اور کیسے خرچ کیا جائے اور کس کس کو دیا جائے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس اختلاف کو ختم فرمادیا۔ چونکہ یہ پہلی جنگ تھی اور ظاہراً۔ اس سے مراد بدر اور اصحاب بدر ہیں۔ اس لئے صراحتاً ان کا ذکر نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے محبوب آپ ان کو بتادیں۔ کہ تمام غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔ یعنی وہ جس طرح چاہیں حکم دیں۔ تم اسی طرح تقسیم کرو۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور آپس میں صلح صفائی رکھو۔ یعنی زندگی آپس میں مل کر خوشی سے گزارو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں رزق عطا کیا اس پر خوش رہو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ

سوائے اس کے نہیں مومن وہ ہیں کہ جب نام لیا جائے اللہ کا تو ڈر جاتے ہیں دل ان کے اور جب پڑھی جائیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚۖ ﴿٢﴾

ان کے سامنے اس کی آیتیں تو بڑھ جاتا ہے ان کا ایمان اور اوپر اپنے رب کے بھروسہ کرتے ہیں

(بقیہ آیت نمبرا) **فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے ان کے اختلاف کو یوں مٹا دیا کہ یہ مال غنیمت میرا اور میرے رسول کا ہے۔ وہ جیسے چاہیں تقسیم فرما دیں۔ تو حضور ﷺ نے تمام مال سب مجاہدین میں برابر تقسیم فرما دیا۔ آگے فرمایا۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یعنی امر و نہی میں ان کے حکم پر چلو۔ اگر تم مومن کامل ہو۔ کیونکہ ایمان کا کمال اللہ ورسول کی اطاعت میں ہے جو اللہ ورسول کی اطاعت نہیں کرتا وہ ناقص مومن ہے۔

(آیت نمبر۲) سوائے اس کے نہیں مومن کامل اور مخلص وہی ہیں۔ کہ جن کے سامنے جب اللہ کا ذکر کیا جائے۔ تو جلال وعظمت الٰہی کی وجہ سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ چونکہ ذکر الٰہی سے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ اور شوق الٰہی ہر وقت انہیں دامن گیر رہتا ہے۔ تو اللہ کا نام آتے ہی ان پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ اور جب ان کے سامنے آیات خداوندی پڑھی جاتی ہیں۔ تو ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ یعنی دلائل و براہین کی پختگی سے اطمینان قلبی اور ان کے قوۃ یقین میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایمان کے بڑھنے سے مراد ایمان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جوں جوں بندہ نیک اعمال کرتا جاتا ہے توں توں ایمان مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ **فائدہ**: ایمان زیادہ نہیں ہوتا نہ کم ہوتا ہے۔ اس سے مراد قوت ویقین ہے۔

فائدہ: تفسیر کاشفی میں ہے۔ کہ تلاوت قرآن کی برکت سے دل کے اندر ایک نور یقین پیدا ہوتا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے۔ کہ اس نور یقین کی وجہ سے اطاعت الٰہی کی طرف دل کا شوق بڑھ جاتا ہے۔ بحر الحقائق میں لکھا ہے۔ کہ ایمان حقیقی ایک نور ہے۔ کہ دل کے دریچہ میں اپنی وسعت کے مطابق دل میں چمکتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت دل میں کشادگی ہوتی ہے۔ اسی بناء پر اس کی وسعت کے مطابق اس میں نور ایمان چمکتا ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ وہ اپنے پروردگار پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے تمام کام اسی کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسی سے ڈرتے ہیں۔ اور اسی سے امید رکھتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؕ ③ اُولٰٓئِكَ هُمُ

جو قائم رکھتے ہیں نماز اور جو دیا ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں ۔ وہی

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ ④

مومن برحق ہیں۔ ان کیلئے درجے ہیں نزدیک ان کے رب کے اور بخشش اور روزی عزت والی ہے

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۙ وَاِنَّ فَرِيْقًا

جیسے نکالا آپ کو آپ کے رب نے گھر سے ساتھ حق کے اور بے شک ایک گروہ

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ ⑤

مسلمانوں کا ناپسند کر رہا تھا۔

(آیت نمبر۳) وہ خشوع وخضوع کے ساتھ اپنی نماز کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں۔ اور جو ہم نے انہیں مال ودولت عطا کیا ہے۔ اس میں سے اطاعت الٰہی میں خرچ کرتے ہیں۔ یہاں نماز اور زکوٰۃ کو خاص کرنا اس کی اہمیت اور عظمت کی وجہ سے ہے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو۔ کہ ان کا ادا کرنا از حد ضروری ہے۔

(آیت نمبر۴) یہی لوگ ظاہری اور باطنی اعمال صالحہ کے جامع ہیں اور پکے سچے مومن ہیں ان کے بہت بلند مرتبے ہیں۔ ان کے رب کے پاس اور ان ہی لوگوں کو قرب بھی نصیب ہوگا۔ اور ان کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اور انہیں عزت والی روزی نصیب ہوگی۔ کہ جس میں کسی قسم کی کوئی پریشانی اور تکلیف نہیں اٹھانی پڑے گی۔ نہ اس کا کوئی حساب وکتاب ہوگا اور نہ ختم ہونے کا کوئی ڈر ہوگا۔ جیسے دنیا میں مشکلات ہیں ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔

فائدہ: بدنی عبادات میں نماز سب سے افضل ہے۔ اور مالی عبادات میں زکوٰۃ سب سے اعلیٰ ہے۔

(آیت نمبر۵) جیسے تجھے تیرے رب نے نکالا۔ اس سے مراد حکم رب کا تھا سبب کفار مکہ تھے۔ جن سے لڑنے کیلئے اپنے گھر یعنی مدینہ طیبہ سے نکلے اس حال میں کہ آپ ہی حق پر تھے۔ یا حق سے مراد اظہار دین ہے۔ مومنوں کی ایک جماعت کو جنگ پر جانے سے طبعی کراہت تھی۔ جنگی تجربہ نہ ہونے یا مالی کمزوری کی وجہ سے۔ چونکہ طبعی نفرت غیر اختیاری فعل تھا۔ غیر اختیاری فعل جرم میں نہیں آتا۔ اس لئے ان کے ایمان پر کوئی شبہ نہیں۔ (اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے مومنین کہہ کر منکروں کا منہ بند کر دیا)

يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَاتَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۙ ﴿٦﴾

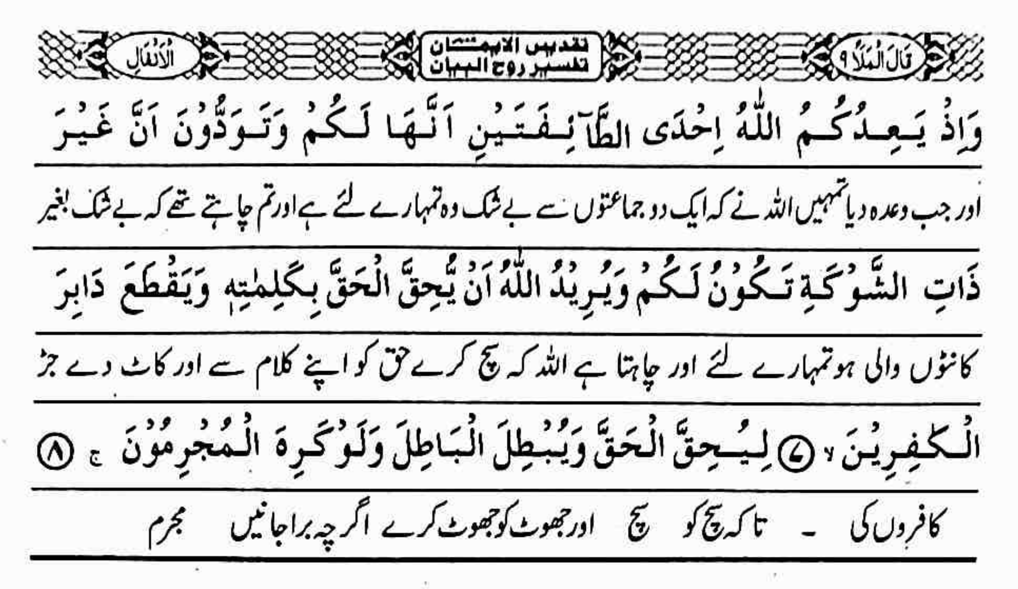
جھگڑ رہے تھے آپ سے سچائی میں بعد اس کے جو واضح ہو گیا گویا کہ وہ ہانکے جاتے ہیں طرف موت کے اور وہ دیکھ رہے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۵) **غزوۂ بدر کی وجوہات:** ۲ ہجری میں قریش کے مال تجارت کا قافلہ ابوسفیان کی زیر نگرانی شام سے واپس آ رہا تھا۔ مسلمان ان کا راستہ روکنے کیلئے حضور ﷺ کے ساتھ چل پڑے۔ اہل قافلہ کو جب پتہ چلا کہ مسلمان پکڑنے آ رہے ہیں تو انہوں نے فوراً راستہ بدل لیا۔ اور مکہ والوں کو مطلع کر دیا۔ کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ چونکہ تمام اہل مکہ کا اس میں مال تھا۔ تو وہ یہ بات سنتے ہی طلملا گئے۔ فوراً تیاری کر کے بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ ادھر مسلمان بھی بدر میں پہنچ گئے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ کہ جس چھوٹے قافلے کیلئے گھر سے نکلے تھے۔ وہ تو ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اب اس بڑے لشکر سے مقابلہ آ گیا ہے تو سب صحابہ یک زبان کہنے لگے حضور ہمارا سب کچھ آپ پر قربان ہے۔ یہ جنگ ہے حکم دیں تو ہم دریا میں بھی کود جائیں۔ حضور ﷺ بہت خوش ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامیابی کی خوش خبری سنائی۔ بلکہ میدان میں مرنے والے کافروں کا ایک ایک مقام دکھایا۔ کہ فلاں فلاں کافر اس اس جگہ گریں گے۔

(آیت نمبر ۶) وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑتے تھے۔ چونکہ ابھی تک کچھ لوگوں کا یہی خیال تھا۔ قافلے کا پیچھا کیا جائے۔ اور ان سے مال چھینا جائے۔ لیکن حضور ﷺ فرماتے۔ کہ اب تو اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ فرما لیا ہے۔ کہ لڑائی میں غلبہ تمہارا ہی ہوگا۔ اس وضاحت کے باوجود کچھ لوگ ایسے چل رہے تھے۔ کہ گویا انہیں موت کی طرف چلایا جا رہا ہے۔ اور گویا وہ فنا ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ۳۱۳ حضرات مدینہ شریف سے نکلے اور سواریاں صرف دو آدمیوں کے پاس تھیں۔ حضرت زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما کے پاس باقی سب حضرات پیدل تھے۔ اور جنگی ہتھیار بھی کوئی خاص نہ تھا۔ اور لشکر کفار تین گنا زیادہ تھا۔

حقیقی ایمان محبت رسول ہے: حدیث شریف : حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے والدین اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ (بخاری) تو یہ سن کر جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ میری جاں کے علاوہ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں۔ فرمایا۔ جب تک ہر چیز سے زیادہ مجھے پیارا نہیں سمجھو گے۔ ایمان کامل نہیں ہے۔ فوراً عرض کی یا رسول اللہ اب مجھے آپ ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے عمر اب تمہارا ایمان کامل ہوا ہے۔

فائدہ : ابن الملک فرماتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ کی محبت طبعی نہ ہو اختیاری ہو۔ جس میں حضور ﷺ کی ذات کو ہر چیز پر ترجیح دے۔ پھر ایمان مکمل ہوتا ہے۔



وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ

اور جب وعدہ دیا تمہیں اللہ نے کہ ایک دو جماعتوں سے بے شک وہ تمہارے لئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ بے شک بغیر

ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ

کانٹوں والی ہو تمہارے لئے اور چاہتا ہے اللہ کہ سچ کرے حق کو اپنے کلام سے اور کاٹ دے جڑ

الْكٰفِرِيْنَ ۙ ⑦ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ ⑧

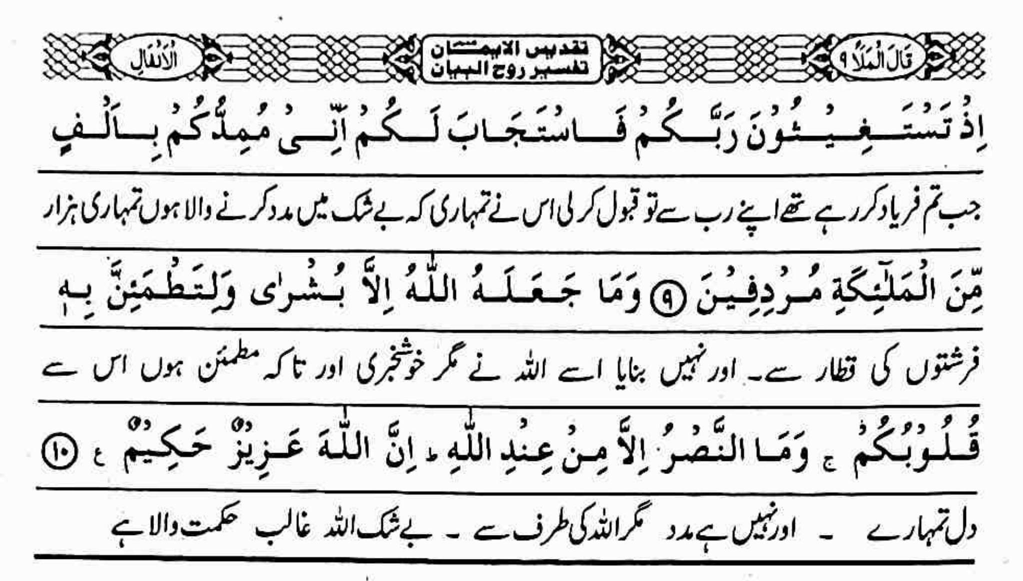
کافروں کی ۔ تا کہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کرے اگر چہ برا جانیں مجرم

(آیت نمبر ۷) اور وہ وقت یاد کرو اے مومنو۔ جب اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ فرمایا۔ دو میں سے ایک کا۔ یعنی ابوسفیان والا قافلہ سامان سمیت ملے گا۔ اور یا ابوجہل والے لشکر پر فتح وغلبہ دونگا۔ ان دونوں میں سے ایک تمہیں دوں گا۔ یعنی تمہیں ان پر ایسا تسلط دوں گا۔ جیسے کوئی اپنے مال پر تسلط رکھتا ہے۔ لیکن تم میں کچھ لوگ جنگی سامان کے بغیر والے یعنی ابوسفیان والے قافلے کو پسند کر رہے تھے۔ جس میں چالیس یا اس سے کچھ کم وبیش حضرات تھے۔ آگے فرمایا تم اس کی طرف میلان کرتے تھے۔ اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ چاہتا تھا۔ کہ حق کو غلبہ ہو۔ اس کے کلمات کی حقانیت یعنی جہاد کے ذریعے واضح ہو اور اللہ تعالیٰ کاٹ دے جڑ کافروں کی۔ تا کہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکیں۔ اور دین غالب ہو جائے۔ اور تمہیں دونوں جہانوں کی کامیابی حاصل ہو اور حق کا بول بالا ہو۔ اور باطل کا ابطال ہو اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔

فائدہ: دونوں ارادوں میں احقاق حق ہی ظاہر کرنا تھا۔ لیکن دوسرے احقاق یعنی کفار کے ساتھ جنگ میں تمہارا زیادہ فائدہ تھا۔ ایک فتح ونصرت کا ملنا۔ اور کفار کی ذلت سے موت ہوتا کہ کفر کی کمر ٹوٹ جائے۔

(آیت نمبر ۸) فرمایا کہ اگر چہ اس احقاق حق اور ابطال باطل کرنا مجرموں یعنی مشرکوں کو ناپسند ہو۔

فائدہ: فی الحقیقت مشرکین مسلمانوں کا غلبہ کہاں پسند کرتے تھے۔ وہ تو مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور مسلمانوں کو عظیم الشان غلبہ عطا فرمایا اور کفار کو ایسی ذلت ملی کہ ان کی اس ذلت اور رسوائی کے بعد مسلمان پرسکون ہوئے۔ اور کفار کو پھر مسلمانوں پر تلوار اٹھانے کی ہمت کمزور پڑ گئی۔



اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ

جب تم فریاد کررہے تھے اپنے رب سے تو قبول کرلی اس نے تمہاری کہ بے شک میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ہزار

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ

فرشتوں کی قطار سے۔ اور نہیں بنایا اسے اللہ نے مگر خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہوں اس سے

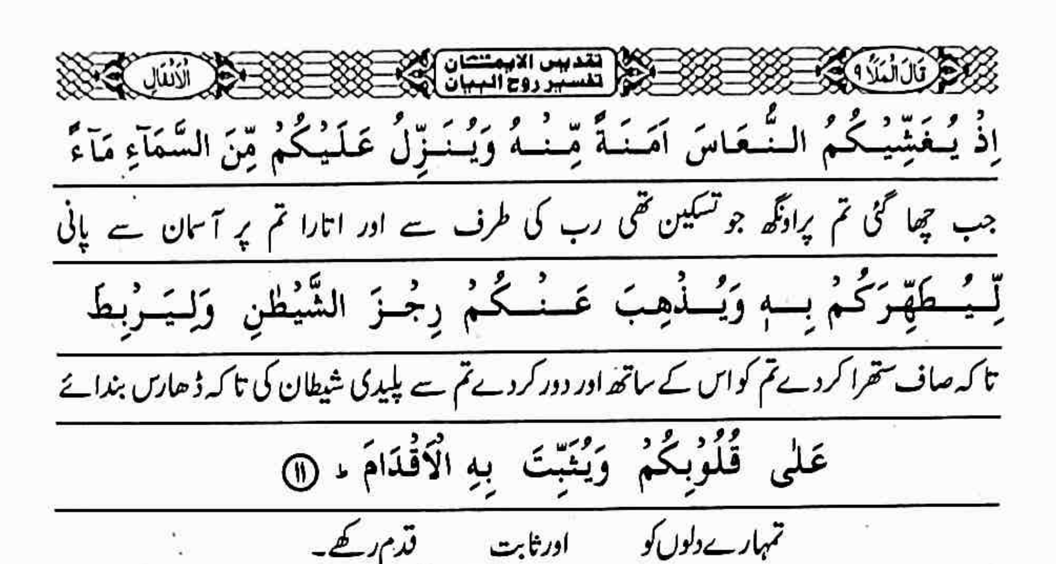
قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

دل تمہارے ۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے ۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے

(آیت نمبر۹) یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے۔ یعنی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یقین ہوگیا۔ کہ اب ایک لشکر جرار سے مقابلہ آ گیا ہے۔ تو دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے اور اپنی کامیابی کیلئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے لگے۔ کہ یا اللہ اپنے دشمنوں پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔

حضور ﷺ کا ناز: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سجدے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے تھے کہ یا اللہ یہ چھوٹی سی جماعت میں لے کر آیا ہوں اگر ہلاک ہوگئی۔ پھر تیری عبادت کرنے والا زمین پر کوئی نہ ہوگا۔ آپ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی زاری سے دعائیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ چادر مبارک کاندھے سے گر گئی۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ چادر کندھے پر رکھتے ہوئے عرض کی۔ یا رسول اللہ اب کافی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو ضرور پورا فرمائے گا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا کو قبول کرلیا اور فرمایا کہ بے شک میں تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔ آگے پیچھے لگاتار آنے والے ہزار فرشتوں سے یعنی ان کے سردار آگے اور ماتحت ان کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ چوتھے پارے میں ہے۔ پہلے تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتے بھیج کر مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

(آیت نمبر۱۰) فرشتے بھیج کر ظاہرا جو مدد فرمائی۔ یہ محض تمہارے دل خوش کرنے کیلئے۔ تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو۔ اور تمہارے دل میں جو یہ خطرہ تھا۔ کہ ہم تھوڑے ہیں۔ اور کافر بہت زیادہ ہیں۔ اور ہم بے سروسامان اور وہ سازوسامان کے ساتھ ہیں۔ یہ خطرات تمہارے دل سے نکالنے کیلئے ورنہ اصل مدد تو اللہ تعالیٰ کی تھی اور فرشتوں کے نزول سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل قوی ہوگئے۔ کہ ہماری تعداد کافروں سے کئی گناہ زیادہ ہوگئی۔



اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً

جب چھا گئی تم پر اونگھ جو تسکین تھی رب کی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی

لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ

تاکہ صاف ستھرا کردے تم کو اس کے ساتھ اور دور کردے تم سے پلیدی شیطان کی تاکہ ڈھارس بندائے

عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ؕ ⑪

تمہارے دلوں کو اور ثابت قدم رکھے۔

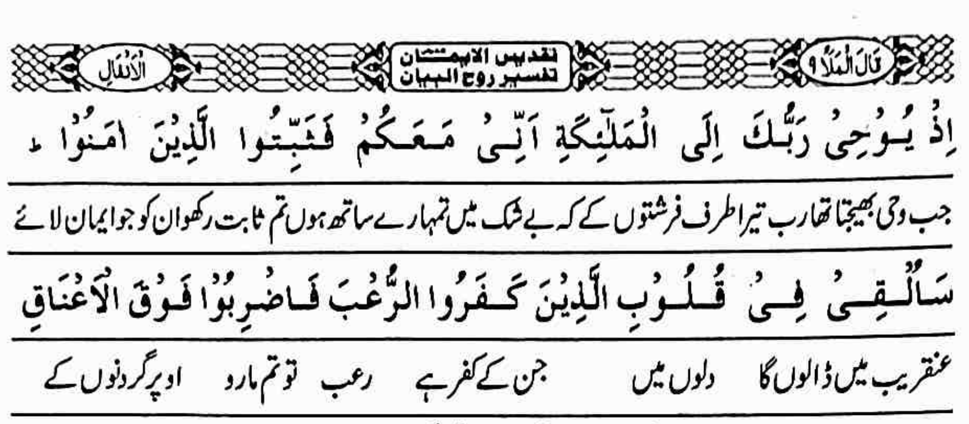
(بقیہ آیت نمبر۱۰) **فائدہ**: یادرہے۔فرشتوں کا نزول صرف بشارۃ کیلئے تھا۔جنگ کیلئے تو ایک فرشتہ بھی کافی تھا۔جیسے جبریل علیہ السلام نے قوم لوط کی سات بستیوں کو ایک ہی پر کے اوپر اٹھا کر تقریباً چھ لاکھ افراد کو بمعہ مکانوں کے اٹھا کر آدھے آسمان تک لے گئے۔پھر زمین پر پٹخ دیا۔

منقول ہے۔کہ پانچ سو فرشتوں کے ساتھ جبریل میمنہ کی طرف اور میکائیل اتنے ہی فرشتوں کے ساتھ میسرہ کی طرف کھڑے رہے۔تاکہ مسلمان اپنی جانب کی کثرت دیکھ کر دل مضبوط کریں۔اور کافر دیکھ کر دل کمزور ہوں۔ آگے فرمایا۔کہ نہیں تھی مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔یعنی اصل اور حقیقی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔باقی فرشتوں کا اترنا یا مسلمانوں کا زور دکھانا یا جنگی سامان یہ وسائل ہیں۔لیکن اصل میں پیچھے مدد اللہ تعالیٰ کی کارفرما تھی۔بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے۔کہ نہ اس پر کوئی غالب ہوسکتا ہے۔اور نہ اس کے فیصلے کو کوئی ٹال سکتا ہے۔اور حکیم ہے۔یعنی وہ ہر کام اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت کرتا ہے۔

سبق: بہرحال مجاہدین پر لازم ہے۔کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کریں اور اس کی بارگاہ میں تضرع اور زاری کریں۔تو ضرور کامیاب ہونگے۔جیسے بدر میں کامیاب ہوئے۔

(آیت نمبر۱۱) اے مومنو وہ وقت یاد کرو۔جب تم نے رات نیند اور پورے امن کے ساتھ گذاری۔جس سے تمہارے سفر کی تھکان ختم ہوئی اور تمہیں اس سے چین اور سکون مل گیا۔اور اللہ تعالیٰ نے تم پر آسمان سے پانی اتارا تاکہ خوب پاک ہوجاؤ۔اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ شیطان کی پلیدی بھی تم سے دور کردے۔

شانِ نزول: کفار نے بدر میں پہنچ کر پانی پر قبضہ کرلیا اور مکہ کی طرف جو سخت جگہ تھی۔اس مقام پر ڈیرہ لگالیا۔مسلمان جب پہنچے تو ان والی جانب ریتلی بھی تھی۔اور پانی بھی نہیں تھا۔تو شیطان کو موقع مل گیا۔



اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ

جب وحی بھیجتا تھا رب تیرا طرف فرشتوں کے کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں تم ثابت رکھو ان کو جو ایمان لائے

سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ

عنقریب میں ڈالوں گا دلوں میں جن کے کفر ہے رعب تو تم مارو اوپر گردنوں کے

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ ⑫

اور ضرب لگاؤ ان کے ہر ہر پورے (جوڑ) پر۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱) اس خبیث نے انسانی بھیس میں آ کر صحابہ کو ورغلانہ شروع کر دیا۔ کہ اگر تم حق پر ہوتے۔ تو یوں پانی کو نہ ترستے ریتلی جگہ تمہیں ملی ہے۔ یہاں سے تم جہاد کیسے کرو گے۔ اتفاق یہ کہ رات کو بہت سارے صحابہ کو احتلام بھی ہو گیا۔ قریب پانی بھی نہیں تھا۔ تیمم سے نماز پڑھی۔ تو شیطان نے اور زیادہ ڈرایا۔ کہ مشرکین تمہیں چند منٹوں میں ختم کر دیں گے۔ جو بچ جائیں گے۔ انہیں قیدی بنائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ تو اللہ تعالیٰ نے اچانک بارش برسا دی۔ مسلمانوں نے پانی کا بہت بڑا حوض بنالیا۔ جہاں بے حساب پانی جمع ہو گیا۔ اور ریت پر چلنا بھی آسان ہو گیا۔ بلکہ کافروں کی طرف کیچڑ ہی کیچڑ ہو گیا۔ کافر کیچڑ میں گرنے لگے۔ اور وہی بارش مسلمانوں کیلئے راحت کا سامان بن گئی۔ کہ نیند بھی پوری کی اور صبح پانی سے نہا کر پاک صاف بھی ہوئے۔ اور جو شیطان کی طرف سے وسوسات تھے سب ختم ہو گئے۔ **فائدہ:** احتلام شیطانی وسوسہ ہوتا ہے۔ اسی لئے بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ رات کو سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھ لی جائے پیٹ پر عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دو کبھی احتلام نہیں ہوگا۔ کیونکہ شیطان خبیث نام عمر سے بہت بھاگتا ہے۔ آگے فرمایا کہ بارش کے پانی سے تم پاک بھی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین اور دل کو مضبوط بھی کیا۔ اور بارش سے تمہارے قدم بھی خوب جم گئے۔ جنگ میں قدم تب ہی جمتے ہیں جب دل مضبوط ہوں۔

فائدہ: صدق اور صبر اور دل کی پختگی اور ثابت قدمی کی بناء پر ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا پر چھا گئے۔ اور تا قیامت ان کی بزرگی کا ڈنکا بجتا رہے گا۔

(آیت نمبر ۱۲) اے محبوب یاد کریں کہ جب آپ کے رب نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم بدر میں پہنچو اور میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ تم وہاں جا کر مسلمانوں کے دلوں کو خوب مضبوط کرو کہ انہیں کثرت دکھاؤ۔ اور خوش خبری سناؤ۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے عنقریب میں کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دونگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ج وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ

یہ اس لئے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی اور جو بھی مخالف ہوگا اللہ اور اس کے رسول کا پس بے شک

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

اللہ سخت سزا دینے والا ہے یہ تو تم چکھ لو اور بے شک کافروں کیلئے عذاب دوزخ بھی ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۲) یعنی ان کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف ڈال دونگا۔ لہذا اے مسلمانو ان کافروں کی گردنیں خوب مارو۔

فائدہ: حدادی کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کی گردنیں اڑانے کا حکم دیا۔ مراد ہے ان کو خوب قتل کرو۔ اور ان کے پوروں پر ضربیں لگاؤ۔ یعنی ان کی انگلیاں اور ہاتھ کاٹو تا کہ تیر تلوار نہ چلا سکیں۔

فائدہ: یعنی ان کے وہ اعضاء کاٹو جن پر انسانی قوام اور حیات کا دارومدار ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے ان کا چہرہ مراد لیا ہے۔ ایسی ضرب لگاؤ۔ کہ انہیں کچھ بھی نظر نہ آئے۔

(آیت نمبر۱۳) اس وجہ سے ان کو مارا اور قتل کیا گیا۔ کہ وہ مخالف ہیں اللہ تعالیٰ کے اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے۔ اور وہ ان پر غلبہ چاہتے تھے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ دنیا وآخرت میں بندے کو جو بھی سعادت یا شقاوت حاصل ہوتی ہے۔ اس میں ضرور اس کے عمل کو دخل ہوتا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی مخالفت کریگا۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ اپنے مخالفوں کو سخت سزا دینے والا ہے۔

(آیت نمبر۱۴) اللہ تعالیٰ کی سزا یہی ہے کہ کفار کے بڑے بڑے لیڈر مارے گئے۔ اس سزا کا تعلق یا دنیا سے ہے۔ کہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں۔ ضرب اور قتل اور قید و دیگر مصائب وآلام اور مکروہات وغیرہ یہ تو صورۃ ہیں۔ اور معنی یہ کہ توبہ کی توفیق نہ ملنا اللہ تعالیٰ سے دوری۔ بصیرت کا اندھا ہونا۔ روح کا ضعف۔ نفس کا غلبہ۔ خواہشات نفسانیہ کا ہجوم وغیرہ جو حق سے دور اور باطل کے قریب کریں۔ یہ دنیا کا عذاب ہے۔

آگے فرمایا اور بے شک کافروں کیلئے آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ اس سے مراد جہنم کا عذاب ہے۔ دنیا کا عذاب چونکہ آخرت کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اس لئے اسے چکھنے سے تعبیر کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو جب سامنا ہو ان سے جو کافر ہیں جنگ میں تو نہ پھرو ان سے پیٹھ دے کر

(بقیہ آیت نمبر۱۴) **بدر میں کفار کی ذلت:**

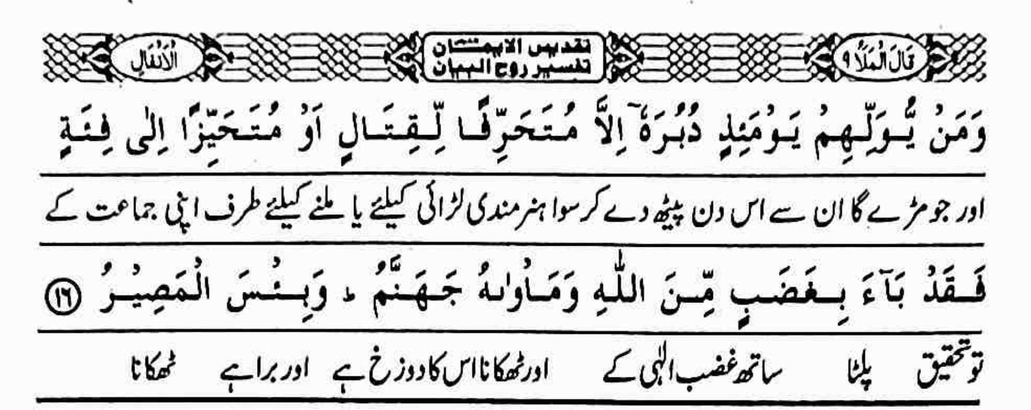
جب مسلمان بدر میں کفار کے بالمقابل ہوئے۔سب سے پہلے کفار کی طرف سے عتبہ نے میدان میں آ کر للکارا۔اور حضور ﷺ سے کہا۔کہ ہمارے مقابلے میں کسی کو بھیجو۔حضور علیہ السلام نے انصار کے دو جوان بھیجے۔انہوں نے کہا۔ہم ان سے نہیں لڑتے۔ہمارے رشتہ داروں میں سے بھیجیں۔یعنی بنو ہاشم میں سے ہمارے مقابلے میں آئیں۔ اس وقت حضور ﷺ نے حضرت حمزہ۔حضرت علی اور عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے میں ولید بن عتبہ آیا۔پہلی ہی وار میں اس کا کام تمام ہوا۔اس کے بعد شیبہ بن ربیعہ نے حضرت عبیدہ پر حملہ کیا۔ عبیدہ کے وار سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں عتبہ آیا۔تو حضرت امیر حمزہ نے ایک ہی وار سے اسے جہنم رسید کیا۔اور فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔یہ تینوں کفار کے لشکر میں سب سے بہادر تھے۔جب تینوں مارے گئے۔تو کفار گھبرا گئے۔ابو جہل نے انہیں دلیری دی۔اور یکبارگی حملہ کرا دیا۔لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔اور کفار کو بہت بڑی ذلت اور رسوائی ملی۔اور کفر کی کمر ٹوٹ گئی کہ پھر وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلے سو بار سوچتے تھے۔

بدر والوں کی فضیلت: حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ نے جھانک کر بدر والوں کو دیکھا۔اور ان پر نظر کرم فرمائی۔اور انہیں بخشدیا۔اور فرمایا۔کہ اب جو مرضی ہے۔کرو۔تم بخشے جا چکے۔ہو اس سے ان کے بلند مراتب کا اظہار مطلوب ہے۔

سبق: عقلمند کو چاہئے۔کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح مجاہدانہ زندگی گذارے۔تاکہ اسے وہ کمالات نصیب ہوں جو اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو عطا کئے۔

(آیت نمبر۱۵) اے ایمان والو جب تم کفار کے بالمقابل جاؤ۔کسی جنگ میں۔تو تم انہیں پیٹھ نہ دو۔یعنی وہاں سے نہ بھاگو۔بلکہ ہمت سے ان کا مقابلہ کرو۔اگرچہ تمہاری تعداد بہت کم ہو۔اس لئے کہ فتح کا دارومدار تعداد پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہے۔اس آیت میں تنبیہ ہے کہ کفار سے بھاگنا سخت قبیح ہے۔مسلمانوں کا کام ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے۔کامیابی اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل ہوتی ہے۔

ع: اٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے



(آیت نمبر۱۶) اور جو اس دن پیٹھ دے کر کفار سے بھاگے گا۔ یعنی عین جنگ کے دوران کسی وقت بھی بھاگے۔ خواہ دن کے شروع میں یا آخر میں گناہ برابر ہے۔ ہاں البتہ اگر وہ کسی داؤ چلانے اور ہنر دکھانے کیلئے پیچھے ہٹ گیا۔ (۱) یعنی پیچھے ہو کر سخت حملہ کر سکتا ہے۔ (۲) یا کچھ ساتھی پیچھے ہیں۔ ان کے ساتھ مل کر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ (۳) یا کفار کو چکر دینے کیلئے پیچھے ہٹے۔ کیونکہ جنگ کو خداع الحرب کہا جاتا ہے۔ اس طرح اکثر جنگوں میں ہوتا ہے۔

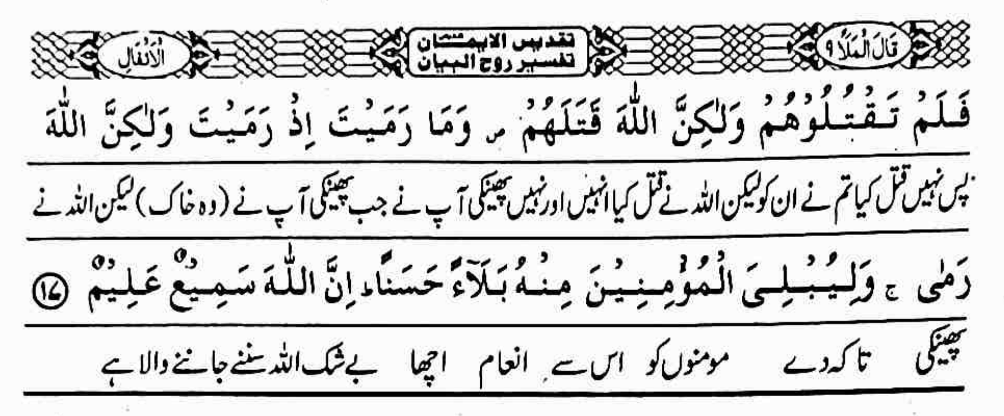
فائدہ: ان مذکورہ وجوہات کی بناء پر اگر وہ پیچھے مڑا۔ پھر تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: مذکورہ بالا دونوں صورتوں کے علاوہ جنگ سے پیٹھ دے کر بھاگنا۔ یا چلے جانا حرام ہے۔ لہٰذا اگر ان صورتوں کے علاوہ وہ گیا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر پلٹا۔ اور اس کا آخرت میں ٹھکانا جہنم ہے۔ یعنی دنیا میں جان بچانے کیلئے وہ جنگ سے بھاگا۔ تو گویا اسنے آخرت میں جہنم کے اندر جان پھنسالی۔ اور جہنم تو بہت بڑا ٹھکانہ ہے۔ **استثناء:** البتہ اس صورت میں کہ کفار بہت زیادہ ہوں۔ اور مسلمان نہایت قلیل ہوں۔ اور سمجھتے ہوں۔ کہ جنگ کی تو سوائے موت کے اور کچھ نہیں۔ تو اس صورت میں بھاگ جانے میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ مثلاً تین کافر ہیں۔ اور ایک مسلمان ہے۔ تو وہ ان سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ تو یہ اس وعید کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

گناہ کبیرہ: جس عمل سے مسلمانوں کی شہرت خراب ہو۔ یا اللہ تعالیٰ یا دین پر حرمت کے لحاظ سے حرف آتا ہو۔ تو وہ عمل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور ایسا کرنے والے کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے۔ کہ جہاد میں صدق دل سے بہادری کا مظاہرہ کرے۔ اور یقین جانے کہ بزدلی سے موت ٹل نہیں سکتی۔ نہ یہ ضروری ہے کہ موت جنگ میں ہی آئے گی۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ نہ اس سے پہلے آسکتی ہے نہ وقت مقررہ سے لیٹ ہو سکتی ہے۔ کئی صحابی درجنوں جنگوں میں شریک ہوئے۔ مگر شہادت نہیں ملی۔ بعض وہ حضرات ہیں۔ کہ پہلی دفعہ ہی شریک ہوئے۔ اور درجہ شہادت مل گیا۔



فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

پس نہیں قتل کیا تم نے ان کو لیکن اللہ نے قتل کیا انہیں اور نہیں پھینکی آپ نے جب پھینکی آپ نے (وہ خاک) لیکن اللہ نے

رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

پھینکی تا کہ دے مومنوں کو اس سے انعام اچھا بے شک اللہ سننے جاننے والا ہے

(آیت نمبر ۱۷) بدر کی لڑائی میں تم نے کفار کو قتل نہیں کیا۔ لہذا اس ناز نخرے میں نہ ہونا کہ کامیابی تمہاری بہادری سے حاصل ہوئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کر کے تمہیں کفار پر غلبہ دیا ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈالا کہ تم نے بہ آسانی انہیں قتل کر دیا۔

شان نزول : جب کفار مسلمانوں کے سامنے آئے تو غرور و تکبر سے بھرے ہوئے آ رہے تھے اور خوشیوں کے شادیانے بجاتے آئے، حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ یا اللہ ان کافروں نے تیرے رسول کو جھٹلایا۔ اور تیرے رسول کے مقابلے میں بھی آ گئے۔ اب اپنا وعدہ کریما پورا فرمائیے۔ اور ان کے غرور کو خاک میں ملا دے۔ اتنے میں جبریل امین حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ جب وہ بالکل قریب آ جائیں۔ تو ایک مٹھی بھر مٹی ان کی طرف پھینک دیں۔ جب دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے آ گئے۔ تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ کنکریاں لائیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کنکریاں لا کر دیں۔ تو آپ نے کفار کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا شاہت الوجوہ۔ کافروں کے چہرے ذلیل و خوار ہوں۔ تو لشکر کفار میں ایک بھی نہ بچا جسے آنکھوں اور نتھنوں پر اور منہ پر وہ نہ لگی ہوں۔ اس سے کافر بھاگے۔ تو مسلمانوں نے کچھ کو قتل کیا۔ باقیوں کو قید کیا۔ واپسی میں ایک دوسرے سے مسلمان فخر یہ کہہ رہے تھے۔ فلاں کو میں نے قتل کیا وغیرہ تو اللہ کے رسول نے فرمایا۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ نے کیا۔ آگے فرمایا اے محبوب آپ نے کنکریاں نہیں ماریں۔ جب آپ نے ماریں۔ لیکن در حقیقت وہ اللہ نے ماری ہیں۔ یعنی کنکریاں مار کر کفار کو شکست دے کر بھگانے کا کام اللہ تعالیٰ نے کیا۔ آگے فرمایا کہ اس قسم کے واقعات میں اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے مسلمانوں کو بہت بڑے انعام و اکرام سے اور بہت ہی اعلیٰ قسم کی عطا سے نوازتا ہے۔ یعنی فتح و نصرت کے ساتھ اور غنائم جیسی نعمتوں کے ساتھ۔

فائدہ: یاد رہے۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فتح و نصرت یا مال غنیمت سے عنایت یہ اس کا فضل و احسان تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی اپنی تو اس میں نہ کوئی غرض تھی نہ فائدہ بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا استغاثہ اور دعاؤں کو سننے والا اور ان کے ارادہ اور ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ

یہ (لے لو) اور بے شک اللہ سست کرنے والا ہے مکر کافروں کا۔ اگر تم فتح مانگو تو تحقیق آ گئی تمہاری

الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ

فتح اور اگر باز رہو تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم لوٹ کر (پھر شرارت کرو) ہم بھی لوٹیں گے پھر ہرگز نہیں کام آئیں گے

عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾

تمہیں تمہارے گروہ کچھ بھی اگرچہ کتنے ہی زیادہ ہوں (اس لئے) کہ بے شک اللہ ساتھ مسلمانوں کے ہے۔

(آیت نمبر۱۸) اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے۔ کہ مسلمانوں کو اپنی عطاؤں سے نوازے اور اے مسلمانو یاد رکھو ان کافروں کے مکر و فریب اور ان کی تمام تدبیریں اللہ تعالیٰ خاک میں ملادے گا یعنی وہ جتنے بھی داؤ و پیچ کرنا چاہتے ہیں کر لیں بالآخر وہ سب ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کہ بندہ کے ہر عمل میں تاثیر من جانب اللہ ہے، اس لئے ہمیں اپنے اعمال پر عجب (خود پسندی) نہیں کرنی چاہئے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک عجب یہ ہے۔ کہ بندہ اپنے نیک اعمال کو توفیق ایزدی کی طرف منسوب نہ کرے۔ بلکہ اپنی بڑھائی سمجھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اکثر دیئے ہوا سے بجھ جاتے ہیں۔ اس طرح بہت سے عابدوں کے اعمال عجب کی وجہ سے برباد ہو جاتے ہیں۔ **سبق**: سالک پر لازم ہے۔ کہ وہ نیک اعمال کو بہت تھوڑا سمجھے۔ تب اس کے عمل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر ہوگی اور اس پر بہت بڑا اجر دے گا۔

(آیت نمبر۱۹) اے اہل مکہ تم نے خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر فتح مانگی تھی۔ تو فتح آ گئی ہے۔ مروی ہے کہ جب اہل مکہ جنگ کیلئے گھر سے نکلے تو پہلے بیت اللہ کے پاس آئے اور دعا مانگی کہ اے اللہ ہم میں جو بلند شان لشکر ہے اور جو زیادہ ہدایت والا اور تیرے ہاں جو زیادہ مکرم ہے۔ اور جو اعلیٰ دین والا ہے۔ اس کو فتح و نصرت عطا فرما تو اعلیٰ دین والے کو فتح مل گئی۔ ابو جہل بد بخت نے تو اس سے بھی زیادہ حماقت والی دعا مانگی۔ اس کی دعا کے الفاظ یہ تھے۔ اے اللہ جو دو گروہوں میں سے جو افضل ہے اسے فتح دے تو جو ان میں افضل تھا اسے فتح و نصرت دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہم نے دعا قبول کر لی کہ افضل ہو اسے فتح دے۔ تو ہمارے نبی سب سے افضل ہیں لہٰذا ہم نے انہیں فتح دیدی اور تمہارے کفر پر ہزیمت لہرائی اور رسوائی آ چکی۔ اب یاد رکھو۔ اگر تم باز آ گئے کفر اور میرے نبی کی عداوت سے تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہوگا۔ اور تمہارے لئے امن و سلامتی ہے۔ لیکن اگر تم لوٹ کر پھر شرارت کرو گے تو پھر ہم بھی لوٹ کر تمہیں پھر سزا دیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور نہ پھرو اس سے جبکہ تم سنتے ہو

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ

اور نہ ہو مثل ان کے جنہوں نے کہا ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سن رہے تھے۔ بے شک بڑے حیوان

عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

نزدیک اللہ کے جو بہرے گنگے ہیں جو نہیں سمجھتے

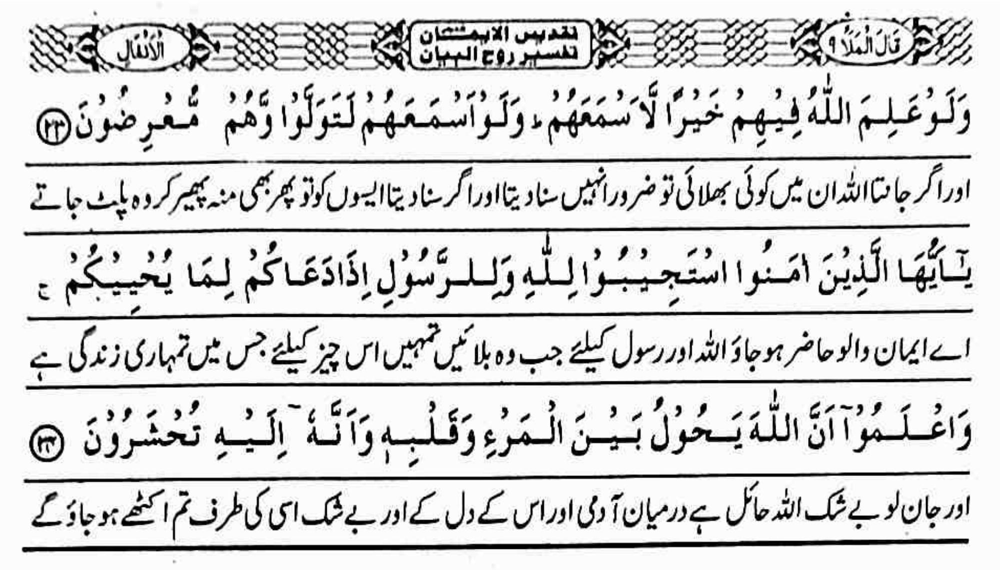
(بقیہ آیت نمبر۱۹) اور مسلمانوں کی مدد کریں گے اور تم یاد رکھو۔ یہ تمہارا لشکر جو تم نے مسلمانوں کو شکست دینے کیلئے جمع کیا ہے۔ اس نے تمہیں نہ پہلے بچایا اور وہ تمہیں آئندہ بھی بچا سکے گا۔ یعنی یہ تمہارا لشکر تم سے درد اور تکلیف دور نہیں کر سکے گا۔ خواہ وہ تعداد کے لحاظ سے کتنا ہی زیادہ ہو۔ اور یہ پکی بات ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ چونکہ ایمان والے اللہ والے ہیں۔ جو اللہ کا ہو۔ اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

(آیت نمبر۲۰) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ پھیرو۔ **فائدہ**: یہاں اطاعت تو دونوں کی کرنے کا حکم دیا اور مخالفت کیلئے ضمیر واحد لائی گئی۔ کہ رسول سے روگردانی نہ کرو۔ تا کہ معلوم ہو کہ رسول کی مخالفت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت ہے۔ (عبرت حاصل کریں پرویزی چکڑالوی وغیرہ جو رسول ﷺ کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کا غیر سمجھتے ہیں۔)

آگے فرمایا کہ تم قرآن مجید کے احکام صبح و شام سن ہی رہے ہو کہ رسول کی اطاعت تم پر لازم ہے۔ اور اس کی مخالفت تمہارے لئے سخت نقصان دہ ہے۔ لہذا رسول کی ہر بات کی تصدیق کرو اور صدق دل سے سنو اور اسے مانو۔ آگے فرمایا کہ ان کی مخالفت کر کے ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ۔ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا حالانکہ حقیقت میں نہ سنا اور نہ مانا۔ اگر وہ سنتے بھی ہیں تو یہودیوں کی طرح جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی یا جیسے منافقین کا دعویٰ تھا کہ ہم مانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن یہ صرف زبانی دعوی تھا ورنہ ان کے دلوں میں کفر ہی بھرا ہوا تھا۔

(آیت نمبر۲۲) بے شک بدترین جانور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہرے اور گنگے ہیں۔ یعنی کفار ہیں۔

فائدہ: دابۃ اسے کہا جاتا ہے جو ٹانگوں پر چلتا ہو۔ خواہ خشکی پر یا سمندر میں ہو۔ اس سے مراد کفار ہیں جو حق کو سن کر قبول نہیں کرتے اور گنگے اس لئے کہ وہ حق بات کو زبان سے بیان نہیں کرتے۔



وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر جانتا اللہ ان میں کوئی بھلائی تو ضرور انہیں سنا دیتا اور اگر سنا دیتا ایسوں کو تو پھر بھی منہ پھیر کر وہ پلٹ جاتے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ

اے ایمان والو حاضر ہو جاؤ اللہ اور رسول کیلئے جب وہ بلائیں تمہیں اس چیز کیلئے جس میں تمہاری زندگی ہے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور جان لو بے شک اللہ حائل ہے درمیان آدمی اور اس کے دل کے اور بے شک اسی کی طرف تم اکٹھے ہو جاؤ گے

(بقیہ آیت نمبر۲۲) **فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے کفار کو جانوروں کے ساتھ شامل کر کے ان کا تعارف کرایا۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ گمراہی میں باقی مخلوق سے جدا ہیں اور وہ پرلے درجے کے بے عقل ہیں۔

فائدہ: کفار کو گونگا بہرا کہہ کر بے عقل بھی اس لئے کہا کہ گنگا بہرا بات تو سمجھ جاتا ہے۔ بلکہ دوسروں کو بھی سمجھا سکتا ہے۔ لیکن ان کفار اور مشرکین کی ایسی عقل ماری گئی ہے کہ یہ کوئی بات نہ سمجھتے ہیں۔ نہ مانتے ہیں۔ اس لئے یہ بدترین مخلوق میں شامل ہو گئے ہیں۔

(آیت نمبر۲۳) اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں بھلائی دیکھتا تو ضرور انہیں سنوا دیتا۔ یعنی انہیں حق بات قبول کرنے کا فہم وتدبر عطا کر دیتا۔ جس سے وہ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتے۔ اور ان کی اطاعت کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ ازلی محروم ہیں۔ لہٰذا انہیں حق بات سنوانا بے سود اور حکمت کے خلاف ہے۔ آگے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں سنوا دیتا۔ یعنی انہیں فہم وتدبر کی توفیق بخشتا۔ تب بھی وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے خیر سے محروم ہی رہتے۔ جس کا انجام یہ ہوتا کہ وہ حق سن کر بھی مڑ جاتے۔ جس کی وجہ سے وہ بالکل کوئی نفع حاصل نہ کر سکتے۔ یا تصدیق کر کے پھر وہ مرتد ہو جاتے۔ اور حق سے منہ پھیر لیتے۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے کہ نہ رسول کا انکار کرے نہ شریعت کی مخالفت کرے۔ اگر جانور بے عقل ولاشعور ہو کر حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ تو انسان کیوں مخالفت کرتا ہے۔ اسے تو حکم الٰہی ماننے میں ذرا دیر نہیں لگانی چاہئے۔

(آیت نمبر۲۴) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو جب بھی وہ تمہیں بلائیں اس چیز کی طرف کہ

جس میں تمہارے لئے زندگی ہے۔یعنی وہ اپنے علوم سے تمہارے دلوں کو زندہ کر دیں جو پہلے مردہ تھے۔کیونکہ علم دل کیلئے زندگی ہے۔اور جہالت دل کیلئے موت ہے۔

علم کی فضیلت:

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مردہ دل کو علم سے زندہ فرماتا ہے۔جیسے ویران زمین کو بارش کے قطروں سے نئی زندگی مل جاتی ہے۔

علوم :دینی فنون سے مراد تفسیر حدیث۔فقہ اصول فقہ اور میراث کے علوم ہیں۔نیز عقائد و اعمال صالحہ بھی ان ہی علوم کے اندر ہیں۔جن سے دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے۔آگے فرمایا۔جان لو یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان ہوتا ہے۔یا ہر بندے کا دل اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔

فائدہ :اس میں بندے اور رب کے درمیان انتہائی قرب کی تمثیل ہے۔یعنی مولا کریم اپنے بندے کے دل سے بھی زیادہ قریب ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ اللہ ہمارے دلوں کے تمام خفیہ رازوں سے باخبر ہے۔اسی لئے مولا علی کرم اللہ وجہہ اکثر دعا میں فرمایا کرتے تھے۔اے اللہ میرے وہ امور بخش جن کو تو مجھ سے بھی زیادہ بہتر جانتا ہے۔اور نبی کریم ﷺ اکثر دعا مانگتے تھے۔اے دلوں اور آنکھوں کو بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین کی طرف پھیر دے۔(یا اللہ اپنے پیارے نبی پاک ﷺ کے طفیل ہمارے دلوں کو نرمی عطا فرما۔)

فائدہ :اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو کسی کو آواز نہیں دیتا نہ وہ کسی کو بلاتا ہے۔رسول ﷺ کے بلانے کو یوں سمجھا جائے۔جیسے اسے اللہ تعالیٰ نے بلایا ہے۔

شان رسالت:مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو کسی کام کیلئے آواز دی۔اتفاق سے وہ وقت نماز پڑھ رہے تھے۔نماز جلدی ختم کی اور بارگاہ اقدس میں حاضر ہوگئے۔حضور ﷺ نے پوچھا کہ دیر کیوں لگائی عرض کی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو فرمایا کہ کیا تم نے ارشاد خداوندی نہیں سنا کہ جب تمہیں اللہ و رسول بلائے تو جلدی حاضر ہو لہذا تم نماز چھوڑ کر آجاتے۔

مسئلہ :تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نبی کے علاوہ کسی کے بلانے سے نماز توڑنا جائز نہیں ہے البتہ کوئی بڑا نقصان ہونے کا خطرہ ہو تو پھر جائز ہے۔آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔اور وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزاء یا سزا دے گا۔اس لئے اے بندگان خدا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں پوری کوشش کرو۔اور ان کی فرمانبرداری میں ہرگز کوتاہی نہ کرو۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا

اور بچے رہو فتنہ سے جو نہیں پہنچنے والا صرف ان کو جنھوں نے ظلم کیا تم میں سے خاص کر اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾

بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے

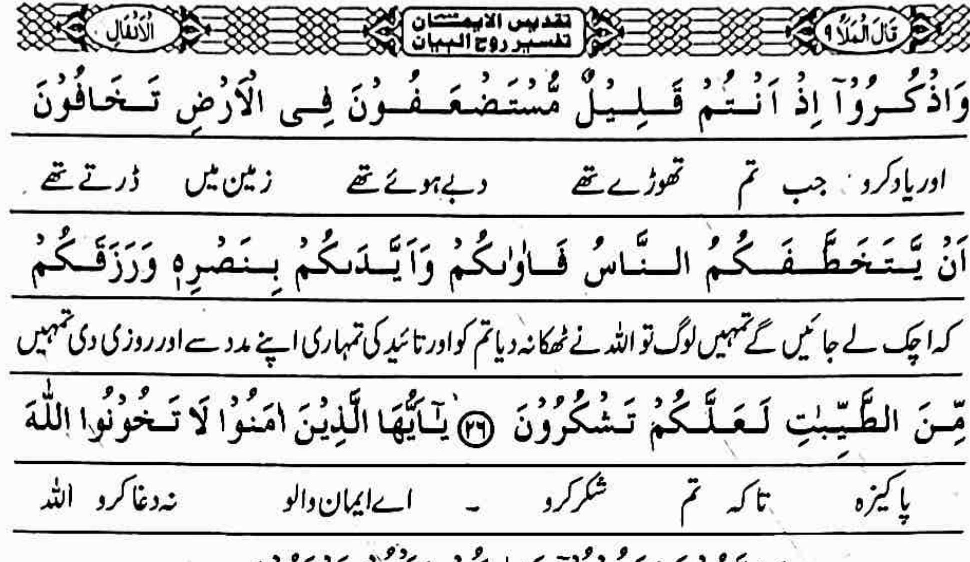
(آیت نمبر ۲۵) اور فتنہ سے ڈرتے رہو (کہ جو اگر بپا ہو گیا) تو نہ پہنچے گا صرف ان کو جنھوں نے ظلم کیا تم میں سے۔ یعنی پھر وہ عذاب سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

شان نزول: حدادی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے وقتوں میں اٹھنے والے فتنوں سے آگاہ فرمایا کہ اس فتنہ میں نہ صرف ظالم مبتلا ہوں گے بلکہ سب لوگ اس رگڑے میں آجائیں گے۔ تو حضور ﷺ نے ان فتنوں سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت پہلے آگاہ فرما دیا تھا بلکہ یزید کی امارت اور اس کے ظلم وستم تک کے تمام واقعات موقع بہ موقع بتا دیئے یہی نہیں بلکہ قرب قیامت کے فتنوں سے بھی حضور ﷺ نے آگاہ فرما دیا تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور میں عظیم فتنوں نے سر اٹھا لیا تھا۔ مذکورہ آیت میں ان فتنوں کا ذکر ہے کہ برائیاں کھلے عام ہوں گی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مخالفت ہوگی۔ کلمہ حق کہنا مشکل ہوگا۔ بدعات سیئہ کا دور دورہ ہو جائے گا۔

آگے فرمایا کہ جان لو بے شک اللہ کی سزا سخت ہے۔ یعنی فتنہ کرنے والا سزا سے کبھی بچ نہیں سکتا۔

حدیث شریف: فتنہ پھیل کر ہمہ گیر سب کو گھیر لیتا ہے تو اسے سخت عذاب ہوگا۔ جو اس فتنے کا بانی ہوگا۔ (رواہ ابونعیم فی الحلیۃ) **حدیث شریف**: فتنہ نیند کی طرح سویا ہوتا ہے۔ بہت بڑا بدبخت آدمی ہے جو اسے جگاتا ہے۔ (اخرجہ امام رافعی فی قزوین)

فائدہ: گناہ جب پھیلنے لگے تو اس کے جاننے والے پر فرض ہے کہ اپنی ہمت کے مطابق اسے روکے۔ ورنہ گناہ کرنے والے کے برابر سزا پائے گا۔ اگر اسے روکنے کی ہمت نہیں تو کم از کم خود تو اس سے نفرت کرے۔ تاکہ دین پر قائم رہ کر اس فتنہ سے بچ جائے اور آخرت کے عذاب سے بچ جائے۔



(آیت نمبر ۲۶) اے مہاجرین وہ وقت یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے۔ یعنی تمہاری تعداد بھی تھوڑی تھی اور قریش مکہ کے باتحت ہونے کی وجہ سے (سرزمین مکہ میں) تمہیں ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ پھر تمہیں اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ جیسی پُرسکون اور تسلی بخش جگہ عطا کی اور بدر کے میدان میں کفار پر اپنی خاص مدد فرما کر تمہاری طاقت میں اضافہ فرمایا اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کی روزی عطا کی۔ اس سے مراد وہ مال غنیمت ہے جو حضور ﷺ کے طفیل امت پر حلال ہوا۔ کیونکہ سابقہ امتوں پر حلال نہیں تھا۔ یہ سب نعمتیں اس لئے دیں تاکہ تم شکر کرو۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کوشش کرتا رہے اور رزق حلال کی تلاش میں پوری جدوجہد کرے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا بہت زیادہ شکر کرے۔ اس لئے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی چھوٹی بڑی بے شمار نعمتیں ہیں اور ہر نعمت پر شکر ضروری ہے۔

(آیت نمبر ۲۷) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو۔

شان نزول: یہ آیت ابولبابہ انصاری کے حق میں نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہوا۔ یہود بنی قریظہ (نے ایک بہت بڑا فتنہ برپا کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کا) دو ہفتہ تک محاصرہ کئے رکھا۔ جب وہ اندر تنگ آ گئے اور ان کے دل میں خوف بھر گیا تو ان کے سردار نے انہیں جمع کر کے کہا۔

کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ تم نے بہت بڑی شرارت کی جس کی وجہ سے تمہارا گھراؤ ہوا اب تین ہی صورتیں ہیں:

۱۔ یہ کہ محمد ﷺ برحق نبی مرسل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے لہذا تم ان پر ایمان لے آؤ۔ کیونکہ ان کا ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ اگر ان پر ایمان لے آئے تو ہمارے جان مال سب بچ جائیں گے لیکن اس کی بات کو وہ نہ مانے۔

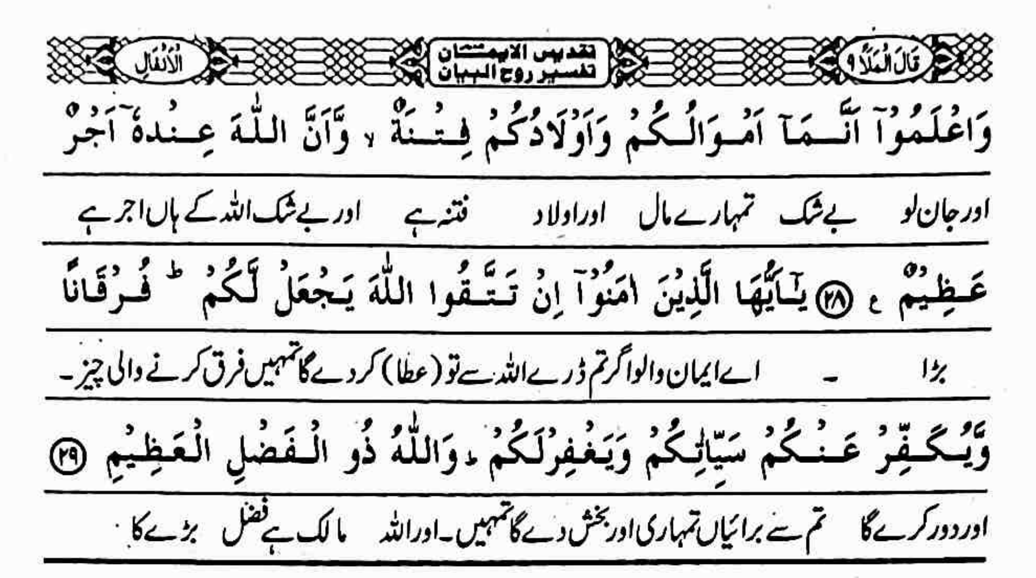
۲۔ تو اس نے کہا دوسری صورت یہ ہے۔ اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دو اور تلواریں لے کر ان کے مقابلے میں چلے جائیں۔ پھر اگر ہلاک بھی ہوئے تو بال بچے کا فکر نہیں ہوگا۔ تو انہوں نے کہا بچوں کو اپنے ہاتھوں کیسے ماریں۔ یہ کام بھی نہیں ہوسکتا۔

۳۔ اس نے کہا پھر تیسری صورت یہ ہے کہ صلح کی درخواست کرو۔ شاید اس میں کوئی بہتر صورت نکل آئے۔

اور حضور ﷺ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ بتاؤ تمہیں کس کا فیصلہ منظور ہے۔ انہوں نے کہا ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دو۔ یہ بات ہم اسے بتائیں گے۔ کیونکہ ابولبابہ کے ان سے تعلقات تھے۔ بلکہ ابولبابہ کا مال اور اولاد بھی ان ہی کے پاس تھا۔ ابولبابہ جب ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان سے مشورہ لیا۔ کہ اگر ہم سعد بن معاذ کو فیصلہ کرنے کیلئے منتخب کرلیں کہ وہ جو بھی ہمارے حق میں فیصلہ کریں ہمیں قبول ہو جائے۔ ابولبابہ نے گلے پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ پھر تو گلے کٹے سمجھو۔ اس کے فوراً بعد انہیں خیال آیا۔ کہ انہوں نے تو اللہ رسول کی خیانت کردی۔ اب وہ حضور ﷺ کے پاس آنے کے بجائے مسجد میں چلے گئے۔ اور ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو بندھوالیا اور کہا اب یا تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرے۔

یا یہیں پر مر جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر میرے پاس آجاتا تو میں دعا مغفرت کر دیتا۔ لیکن انہوں نے خود ایسا کیا ہے، لہذا اب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا۔ تو میں اسے کھولوں گا۔ اب کھانا پینا بھی بند ہے۔ بی بی کبھی ان کی ضروری قضاء حاجت یا وضو کے لئے کھول دیتیں۔ سات دن یوں ہی گذر گئے۔ اور نہ کھانے پینے کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے۔ ساتویں دن اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی۔ تو حضور ﷺ نے انہیں دست اقدس سے کھولا۔ تو انہوں نے عرض کی کہ میں قبولیت توبہ کی خوشی میں اپنا سارا مال صدقہ کروں گا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا ایک تہائی کافی ہے۔

آگے فرمایا کہ آپس کی امانتوں میں بھی خیانت نہ کیا کرو۔ اور تم جانتے ہی ہو۔ کہ خیانت اچھی چیز نہیں ہے۔



(آیت نمبر ۲۸) جان لو کہ مال اور اولاد فتنہ ہے۔ یعنی دنیا میں یہ اسباب ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے انسان کئی قسم کے گناہوں اور خطاؤں میں لگ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے آخرت کے عذاب میں بندہ مبتلا ہوتا ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی بہت بڑا اجر ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عطا پر شاکر و صابر ہیں۔

سبق: ہم پر لازم ہے کہ تمام مقاصد پورے ہونے کی امید اللہ تعالیٰ سے رکھیں تا کہ اس کی کرم نوازی سے خیانت کرنے سے بچ جائیں۔ **لطیفہ**: احمد انطا کی فرماتے ہیں کہ عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن جن چیزوں کو فتنہ فرمایا بدقسمتی سے شیطان نے ہمیں ان کی ہی محبت میں مبتلا کر دیا ہے۔

(آیت نمبر ۲۹) اے ایمان والو جن کاموں کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے ان میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی فرقان عطا فرمائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایسا نور رکھ دے گا۔ جس کی وجہ سے تم حق و باطل میں فرق کر لو گے۔ حلال و حرام کو جدا کر لو گے۔ اور نیکی بدی میں فرق کر لو گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ یعنی تمہارے گناہ ہی معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ یعنی بندوں کے گناہ معاف کرنا اور ان کو پرہیز گاری پر اجر عطا کرنا یہ اس پر لازم نہیں بلکہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ **فائدہ**: شریعت میں تقویٰ یہ ہے کہ تم اپنی امکانی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرو۔ اور حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ یعنی ہر وقت تمہارے دلوں میں خوف خدا ہو۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ

اور جب مکر کیا آپ کے متعلق کافروں نے کہ آپ کو بند کریں یا قتل کریں یا شہر سے آپ کو نکال دیں

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى

وہ مکر کررہے تھے اور خفیہ تدبیر کی اللہ نے۔ اور اللہ بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔ اور جب پڑھی جائیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ

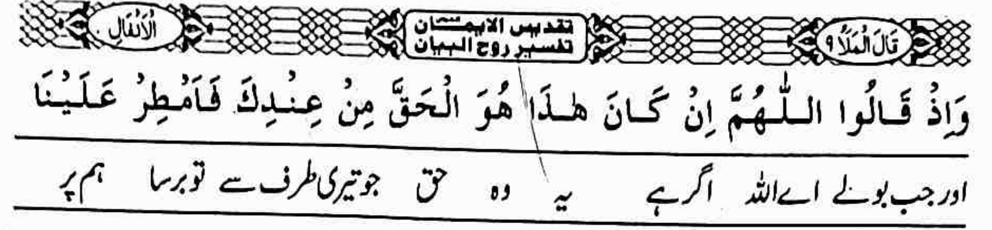
ان پر ہماری آیتیں تو کہتے ہیں تحقیق سن لیا ہم نے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں مثل اس کی

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

نہیں ہیں یہ مگر قصے پہلے لوگوں کے

(آیت نمبر ۳۰) اے محبوب وہ وقت یاد کرو کہ جب کفار مکہ آپ کے ساتھ فریب کاری کررہے تھے کہ آپ کو بیڑیاں ڈال کر جیل میں ڈالیں۔ یہ عمرو بن ہشام کا مشورہ تھا یا آپ کو قتل کردیں یہ ابوجہل کا خیال تھا اور شیخ النجد شیطان کی اسے تائید حاصل تھی اور اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ یا آپ کو جلاوطن کردیں۔ یہ ابوالبختری کا خیال تھا۔ تو فرمایا کہ وہ یہ مکر سوچ رہے تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر سوچ لی۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی تدبیر سب سے بہتر ہوتی ہے۔ **واقعہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کفار مکہ نے دارالندوہ (کمیونٹی سنٹر) میں ایک میٹنگ کال کی۔ جس میں شیخ نجد شیطان بھی شامل ہوا۔ اس میں مذکورہ تینوں رائیں رکھیں۔ شیطان نے ان کی دو رائیں دلائل سے ٹھکرادیں۔ اور قتل والی رائے کو برقرار رکھا۔ چنانچہ اسی رات ہجرت کا حکم الٰہی بھی آگیا۔ ادھر یہ میٹنگ میں پاس ہوا کہ ہر قبیلے کا ایک ایک فرد اکٹھا ہو۔ اور حضور ﷺ کی رہائش گاہ کا معاصرہ کیا جائے۔ جوں ہی وہ باہر نکلیں۔ انہیں قتل کردیا جائے۔ ادھر اللہ کی مرضی ہوئی کہ ان پہرے داروں کے درمیان سے محبوب کو نکالا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو صحیح سلامت کافروں کے گھیرے سے نکال کر لے گیا اور کافر آنکھیں ملتے رہ گئے۔ اور اللہ کی تدبیر کامیاب رہی۔ اور کفار کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

(آیت نمبر ۳۱) اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتیں۔ تو کہتے کہ ہم نے سنا۔ اگر ہم چاہیں تو اس جیسی باتیں ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔ (یہ بات عوام کو بے وقوف بنانے کیلئے کہتے تھے۔ ورنہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ ایسی کلام کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے۔)



وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا

اور جب بولے اے اللہ اگر ہے یہ وہ حق جو تیری طرف سے تو برسا ہم پر

حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٢﴾

پتھر آسمان سے یا لے آ ہم پر کوئی عذاب دردناک

(بقیہ آیت نمبر ۳۱) **شانِ نزول :** نضر بن حارث تجارت کیلئے مختلف ممالک میں جاتا۔ اور وہاں سے عجمیوں کے ناول اور مختلف بادشاہوں کے قصوں اور کئی قسم کی داستانیں خرید کر لے آتا۔ اور مکہ مکرمہ میں لوگوں کو اکٹھا کر کے انہیں کہتا کہ محمد (ﷺ) بھی لوگوں کو گذشتہ قوموں کے حالات بتاتا ہے۔ اور میں بھی تم کو ایسے ہی قصے سنا دیتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ مقولہ نقل کر کے بتایا کہ کیسی بے شرمی اور بے حیائی ہے۔ کہاں قرآن پاک کہ جس نے تمام فصحاءِ عرب کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیا اور کہاں یہ بھونکنا کہ میں بھی ایسا کہہ سکتا ہوں۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی کی انتہاء ہے۔ ورنہ انہیں یہ جملہ بولنے کی ضرورت کیا تھی۔ اگر انہیں اس جیسی کلام لانے کی ہمت ہوتی تو لے نہ آتے۔ انہیں کون سی چیز آڑے تھی۔ اور وہ اپنی جگہ مانتے تھے کہ ایسی کلام کسی انسان کی نہیں ہو سکتی اور نہ اس کے مقابل کلام لائی جا سکتی ہے۔ اور حضور اِن اہل مکہ میں گیارہ سال چیلنج کرتے رہے کہ اس کی مثل کوئی چھوٹی سی صورت ہی بنا کر لے آؤ۔ لیکن وہ بہرے گنگے بنے رہے۔ حالانکہ اپنے آپ کو وہ فصحائے عرب کہلاتے تھے معلوم ہوا وہ صرف ضد اور جلن سے کہتے یہ تو پہلے لوگوں کے قصے ہی ہیں۔ یہ ہم بھی بنا سکتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید جیسا کلام بنانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ قرآن تو صاف کہتا ہے کہ اگر تمام جن اور انسان مل کر قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ قرآن کیا وہ تو ایک آیت بھی نہیں لا سکتے خواہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ پوری دنیا کو ساتھ ملا لیں۔

(آیت نمبر ۳۲) اے محبوب یاد کریں۔ جب نضر اور اس کے ساتھیوں نے رب سے استغاثہ کرتے ہوئے کہا۔ اے اللہ اگر یہ قرآن برحق ہے۔ اور واقعی یہ تیری طرف سے ہے۔ تو پھر ہم پر پتھروں کی بارش نازل فرما جیسے قوم لوط اور اصحاب فیل پر نازل ہوئی۔ یا ہم پر کوئی اور عذاب دردناک لے آ۔ جیسے سابقہ امتوں پر عذاب آئے۔ یہ انہوں نے ہٹ دھرمی یا مزاح کے طور پر کہا۔ **فائدہ:** ان کافروں نے بدر کی طرف نکلتے وقت یہی دعا مانگی تھی۔ اور وہ قبول ہوگئی اور بدر میں ان کا نضر بن حارث سمیت سب کا ہی رگڑا نکل گیا۔ اور وہ اپنے اصلی گھر جہنم میں جا پہنچے۔

تنبیہ : اگر یہ ظالم اس کے بجائے یہ دعا مانگتا۔ اے اللہ یہ قرآن برحق ہے۔ تو ہمیں ہدایت عطا فرما۔ اس سے نفع اٹھانے کی توفیق مرحمت فرما اور اس سے ہمارے دلوں کو شفا اور نور عطا فرما تو کتنا اچھا تھا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ

اور نہیں ہے اللہ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ تو ان میں موجود ہے اور نہیں ہے اللہ عذاب دینے والا ان کو

وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿٣٣﴾

جب وہ بخشش مانگتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر۳۲) لیکن ان بدبختوں نے بجائے خیر مانگنے کے شر مانگ لی۔ یہ ان بدبختوں نے ضد عناد اور جہالت اور حماقت سے اپنے لئے بددعا مانگی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

(آیت نمبر۳۳) کہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ انہیں عذاب دے درآں حال کہ اے محبوب تو بھی ان میں موجود ہو۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجتا۔ جب تک کہ نبی اور اہل ایمان وہاں موجود ہوں عذاب اس وقت آتا ہے جب وہ وہاں سے چلے جائیں۔ کیونکہ عذاب ہمہ گیر ہو کر آتا ہے۔

شان رسالت ہی کا کرشمہ تھا کہ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی وجہ سے ان پر عذاب نہیں آیا، عذاب وہاں کیسے آتا۔ اس لئے یہ قاعدہ ہے کہ دو نقیضیں جمع نہیں ہوتیں۔ یعنی اسی جگہ رحمۃ بھی ہو اور اسی جگہ عذاب بھی آجائے۔

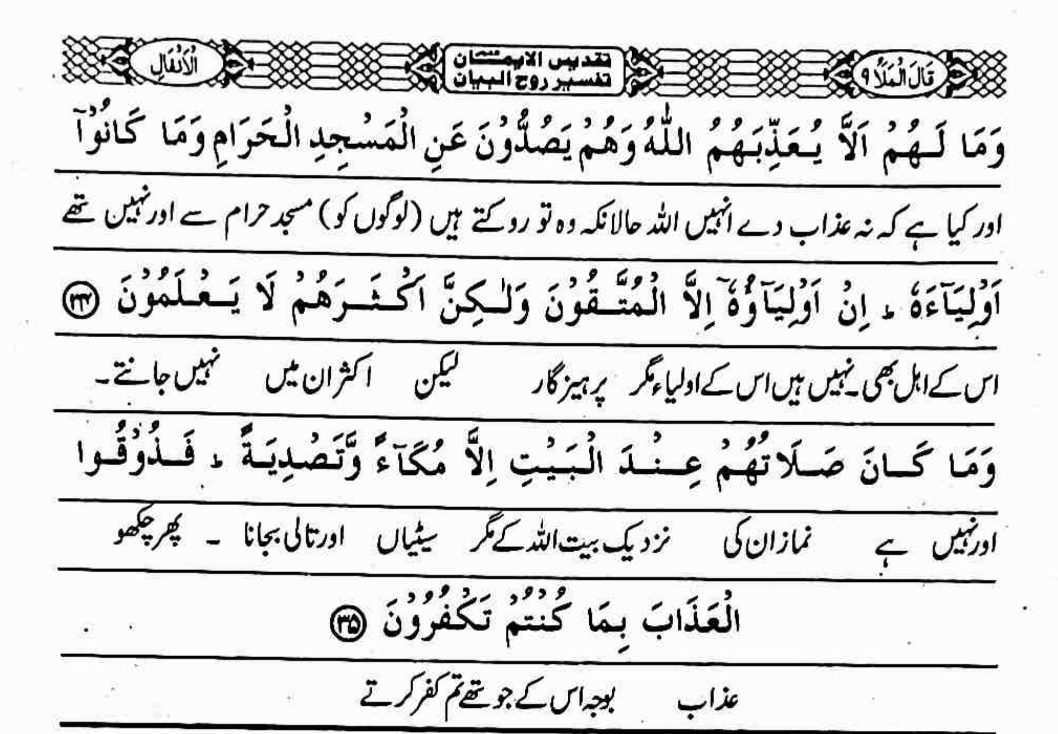
مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ کی شرافت اور بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا مرتبہ اور احترام ہے کہ جہاں وہ ہوں گے وہاں امان ہی امان ہو گی۔ اس وجہ سے وہاں عذاب کو ممنوع قرار دیا۔

شان اولیاء: اسی طرح جہاں اولیاء کرام بھی ہوں گے اور متقی اور پرہیزگار ہوں گے وہاں بھی عذاب نہیں آئیگا۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں۔ کہ میت اس قبرستان میں دفناؤ جہاں کوئی اللہ تعالیٰ کا ولی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے۔

آگے فرمایا اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا ان لوگوں کو بھی اس حال میں کہ وہ بخشش مانگتے ہوں۔

فائدہ: اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں کہ جو اپنی کمزوری کی بناء پر ہجرت نہ کر سکے۔ مکہ میں ہی مقیم رہے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتے رہتے ہیں۔

ارشاد مولیٰ علی رضی اللہ عنہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو امانتیں زمین پر آئیں ایک اٹھ گئی اور دوسری باقی ہے جو اٹھالی گئی۔ وہ حضور ﷺ ذات والا صفات ہے۔ جو وصال فرما گئے اور جو باقی ہے وہ استغفار ہے جو باقی ہے اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔



وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا

اور کیا ہے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ تو روکتے ہیں (لوگوں کو) مسجد حرام سے اور نہیں تھے

اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اس کے اہل بھی۔ نہیں ہیں اس کے اولیاء مگر پرہیزگار لیکن اکثر ان میں نہیں جانتے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا

اور نہیں ہے نماز ان کی نزدیک بیت اللہ کے مگر سیٹیاں اور تالی بجانا۔ پھر چکھو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

عذاب بوجہ اس کے جو تھے تم کفر کرتے

(آیت نمبر ۳۴) اور کیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دے گا۔ یعنی انہیں عذاب پہنچانے میں کون سی چیز باعث رکاوٹ ہے کہ انہیں کسی قسم کا عذاب نہ ہو حالانکہ انہیں اتنی مہلت ملی پھر انہوں نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ اس لئے انہیں لامحالہ عذاب تو ہوگا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ تک آنے سے روکا۔ یعنی حدیبیہ والے سال حضور ﷺ کو حدیبیہ سے واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور خانہ کعبہ کا طواف (اور عمرہ) کرنے سے روکا۔ کیا اس وجہ سے کہ وہ کعبہ کے متولی ہیں۔ جسے چاہیں کعبہ تک جانے کی اجازت دیں اور جسے نہیں چاہیں گے نہیں جانے دیں گے۔ تو اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ تو کعبہ کے متولی بننے کے مستحق ہی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہ تو مشرک ہیں۔ اور مشرک کعبے کے متولی کیسے ہو سکتے ہیں۔ کعبہ کے متولی صرف متقی لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ جو شرک سے بچتے ہیں لیکن ان کی اکثریت جانتی ہی نہیں کہ وہ کعبہ کے متولی نہیں ہو سکتے۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض جانتے تھے کہ وہ کعبہ کے متولی نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس کے باوجود بضد تھے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں اکثر سے کل مراد ہیں۔ جیسے کبھی قلت سے عدم مراد ہوتی ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) اور نہیں تھی مشرکین کی نماز یا دعا بیت اللہ شریف کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور تالیا بجانا یعنی ایک ہاتھ کو دوسرے پر مار کر آواز نکالنا۔ **فائدہ**: یہ کام وہ صرف شرارت کے طور پر کرتے تھے اور اس کا نام عبادت رکھا ہوا تھا کہ ہم بھی اپنی عبادت کر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں سے مزاح کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

بے شک جو کافر ہیں خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں راہ خدا سے۔

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ

تو اب وہ خرچ کرلیں اسے پھر ہوگا ان پر اس کا افسوس پھر مغلوب ہو جائیں گے۔ اور جنہوں نے

كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۙ (٣٦)

کفر کیا وہ طرف جہنم کے اکٹھے کئے جائیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۳۵) **فائدہ:** مشرکین بیت اللہ شریف کے قریب تسبیح و دعا کے بجائے تالیا اور سیٹیاں بجاتے تھے اور کہتے کہ اس سے ہمیں اللہ کا قرب اور ثواب ملتا ہے۔ مروی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین عرب مرد وعورت ننگے طواف کعبہ کرتے اور ایک دوسرے سے ملتے اور ہاتھ ملا کر تالیاں بجاتے اور سیٹیاں بجاتے تھے۔ اس بناء پر وہ عذاب کے مستحق ٹھہرے اس لئے کہ انہوں نے بیت اللہ شریف کی توہین کی ہے۔ لہٰذا اس قسم کے کرتوت کرنے والے کعبہ کے متولی نہیں ہوسکتے۔ **فائدہ:** امام مقاتل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر عبادت کرتے تو کفار زور زور سے تالیاں اور سیٹیاں مارتے۔ تاکہ حضور نماز میں پریشان ہوں اور احسن طریقے سے تلاوت قرآن بھی نہ کرسکیں۔ یہی کام باقی مسلمانوں کے ساتھ بھی کرتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا کرتے ہو۔ تو وہ کہتے تم کیا کرتے ہو۔ مسلمان کہتے ہم نماز پڑھتے ہیں تو وہ کہتے یہ ہماری نماز ہے۔ تو اس کی سزا اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن دی اور فرمایا چکھو۔ اب تم عذاب اور بروز قیامت جہنم میں ڈال کر فرمائے گا۔ اب چکھو عذاب اس کا جو تم دنیا میں کفر کیا کرتے تھے۔ **فائدہ:** معلوم ہوا کفر و معصیت عذاب واقع ہونے کا سبب بنتا ہے اور توبہ استغفار رحمت و بخشش کا سبب بنتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۶) **شان نزول:** یہ آیت کریمہ قریش مکہ کے ان بارہ سرداروں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے بدر میں شریک ہونے والے مشرکین جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان کے کھانے کا بندوبست اپنے ذمہ لیا۔ ہر روز ایک اونٹ ذبح کر کے ان کو کھلاتے تھے اور ان کا یہ عمل عداوت رسول میں تھا۔ اور لوگوں کو سیدھی راہ پر آنے سے روکنے کیلئے کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ وہ جتنا مرضی ہے خرچ کریں۔ بہت جلد ہی انہیں اس خرچہ کرنے پر حسرۃ ندامت اور افسوس ہوگا اور وہ مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیشہ مغلوب ہی ہوتے رہیں گے۔ انہیں کبھی غلبہ نصیب نہیں ہوگا۔

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ

تاکہ الگ کرے اللہ پلید کو پاک سے اور کرے پلیدوں کو اوپر نیچے

فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝۳۷

ڈھیر بنا کر سب کو پھر ڈالے (اس ڈھیر کو) جہنم میں وہ ہی گھاٹا کھانے والے ہیں

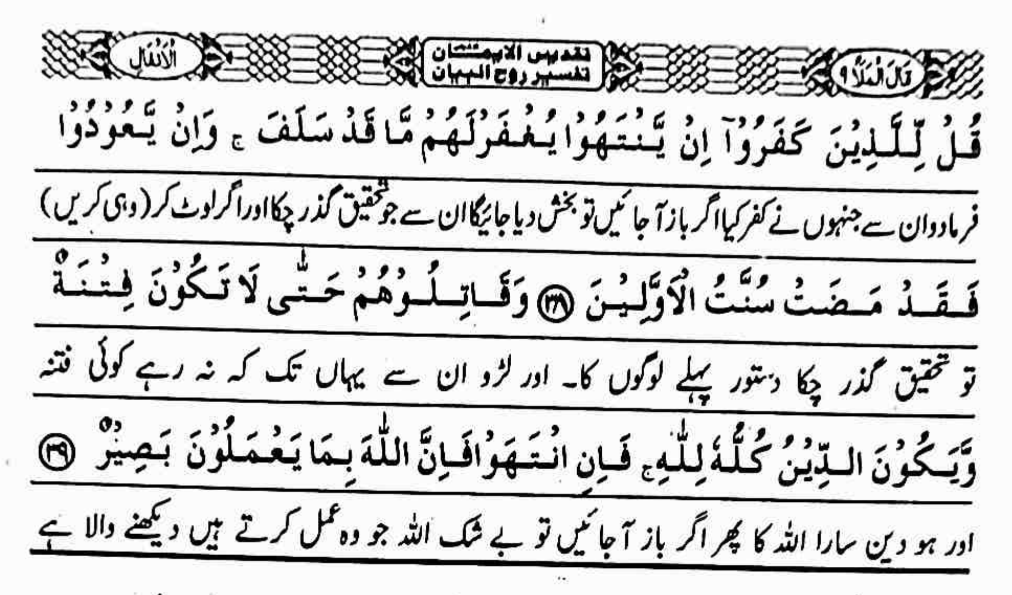
(بقیہ آیت نمبر ۳۶) آگے فرمایا کہ پھر یہ مغلوب بنا دیئے جائیں گے۔ یعنی جب جنگوں کا زور ہوگا۔ تو انجام یہ ہوگا کہ کافر ہمیشہ مغلوب ہی ہوں گے اور جو لوگ اپنے کفر پر ہی قائم رہے۔ وہ سب جہنم کی طرف ہانک کر اس میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۳۷) تاکہ اللہ تعالیٰ جدا کر دے۔ پلید یعنی کفار کو پاک سے یعنی مسلمانوں سے۔ دونوں کو الگ الگ کر دے اور پھر اللہ تعالیٰ ان تمام خباثتوں کو اوپر نیچے اکٹھا کر دے۔ یعنی سب کافروں کو اوپر نیچے جمع کر کے ایک ڈھیر بنائے اور پھر سب کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دے اور یہی کافر لوگ ہیں جو اصل خسارے والے ہیں۔ یعنی پورے طور پر خسارہ ہوا تو ان کو۔ اس لئے کہ انہوں نے مال بھی خرچ کیا۔ جانیں بھی ضائع کیں اور ملا بھی کچھ نہیں اسے کہتے ہیں: "خسر الدنیا والآخرۃ"۔ ع: نہ رب ہی ملا نہ وصال صنم ـــــ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

حکایت: شبلی رحمۃ اللہ علیہ بوقت وفات فرماتے تھے۔ جائز ہے جائز ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اس جائز ہے کا مطلب کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس اور روح کو پیدا فرما کر دونوں کو تجارت میں شریک کیا۔ یہ دونوں عرصہ دراز تک تجارت میں مشغول رہے۔ اب جب دونوں سے حساب ہوا۔ تو دونوں کو اس میں خسارہ ہی رہا کسی قسم کا نفع نہ ہوا۔ اب دونوں آپس میں جدا جدا ہوئے تو میں نے کہا بالکل یہ جائز ہے جائز ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے۔ بروز قیامت اللہ تعالیٰ خبیث مال کے ساتھ اس کے مالک کو بھی جہنم میں ڈال دے گا (تفسیر المیسر)۔ **حدیث شریف**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ سب سے بہتر کون لوگ ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ مومن جو جان اور مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون ہے تو فرمایا کہ وہ شخص جو سب سے الگ ایک گھاٹی میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور اپنے شر سے لوگوں کو اور لوگوں کے شر سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے۔ (ترمذی، بخاری: ۲۶۳۴۔ مسلم ۱۸۸۸)

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ جب لوگوں کے دین میں شر اور فساد پھیل جائے اور ان کے دینی حالات متغیر ہو جائیں تو اس وقت تنہائی میں وقت گذارنا مستحب ہے۔ اسی طرح جب فتنے سر اٹھائیں اور معاملات میں گڑبڑ ہو جائے



قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا

فرمادو ان سے جنہوں نے کفر کیا اگر باز آ جائیں تو بخش دیا جائیگا ان سے جو تحقیق گذر چکا اور اگر لوٹ کر (وہی کریں)

فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

تو تحقیق گذر چکا دستور پہلے لوگوں کا۔ اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے کوئی فتنہ

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اور ہو دین سارا اللہ کا پھر اگر باز آ جائیں تو بے شک اللہ جو وہ عمل کرتے ہیں دیکھنے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) اور لوگوں میں اختلافات پیدا ہو جائیں اور لوگ فضول باتوں میں لگ جائیں تو ان سے علیحدگی اختیار کی جائے جیسے حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اختلافات سے اپنے آپ کو الگ کر لیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلف کا اجماع ہے کہ جب لوگوں کے حالات بدل جائیں تو پھر تنہائی میں ہی سلامتی ہے۔

(آیت نمبر ۳۸) اے محبوب ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر اب بھی وہ رسول کی دشمنی سے باز آ جائیں اور مسلمان ہو جائیں تو انہیں گذرا ہوا سب معاف کر دیا جائیگا۔ یعنی اسلام لانے سے پہلے کی سب خطائیں ان کو معاف کر دی جائیں گی لیکن اگر وہ پھر لوٹیں۔ یعنی دوبارہ بھی اگر جنگ کریں گے تو پھر ہم ان سے بدلہ لیں گے اور انہیں تباہ و برباد کر دیں گے۔ اس سے پہلے لوگوں کا طریقہ گذر چکا۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے زمانے کے کفار جیسے ہلاک ہوئے یا جیسے حضور ﷺ کے دشمن بدر میں ذلیل ہو کر مرے۔ اسی طرح ہر زمانے میں رسول کے دشمن ذلیل ہوں گے۔

(آیت نمبر ۳۹) اے مسلمانوں لڑو کافروں سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ۔ یعنی کوئی مشرک باقی نہ رہے نہ کوئی بت پرست رہے اور سارا دین اللہ تعالیٰ کا ہی ہو جائے۔ یعنی باقی سب دین ختم ہو جائیں یا اس دین میں شامل ہو جائیں پھر اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو جزا اور غیر مسلموں کو سزا دے گا۔ **فائدہ**: معلوم ہوا۔ جہاد سے مقصد ملکوں پر قبضہ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ جہاد کا اصل مقصد کفار کے فتنہ کو ختم کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنا ہے۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

اور اگر وہ پھر جائیں تو جان لو کہ بے شک اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے کتنا ہی اچھا مولیٰ اور کتنا ہی اچھا مددگار ہے

(بقیہ آیت نمبر ۳۹) جہاد کی فضیلت:

ایک گھڑی بھر جہاد میں شریک ہونا۔ لیلۃ القدر کی پوری رات کی عبادت کے برابر ثواب ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو حج کیلئے گھر سے نکلے۔ راستے میں فوت ہو جائے۔ اسے قیامت تک کے حجوں کا ثواب جو عمرہ کیلئے گھر سے نکلے راستے میں فوت ہو جائے۔ اسے قیامت تک عمرے کا ثواب اور جو جہاد کیلئے گھر سے نکلے اور فوت ہو جائے۔ اسے قیامت تک جہاد کا ثواب ملتا رہے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

سبق: عقل والے پر لازم ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو وہی کام کرے جو اس کے دین کو زندہ کرے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اسے انعامات سے نوازے اور جو انعامات دین کے زندہ کرنے والوں کو ملتے ہیں دیگر اعمال پر اتنے انعامات نہیں ملتے لہذا بندوں کو چاہئے کہ وہ مخلوق سے کسی قسم کی امید نہ رکھیں کیونکہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ خصوصاً کسی ظالم سے کسی طرح کی مدد حاصل نہ کی جائے۔

(آیت نمبر ۴۰) پھر اگر وہ حق قبول کرنے سے منہ پھیر لیں تو اچھی طرح جان لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مالک و مولیٰ ہے۔ اسی پر بھروسہ کرو۔ کیونکہ بہت ہی اچھا وہ مولیٰ ہے کہ وہ اپنے پیاروں کو ضائع نہیں کرتا اور کتنا ہی اچھا مددگار ہے کہ بہ یک وقت سب کی مدد کرتا ہے۔

فائدہ: یعنی اس بات کا یقین کر لو کہ سب کچھ تمہارے مالک و مولیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہر بات میں تمہاری مدد کرے گا۔ **حدیث شریف**: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ باتوں کا ہم سے وعدہ لیا ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی پوری ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے گا:

۱۔ بیمار کی بیمار پرسی کرنا۔
۲۔ جنازہ میں شرکت
۳۔ علماء کی خدمت میں حاضری دینا۔
۴۔ جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کرنا۔
۵۔ لوگوں کو ستانے کے بجائے گھر پر رہنا۔

الحمد للہ جلد سوم اختتام ہوئی

یادداشت